قرآن میں
شعر و شعراء

کاوش
علی شرف الدین

قرآن میں

شعر و شعراء

کاوش

علی شرف الدین

دار الثقافة الإسلامية پاکستان

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب ——— قرآن میں شعروشعراء
کاوش ——— علی شرف الدین
ناشر ——— دارالثقافۃ الاسلامیہ پاکستان
سال طبع ——— ذی الحجۃ الحرام ۱۴۲۸

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ
وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا
يَعْمَلُونَ

”جبکہ ان کے مقابلے میں ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ
پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔“ (نور ۲۴)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمہید

حمد وشکر، اس ذات کیلئے مخصوص ہے جس نے ہمیں عالم اوھام وخیال اضغاث واحلام میں بات کرنے والا نہیں بنایا:

﴿بَلۡ قَالُوۡا اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ بَلِ افۡتَرٰہُ بَلۡ ھُوَ شَاعِرٌ فَلۡیَاۡتِنَا بِاٰیَۃٍ کَمَا اُرۡسِلَ الۡاَوَّلُوۡنَ﴾ ''بلکہ یہ تو کہتے ہیں کہ یہ قرآن پراگندہ خوابوں کا مجموعہ ہے، بلکہ اس نے ازخود اسے گھڑ لیا ہے، بلکہ یہ شاعر ہے ورنہ ہمارے سامنے یہ کوئی ایسی نشانی لاتے جیسے کہ اگلے پیغمبر بھیجے گئے تھے۔'' (انبیاء ۵)

حمد، اس ذات کیلئے مستحق ہے جس نے حقیقت گوئی کیلئے لسان صدق بخشا:

﴿وَلِسَانًا وَّشَفَتَیۡنِ﴾ ''اور ایک زبان اور دو ہونٹ؟'' (بلد ۹)

حمد، اس ذات کیلئے سزاوار ہے جس نے ہمیں ایسے طریقہ گفتگو سے دور رکھا ہے جو نبی کریم ﷺ کیلئے سزاوار نہیں تھا، حمد اس ذات کیلئے لائق ہے جس نے اس عضو گویا کو بھی اپنے اوامر ونواہی کا پابند بنایا ہے:

﴿یَوۡمَ تَشۡھَدُ عَلَیۡھِمۡ اَلۡسِنَتُھُمۡ وَاَیۡدِیۡھِمۡ وَاَرۡجُلُھُمۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ﴾ ''جبکہ ان کے مقابلے میں ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ پاؤں ان کے اعمال کی گواہی دیں گے۔'' (نور ۲۴) ﴿اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیۡرًا﴾ ''یقیناً ہم نے تجھے گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔'' (فتح ۸)

حمد وشکر فراواں اس ذات بابرکت کیلئے مخصوص ہے جس نے انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر محیط دین وشریعت نازل کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا﴾ ''آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا۔'' (مائدہ ۳)

اس آیت کریمہ کے تحت اسلام، انسانی زندگی کے اعتقادی، اقتصادی، اجتماعی اور معاشرتی تمام مسائل کا حل رکھتا ہے۔ اس آئین ودستور کے حدود اور دائرے میں رہنے والوں کیلئے خداوند متعال نے اپنے عظیم المرتبت نبی خلیل ﷺ کے ذریعے اسم گذاری کرتے ہوئے ان کا نام ''مسلمین'' رکھا ہے، لہٰذا مسلمان وہ ہے جو زندگی کے تمام شعبوں میں قرآن اور سنت رسولؐ کے پابند رہیں، وہ انسان مسلمان کہنے کا مستحق نہیں

ہے جو کسی بھی قسم کی بہانہ تراشی کرتے ہوئے زندگی کے کسی بھی شعبہ میں کو دین وآئین سے یہ کہہ کر روگردانی کرے کہ ''یہ قومی وعلاقائی تہوار ہے، نئے دور کے تقاضوں کو پورا کرنا ہے، ہم آپ کے ساتھ ثقافتی اور ادبی اشتراک رکھتے ہیں'' وغیرہ۔

اسی طرح نثر، شعر اور کبھی ادب کے نام سے انسانِ مسلم کو حدود شریعت سے آزاد کرنا اسی کاوش کی ایک کڑی ہے۔ مشرکین عرب نے بھی نبی اسلام ﷺ کیلئے اسے بطور تجویز پیش کیا تھا۔ انسانِ مسلم کو ایسے حالات میں دورِ جدید کے مشرکین کو وہی جواب دینا چاہیے جس کا ذکر اس آیت میں:

﴿قُلۡ یٰۤاَیُّھَا الۡکٰفِرُوۡنَ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ لَکُمۡ دِیۡنُکُمۡ وَلِیَ دِیۡنِ﴾ ''آپ کہہ دیجئے کہ اے کافرو! نہ میں عبادت کرتا ہوں اس کی جس کی تم عبادت کرتے ہو نہ تم عبادت کرنے والے ہو اس کی جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ میں عبادت کروں گا جس کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کر رہا ہوں۔ تمہارے لئے تمہارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے۔'' (سورۂ کافرون)

یہاں اس حقیقت سے کشف نقاب کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ دور حاضر کی ثقافتی جنگوں میں سے ایک سرحد ''ادب'' ہے۔ یہ بات ہم سب بخوبی جانتے ہیں کہ ادب، دین وآئین سے ایک مافوق شے ہے۔ اسی طرح نئے انسان کو ورغلانے اور گمراہ کرنے کیلئے بچھائے جانے والے جالوں میں سے ایک ''اصطلاحات'' ہے، نئی اصطلاحات وضع کر کے انسان کو مدہوش کر کے جادۂ مستقیم سے منحرف کیا جاتا ہے، انہی اصطلاحات میں سے ایک کلمۂ ادب ہے۔ کلمہ ادب، انسانی زندگی میں ایک نئی اصطلاح ہے جو بیسویں صدی کے ابتداء میں جعل کی گئی۔ لہٰذا مناسب ہوگا ہم جو ادب سے ناآشنا ہیں ادب کے ایک زاویے پر قرآن وسنت کی روشنی میں ایک کاوش پیش کریں۔

ادب

کلمۂ ادب کو اس وقت جن دو تصور ومفہوم میں لیا جاتا ہے وہ دور جاہلیت اور آغاز ظہور اسلام کے موقع پر متصور نہیں تھے، لہٰذا ضروری ہے جن ادوار ومراحل سے اس کلمے کے معانی گزرے ہیں ان کی طرف اشارہ کیا جائے۔ اس سلسلہ میں عصر حاضر کے علمائے ادب فرماتے ہیں کلمہ ادب کے تاریخی ادوار کو تین مراحل میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ عصر جاہلیت اور صدر اسلام: یہ کلمہ اخلاق، طبیعت سلیم اور متوازن کردار کے حامل افراد کیلئے استعمال ہوتا تھا اسی مفہوم میں یہ حدیث شریف پیش کرتے ہیں جہاں نبی کریمؐ نے فرمایا: ''ادبنی ربی و احسن تحلیلی'' یہاں یہ کلمہ اپنے طبیعی حالات میں استعمال ہوا ہے۔

۲۔ اسلام نے اصول آداب وضع کئے اس حوالے سے دین خود ادب ساز ہے یعنی دین انسان کو رہن سہن کے طور وطریقے سکھاتا ہے۔ اس سلسلے میں علماء نے بہت سی کتب تحریر کیں ہیں ان کتابوں میں آداب اکل وشرب بیان ہوئے ہیں کہ انسان کیسے کھانا کھائے نیز کھانا کھانے کے کیا آداب ہیں؟

اس سلسلے میں لکھتے ہیں، انسان کو کھانا کھانے سے پہلے ان آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے:

- جو کھانا وہ کھانا چاہتا ہے از روئے شریعت حلال ہو یعنی ان کی اپنی شرعی ودرست کمائی کی ہو یا کسی نے رضا ورغبت سے پیش کیا ہو۔
- کھانے سے مقصد اپنے اندر طاقت وتوانائی لائیں تا کہ آسان طریقے سے خدا کی اطاعت و بندگی کریں کھانے سے صرف لذت اور لطف اندوزی یا پیٹ بھرنا مراد نہ ہو۔
- انسان کو جو ملے اس پر راضی ہو۔
- اسی طرح اجتماعی طور پر کھانے کی تعریف کی گئی، چنانچہ اس سلسلے میں قرآن میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جو کھانے پر دوسروں کو دعوت نہیں دیتے۔

۳۔ **آداب سماع**؛ دوسروں کی آواز والہام کو سننا۔ جس طرح انسان کھانا کھانے میں آزاد نہیں کہ جو چیز بھی مل جائے وہ کھائے، اسی طرح آداب سماعت اور گفتگو میں بھی وہ خاص اصول کا پابند ہے، انسان اپنی ترکیب کی رو سے ہر قسم کی موسیقی اور قصے کہانیاں سننے میں آزاد وخود مختار نہیں، چنانچہ روایات میں آیا ہے: ”جس نے اپنے کان کو کسی بھی آواز کی طرف لگایا گویا اس نے اس کی بندگی کی۔“ جبکہ انسان صرف خدا کا بندہ ہے، خداوند متعال نے ہر انسان کیلئے رقیب وعتید اور کراماً کاتبین مقرر کیا ہے، لہٰذا انسان کو بولتے اور سنتے وقت رضا اور خوشنودی خدا کا خیال رکھنا چاہیے۔ مزید تفصیل، کتب اخلاق میں ملتی ہے۔

غرض معلوم ہوا ادب، اخلاق کو کہتے ہیں اور اسلام ایک کامل اخلاق ہے جس میں تربیت کی روش، تاکید واہمیت بیان ہوئی ہے۔ دور بنی امیہ میں تعلیم وتربیت کے فریضے کی انجام دہی کرنے والوں کو ”مودبین“ کہا جاتا تھا اسلام کے ابتدائی دور میں تعلیم وتعلم شریعت تک محدود تھی، لیکن گزشت زمان کے ساتھ اس میں گزشتہ کے اخبار، نسب، لغت سکھانے والوں کو بھی مودب کے نام سے پکارا جانے لگا، یہاں سے معلوم ہوا یہ کلمہ صدر اسلام کے بعد سے تعلیم وتربیت اور ہر قسم کے لکھنے پڑھنے کیلئے استعمال ہوا ہے۔ ابن خلدون ادب کی تعریف میں کہتے ہیں: ”اس علم کا کوئی موضوع نہیں، بلکہ اس کے ثمرات مراد ہیں“ تعلیم نثر میں ہو یا نظم میں، جہاں بھی عرب کے انداز واسلوب بیان کا خیال اور اس کی پیروی کی گئی ہو یہ کلمہ استعمال ہوا ہے۔

رفتہ رفتہ گزشت زمان کے بعد یہ کلمہ عرب کے اشعار، کلمات، خطب، مکالمے کیلئے بھی استعمال ہونے لگا۔ خلفائے بنی امیہ کے دور میں بھی کثیر مشتقات ہونے کے باوجود اس زمانے میں بھی کلمہ ادب استعمال نہیں ہوا، یہاں تک بنی عباس کے دور میں یہ کلمہ اپنی جمع ادباء یعنی شعر اور معقولات جمع کر کے لکھنے والوں کیلئے

استعمال ہوا، چنانچہ تیسری صدی کے دوسرے پچاس سال میں یہ کلمہ مروج ہوا، سب سے پہلے ”خلیل بن احمد فراہیدی“ صاحب عروس نے ۱۷۵ھ میں اس کلمے کا استعمال اپنے جملات میں ”معـرفة الادباء آفت العرفا“ وغیرہ سے کیا ہے۔ [موسوعہ مصطلحات، آداب العرب]

۴۔ اب یہ بات صاحبان عقل وشعور اور دین ودیانت پر بصر وبصارت رکھنے والوں پر واضح وآشکار ہوئی کہ کلمہ ادب، اپنے ابتدائی اور دوسرے طبیعی وعقلی مراحل سے گزر کر تیسرے مرحلے میں داخل ہوا تو پورے کے پورے ادب کو زمان جاہلیت کے ان اشعار سے مختص کیا گیا۔ اس طرح جاہلیت کی تمام منکرات، شراب نوشی، فاحشہ وبدکار عورتوں سے لگاؤ پر مشتمل اشعار کو ادب اور اس پر تصنیف وتالیف اور انشاء وانشاد کرنے والوں کو ادیب بھی کہا جانے لگا۔ یہ تسلسل جب چوتھے مرحلے میں داخل ہوا یعنی اسلام اپنے طبیعی مرحلے سے گزرتے ہوئے غیر عربوں میں داخل ہوا اور نو مسلموں نے فہم اسلام کیلئے عربی زبان کو اپنانا چاہا تو انہیں قرآن اور سنت کی لغت سے آشنا کرنے کی بجائے جاہلیت کے ضالؓ و مُضل اور فاسد اشعار کو قرآن اور دین فہمی کیلئے ضروری گردانا گیا، یہاں تک اسے دینی درسگاہوں میں ناقابل تردید وتشکیک نصاب اور ضرورت قرار دیا گیا اور یہ انحراف اب تک جاری وساری ہے۔

۵۔ غیر عرب مسلمانوں اور دین سے نفاق برتنے والوں نے ادب کے نام سے دینی معارف ومفاہیم کو اپنی زبان میں اشعار کے ذریعے پیش کرنے کی مہم چلائی اور بعد میں اسے وسعت دیتے ہوئے علاقائی ادب وثقافت قومی ادب اور کبھی دنیا کفر وشرک کے ادب کو بھی اس میں شامل کیا جس کی وجہ سے دین ودیانت مردان حق تحت الشاع آ گئے۔ ادیب کے نام سے دین سے لاتعلق وبیزار یا دین کی بنیادوں کو مسمار اور رجڑوں کو بوسیدہ کرنے والے سامنے آئے اور یہ سلسلہ بھی ابھی تک انتہائی شد ومد کے ساتھ جاری ہے۔

ادب برائے ادب

ادب وہ بیان ہے جس میں انسان اپنے افکار ونظریات کو سہل وآسانی سے دوسروں میں منتقل کرتا اور انہیں متاثر کرتا ہے۔ ادب کے ذریعے تاریخ بشریت میں گزرنے والی اور حاضر تمام اقوام وملل، دوسروں تک اپنی فکر ونظر، دین ومذہب پہنچاتے ہیں گویا ادب ابلاغ کا ایک بہترین ذریعہ ہے اس کی اہمیت کی پیش نظر دنیا میں جگہ جگہ ادب کے حوالے سے بہت سے مدارس ودرسگاہیں وجود میں آئی ہیں۔ اپنے اندر ظرف کی مانند جمع حشویات یعنی مفید وغیر مفید، ضروری اور غیر ضروری افکار کو جمع کرنا انسان کی طبیعت ہے، بعض اوقات کچھ طاقتیں اپنے ادب کو دوسروں میں منتقل کرنے کیلئے بہت سعی وتلاش کرتی ہیں، وظائف وانعامات کی صورت میں کثیر رقم خرچ کی جاتی ہے، تا کہ ان کے ادب کو فروغ ملے، لیکن پس پردہ اہم شوم اور سیاہ مقاصد

واہداف رکھتے ہیں پہلے مرحلے میں وہ اپنے باطل والحادی افکارونظریات کوعلم وادب کے نام سے متعارف کرواتے ہیں،دوسرے مرحلے پرخاص شخصیات اور عام لوگوں کے اذہان کوخریدتے ہیں،تیسرے مرحلے پرذہین،لائق اورسرگرم افرادکودین وملک کے مسائل سے غافل رکھتے ہیں،جبکہ چوتھے مرحلے میں دین و شریعت سے آزادکرنے کیلئے افکارونظریات گھڑے جاتے ہیں اورانہیں ادب برائے ادب کانام دیا جاتا ہے،تا کہ کوئی اعتراض نہ کرسکے۔

بزم ادب

بزم مجلس کو کہتے ہیں اورادب سے مرادعلم ودانش ہے یعنی مجلس علم ودانش ممکن ہے بزم ادب سے مرادیہ ہو کہ اس مجلس میں علم و دانش پر بحث ہوگی یا یہ دانشمندوں کی محفل ہے۔ یہ تھااس کلمہ کا معنی ومفہوم،لیکن حقیقت میں یہ کہاں تک اپنے معنی ومفہوم سے مطابقت رکھتی ہے۔وہ خداہی جانتا ہے۔

عام طور پرمشاہدہ میں آیا ہے یہ محترم نام برے افکارنظریات پھیلانے کی محافل مجالس کیلئے استعمال کرتے ہیں،تا کہ یہ اچھانام برے اعمال کی چھت بنے۔بعض اوقات یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ بڑے شعراء معاشرے کے پست حقیر،لا اُبال اوربے ادب لوگوں کواس نام سے جمع کرتے ہیں اورانہیں کھلی آزادی دیتے ہیں کہ وہ شرافت،اقدار،فضیلت،شرفاءدین ودیانت اورصاحبان عزت کے خلاف جتناہوسکے جسارت اہانت کریں،کبھی اپنے عزائم کی چھت گرنے یا گرانے کے اندیشہ میں ان کوڈانٹتے بھی ہیں،کبھی مزید جسورو گستاخ بنانے کیلئے حوصلہ افزائی بھی کرتی ہیں اوران کواپنے آقای سرکاری چمکانے کیلئے پیچھے لے کر چلتے ہیں۔یہ گروہ عام چورڈاکوؤں سے زیادہ خطرناک ہے،کیونکہ روایتی چورلوگوں کے ڈر سے تاریکات میں سوتے وقت یا گھر خالی ہونے کے موقع پرڈاکے ڈالتے ہیں،انھیں ہرلمحہ یہ ڈرر ہتا ہے کہ کہیں سونے والے اٹھ نہ جائیں یا باہر جانے والے گھرواپس نہ آئیں،لیکن یہ لوگ ظاہری میدان میں آتے ہیں،انہیں داد دینے والے موجودہوتے ہیں،اپنی جگہ پرامید ہوتے ہیں کہ ہمارے سامعین ضمیر ووجدان کے حوالے سے سوئے ہوئے غافل انسان ہیں جن کے بیداہونے کی کوئی امید نہیں۔لہٰذا یہ جی بھر کر جنایت کرسکتے ہیں۔

ادبِ زبان

کسی بھی زبان کوایسے شعر،نثر،نادر،نازک،خیالات اورلطیف معانی کے ساتھ پیش کیا جائے جس سے زبان میں شائستگی اورنزاکت پیداہوجائے اسے "ادب زبان" کہتے ہیں۔اس سلسلے میں دنیامیں رائج اورزندہ زبانیں ہمارے سامنے ہیں جن میں سب سے وسیع وعریض لائق وشائستہ اورنزاکت وشائستگی کی صلاحیت رکھنے والی زبان "عربی" ہے جودنیا میں رائج زبانوں میں سب سے قدیم زبان ہے۔زبان بھی گذشت زمان کے ساتھ عمر رسیدہ ہوکرصفحۂ ہستی سے مٹنے والی تھی،لیکن قرآن وحدیث نے اس زبان میں ایک نئی روح پھونکی۔

قرآن کریم اور نبی عظیمؐ کے طفیل عربی کوایک محکم سندومعانی اورحقائق سے لبریز زبان ہونے کا شرف ملا۔ یہاں سے مسلمان اس زبان میں گفتگوکرنے کواپنا طرۂ امتیاز سمجھنے لگے،لہٰذادین اسلام کے مبلغین نے اپنی دعوت کوآگے بڑھاتے وقت دوسری قوموں کی زبان سیکھنے کی بجائے اپنی زبان میں دعوت کوزیادہ سزاوار سمجھا۔ جس قوم کوبھی دعوت دی گئی وہاں کے لوگوں نے بھی اس دین کے ساتھ اس کی زبان (عربی) کا بھی استقبال کیا،یہاں تک کہ اس دین سے عداوت ودشمنی رکھنے والے بھی اس زبان کوسمجھنے کیلئے عرق ریزی سے کوشاں ہوئے،جس کا واضح ثبوت فارس کے وہ افراد ہیں جوچندصدی کے اندرہی اس زبان کے ماہر بنے۔

ہمارے خطے کے ہروہ شخص جواپنے مسلمان ہونے پراحساس وناز کرتا ہے اسے تمام قومی،علاقائی زبانوں کوخیرباد کہہ کرخودکوعربی اوراردوزبان میں مستغرق کرنا چاہیے،تا کہ اس وسیع وعریض آبادی میں ہرمسلمان دوہی زبانوں سے آشنا ہوں ایک عربی اوردوسری اردو جو دین کی ترویج کے ساتھ ملت کی وحدت کا بھی ضامن بنے۔سب جانتے ہیں کہ قوموں کے افتراق وانتشار کی دودھاری تلوارقومی زبان ہی ہے جوقوموں کوچیرنے کے ساتھ اسے داغدار بھی کرتی ہے۔دوسرے مرحلے میں ہمیں اردوزبان ان عناصر ترکیبی اوراس کی تاریخ پرتوجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اردوکلمہ،جیسا کہ

- صاحب "جامع اللغات" خواجہ عبدالمجید نے لکھا ہے:مذکر ہے جولشکر،فوج اورلشکر گاہ کوکہتے ہیں۔
- بعض نے لکھا ہے یہ مونث ہے اورہندوستان کی وہ زبان ہے جودھلی،لکھنؤ اور پنجاب کے مشرقی اضلاع حیدرآباد دکن وغیرہ میں بولی جاتی ہے۔
- معلّی،مضبع اور مستند اردو۔اردولغت،اردوبورڈ کراچی میں لکھا ہے:

"اردولشکر،سپاہ،فوج،چھاونی چونکہ چھاونی میں مختلف قبائل کے لوگ جمع ہوتے ہیں۔برصغیر پاک وہند کے اکثر علاقوں میں یہی زبان بولی جاتی ہے اس زبان میں عربی،فارسی،ترکی،یورپی اورسنسکرتی کے کلمات موجود ہیں۔"

اگراس زبان کی تاریخ پرنظر دوڑائی جائے تو معلوم ہوگا یہ زبان چندزبانوں سے مخلوط ہے جس میں سنسکرت ترکی،فارسی،انگریزی سب شامل ہیں،جوبھی قوم یا گروہ استعماری،استثماری عزائم لے کراس سرزمین پر مسلط ہوااس نے حیلہ بہانہ،رشوت ستانی اور بزورطاقت اپنی زبان کویہاں مسلط کرنے کی کوشش کی سوائے عربی کے چونکہ عربی زبان ایک ایسی دعوت کی زبان ہے جس نے ببانگِ دھل یہ اعلان کیا:﴿لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ﴾ لہٰذااس میں استعمار،استثمارگری اوراستحصال کا شائبہ تک نہیں،عربی زبان اپنے مدعی پرفراواں دلائل و منطق رکھنے پرناز کرتی ہے۔اگراس خطے میں عربی زبان بولی جاتی ہے تو وہ یہاں کے لوگوں کی اپنے دین سے محبت اورشغف کی وجہ سے ہے۔ہمیں مسلم صادق بننے کیلئے استعماری اوراستحصالی زبانوں کی جگہ عربی

کلمات کو جاگزین کرنا چاہیے، تا کہ دین سے انس ومحبت قائم رہے۔

ادب اسلامی

دین اسلام میں ادب کے تصور سے مراد یہ ہے کہ انسان مسلم اپنی زندگی کے تمام نشیب وفراز، کردار وگفتار رہن سہن اور فکر وعمل میں قرآن وسنت کی انعکاسی کرے، خود کو قرآن وسنت کا پابند ہونے اور اس کی تعلیمات کے مبلغ ومروج پیش کرنے کے ساتھ روزمرہ کے درپیش حیاتی مسائل میں قرآن وسنت کے نقطہ نظر کو پیش کرے، اس سے کوئی ایسی حرکت صادر نہ ہو جو قرآن وسنت کے خلاف ہو، لہٰذا اسلام ادب کو قرآن وسنت سے مافوق کوئی حقیقت تصور نہیں کرسکتا، چنانچہ ہم عصر حاضر میں بزم ادب کے نام سے ہونے والے تمام اجتماعات اور سرگرمیوں کو مسترد کرتے ہیں۔ اسلام ایک دین الٰہی ہے جو حیات بخش ہے، ایک مسلمان زندگی کے کسی بھی شعبے میں اسلام سے ہٹ کر الگ کوئی کردار ادا نہیں کرسکتا، لہٰذا دور حاضر میں بزم ادب کے نام سے منعقد ہونے والی تمام سرگرمیاں اسلام سے بغاوت ہیں ان کے منعقدین اور شرکاء مذموم عزائم کے حامل ہیں جو اپنے کفر کے اس جوش وجذبے کو جو مسلمان معاشرے کی وجہ سے دبا ہوتا ہے آزادو ظاہر کرنا چاہیے ایسے ناموں اور پروگراموں کا سہارا لیتے ہیں، انہی لوگوں نے شاعروں کے مقام ومنصب عزت وحیثیت کیلئے پیغمبر اصحاب وآئمہ سے تعریفیں جعل کی ہیں یا ضعیف کو مستند کی جگہ پیش کیا ہے، تا کہ ان کی زندگی کے سیاہ صفحات سے اپنے سیاہ وتاریک صفحات پر پردہ ڈالیں اور بطور جواز وعذر پیش کرسکیں، گویا ادب ایک ایسی چیز ہے جس کی راہ میں بڑے سے بڑا گناہ رکاوٹ نہیں۔

ارمان وارمغان اور لذیذ وغیر مشروع خواہشات رکھنے والوں کا اصرار ہے ادب کو دین ومذہب کے مافوق ہی رکھنا چاہیے تا کہ ادیب اپنے مافی الضمیر کو جہاں سے اور جس طرح سے اٹھانا اور پیش کرنا چاہے پیش کرسکے۔ ان کی نظر میں ادب اسلامی ایک محدود، غموض اور ملموس ادب ہے، جہاں ادب کے شہسوار کو ادبی میدان میں جولان اور بھاگ دوڑ کا بہت ہی محدود میدان میسر ہے، لہٰذا انہیں بہت سی دیواروں سے ٹکرانا پڑتا ہے۔ کہتے ہیں:

> ”ادب اسلامی چند آداب کا نام ہے، اس میں کہیں صدق کی تعریف اور کہیں کذب کی مذمت آئی ہے، کبھی جنت کے حصول کا شوق ورغبت دلانے کیلئے حور وغلمان کی بات کی جاتی ہے اور کبھی کسی ولی وامام کی میلاد میں مدائح وقصائد یا شہادت کے موقع پر مراثی وتابینات ہیں۔“

لیکن یہ منطق اپنی جگہ بے منطق ہے۔ یہاں بعض افراد، دینی ومذہبی ادب کو زیق وتنگ گردان کر اسے ناپسند و نامطلوب کہتے ہیں اور اہل دین ومذہب کے مادرزاد ادب کو فحشات ومنکرات کی اشاعت وترویج بفروغ شہوات اور شوق جنسیات کا سبب گردانتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے، ایسا ادب شرف انسانیت سے بہت دور نظر آتا ہے، کیونکہ ادب کے معانی پہلے سے ان کے اذہان میں واضح نہیں ہیں۔ یہ لوگ انتہائی درجے کے مفاد

پرست اور منافق انسان ہیں جو ادب کے بہانے اسلامی معاشرے میں بے دینی، عریانی وفحاشی اور جھوٹ و فریب کا جال بچھانا چاہتے ہیں۔ ادب درحقیقت دو عنصر سے مرکب ہے جس میں ایک صورت الفاظ ہے جسے صورت فنی کلمات بھی کہہ سکتے ہیں اور دوسری صورت اہداف ومعانی ہے، اہداف کو الفاظ کے لباس میں پیش کیا جاتا ہے۔

دین اسلام کے عقائد، احکامات، خلاق اور مثالی سلوک اپنی جگہ علم ومعنی کے اقیانوس ہیں۔ سریع الفہم قوت سماعت کیلئے پسندیدہ، عقل کیلئے معقول اور دل کیلئے بامعنی وبامفہوم محتوی ومعانی کو کلمات والفاظ کے لباس میں پیش کرنے کو ادب کہا جاتا ہے، جیسے قرآن کریم نے ایک ہی کلمہ میں بیان فرمایا ہے:

﴿عَلَّمَ الْقُرْآنَ... عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ (رحمان ۲،۴) یعنی ہم نے انہیں قرآن سکھایا جو معانی کا اقیانوس ہے۔ ہم نے اپنے نبی مکرم کو اتنی قوت وصلاحیت بیان دی ہے کہ جاہل وان پڑھ انسان بھی ان کی باتوں کے دقیق وباریک معانی کو درک کرسکتا ہے، جبکہ قرآن کریم کے تحت شعر میں ایسی کوئی گنجائش نہیں کہ دقیق وباریک معنی کو اس میں پیش کیا جاسکے۔ شاعر، الفاظ سازی کے کارخانے کا استاد ہوتا ہے، اس کا کام الفاظ پیدا کرنا ہے، جبکہ فلسفی گونگ، غموس، ملبوس اور مشکوک معانی یا شاذونادر، غریب اور اصول لسانیات سے مافوق معانی پیش کرنے کا استاد ہوتا ہے۔ لہٰذا شعراء بہترین معانی پیش کرنے سے عاجز وناتوان ہیں اسی طرح فلاسفہ اپنی جگہ اپنے محتوی ومعانی کیلئے مناسب الفاظ پیش کرنے کے سلسلہ میں عجز وناتوانی میں ڈوبے ہوئے ہیں، جبکہ رب العالمین نے اس قدرت اور نعمت سے صرف انبیاء مرسلینؑ اور ان کے منہج پر قائم رہنے والے انسانوں ہی کو نوازا ہے، چنانچہ وہی الفاظ ومعانی میں توازن رکھ سکتے ہیں، یہاں سے اللہ تعالیٰ نے ایسے معانی کیلئے فلاسفہ کو چیلنج اور ایسے الفاظ پیش کرنے کیلئے شعراء سے مبارزہ طلبی کی ہے، یہاں سے انسان پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح وروشن ہوتی ہے کہ راہ انبیاء اور زبان انبیاءؑ کیا ہے۔ انبیاءؑ کی زبان ومنطق ہے، غور سے سنو اور سمجھو ہم کوئی ایسی بات نہیں کرتے جو تمہاری قوت سماعت اور قوت تفکر وتعقل سے مافوق ہو، لیکن فلاسفہ اور شعراء کی زبان ومنطق یہ ہے کہ یہ تمہاری سوچ وفکر اور سمجھنے اور درک کرنے سے مافوق ہے تم ہماری بات نہیں سمجھ سکتے۔

”قرآن میں شعروشعراء“

قرآن کریم میں شعروشعراء پر کچھ لکھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ چند صدیوں سے دین مقدس اسلام کی محافل ومجالس مختلف دینی ومذہبی سرگرمیاں اور اقدار، شعروشعراء کی نذر ہوکر رہ گئے ہیں۔ اب تاریک راتوں میں دعاؤں کے زمزمے کی بجائے بزم ادب یا محفل شعراء کا اہتمام کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ خطباء اسلام بھی اپنے خطاب کا آغاز کسی گمنام یا منحرف شاعر کے شعر سے کرتے ہیں، جبکہ قرآن کریم کی تفسیر، سنت نبی کریمؐ، آئمہ طاہرینؑ کی حیات طیبہ اور تاریخ اسلام کے درخشاں صفحات کو دیمک کھا رہی

ہے، حتی شعراء کو سننے والے مجلس امام حسینؑ سے باہر بیٹھ کر شعراء کی باری کے منتظر رہتے ہیں، ان کے بقول "فرسودہ خطیب اپنا بولنا بند کرے تو اندر جائیں۔" مذکورہ عوامل نے سب سے زیادہ کاری ضربت، امام حسینؑ کے مقدس قیام پر لگائی ہے جہاں مجالس کا دو تہائی سے زیادہ وقت شعراء کے قبضے میں ہوتا ہے جو سوز خوانی مرثیہ خوانی اور نوحہ خوانی کے نام سے قصہ، کہانیوں، افسانوں، موسیقی، وجد اور دیگر بے ہودہ و بے معنی چیزوں سے بھرے اشعار کے ساتھ مجالس پر قبضہ جمائے ہوئے ہیں۔ شاعروں کے اشعار عوام الناس کے درمیان مقبولیت حاصل کرنے کے بعد قول امام اور متنِ تاریخ کی حیثیت و درجہ دیا جاتا ہے۔ دوسری جانب ایسی افسوس ناک صورتحال کے بارے میں علماء اور محققین، اظہار خیال کرنے سے کتراتے ہیں، کیونکہ یہ ذوات معاشرے میں صاحبان عزت و مروت ہیں، جبکہ شاعر کی زبان بے لجام ہوتی ہے، وہ لقمہ غذا اور نان و نفقہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا، چنانچہ اس بگڑتی ہوئی صورتحال کے پیش نظر ہم نے قرآن کریم، سنتِ نبی کریمؐ اور سیرت آئمہ طاہرینؑ و خلفاء راشدینؓ میں شعر و شعراء کی حیثیت و مقام اور کردار کو بنیاد سے اٹھانے کا ارادہ کیا ہے۔

اس سلسلے میں ہمیں جن افراد کا تعاون حاصل رہا ہے وہ برادران سید تاثیر شاہ مبشر حسین، خادم حسین سید ناصر شاہ نقوی، سید محمد مہدی، سید محمد باقر اور محمد باقر ہیں ہم اس بے بسی اور بے یار و مددگار کے عالم میں ان کی خدمات حاصل ہونے پر ذات باری تعالیٰ کے شکر گذار ہیں کہ اس نے ان کے دلوں میں یہ احساس پیدا کیا کہ یہ میری معاونت کریں۔

علی شرف الدین
شوال المکرّم ۱۴۲۸ھ ق

نثر و شعر

میں ترجیح کسے حاصل ہے؟

وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ

"یہ ذکر ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے، آپ اسے کھول کھول کر بیان کر دیں۔" (نحل ۴۴)

قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ

"کہا میں اس لئے آیا ہوں کہ جن بعض چیزوں میں تم مختلف ہو انہیں واضح کر دوں۔" (زخرف ۶۳)

نثر وشعر میں ترجیح کسے حاصل ہے؟

نثر وشعر میں کونسا رسا ہے؟

بیان، انسانی زندگی میں دوطریقے سے انجام پاتا ہے، جنھیں علمائے لغت نے نثر اور شعر کا نام دیا ہے، ہمیں یہاں پہلے مرحلے میں نثر اور شعر کی خصوصیات وامتیازات کو واضح کرنا ہے تا کہ معلوم ہو سکے نثر اور شعر میں کونسی چیز حقیقت اور واقعیت کو جامۂ الفاظ پہنانے میں رساتر اور مخاطبین کیلئے قابل سماعت واستفادہ اور آسان ہے؟ قرآن کریم میں جسے نصیحت کہا گیا ہے آیا وہ نثر ہے یا شعر؟ نثر وشعر میں سے ہرایک کے امتیازات پیش کرنے سے پہلے ضروری ہے مابہ الاشتراک یعنی جس چیز میں نثر اور شعر کی حقیقت مشترک ہے اسے واضح کریں جس کیلئے فلسفۂ لغت اور تکلم کے بارے میں کچھ بیان کرنا لازم ہے، چنانچہ سورہ رحمٰن میں خداوند عالم نے انسان کی حقیقت بیان کرنے کے بعد ''بیان'' کو دوسری نعمت قرار دیا ہے یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت وعطا ہے کہ انسان اپنے مافی الضمیر کو بیان کرسکتا ہے:

﴿خَلَقَ الْإِنسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾ ''اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ اور اسے بولنا سکھایا۔'' (رحمٰن ۳ تا ۴)

خداوند عالم نے اپنے نبی اور کتاب دونوں کو ''بیان کنندہ'' کے طور پر متعارف کروایا ہے:

﴿قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِأُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ﴾ ''کہا میں اس لئے آیا ہوں کہ جن بعض چیزوں میں تم مختلف ہو انہیں واضح کردوں۔'' (زخرف ۶۳) ﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ﴾ ''یہ ذکر ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے کہ لوگوں کی جانب جو نازل فرمایا گیا ہے، آپ اسے کھول کھول کر بیان کردیں۔'' (نحل ۴۴) ﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ﴾ ''اور اللہ نے جب اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اسے سب لوگوں سے ضرور بیان کروگے اور اسے چھپاؤ گے نہیں۔'' (آل عمران ۱۸۷)

نقطۂ ارتقا قوت بیان ہے۔

بیان

❁ صاحب مقائیس اللغہ لکھتے ہیں: ''ب، ی، ن'' حروف مرکب مادہ کی ایک اصل ہے اور وہ کسی شے کا الگ جدا ہوجانا، چھٹ جانا اور واضح وآشکار ہوجانا ہے۔

❁ صاحب تاج العروس نے لکھا ہے: ''بین'' کلام عرب میں دو معنی میں استعمال ہوا ہے:

۱۔ فرقت، جدائی۔ ۲۔ وصل واتصال، مل جانا۔

❁ جوہری لکھتے ہیں: یہ کلمہ لغات اضداد میں سے اور الگ ہونا، کسی چیز کا دوسری چیز سے الگ، دور ہوجانا

کے معنی میں ہے۔

❁ شرح الفاظ قرآن: کسی چیز کے متعلق کھولنے اور واضح کرنے کا نام بیان ہے۔ پس بیان نطق سے عام ہے اور نطق خاص ہے اور کبھی جس چیز کے ذریعہ بیان کیا جاتا ہے اسے بیان کہتے ہیں، چنانچہ کلام اوّل معنی کے اعتبار سے بیان کہلاتا ہے، کیونکہ وہ معنی مقصود کو کھولتا اور ظاہر کرتا ہے اور مجمل اور مبہم کلام کی شرح کو دوسرے معنی کے اعتبار سے بیان کیا جاتا ہے آیت کریمہ ﴿هذا بيان للناس﴾ اوّل معنی کی مثال ہے اور آیت کریمہ ﴿ثم علينا بيانه﴾ دوسرے معنی کی مثال ہے۔

❁ مفردات راغب: ''بین'' دو چیزوں کا درمیان اور وسط کے ہیں۔ محاورہ ہے ''بان کذا'' کسی چیز کا الگ ہوجانا اور جو کچھ اس کے تحت پوشیدہ ہو، اس کا ظاہر ہوجانا، چونکہ اس میں ظہور اور انفصال کے معنی ملحوظ ہیں اس لئے یہ کبھی ظہور اور کبھی انفصال کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور گہرے کنویں کو ''بیون'' کہا جاتا ہے کیونکہ پانی نیچے اتر جانے کے سبب اس سے پانی نکالتے وقت رسی کو ہاتھ سے جدا کرنا پڑتا ہے تو اس میں انفصال کا معنی ملحوظ ہے۔

قرآن میں اس معنی میں استعمال ہوا ہے، چنانچہ بہت سی جگہ پر کلمہ **''مبین''** آیا ہے یعنی بیان کنندہ ۔

۱۔ بیان، دلوں کا ترجمان، عقل کا صیقل، شبہ سے بالا اور حجت کا سبب ہے۔

۲۔ گمان کی لڑائی میں مقابلے کا حکم اور شک ویقین سے بالاتر ہے۔

۳۔ بہترین بیان وہ ہے جو صریح معنی ادا کرتا ہے، سمجھنے کیلئے زوداثر اور الفاظ میں مختصر ہوتا ہے۔

تکلم

تکلم، افکار ونظریات کے تبادل کا ایک ذریعہ ہے جس سے انسان اپنے افکار، نظریات اور خیالات کو اپنے ہم نوع افراد تک پہنچاتا ہے۔ افکار ونظریات کے تبادل کے بازار کو تکلم کہتے ہیں۔ جس طرح دیگر متاع، بازار میں رکھنے یا خریدتے وقت شرائط اور حالات کو مدِ نظر رکھا جاتا ہے یعنی ان میں جعلی، ہیر پھیر اور ملاوٹ نہیں ہونی چاہیے، اسی طرح قیمت یا متبادل چیز میں تناسب دکھا جاتا ہے، بصورت دیگر اس کا زوال ناگزیر ہے۔ اسی طرح بازار تکلم میں بھی الفاظ کے سانچے میں پیش کئے گئے افکار ونظریات کو بھی حقائق پر مشتمل ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں علمائے ادب نے سامعین تک اپنے مطالب پہنچانے کیلئے صناعت تلفظ وبکاء سے آشنا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔

ان آیات کریمہ میں کلمہ تکلم استعمال ہوا ہے:

﴿إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَانِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا﴾ ''میں نے رحمان کیلئے روزے کی نذر مانی ہے، اس لئے آج میں کسی سے نہ بولوں گی۔'' (مریم ۲۶) ﴿وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا﴾ ''وہ لوگوں سے اپنے گہوارے میں اور ادھیڑ عمر میں بھی باتیں کرے گا۔'' (آل عمران ۴۶) ﴿تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ

﴿وَكَهْلًا﴾ ”تم لوگوں سے کلام کرتے تھے کود میں بھی اور بڑی عمر میں بھی۔“ (مائدہ ۱۱۰) ﴿قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا﴾ ”ارشاد ہوا کہ تیرے لئے علامت یہ ہے کہ باوجود بھلا چنگا ہونے کے تو تین راتوں تک کسی شخص سے بول نہ سکے گا۔“ (مریم ۱۰) ﴿قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا﴾ ”سب کہنے لگے کہ بھلا ہم کود کے بچے سے باتیں کیسے کریں۔“ (مریم ۲۹) ﴿قَالَ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ﴾ ”اللہ فرمائے گا پھٹکارے ہوئے یہیں پڑے رہو اور مجھ سے کلام نہ کرو۔“ (مومنون ۱۰۸) ﴿وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ﴾ ”بے علم لوگوں نے کہا کہ خود اللہ ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا۔“ (بقرہ ۱۱۸) ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ﴾ ”ناممکن ہے کہ اللہ کسی بندہ سے کلام کرے۔“ (شوریٰ ۵۱)

یہ نطق اور ظاہری تکلم ہمیں حیوانوں میں بھی نظر آتا ہے جو ایک دوسرے کے مدعا کو سمجھتے ہیں جیسا کہ سورہ نمل میں آیا ہے۔ لیکن وسعت تکلم کی خصوصیت کسی حیوان کو حاصل نہیں:

﴿أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ﴾ ”ہم زمین سے ان کیلئے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے باتیں کرتا ہوگا۔“ (نمل ۸۲)

صناعتِ تلفظ وتکلم

تکلم وتلفظ، ایک قسم کی صنعت ہے جس کی تزئین وآرائش کے اپنے خاص اصول وضوابط ہیں۔ اس فن کے ماہرین نے اس کی مثال جواہر سازوں سے دی ہے کیونکہ وہ ہار موتی بناتے وقت پہلے خوبصورت، منفرد اور جاذب دانے چنتے ہیں اور پھر ہار بنانے کا کام شروع کرتے ہیں۔

۱۔ صنعت کلام کے صانع کو بھی کلام سازی سے پہلے متناسب، موزون محتوی اور آسان فہم کلمات میں سے بہترین کا انتخاب کرنا چاہیے۔

۲۔ جس طرح ایک موتی دوسری موتی کے ساتھ مناسب وموزوں ہوتی ہے، اسی طرح الفاظ بھی آپس میں مناسب وموزوں ہوں یعنی نفرت آمیز اور نفرت آور نہ ہوں۔

۳۔ موتی جوڑنے والے تاج، گلوبند اور بالیوں میں موتی لگاتے وقت ان کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہیں۔ ہر ایک کی اپنی خاص ترتیب اور ہیئت ہوتی ہے، اسی طرح عام آدمی گفتگو یا روزمرہ کے مکالمہ کیلئے خطیب اپنی خطابت کیلئے اور شاعر شعر انشاء کرنے کیلئے ہر ایک اپنی حیثیت اور مقام ومنصب کے حوالے سے اچھے الفاظ کا انتخاب اور کلمات کے حروف کو ترتیب سے رکھتے ہیں اور ہر ایک کو اپنے اصلی مخارج سے ادا کرتا ہے اسی عمل کو فصاحت کہتے ہیں، جبکہ متکلم کو فصیح کہیں گے۔ اگر تینوں شرائط (اچھے الفاظ کا انتخاب ترتیب کلمات اور ادائے مخارج حروف) کا خیال رکھا گیا تو اس عمل کو بلاغت اور شخص کو بلیغ کہیں گے۔

کلام

وہ بامعنی لفظ جو آدمی منہ سے نکالے، کَلِمَۃٌ کی جمع کلمات ہے، عام اہل علم کے نزدیک کلام کا اطلاق ان الفاظ

منظومہ مرکبہ پر ہوتا ہے جو معانی اور مفاہیم کو ظاہر کریں۔ کلام کا ادراک صرف قوتِ سمع اور کَلْم (زخم، جرح) کا ادراک قوۃِ باصرہ سے، چونکہ زخم محسوس ہے اور کلام غیر محسوس ہے۔

کلام، دو یا دو سے زائد کلمے سے مرکب ہوتا ہے۔ نحو میں کلمہ وہ لفظ ہے جو اس معنی مفرد پر دلالت کرتا ہے جس کیلئے یہ کلمہ وضع ہوا ہے، چاہے وہ ایک حرف ہو جیسے ”لام جر“ یا ایک سے زیادہ ہو۔ لغت میں کلمہ وہ جملہ یا عبارت ہے جو تمام وکامل معنی کا حامل ہے جیسا: ”لا الہ الا اللہ“ کلمہ توحید کا جملہ۔ اسی طرح کلمہ وہ مرکب اور طویل کلام ہے جو قصیدہ، خطبہ، مقالہ، یا رسالہ کی صورت میں ہو یا انہی جیسی کسی اور صورت میں۔ نحویوں کی نظر میں کلمہ کی تین اقسام اسم، فعل، حرف ہیں۔ کلام تین یا اس سے زائد کلمہ یا حروف سے مرکب ہوتا ہے چاہے مفید معنی کا حامل ہو جیسے: ”وطن سے دفاع واجب ہے“ چاہے مفید معنی کا حامل نہ ہو، جیسے ”اگر تم کوشش کرو۔“ کلام، لغت میں وہ قول ہے جو قصیدہ، خطبہ، مقالہ یا رسالہ یا اس کی مانند ہوتا ہے۔ کلام عرف عام میں ان الفاظ وحروف کو کہا جاتا ہے جسے کسی مقصود کے بیان کیلئے استعمال کیا جائے، عرف عام میں جو چیز مافی الضمیر کی حکایت کرے اسے کلام کہتے ہیں۔ اسی سے تکلم بنا جو مشتق از کلمہ ہے کلمہ، جرح، زخم اور نشانی لگانے کو بھی کہتے ہیں۔

متکلم کی قسمیں

متکلم کاتب اور کاتب متکلم ہے۔ متکلم، قلم سے اپنا مطلوب لوح (کاغذ) پر لکھتا ہے، بعض متکلم اپنی زبان سے اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتے ہیں۔ ہر کتاب کلام ہے اور ہر کلام اپنی جگہ کتاب ہے۔

۱۔ اگر عامۃ الناس سے امور عامہ پر گفتگو کی جائے تو ”تکلم“ کہتے ہیں، اگر گفتگو اپنے فریق کو دبانے محکوم اور ساکت کرنے کیلئے ہو تو اسے ”مجادلہ“ کہتے ہیں۔

۲۔ اگر کسی امر خطیر، ذی اہمیت موضوع، کسی عظیم ہستی یا بزرگ کے متعلق اجتماع سے گفتگو کی جائے تو اسے ”خطابت“ کہتے ہیں۔ تاریخ جاہلیت سے الی یومنا ہذا تک ہمیشہ خطیر اُمور، اعلیٰ اور عظیم شخصیت سے متعلق گفتگو، قوم وملت کے رئیس وخطیب ہی کرتے آئے ہیں۔

خطابت

علمائے عرب نے امر خطیر کے سلسلے میں گفتگو کرنے کو ”خطاب“ اور گفتگو کرنے والے کو ”خطیب“ کہا ہے۔ قدیم دور سے علمائے فلاسفہ، سیاست دان، دانشور اور قبائل وعشائر کے روساء نے خطاب کیلئے مختلف تعریفیں پیش کیں:

ارسطو: خطابت، اس قدرت کو کہتے ہیں جس کے ذریعے انسان کسی بھی مسئلے میں اپنے مخاطب اور فریق کو قانع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ابن رشد: خطابت، اس قدرت کا نام ہے جس سے انسان اپنے مخاطب کو قانع کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

یہ شعبہ قدیم دور سے جاری ہے اور اسے ہمیشہ دانشمندان اور دانشوروں نے ہی اپنایا ہے۔ کہتے ہیں، اس کا آغاز یونان سے ہوا، کیونکہ تاریخ بشریت میں تمدن اور فن وہنر کے حوالے سے یونان کو پیش پیش بتایا جاتا ہے۔ انسان کو سب سے زیادہ قانع ومطمئن کرنے والوں یعنی انبیاء ومرسلینؑ کیلئے خداوند عالم نے لفظ "خطیب" استعمال کیا ہے۔

خطابت کی اہمیت وضرورت کا اندازہ ہم چند زاویوں سے لگا سکتے ہیں:

۱۔ ہر انسان، اپنے مافی الضمیر کو بہتر اور تسلی بخش طریقے سے پیش کرنے کیلئے خطابت کا محتاج ہے۔

۲۔ انسان مدنی الطبع ہے، یعنی زندگی گزارنے میں دوسرے افراد کا محتاج ونیازمند ہے۔ جو چیز معاشرے کے تمام افراد کے درمیان گردش میں رہتی ہے اسے "ضرورتِ اجتماعی" کہہ سکتے ہیں، اس تعریف کے تحت خطابت بھی اسی زمرے میں آتی ہے۔

۳۔ یہ، خدائے واحد کی عطا کردہ ایک عظیم نعمت ہے جس کا ذکر خداوند عالم نے اپنی کتابِ عزیز کے "سورہ رحمٰن" میں بھی کیا ہے۔

۴۔ یہ دعوتِ انبیاءؑ کے تسلسل کو جاری رکھنے کیلئے ان افراد کے ہاتھ میں واحد وسیلہ ہے جو طاقت و تشدد کے خلاف افہام وتفہیم پر ایمان رکھتے ہیں۔

خطابت کی اہمیت کے بنیادی نکات واضح کرنے کے بعد اب ہم اس نکتے کی طرف آتے ہیں کہ خطاب کے بنیادی وترکیبی عناصر کیا ہیں؟ جنہیں پورا کرنے سے مقصود اور مطلوبِ خطاب، احسن اور بخوبی طریقے سے انجام پا سکے۔ ایک جامع، مفید، جذاب اور موثر خطاب کے اپنی جگہ درج ذیل شرائط درکار ہیں:

۱۔ شخص خطیب۔ ۲۔ مضمونِ خطاب۔ ۳۔ مستمعین ومخاطبین۔

۱۔ خطیب

خطیب کو کن صفات اور شرائط کا حامل ہونا چاہیے؟

✿ اعضائے خطاب میں خلل نہ ہو جیسے لکنت زبانی، لہٰذا جس کی زبان میں لکنت ہو وہ اس میدان میں وارد نہیں ہو سکتا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند متعال سے عرض کی ہیری زبان میں لکنت ہے۔

﴿وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي﴾ "اور میری زبان کی گرہ بھی کھول دے۔" (طٰہٰ ۲۷)

✿ شرم وحیا اور نقص وعیب کا احساس: عورت کے بارے میں ارشاد الٰہی ہے وہ اپنا مافی الضمیر ادا کرنے سے شرماتی ہے:

﴿وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ﴾ "اور جھگڑے میں (اپنی بات) واضح نہ کر سکیں۔" (زخرف ۱۸)

✿ جرم وخطاء: خطیب، جرم وخطاء سے پاک ومنزہ ہو:

﴿إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِي﴾ "میں نے ان کا ایک آدمی قتل کر دیا تھا اب مجھے اندیشہ ہے کہ وہ مجھے بھی قتل کر ڈالیں۔" (قصص ۳۳)

✿ خطیب کی زندگی کے نشیب وفراز میں، اس کی صداقت کے متعلق کسی قسم کے خدشات، شکوک اور شبہات پیدا نہ ہوئے ہوں، چنانچہ پیغمبرؐ نے فرمایا:

"فقد لبثت فيكم من عمر سنين": "میں تمہارے درمیان ایک طویل عمر گزار چکا ہوں۔"

۲۔ مضمون خطاب

خطیب اور داعی جو چیز، مخاطبین تک پہنچانا چاہتے ہیں، اس کے متعلق اس فن کے ماہرین نے کئی نکات بیان کئے ہیں:

✿ مطالب، ایسے واضح وروشن الفاظ پر مشتمل ہوں جن سے سامع آسان طریقے سے متکلم کی مراد و مقصد کو سمجھ سکے۔ علماء نے اس فن اور امتیاز کیلئے کلمہ "فصاحت" استعمال کیا ہے۔

✿ مخاطبین کے سامنے قصہ گوئی اور افسانہ گوئی کی بجائے فی زمانہ درپیش مسائل پر خطاب کیا جائے نہ کہ پیشن گوئیاں موضوع خطاب قرار پائیں، بلکہ وقت اور حالات کے مطابق گفتگو کی جائے۔ علماء نے اس فن اور امتیاز کیلئے کلمہ "بلاغت" استعمال کیا ہے۔

✿ گفتگو زیادہ تر انسان کے محسوسات، فطریات اور وجدانیات کی زبان میں کی جائے جسے "عاطفہ سے خطاب" یا "مواعظ حسنہ" کہتے ہیں۔

✿ مطالب، دلائل وبراہین پر مشتمل ہوں اور ہر مطلب کے ساتھ اس کی دلیل مدلل اور مفصل طریقے سے پیش کی جائے یا سامعین کو گفتگو میں کوئی نکتہ پیچیدہ، مبہم یا ناقابل قبول نظر آئے، اس کے بارے میں سوال واستفسار کی اجازت دی جائے۔

خطاب دلائل اور براہین سے مرقع ومقرون ہو

۱۔ قرآن کریم اور سنت نبی کریمؐ میں تمام مدعا کو دلائل وبراہین سے آراستہ پیش کیا گیا ہے، لہٰذا سامعین اور مخاطبین کیلئے کسی قسم کی پریشانی، اجمال اور ابہام نہیں پایا جاتا، اس سلسلے میں "خطب پیغمبرؐ، خطب امیر المومنینؑ" ملاحظہ فرمائیں۔

۲۔ دین ومذہب سے ہٹ کر قوموں سے خطاب کرنے والے بھی اپنی بساط کی حدود میں اپنے مدعا کو دلائل سے اثبات کرتے ہیں۔

۳۔ ایک وکیل، کمرۂ عدالت میں اپنے مدعا کے ساتھ تمام اسناد کو شق اور شمار وار پیش کرتا ہے، تاکہ قاضی سے کوئی چیز اجمال میں نہ رہے، وکیل اپنے حریف سے نقد وتنقید کے تمام گوشے چھیننے کی کوشش کرتا ہے، لہٰذا ایسے فرد کو وکالت کیلئے منتخب کیا جاتا ہے جو اپنی وکالت میں ماہر ہونے میں شاہکار ہو۔ سیاست

دان اور اقتصادی ماہرین اپنے ماتحت افرد سے خطاب کرتے وقت موضوع سے متعلق مواد کو شواہد، مثال اور دلائل کے سہارے مدلل طریقے سے پیش کرتے ہیں۔

اگر کوئی خطیب اپنی خطابت کے محتوی ومواد قصۂ پارینہ اور اخباری کالموں سے استناد کر کے سامعین کے سامنے پیش کرے، سامعین ان مطالب کو دین کے طور پر ہرگز قبول نہیں کریں گے۔ سامعین کے ضمیر و وجدان میں اسی خطیب کا خطاب ہی غالب وجاگزین ہوسکتا ہے جو دلیل اور حقائق گوئی پر مبنی ہو اور جن کے دلائل کا مصدر قرآن وسنت اور تاریخ اسلام کے صفحات میں موجود ہوں۔

دلیل وبراہین کا شعائر

خداوند متعال نے روئے زمین پر انسان کو دیگر مخلوقات کی بہ نسبت فکر، عقل اور شعور سے نوازا ہے، چنانچہ کسی بھی انسان کا قول دوسرے انسان کیلئے من وعن حجت نہیں۔ گرچہ بہت سے لوگ انسانوں کو بھیڑ بکریوں کی مانند کسی انسان کے سپرد کرنے کیلئے ''ہم کیا جانتے ہیں'' کا جملہ استعمال کرتے ہیں، لیکن عقل وشرع دونوں نے کسی کی بھی بات من وعن قبول کرنے سے سختی برتی ہے، جب تک دلیل وتجربہ سے یہ ثابت نہ ہوجائے کہ اس کی منطق یا اس کی باتیں مستند ہیں اور وہ ہم سے زیادہ عالم اور امین بھی ہے۔ یہاں ایک بات مدنظر رہے کہ تنہا عالم ہونا کافی نہیں، بلکہ اس کی امانتداری ثابت ہونا بھی ضروری ہے۔

ایک عرصے سے خطبائے اسلام کی جگہ پر شعرائے اسلام منابرِ دینی پر قابض ہیں اور تقریباً اس وقت تمام منابر انہی کے قبضے میں ہیں۔ یقیناً اس صورتحال کی وجہ سے دینی مراجع ومراکز کے طلباء بھی سوز خوانی اور نوحہ خوانی سے شغف کرنے لگے ہیں، یہ صورتحال تحقیقی مراکز کی کوتاہی، سستی، نااہلی اور بے توجہی کا نتیجہ ہے۔

مذکورہ بالا صورتحال کے پیش آمد سے دینی منابر پر شعروشعراء نے قبضہ جمایا ہے، جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ جتنے بھی مشہور خطباء ہیں ان کی سوانح حیات کے متعلق لکھی گئی کتب میں ان کے درس ودروس اور مطالعہ کے نصاب کے حوالے سے آپ کو صرف یہ ملے گا کہ انہوں نے شعروشاعری، عربی، اردو اور فارسی کے ادب میں اپنا مقام بنایا اور اپنے خطاب ومدعی کی دلیل میں آیت اور روایت کی بجائے اشعار استعمال کرنا ان کے امتیازات میں سے شمار کیا گیا ہے۔

کلام کو مفید بنانے کیلئے درج ذیل شرائط کو ضروری گردانا جاتا ہے:

۱۔ مفرد، کلمات کے لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کریں۔

۲۔ مرکب کلمات کے تمام اقسام ترکیب سے واقف ہوں۔

۳۔ کلمات کے حقیقی معانی سے آشنا ہوں۔

۱۔ متکلم کے حوالے سے

- شخص متکلم فصیح ہو یعنی حروف صحیح مخارج سے ادا کرسکتا ہو۔

- متکلم، بلیغ ہو۔
- صادق وحقیقت گو ہو یعنی حقیقت بیان کرنے میں صادق ہو اور افراط وتفریط سے کام نہ لے۔

۲۔ کلام کے حوالے سے

علمائے بیان کے مطابق کلام کا درج ذیل دلالت میں سے کسی ایک پر مشتمل ہونا ضروری ہے:

۱۔ تمام کلمات سے مطلب اخذ کیا گیا ہو جسے دلالت مطابقی کہتے ہیں۔

۲۔ صرف ایک کلمہ سے مراد لیا گیا ہو، جسے دلالت تضمنی کہتے ہیں۔

۳۔ معنی لازم کو مراد لیا ہے، جسے دلالت التزامیہ کہتے ہیں۔

- لفظ کے اصل معنی کے علاوہ دوسرے معنی میں استعمال کرتے وقت قرینہ پیش کیا گیا ہو۔
- کلام، سامعین کیلئے قابل فہم ودرک، قانع کنندہ، اطمینان بخش اور تسلی بخش ہو۔

مذکورہ تمام شرائط کا متکلم کے کلام میں ہونا ناگزیر ہے، چاہے یہ کلام نثر ہو یا شعر۔ بصورت دیگر کلام، فلسفۂ لغت کے خلاف قرار پائے گا۔ علماء نے ایسے کلام کو ''نعی غراب'' یعنی کوے کی آواز کہا ہے۔

کلام کی اقسام [1]

کلام، عرب کے نزدیک دو قسم کا ہے۔

۱۔ منثور ۲۔ منظوم

اب ہر ایک کے امتیازات کو الگ الگ دیکھتے ہیں۔

علمائے لغت نے نثر اور شعر کے کئی امتیازات بتائے ہیں۔

نثر

نثر: ''ن، ث، ر'' سے مرکب ہے جو کسی چیز کے متفرق صورت میں پھینکنے کے معنوں میں ہے، یہاں سے ''نثر دراہم'' کہتے ہیں قرآن کریم کے ان آیات میں آیا ہے:

﴿وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انتَثَرَتْ﴾ ''اور جب ستارے جھڑ جائیں گے۔'' (انفطار ۲)

﴿وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا﴾ ''اور انھوں نے جو جو اعمال کئے تھے ہم نے ان کی طرف بڑھ کر انھیں پراگندہ ذروں کی طرح کردیا۔'' (فرقان ۲۳) ﴿إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا﴾ ''جب تو انھیں دیکھے تو سمجھے کہ وہ بکھرے ہوئے سچے موتی ہیں۔'' (انسان ۱۹)

نثر یا نثن پاشیدہ اس عبارت وتحریر کو کہتے ہیں جو نظم نہ ہو یا کسی سجاوٹ، بناوٹ اور زحمت کے بغیر لکھی گئی ہو نہ وزن اور قافیہ کی قید سے عاری عبارت کو کہتے ہیں۔ [2]

اردو میں غیر منظم کلمات کو نثر کہا جاتا ہے، یہ عربی کلمہ ہے جس کا اصل مادہ نثار ہے، جس کا معنی کسی پر کوئی چیز نچھاور کرنا ہے۔ کلام بھی جب کسی کیلئے پیش کیا جاتا ہے تو وہ واپس نہیں آتا، چنانچہ حدیث یا ضرب المثل کا کلام

ایک قیمتی دُر ہے جوانسان کے خزانہ یعنی ذہن میں ہوتا ہے، جب انسان بولتا ہے تو اسے نچھاور کرتا ہے۔

نثر کی اپنی جگہ چند اقسام ہیں:

✿ **نثرلطیف:** نثر کی ایک قسم ہے جو وزن اور بحر کی موسیقیت وترنم سے خالی ہونے کے باوجود تخیل کے اعتبار سے نظم سے مشابہ ہوتی ہے۔

✿ **نثر مرُجّز:** جس میں وزن اور قافیہ نہ ہو، ایسی عبارت جس میں دوفقروں کے کلمات ایک دوسرے کے ہم وزن ہوں لیکن قافیہ نہ ہو۔

✿ **نثر مرصّع:** ایسی عبارت جس میں ہر لفظ کے مقابل ہم وزن وہم قافیہ لفظ موجود ہو اور سجی ہوئی ہو۔

✿ **نثر مُسَجع:** نثر کی ایک قسم جس کے فقروں کے آخری الفاظ ہم قافیہ ہوتے ہیں، دوسرے الفاظ میں وہ عبارت جس کے فقروں کے آخری الفاظ ہم قافیہ ہوں نثر مسجع کہلاتی ہے۔

✿ **نثر مُعَرّی:** وہ نثر جس میں قافیے اور وزن کا التزام نہ ہو، دوسرے الفاظ میں سادہ عبارت غیر مقفی ہو، اس کو نثر معری کہتے ہیں۔ اس نثر کی اور بھی قسمیں ہیں۔

نثر کی دیگر اقسام : تخلیقی نثر، شاعرانہ نثر، بیانیہ نثر، استدلالی نثر۔

منثور

منثور وہ کلام ہے جو موزوں نہیں۔ اس کی دو اقسام ہیں:

۱۔مرسل ۲۔مسجع

"مرسل" وہ کلام ہے جو تجزیہ نہیں ہوتا، بلکہ بغیر قافیہ کے بولا جاتا ہے جیسا کہ عام لوگ بات کرتے ہیں۔

"مُسَجع" وہ کلام ہے جس کے فقروں کے آخری الفاظ ہم قافیہ ہوں نثر مسجع کہلاتی ہے۔ حسن بصری نے کہا ہے، عاقل کی زبان دل کے پیچھے ہوتی ہے، عاقل جب کوئی بات کرنا چاہے تو پہلے سوچتا ہے، جبکہ جاہل کی زبان دل سے پہلے ہوتی ہے، اگر کوئی کلام کرنا چاہے تو سوچنے سے قبل تکلم کرتا ہے۔

لیکن عربی زبان میں خاص کر قرآن وسنت میں بولنے اور گفتگو کیلئے نطق اور تکلم کا کلمہ استعمال ہوا ہے۔ انسان کی زندگی تکلم پر قائم ہے، اس میں پست، متوسط یا اونچے درجے کا ہونا ضروری نہیں انسان اٹھتے بیٹھتے عادی یا خطیر حالات میں تکلم کرتا ہے۔

فصاحت و بلاغت

علمائے معانی بیان فصاحت کی تعریف میں لکھتے ہیں:

"فصاحت یعنی جو کلمہ استعمال ہوا ہے وہ معنی ظاہر وعیاں ہو" عربی میں کہتے ہیں: "فصح الصبح اذا ظہر"۔ اسی تعریف کے تحت اگر لفظ جس معنی کیلئے وضع ہوا ہے وہ ظاہر نہ ہو یا ایک انسان کیلئے ظاہر اور دوسرے کیلئے غامض (پوشیدہ) ہو یا لفظ اپنی جگہ معنی ظاہر کرے، لیکن لفظ قبیح ہو، یہ تمام صورتیں فصاحت کے خلاف ہیں۔

کلام قبیح وہ ہے جو اپنی جگہ واضح اور عام الفہم نہ ہو اور کلمات کے معانی سمجھنا دشوار اور ہر لمحہ کتب معاجم اور لغت کا محتاج ہو، کیونکہ ارباب نثر ونظم ہمیشہ مألوف و مانوس اور رائج الفاظ ہی استعمال کرتے ہیں۔ کلمات صحیح سب کیلئے قابل فہم ہیں، جبکہ کلمات قبیح سے سب ہی گریز کرتے ہیں۔ کلمات اور اصوات دونوں کا مصدر ایک ہے۔ طبع سلیم جس طرح اصوات قبیح سے نفرت کرتی ہے، اسی طرح کلمات قبیح سے بھی نفرت کرتی ہے۔

بلاغت [۳]

۱۔ جوہری کہتے ہیں: کلام وہ ہے جسے فکر کی وسعت نے بنایا ہو، متانت نے اسے منظم کیا ہو، معانی کو الفاظ کے سانچے میں سمویا ہو اور تشنگان نے اسے حلق میں برداشت کیا ہو۔

۲۔ بعض نے کہا ہے، بہترین کلام وہ ہے جسے عنبر الفاظ، مسک معانی سے عجین کیا گیا ہو اور اس سے نسیم کی خوشبو آتی ہو۔

۳۔ بہترین کلام وہ ہے جسے بصیرت کی آنکھ سے گزارا گیا ہو اور فصاحت کے معیار سے تولا گیا ہو۔

صناعتِ کلام

ماہرین اور امرائے کلام نے صنعت کلامی کو آٹھ انواع میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ **سجع:** سجع کلام منثور میں آتی ہے۔

۲۔ **تصریع:** یہ کلام منظوم میں آتی ہے۔

۳۔ **تجنیس:** یہ دونوں میں آتی ہے۔

کسی عبارت میں ایسے دو لفظ لانا، جو شکل یا تلفظ میں ایک جیسے ہوں مگر ان کے معنی مختلف ہوں "تجنیس" کہلاتا ہے۔ اور ایسے دونوں لفظوں کو "متجانس" کہا جاتا ہے۔

۴۔ **ترصیع:** یہ بھی دونوں میں آتی ہے۔

ترصیع عقد سے لیا گیا ہے، جس طرح ہار میں موتیوں کو دونوں طرف توازن میں پرویا جاتا ہے۔ تزئین، آرائش، جڑاؤ کام، مرصع کاری۔ ادب میں صنائع لفظی سے کام لینا، مقابل کے مصرعوں میں ہر لفظ کے مقابل ہم وزن لفظ لانا جو ہر لفظ کے ساتھ وزن اور قافیہ میں یکساں ہو۔ کہتے ہیں، یہ قسم کلامِ خدا میں نہیں پائی جاتی۔ [۴]

۵۔ **لزوم مالایلزم:** یہ بھی دونوں میں آتی ہے۔

۶۔ **موازنہ:** یہ کلام منثور میں آتا ہے۔

۷۔ **تکرار حروف:** یہ بھی دونوں میں آتا ہے۔

مسجع

کلام منثور میں ایک حرف پر کئی فصلوں کا ہم آہنگی ہونا کلام مسجع کہلاتا ہے۔ قرآن کریم میں اس کا استعمال

کثرت سے ہوا ہے، یہاں تک کہ بعض سورہ پورے مسجع آئے ہیں جیسے سورہ الرحمان کی سب آیات کے آخر میں حرف نون، اور سورہ قمر میں بھی اسی طرح آیا ہے۔

﴿وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا فَالْمُورِيَاتِ قَدْحًا فَالْمُغِيرَاتِ صُبْحًا فَأَثَرْنَ بِهِ نَقْعًا فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا﴾

(عادیات ۱ تا ۵) احزاب ۶۴ تا ۶۵، طٰہٰ ۱ تا ۸، ق ۵ تا ۷، وغیرہ۔ [۵]

سجع یا کلام مسجع کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ وہ کلام ہے جس میں دونوں فصل برابر ہوں، ایک بھی دوسری سے زیادہ نہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا کلام ہے:

﴿فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾ (ضحیٰ ۹، ۱۰)

یہ سجع اپنے انواع میں اعتدال کی بنا پر برترین و بہترین سجع ہے۔

۲۔ وہ کلام ہے جس کی دوسری فصل سے پہلی سے زیادہ لمبی ہو، اتنا طولانی نہ ہو کہ اعتدال سے نکل جائے، کیونکہ یہ مورد پسند نہیں جیسے اللہ تعالیٰ کا کلام ہے:

﴿فِي سِدْرٍ مَخْضُودٍ وَطَلْحٍ مَنْضُودٍ وَظِلٍّ مَمْدُودٍ﴾ (واقعہ ۲۸ تا ۳۰)

﴿بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ وَأَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا إِذَا رَأَتْهُمْ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَزَفِيرًا وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا﴾ (فرقان ۱۱ تا ۱۴)

یہاں پہلی فصل میں آٹھ، دوسری اور تیسری میں نو نو کلمات ہیں

۳۔ آخری فصل پہلی فصل سے چھوٹی ہو۔ اس قسم کو علمائے ادب نے فاحش و معیوب گردانا ہے، کیونکہ کبھی سجع طویل ہونے کی بنا پر اپنا پورا مفاد فصل اول سے لیتا ہے، دوسری فصل پہلی فصل سے چھوٹی ہوتی ہے جو کہ معیوب سمجھی جاتی ہے، اس وقت انسان کلام کے اختتام کے انتظار میں ہوتا ہے، تا کہ وہ دوسرا کلام سنے۔ [۶]

سجع اپنے اختلاف اقسام کے ساتھ دو نوعیت کی حامل ہے:

الف: سجع قصیر: دونوں سجع مختصر الفاظ سے مرکب ہو جتنا الفاظ کم ہوں گے اتنی اچھی سجع محسوب ہوگی، تا کہ سجع کے فاصلے، سامع کی سماعت سے قریب ہوں۔ اس قسم کی سجع بہت مشکل اور بہت کم واقع ہوتی ہے۔

ب: سجع طویل: یہ پہلی قسم کے خلاف ہے، کیونکہ ہر شخص اس کی قدرت و توانائی رکھتا ہے۔

سجع قصیر مشکل ہے اور اس میں بہترین وہ ہے جو دو، دو لفظ سے بنائی گئی ہو جیسے اللہ تعالیٰ کا کلام ہے:

﴿وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا فَالْعَاصِفَاتِ عَصْفًا﴾ (مرسلات ۱، ۲) ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ، قُمْ فَأَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ (مدثر ۱)

اس میں سے وہ کلام ہے، جو تین، چار، پانچ الفاظ سے بنا ہو اسی طرح دس تک تو یہ سجع طویل ہونے کے

باعث سجع طویل کہلاتی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا کلام ہے:

﴿وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَى﴾ (نجم ۱ تا ۳) ﴿اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا وَيَقُولُوا سِحْرٌ مُسْتَمِرٌّ وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ أَمْرٍ مُسْتَقِرٌّ﴾ (قمر ۱ تا ۳)

سجع طویل کے مختلف درجات ہیں جس کلام میں گیارہ سے بارہ یا زیادہ سے زیادہ پندرہ حروف ہوں وہ بھی سجع قصیر سے قریب ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا کلام ہے:

﴿وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ إِنَّهُ لَيَئُوسٌ كَفُورٌ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ﴾ (ہود ۹ تا ۱۰)

گیارہ، بارہ الفاظ کے حامل جیسے سورہ توبہ کی آیات ۱۲۸ تا ۱۲۹:

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾

سجع طویل وہ ہے جو ۲۰ الفاظ سے بنی ہو جیسے:

﴿إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ﴾ (انفال ۴۳ تا ۴۴)

نثر: نثر قافیہ کے حوالے سے اپنی جگہ دو قسم کی ہے: [۷]

۱۔ نثر مرسل

یہ فنی نثر ہے، جس میں کلام کسی بھی قاعدے کی بندش میں رکھے بغیر بولا جاتا ہے، تعلیم، ادب، فصاحت و بلاغت اور بیان و بدیع کی تعالیم کا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ نثر مرسل اکثر ادبی نصوص، قصے، خطب اور مقالات میں رائج ہے۔

۲۔ نثر مسجع

وہ نثر ہے جو تعلیم بدیہی کے علاوہ قافیہ کے بند میں ہوتی ہے۔ یہ اپنی جگہ چار قسم کی ہے:

۱) سجع قصیر: قافیے میں کلمات دو فصل برابر میں لاتے ہیں اور ہر فصل پانچ کلمات سے کم ہوتی ہے۔

﴿فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ﴾ (ضحیٰ ۹، ۱۰)

یہ بہترین نوع مسجع ہے۔

۲) سجع طویل: کلمات کو قافیے میں دو فصل سے زیادہ لاتے ہیں لیکن یہ پانچ کلمات سے کم ہوتی ہے:

﴿وَطَلْحٍ مَنْضُودٍ وَظِلٍّ مَمْدُودٍ﴾ (واقعہ ۲۹ تا ۳۰)

۳)۔سجع اطوال: اس کلام میں ایک قافیے کے ساتھ دو فصل سے زیادہ لایا جاتا ہے، لیکن فصل کے طول کی کوئی حد نہیں ہوتی:

﴿بَلْ كَذَّبُوا بِالسَّاعَةِ وَأَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيرًا إِذَا رَأَتْهُم مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَزَفِيرًا وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا﴾ (فرقان ۱۱ تا ۱۴)

فصل اول میں آٹھ، دوسری اور تیسری میں نو کلمات ہیں، چوتھی میں سات کلمات ہوتے ہیں اور قافیہ بھی مختصر ہوتا ہے۔

۴)۔سجع مرسل

اس قسم میں کلام ایک خاص سجعیہ کے تحت لایا جاتا ہے، موضوع ختم ہونے کے ساتھ اس کا قافیہ بھی ختم ہوتا ہے جیسا کہ سورۂ انعام کی آیت ۷۵ تا ۷۹ میں آیا ہے:

﴿وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَىٰ كَوْكَبًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَٰذَا رَبِّي هَٰذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾

کیا نثر، تاثیر میں شعر سے زیادہ قوی ہے!

شعراء اور ان کے پروانے اور دل باختہ افراد کا دعویٰ ہے شعر میں جو تاثیر پائی جاتی ہے وہ نثر میں نہیں ملتی۔ یہ مدعی اپنی جگہ بلا دلیل ہے، اس سلسلے میں سینکڑوں نثر بیانی، کتب اور خطب موجود ہیں جن میں سے چند کو بطور نمونہ پیش کریں گے۔

کتاب اخبار الدول ج ۲ ص ۴۹ میں آیا ہے، ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں ایک علاقے میں قحط سالی پڑی، وہاں سے ایک وفد بطور نمائندہ شام خلیفہ کے پاس آیا، ان میں ایک سولہ سالہ جوان "داروس بن حبیب" کے نام سے تھا، جس کی زلفیں بڑھی ہوئی تھیں۔ ہشام نے اپنے حاجب سے کہا جو بھی داخل ہونا چاہے اسے نہ روکا جائے۔ یہ جوان بھی بہت ادب و احترام کے ساتھ مجلس میں داخل ہوا، اس نے اپنے خطاب کا اس طریقے سے آغاز کیا:

"یا امیر المومنین: کلام کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ پیچیدہ کلام ۲۔ مفصل و منثور

پیچیدہ کلام کے معانی اس وقت تک سمجھ میں نہیں آتے جب تک اس کو نثر میں بیان نہ کریں۔ اگر آپ

اجازت دیں تو ہم نثر میں بات کریں۔"

جوان کی بات ہشام کے دل میں بیٹھ گئی اور اس نے نثر کی اجازت دی۔ جوان نے کہا:

"یا امیر المومنین! تین سال سے ہمیں مختلف حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ پہلے سال میں ہم نے چربی کھائی، دوسرے سال گوشت کھایا تیسرے سال ہڈیوں کو زم کیا۔ آپ کے ہاتھ میں جو زائد مال ہے اگر وہ زائد مال خدا کا ہے تو اس کے بندوں میں تقسیم کریں، اگر لوگوں کا ہے تو انہیں محروم نہ رکھیں اگر یہ آپ کا ہے تو آپ اسے ان پر صدقہ کریں، خدا صدقہ دینے والوں کو جزائے خیر دیتا ہے۔"

ہشام نے کہا:

"جوان تم نے ہمارے لئے تینوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت میں بھی کوئی عذر نہیں رکھا۔"

چنانچہ یونان میں دیمیتوس اوشیرون، جاہلیت میں قس بن ساعدہ، جبکہ اسلام میں بہت سے خطباء کا نام آتا ہے سب کے سرور و آقا حضرت محمدؐ اور حضرت علیؑ ہیں۔ خطبائے دور بنی اُمیہ میں زیاد بن ابی اور حجاج بن یوسف کی شخصیت کا زاویہ سے بھی مطالعہ کریں۔

سوق عکاظ میں قس بن ساعدہ کا خطاب

کتاب جمہرۃ العرب ص ۳۸ شمارہ ۲۱ میں لکھتے ہیں کہ قس بن ساعدہ نے سوق عکاظ میں یوں خطاب کیا:

"ایہا الناس! میری بات کو غور سے سنو اور سمجھ لو کہ جو زندگی کرتا ہے وہ مرتا ہے اور جو مرتا ہے وہ فنا ہو جاتا ہے، ہر وہ چیز جو آنے والی ہے آ کے رہے گی، تاریک رات، متحرک دن، آسمانِ باقصور، نجومِ درخشاں دریائے موج گار، بلند و پائیدار پہاڑ، بچھے ہوئے زمین، چلتی نہریں سب ختم ہو جائیں گی۔ آسمان میں کچھ خبریں اور زمین میں عبرتیں ہیں، لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو یہاں سے گئے وہ آپس نہیں آتے، جہاں جاتے ہیں وہاں خوش ہو کر سکونت اختیار کرتے ہیں یا وہاں سو گئے ہیں؟ قس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہے جس میں کوئی جھوٹ نہیں، وہ خدا کا دین ہے جو اس کا پسندیدہ دین ہے، وہ اس سے افضل ہے جو تمہارے پاس ہے۔ تم برے کام کرتے ہو۔"

قس سے قیصر نے پوچھا: عقلِ کامل کیا ہے؟

اس نے جواب دیا: انسان کا اپنے آپ کو پہچاننا۔

اس نے پوچھا: بہترین علم کیا ہے؟

اس نے کہا: وہ علم ہے جس کی حدود میں توقف کیا جائے۔

اس نے پوچھا: بہترین مروت کیا ہے؟

تو کہا: آبرو کو بچائے رکھنا۔

پوچھا: بہترین مال کونسا ہے؟

کہا: جس سے اپنے حقوق ادا ہو جائیں۔

ڈیمیتھوس

ڈیمیتھوس نے یونان کی آزادی اور استقلال کے بارے میں اپنے خطاب میں کہا:

''اہل یونان تم لوگ کب تک اپنے سکون کو دوام دو گے اور مستی میں زمین پر تکیہ کئے رہو گے کب تمہاری رگوں میں خون دوڑنا شروع ہوگا تم کب احساس واجب کا شعور اپنی رگوں میں لاؤ گے کس چیز کے انتظار میں ہو، تم ایسی چیز کے انتظار میں ہو جو قانون کے تجربے میں نہیں آئی اور آسمان کے اوپر سے تم پر اترے یا تمہارے معبود تمہیں ایسے عمل کی طرف دھکیل دیں جو تم پر واجب نہیں تعجب ہے نفس غیرت مند کب اپنے اوپر واجب سے دفاع کرے گا، وہ کون سے دافع ہیں جو نفس غیرت مند کو اپنے واجبات پر عمل کرنے کیلئے اٹھاتے ہیں، تمہارا عمل تمہاری وحدت کو پاش پاش اور بزرگی کو گرا رہا ہے، اس نے تمہاری شرافت کو پارہ کیا، ننگ وعار تمہارے لئے لازم وملزم ہوگیا۔ موت اسے چھپائے گی نہیں، تمہارے ملک سے دور جانے سے یہ چیز ختم نہ ہوگی، ایک دوسرے سے پوچھتے ہو کیا خبر ہے تو جواب ملتا ہے وہ مر گیا ہے، دوسرا کہتا ہے نہیں مرا بلکہ مریض ہے۔ تعجب کی بات ہے! کیونکہ دل تو مردہ ہے۔

کہا اے یونان والو! فیلیپ تمہارا سب سے بڑا دشمن ہے وہ ایسا دشمن ہے جسے تمہاری زمین اور آسمان دونوں کراہت سے دیکھتے ہیں، حتی وہ لوگ بھی اس سے کراہت کرتے ہیں جو اس سے مال ومنال ملنے کی امید رکھتے ہیں، جو چیز سب سے زیادہ فیلیپ کو پریشان کرتی ہے وہ ہماری آزادی ہے، ہماری جمہوریت ہے، وہ اسی کو ختم کرنا چاہتا ہے، کہتے ہیں آیا اس دنیا میں کوئی ایسا ظلم ہے جس سے دفاع کرنا تم پر واجب ہو، اگر ہے تو وہ یہیں تمہارے شہر میں موجود ہے، آیا دنیا میں کسی قوم مظلوم ومفرور کی مدد کرنا واجب ہے تو وہ ہماری ہی قوم ہے۔ تعجب اس بات پر ہے اگر فیلیپ کو اس آزادی پر صبر نہیں اور اسے کچلنے پر اصرار ہے تو تمہیں کیوں اس پر صبر آتا ہے؟''

خطابت ونثر گوئی ہی مصدر وماخذ افہام وتفہیم ہے

شعر، تاریخ انسانی میں کب پیدا ہوا؟ ارباب تاریخ اس بارے میں حیران وسرگردان، پریشان ومضطرب البیان ہیں۔ لیکن اس بات پر متفق ہیں جب سے انسان روئے زمین پر آیا، خدا نے اسے بیان سکھایا، آدم کے بارے میں ہے ''علم الاسماء'' سورۂ رحمٰن میں آیا ہے: ''عَلَّمَهُ الْبَيَانَ''۔

نثر کی بہتری وبرتری اور بلوغت کے مرحلے کو علماء نے خطابت کہا ہے۔ خطابت کا آغاز کب اور کہاں سے ہوا؟ اس بارے میں علماء لکھتے ہیں اس کا آغاز میلادِ مسیح سے پہلے یونان میں ہوا، جہاں انسان بلاغتِ کلام میں مسابقہ کرتے تھے، جہاں تمام ہنرمند مطلب کو دلیل، اسباب وعلل سے واضح وروشن کرنے پر زور دیتے

تھے، وہیں سے خطابت نے جنم لیا۔ بیہودہ، بے منطق، زور گوئی ہوفسطائیت کی صورت میں نمودار ہوئی سقراط نے اس کی راہ میں مزاحم ہوا اور گفتگو کو دلیل ومنطق سے پیش کرنے کی سنت کو جاری کیا اور اس کیلئے اصول وضوابط وضع کئے جیسے:

۱۔ گفتگو سامعین کیلئے اطمینان بخش وتسکین دہ ہو۔

۲۔ فکر ایک دوسرے سے مربوط اور مسلسل ہو۔

۳۔ گفتگو کی ساخت میں تیاری آمادگی پائی جائے۔

یہاں تک ۳۲۲ سے ۳۸۱ قبل میلاد مسیح کے دور میں بڑے بڑے نامور خطباء وجود میں آئے۔ ان میں سب سے مشہور خطیب دیموتیس اور دوسرے مرحلے پر رومان ہے۔ رومان کو پہلے پہل ادب اور فنون جمیلہ سے نفرت تھی اور وہ فن یونانی کے خلاف تھا۔ ۱۴۸ قبل مسیح میں اس کی موت کے بعد ۱۴۶ قبل مسیح روم، یونان پر مسلط ہوا تو روم، یونانی علماء مفکرین سے پر ہوگیا، یہاں سے ان کے بزرگوں، جوانوں اور اہل فکر میں ذوقِ خطابت آیا، انہوں نے ان سے خطابت سیکھنے میں انتہائی سرعت دکھائی۔ ان کے مشہور خطیبوں میں سے ایک شیشترون ہے۔ ۸

شیشرون کا خطاب

جب شیشرون، میلون قاتل کا وکیل بنا تو اس نے کمرۂ عدالت میں قاضی کے سامنے اپنے موکل میلون سے دفاع کرتے ہوئے کہا:

''قضاۃ محترم! شاید آپ لوگ مجھے طعن کریں یہ کتنا بے شرم وکیل ہے کہ قاتل کا وکیل بنا ہے، مجھے خود رعشاء آتا ہے کہ میں ایک قاتل سے دفاع کرنے کیلئے کھڑا ہوا ہوں، لیکن مجھے احساس ہے میں اس ملک کے سب سے شجاع ودلیر مند اور کریم کا دفاع کر رہا ہوں، میں اس بات کو ترجیح دیتا ہوں کہ میلون نے جس وقت قتل کا ارتکاب کیا، اس وقت وہ ہر فضیلت سے عاری وغائب تھا، لیکن وطن کی سلامتی کی فکر اس سے غائب نہ تھی، اگر میں اس کا دفاع نہ کروں تو یہ شرمندگی کی بات ہے، میں کیوں اس روح سے دفاع نہ کروں جس نے وطن سے دفاع کیا ہے۔''

حجاج بن یوسف کا خطاب

کتاب ''فن الخطابہ'' تالیف ڈاکٹر احمد محمد حوفی ص ۶۴ پر لکھتے ہیں:

جب حجاج، عبدالملک بن مروان کی طرف سے والی بن کر عراق کی بغاوت کو کچلنے کیلئے آیا اس نے اپنے پہلے خطاب میں کہا:

''اے لوگو! اگر تمہیں مرض نے تھکا دیا ہے تو میں اس کا علاج مہیا کروں گا، اگر کسی کو اپنی اجل میں دیر محسوس ہوتی ہے تو میں اسے جلدی حل کر دوں گا، اگر کسی کو اپنا سر بھاری لگتا ہے تو میں اسے ہلکا

کردوں گا، اگر کسی کو اپنا ماضی طویل نظر آتا ہے تو میں باقی عمر کو چھوٹا کردوں گا۔"

خطابت میں حسن وخوبی شعر سے کہیں زیادہ ہے، اسی وجہ سے خطابت میں جہاں ایک طرف لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا جاتا ہے تو دوسری طرف سے اپنے کلام کو قناعت کنندہ دلائل سے پر کیا جاتا ہے۔ ایک طرف سے جوش سے عواطف کو اٹھاتے ہیں تو دوسری طرف سے دلائل کے ذریعے دل کو مطمئن کیا جاتا ہے۔ اس مقصد کیلئے کبھی کلام میں طول دیتے ہیں، اگر ہنگامی حالات کا سامنا نہ ہو تو سامع پر کوئی چیز پوشیدہ نہ رہے۔ خطابت کی دوسری خصوصیت حکمت اور معانی دونوں میں وضاحت کا ہونا ہے، کیونکہ سامع کا بیک وقت متوجہ ہونا اور مطمئن ہونا اسی صورت میں ممکن ہے کہ کلمات کے معانی اس کیلئے واضح ہوں۔

شعر وخطابت دونوں اظہار مافی الضمیر کا مختلف ومتعدد انداز ہیں، دونوں قدیم زمانے سے انسانی معاشروں میں رائج ہیں یہ دونوں نہ تو دین کی پیداوار ہیں اور نہ ہی ان میں بہتری پیدا کرنے میں دین کا کوئی کردار ہوسکتا ہے۔ تاریخ میں ملتا ہے کہ قدامت خطابت شعر پر، لہٰذا کافرین وملحدین ومنافقین ومومنین ہر ایک نے اپنے مرام وعزائم پیش نظر ان دونوں سے استفادہ کیا ہے۔

۱۔ شعر کی تاریخ خطابت کے بعد ہے۔

۲۔ معاشرہ، ہمیشہ شعر پر خطابت ہی کو ادائے معانی کیلئے ترجیح دیتا آیا ہے۔

۳۔ حقیقت گو افراد نے ہمیشہ شعر سے گریز کرتے ہوئے حقانیت کو ترجیح دی ہے۔

چنانچہ دورِ جاہلیت قدیم اور اسلام کی آمد کے بعد خلفاء راشدینؓ، خلفائے بنی امیہ، خلفائے بنی عباس ان کے والیان، وزیران اور امراء تک اپنے احکامات خطابت ہی سے نافذ کرتے تھے، چنانچہ صاحب کتاب "جمھرۃ الخطب" نے نوے خطب شاہان، امراء، رؤساء قبائل وعشائر ودربار ملوک درج کیا ہے۔ دورِ اسلام میں نبی کریم ﷺ سے لے کر دورِ خلافت امیر المومنین علیؑ تک ۳۴۷ خطب نقل ہوئے ہیں، نہج البلاغہ کے خطب اس کے علاوہ بھی ہیں۔ بنی امیہ اور بنی عباس کے خلفاء کے خطب طوالت کی وجہ سے نقل نہیں ہوئے، آج تک دنیا میں اجتماعات چاہے دینی، اجتماعی، سیاسی ہو یا ثقافتی خطب ہی کے ذریعے اہداف ومقاصد تک پہنچے ہیں۔

۴۔ ہمیشہ جہلاء وگمراہ اور فاسدوں نے شعر کو ہی فروغ دیا ہے۔

شعر

کلمۂ شعر، "ش، ع، ر" کے دو اصل ہیں:

۱۔ بمعنی علم ونشانی ۲۔ بمعنی ثابت ودوام

۱)۔ الشِّعَارُ: بدن سے لگا ہوا کپڑا، تحتانی لباس ۲)۔ ملک وقوم کا علامتی اور امتیازی نشان

۳)۔ نعرہ (وہ عبارت جس سے کوئی جماعت اپنا تعارف کرائے) ۴)۔ بھیس

۵)۔ گھنا درخت، درختوں والی جگہ ۶)۔ جھنڈا (جو بطور علامت مستعمل ہو)

۷)۔ بیج، نبات، پودا۔ شعریہ: سویا۔ شعیر: جو ۸)۔ الشِّعَارُ التّجاری: تجارتی مہر (ٹریڈ مارک)

شعار وشعائر، روایات کے آئینہ میں

ان رسول اللہ أمر بالشعار قبل الحرب وقال: ولیکن فی شعارکم اسم من أسماء اللہ تعالی: "جب رسول اللہؐ نے جنگ سے قبل، شعار دینے کیلئے حکم دیا، فرمایا: تمہارے نعرے خدا کی اسماء میں سے ہونے چاہیے۔" (ح ۹۴۴۹) قال رسول اللہ لسریة بعثھا لیکن شعارکم: (حم لاینصرون) فانہ اسم من اسماء اللہ تعالی: "رسول اللہؐ نے جب سریہ کیلئے لوگوں جمع کیا، فرمایا تمہارے نعرا "حم لا ینصرون" ہونا چاہیے، کیونکہ یا اسماء اللہ میں سے ہے۔" (ح ۹۴۵۰) کان شعار أصحاب رسول اللہ یوم بدر "روز بدر اصحاب پیغمبر کے شعار "یا منصور أمت" تھا۔" (ح ۹۴۵۱) شعارنا یوم بدر: یانصر اللہ اقترب اقترب ...... شعار الحسینؑ: یامحمد، وشعارنا: یامحمد: "روز بدر ہمارا نعرہ "اے خدا کی نصرت قریب ہوجا وقریب ہوجاؤ... حسینؑ کا شعار یا محمد اور ہمارا نعرہ یا محمد تھا۔" (ح ۹۴۵۴) شعار المسلمین علی الصراط یوم القیامة "لا الہ الا اللہ وعلی اللہ فلیتوکل المتوکلون": "پل صراط پر مسلمانوں کے نعرے "تیرے سوائے کوئی معبود نہیں اہل توکل صرف اللہ پر توکل کرتے ہیں" ہوں گے۔" (ح ۹۴۵۶) شعار امتی اذا حملوا علی الصراط: یا لا الہ الا أنت "صراط پر میری امت کا نعرہ "اے پروردگار تیرے سوا کوئی معبود نہیں" ہوگا۔" (ح ۹۴۵۸) شعار المومنین علی الصراط یوم القیامة: رب! سلم سلم: "روز قیامت پل صراط پر مؤمنین کے شعار یہ ہیں: "اے پروردگار! سلامت رکھ، سلامت رکھ۔" (ح ۹۴۵۷) شعار المومنین یوم یبعثون من قبورھم: لا الہ الا اللہ وعلی اللہ فلیتوکل المومنون: "جس دن مؤمنین کو قبروں سے اٹھائے جائے گا ان کا نعرہ "تیرے سوائے کوئی معبود نہیں اہل توکل صرف اللہ پر توکل کرتے ہیں" ہوں گا۔" (ح ۹۴۵۹) شعار المومنین یوم القیامة فی ظلم القیامة: لا الہ الا أنت: "قیامت کی تاریکی میں مؤمنین کے شعار "اے پروردگار تیرے سوا کوئی معبود نہیں" ہیں۔" (ح ۹۴۶۰) [9]

اس وقت کلمۂ شعائر اپنے معنی ومفہوم کھو چکا ہے کسی بھی چیز کو شعائر دین قرار دے سکتے ہیں یہ اختیار نکاح خواں سے لے کر امام جمعہ، نمائندگان مراجع سے لے کر خود مراجع کو حاصل ہے یعنی یہ اپنی صوابدید اور اجتہاد پر کسی چیز کو شعائر دین قرار دے سکتے ہیں یہ اس سلسلے میں کسی قسم کی دلیل پیش کرنے کے ذمہ دار نہیں۔ دین وشریعت کو خراب وبرباد کرنے کا یہ ذریعہ اور طریقہ انتہائی وسعت کا حامل ہے، جبکہ کسی چیز کو شعائر قرار دینے کا حق صرف خدا اور اس کے رسول تک محدود ہے۔

شعرا کی جمع شعر ہے اور اس کی جمع الجمع اشعار ہے، بمعنی جاننا، ہوش مندی، کسی باریک چیز کا جاننا، بال اس کا بنیادی معنی ہے: "رجل اَشْعَر" لمبے اور گھنے بالوں والا آدمی، شعار گھنا درخت، درختوں والی جگہ ہے "استَشْعَرَ القوم" جنگ میں اپنی امتیازی علامت سے ایک دوسروں کو پکارنا ہے۔

شعر کو بال کی طرح دقیق و باریک ہونے کی وجہ سے شعر کہتے ہیں، عرف میں موزوں اور مقفّٰی کلام کو شعر کہا جاتا ہے، عربی زبان میں شعر کے لفظی معنی کسی چیز کو جاننے، محسوس کرنے یا اس کا شعور حاصل کرنے کے ہیں۔ شاعر کو شاعر اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ جو محسوس یا احساس کرتا ہے اسے دوسرا نہیں سمجھ سکتا، لہٰذا معروف ہے: "المعنی فی البطن الشاعر" شعر کا معنی شاعر کے شکم میں ہوتا ہے، اسی مناسبت سے باریک اور دقیق چیز کو بھی شعر کہتے ہیں یعنی جو پہلے مرحلے میں نہ دیکھی جا سکے اور نہ ہی درک کی جا سکے، اسی مناسبت سے جلدی اور دقت سے درک کرنے کو شعور کہتے ہیں، جو چیز دقت اور باریک بینی سے درک ہو، دقت نہ کرنے کی صورت میں ملامت کی جاتی ہے، کہا جاتا ہے جب تمہاری سمجھ میں نہیں آیا تو تم نے دقت کیوں نہیں کی؟ جیسا کہ اس سلسلے میں ارشاد ہوا ہے:

﴿بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لاتَشْعُرُونَ﴾ "وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں سمجھتے۔" (بقرہ ۱۵۴) ﴿إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَى رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ﴾ "ان کا حساب تو میرے رب کے ذمہ ہے، اگر تمہیں شعور ہو۔" (شعراء ۱۱۳) ﴿قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنْتُمْ لاتَشْعُرُونَ﴾ "اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تمہیں اطلاع بھی نہ ہو۔" (زمر ۵۵) ﴿أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لاتَشْعُرُونَ﴾ "کہیں (ایسا نہ ہو کہ) تمہارے اعمال اکارت جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔" (حجرات ۲) ﴿وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ﴾ "لیکن دراصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکہ دے رہے ہیں، مگر سمجھتے نہیں۔" (بقرہ ۹) ﴿أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لايَشْعُرُونَ﴾ "خبردار ہو! یقیناً یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں، لیکن شعور (سمجھ) نہیں رکھتے۔" (بقرہ ۱۲) ﴿وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ﴾ "دراصل وہ خود اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں اور سمجھتے نہیں۔" (آل عمران ۶۹) ﴿وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ﴾ "اور یہ لوگ اپنے ہی کو تباہ کر رہے ہیں اور کچھ خبر نہیں رکھتے۔" (انعام ۲۶) ﴿وَمَا يَمْكُرُونَ إِلَّا بِأَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُونَ﴾ "اور وہ لوگ اپنے ہی ساتھ فریب کر رہے ہیں اور ان کو ذرا خبر نہیں۔" (انعام ۱۲۳) ﴿فَأَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لايَشْعُرُونَ﴾ "ہم نے ان کو دفعتاً پکڑ لیا اور ان کو خبر بھی نہ تھی۔" (اعراف ۹۵) ﴿لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَذَا وَهُمْ لايَشْعُرُونَ﴾ "انہیں اس ماجرا کی خبر اس حال میں دے گا کہ وہ جانتے ہی نہ ہوں۔" (یوسف ۱۵) ﴿أَفَأَمِنُوا أَنْ تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِنْ عَذَابِ اللهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لا يَشْعُرُونَ﴾ "کیا وہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کے پاس اللہ کے عذابوں میں سے کوئی عام عذاب

آجائے یا ان پر اچانک قیامت ٹوٹ پڑے اور وہ بے خبر ہی ہوں۔" (یوسف ۱۰۷) ﴿أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾ "مردے ہیں زندہ نہیں انہیں تو یہ بھی شعور نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے۔" (نحل ۲۱) ﴿وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لايَشْعُرُونَ﴾ "اور ان کے پاس عذاب وہاں سے آ گیا جہاں کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔" (نحل ۲۶) ﴿أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لايَشْعُرُونَ﴾ "یا ان کے پاس ایسی جگہ سے عذاب آجائے جہاں کا انہیں وہم و گمان بھی نہ ہو۔" (نحل ۴۵) ﴿نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ بَلْ لايَشْعُرُونَ﴾ "وہ ان کیلئے بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں (نہیں نہیں) بلکہ یہ سمجھتے ہی نہیں۔" (مومنون ۵۶) ﴿فَيَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لايَشْعُرُونَ﴾ "پس وہ عذاب ان کو ناگہاں آجائے انہیں اس کا شعور بھی نہ ہوگا۔" (شعراء ۲۰۲) ﴿لايَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لايَشْعُرُونَ﴾ "ایسا نہ ہو کہ بیخبری میں سلیمان اور اس کا لشکر تمہیں روند ڈالے۔" (نمل ۱۸) ﴿وَمَكَرُوا مَكْرًا وَمَكَرْنَا مَكْرًا وَهُمْ لايَشْعُرُونَ﴾ "انہوں نے مکر (خفیہ تدبیر) کیا اور ہم نے بھی اور وہ اسے سمجھتے ہی نہ تھے۔" (نمل ۵۰) ﴿وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾ "انہیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ کب اٹھا کھڑے کئے جائیں گے؟" (نمل ۶۵) ﴿عَسَى أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَهُمْ لايَشْعُرُونَ﴾ "بہت ممکن ہے یہ ہمیں کوئی فائدہ پہنچائے یا ہم اسے اپنا ہی بیٹا بنالیں اور یہ لوگ شعور ہی نہیں رکھتے تھے۔" (قصص ۹) ﴿فَبَصُرَتْ بِهِ عَنْ جُنُبٍ وَهُمْ لايَشْعُرُونَ﴾ "تو وہ اسے دور ہی دور سے دیکھتی رہی اور فرعونیوں کو اس کا علم بھی نہیں ہوا۔" (قصص ۱۱) ﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لايَشْعُرُونَ﴾ "یہ لوگ صرف قیامت کے منتظر ہیں وہ اچانک ان پر آ پڑے اور انہیں خبر بھی نہ ہو۔" (زخرف ۶۶) ﴿قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لايُؤْمِنُونَ﴾ "آپ کہہ دیجئے نشانیاں سب اللہ کے قبضہ میں ہیں اور تم کو اس کی کیا خبر کہ وہ نشانیاں جس وقت آجائیں گی یہ لوگ تب بھی ایمان نہیں لائیں گے۔" (انعام ۱۰۹) ﴿وَلايُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا﴾ "اور وہ بہت احتیاط اور نرمی برتے اور کسی کو تمہاری خبر نہ ہونے دے۔" (کہف ۱۹)

ان تمام آیات کریمہ میں شعور حس و درک کرنے یا نہ کرنے کے معنوں میں آیا ہے۔

شعائر، شعور، شعار، شعر سب مادہ شعر سے ہیں، انسان کے جسم میں اگنے والے باریک بالوں کو بھی شعر کہتے ہیں، یہ بال نہ صوف (اونی) ہو اور نہ وبر (اونٹوں کے بال، نرم بال) میں، ان بالوں کو شعر کہتے ہیں جو انتہائی باریک ہوں، اسی مناسبت سے ہر باریک چیز کو یا تو شعر کہتے ہیں یا مادہ شعر سے بنا ہوا کوئی صیغہ اس کیلئے استعمال ہوتا ہے، چنانچہ وہ لباس جو بدن سے ملا ہوتا ہے اس کو شعار کہتے ہیں، اس لباس (شعار) کے اوپر جو لباس پہنا جاتا ہے اسے "دثار" کہتے ہیں۔ اگر کسی شخص کو اپنا محرم راز بناتا ہو اور اس سے قریب رہنے کا تقاضا کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں شعار بن جاؤ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے: آنحضرتؐ اپنے بعض اصحاب سے فرماتے تھے

تم شعار بن جاؤ نہ کہ دثار کیونکہ دثار بیرونی ہوتا ہے یا باہر والے کو کہتے ہیں۔

شعر

یونان کے فلاسفہ کا کہنا ہے، شعر وہ خیالی باتیں ہیں جن کا واقعیت اور اصلیت سے کوئی تعلق نہیں ہوتیں بلکہ قدرتی موجودات یا اس کے واقعات کو دیکھ کر جو خیالات شاعر کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اسے وہ اپنے مطلب اور موقعے پر موزون کر دیتا ہے۔ اس میں سچائی کی کوئی پابندی نہیں جیسے صبح کے نور ظہور دیکھتا ہے تو کہتا ہے: ''اس دیگِ مشرق سے دودھ گرنے لگے۔''

کبھی کہتا ہے: ''دریائے سیماب موج مارنے لگا۔''

یا کہتا ہے: ''مشرق سے کافور اڑاتا آتا ہے صبح تباشیر بکھیرتی آئی ہے'' وغیرہ۔

شاعر کبھی ایک حجرے میں تنہا بیٹھتا ہے، کبھی کسی درخت کے سائے میں تنہا بیٹھتا ہے، لیکن اپنی جگہ خوش ہوتا ہے، جس حال میں ہو بادشاہ نظر آتا ہے، بادشاہ کے پاس دفتر و دربار اور ساز و سامان موجود ہوتا ہے لیکن شاعر کے پاس ایسا کچھ نہیں، مگر الفاظ اور معانی کے ذریعے وہ اپنے لئے ان چیزوں کو بادشاہ سے ہزاروں درجے زیادہ کر کے دکھاتا ہے۔

کلمۂ اشعار، شعر سے لیا گیا ہے۔ جہاں کلمات کی تنظیم اور ترتیب میں انتہائی دقت سے کام لیا گیا ہو۔

شعر کی تعاریف

شعر کے لغوی معنی ''جاننا بوجھنا'' کے ہیں۔ شعر کی بہت سی تعریفیں کی گئی ہیں: مثلاً

۱۔ شاعری تنقید حیات ہے ان اصولوں کے تحت جو شاعرانہ صداقت اور شاعرانہ حسن کے مقرر کردہ ہیں۔ ۱۰

۲۔ شعر انسان اور فطرت کا عکس ہے اور شدید جذبات کا از خود چھلکنا ہے۔ (ورڈزورتھ)

۳۔ شعر مقفی انشاء ہے جو تعقل اور تخیل کی مدد سے انبساط کا پیوند صداقت کے ساتھ لگاتا ہے۔ (ڈاکٹر جانس)

۴۔ شعر الفاظ کا ایسا استعمال ہے کہ اس سے تخیل دھوکا کھا جائے۔

۵۔ شعر ایسا کلام ہے جو موزوں اور مقفی ہو اور بالارادہ لکھا گیا ہو۔

۶۔ شعر منطق کی وہ قسم ہے جس میں تصدیق کا قائم مقام تخیل ہوتا ہے اور یہ نفس پر انبساط یا انقباض کا اثر ڈالتا ہے۔ (ابن سینا)

۷۔ جو جذبات الفاظ کے ذریعے ادا ہوں، شعر ہیں۔ (شبلی نعمانی)

۸۔ سیدھی سادی اور سچی باتوں کو محض حسن بیان سے دلفریب بنانا کمال شاعری ہے۔ (نواب شیفتہ)

۹۔ شاعری موزوں اور پر ترنم الفاظ میں دلی جذبات کا اظہار ہے۔ (مجنوں گورکھپوری)

۱۰۔ شعر، ایسا موزوں کلام ہے جو مقفے ہو اور قصداً لکھا گیا ہو۔ (آزاد بلگرامی) ۱۱

بعض حکماء نے شعر کی یوں تعریف کی ہے: ۱۲

❁ ''شعر، اچھے عواطف و خیال پیش کرنے کو کہتے ہیں۔''

❁ ''شعر وہ حق ہے جسے شعور اور زندہ دلوں کیلئے نقل کرتے ہیں۔''

وزن، قافیہ، اتصال اور شعور سے وصل شعر کی بنیادی شرائط ہیں۔ شعراء وہم و خیال اور خواب میں زیادہ تر وہ باتیں کرتے ہیں جو حقیقت سے عاری اور فاصلے پر ہوتی ہیں گویا وہ زمین پر نہیں بلکہ ہوا میں ہیں، چنانچہ کسی بھی وقت اس کی ہوا نکل سکتی ہے اور زمین بوس ہوگی، کسی دن الفاظ کا حجاب ہٹ جائے گا اور حقیقت کشف ہو جائے گی۔ کسی بدشکل کو کتنا ہی قیمتی لباس سے آراستہ اور تزئین و آرائش کریں یا کسی بدبودار چیز کو جتنا معطر کریں، ضرور اس کی حقیقت ایک روز عیاں ہو کر سامنے آتی ہے۔

شعروشاعری

شعر کلام کے وزن اور قافیہ دار ہونے کو کہا جاتا ہے، اس سلسلے میں عرب قومیں دوسری اقوام پر امتیاز رکھتی تھیں۔ جب کتاب خدا، نبی آخرؐ پر نازل ہوئی اس وقت، عرب شعراء اپنی شعروشاعری میں اپنی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے، ان کی شعروشاعری کا یہ عالم تھا کہ وہ دنیا کے کسی بھی مشاعرے میں اپنے ادبی شعروں کی نمائش کرتے تھے، شعروشاعری کا یہ سلسلہ ہمیشہ سے جاری رہا اور اب بھی ہے۔ ۱۳

❁ شعر کے وزن کے حوالے سے کئی بحر ذکر کئے جاتے ہیں، خلیل احمد فراہیدی نے ان کی تعداد کا ذکر کیا ہے۔ قافیہ ارجوزہ کی دو اقسام پر ہیں: ۱۴

۱۔ ہر بیت کا قافیہ مستقل ہوتا ہے جو شعر کے دونوں اطراف میں تکرار ہوتا ہے یعنی تمام ابیات کا ایک قافیہ ہوتا ہے۔

۲۔ تمام ابیات کا قافیہ بدل جاتا ہے۔

۳۔ سادہ اور لطیف الفاظ میں اچھے مفاہیم ادا کرنے کو شعر کہتے ہیں۔

❁ اصطلاح میں شعر اس موزوں کلام کو کہتے ہیں جسے الفاظ کے کسی سانچے کے مطابق قصداً ڈھالا گیا ہو۔ اصطلاح شعر کے مطابق اس خاص پیمانے یا سانچے کو وزن یا بحر کہتے ہیں۔ ۱۵

❁ شعر، دو مصرعوں سے مل کر بنتا ہے یعنی اس کے دو برابر کے ٹکڑے ہوتے ہیں جیسے دروازے کے دو تختے۔ ۱۶

❁ شعر، اس کلام کو کہتے ہیں جو مقررہ وزن اور سجع میں لکھا جائے نثر کسی اور بحر میں نہیں ہوتی۔ ۱۷

❁ شعر (بالکسر) کے لغوی معنی جاننا ہے (اَلشِّعْرُ۔ داستن) اور اس کا اسم فاعل شاعر یعنی جاننے والا ہے۔ ۱۸

شعروشعراء ۱۹

جمال الدین سیوطی، ابن فارس کی فقہ اللغہ سے نقل کرتے ہیں، شعر اس موزوں قافیہ دار کلام کو کہتے ہیں جو ایک معنی پر دلالت کرتا ہو۔ یہ ایک بیت سے زیادہ پر مشتمل ہوتا ہے، ایک بیت سے زیادہ ہونے کی قید اس

لئے لگائی گئی ہے، کیونکہ ممکن ہے ایک ہی سطر میں شعر جیسا وزن ہو، لیکن شعر کا ارادہ نہ ہو، چنانچہ بعض نے ایک کتاب کے عنوان پر لکھا ہے:

للامام الامسیَّب بن زُھیرٍ من عِقَالِ بن شَبَّۃ بن عِقال

یہ ایک وزن ہے جس کو خفیف کہتے ہیں، لیکن کاتب نے اس کو شعر کی نیت سے نہیں لکھا۔

بعض نے کلام خدا کے مقابل اشعار کو پیش کیا ہے جسے ہم یہاں بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں، کیونکہ خدا نے اپنے کلام کو شعر سے پاک ومنزہ گردانا ہے، اسی طرح اپنے نبی کو بھی شعروشاعری سے پاک گردانا ہے۔

اگر کوئی کہے اس میں کیا حکمت ہے کہ خدا نے اپنے نبی کو شعر سے پاک قرار دیا ہے؟ اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے، خدا نے اپنی کتاب میں کہا ہے شاعر وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں جو ہر وادی میں پھرتے ہیں اور وہ بات کرتے ہیں جس پر خود عمل نہیں کرتے، پھر خدا نے فرمایا:

"سوائے وہ لوگ جو عمل صالح انجام دیتے ہیں۔"

پیغمبرؐ ایمان میں سب سے افضل اور سب سے زیادہ عمل صالح انجام دینے والے ہیں، لہٰذا پیغمبر کیلئے شعر گوئی مناسب نہیں، کیونکہ شاعر کیلئے چند شرائط درکار ہیں اور ان شرائط کا پاس رکھے بغیر شاعر نہیں کہا جا سکتا جیسے ایک انسان نے ایک موزوں کلام بنایا اور اس میں تمامتر کوشش کی گئی ہے کہ بغیر افراط کے سچائی کو لایا جائے یا اس میں ایسی چیزیں لائی جائیں جو یقینی ہوں تو لوگ اسے شاعر نہیں کہیں گے بلکہ اسے شاعری کی توہین قرار دیں گے۔

ہمیں ایسا کوئی شاعر نہیں ملا اور نہ ہی ملے گا جو کسی کی مدح یا کسی کی ہجو اور بغض کاری نہ کرے، لیکن یہ دونوں صفات خدا کے پیغمبر کیلئے سزاوار نہیں ہیں۔ اگر کوئی کہتا ہے کبھی کبھار شعر میں حکمت ہوتی ہے جیسا کہ پیغمبر سے مروی ہے بیان میں سحر ہے اور شعر میں حکمت ہے تو اس کا جواب یوں ہوگا خدا نے اپنے نبی کو شعر سے پاک قرار دیتے ہوئے فرمایا: "پیغمبرؐ کو شعر کے بدلے میں حکمت دی گئی ہے۔"

پیغمبرؐ کے شعر سے پاک ہونے کی توجیہ یہ ہے کہ اہل عروض کا اتفاق ہے صناعت عروض اور ایقاع میں چندان فرق نہیں، لیکن صناعت ایقاع زمانے کو نغموں سے کاٹتے ہیں۔ شعر ایک وزن دار ہے اور ایقاع سے زیادہ نزدیک ہے، جبکہ ایقاع ایک قسم کی لھو ہے جو پیغمبر سے دور ہے۔

ابن فارس لکھتے ہیں:

"شعر دیوان عرب ہے اور شعر ہی سے عربوں کا نسب محفوظ ہے۔ شعر سے ہی ان کی خدمات کا پتہ اور لغت سیکھی جاتی ہے، شعر ہی کے ذریعے کتاب خدا اور پیغمبرؐ کی احادیث کے مشکل کلمات سمجھ میں آتے ہیں۔ شعر کلام کا امیر ہے، لمبے کو مختصر اور مختصر کو لمبا کرتا ہے، ایک کو مقدم کرتا ہے تو ایک کو مؤخر کر دیتا ہے، ایک حقیقت سے آنکھ چراتا ہے تو ایک کی عیب گوئی کرتا ہے یا اعراب میں لحن کرتا ہے تو

ایک جگہ سے کلمہ ختم کر دیتا ہے۔ کلام عرب منظوم یا منثور دو قسم کے ہیں اور ہر ایک کے تین طبقات جید متوسط اور ردین ہیں اور ہر ایک کی تین قسمیں ہیں۔

شعر، دیوان عرب

دیوان، عربی کلمہ نہیں کہتے ہیں، اس کا اصل فارسی کلمہ دیو ہے، لیکن فی زمانہ یہ کلمہ سجل کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے یعنی دیوان ایک ایسا دفتر ہے جس میں عربوں کی عادات، تقالید، اخلاق، عقائد، دیانت اور ان کی نفسیات درج ہیں، لہٰذا بہت سے ادیبوں نے کہا ہے دور جاہلیت کے شعروں سے اس دور کی تاریخ معلوم ہوتی ہے ان کے اشعار سے ان کے خاندانی غرور، جنگ وجدال سے شغف کے علاوہ یہ بھی پتہ چلتا ہے وہ کس کی ہجو اور کس کی مذمت کرتے تھے۔ دیوان عرب، وہ مکتوب ہے جو دور جاہلیت کے اشعار کا مجموعہ ہے۔ ہمارے پاس کوئی ایسا دیوان نہیں جس میں دور جاہلیت کے اشعار بیان کئے گئے ہوں اور اس میں مضامین کے صحیح ہونے کی سند ہو یا ان کی توثیق پائی جائے۔ مسلمان قرآن کریم کے کے بعد سنت وسیرت رسول کریمؐ کو انتہائی اہمیت دیتے ہیں اور ان کے پاس قدیم ترین کتب احادیث صحیح بخاری، مسلم، موطا امام مالک، ترمذی وغیرہ اور امامیہ کے نزدیک کتب اربعہ موجود ہیں اور سب کا اتفاق ہے ان میں بھی بہت سی ضعیف احادیث پائی جاتی ہیں۔ علمائے کرام کی تمام تر کاوشوں کے باوجود کتب احادیث ضعیف الاسناد اور جعلی احادیث سے پاک ومنزہ نہیں ہیں، ایسے میں کیا آپ ان دیوانوں سے یہ توقع رکھ سکتے ہیں کہ ان میں موجود تمام اشعار انشاء کرنے والوں کے نام سے ہیں یا اشعار کسی اور شاعر کے ہیں اور منسوب کسی اور شخص سے کئے گئے ہیں لہٰذا کیسے کہا جا سکتا ہے کسی دیوان کے تمام یا اکثر اشعار صحیح ہیں یا جعلی؟ چنانچہ ہم اس سلسلے میں اشعار میں جعلیات کے عنوان کے ذیل میں بعض جعلیات پیش کریں گے جنہیں نقد وتنقید کرنے والے نقاد شعراء نے اپنی کتب میں پیش کیا ہے۔

علم العروض ؓ

وہ علم ہے جس میں شعر کیلئے ضروری اوزان کے بارے میں بحث کی جاتی ہے، جس کا موضوع الفاظ عرب ہے، اس علم کا بانی ومؤسس خلیل بن احمد ہے، علم عروض موسیقی کی فرع ہے، بعض نے کہا ہے یہ علم شعر کی فرع ہے۔ اس کے مبادی وبنیاد اشعار عرب میں جستجو کرنے سے حاصل ہوتے ہیں، یہ علم بلاغت کا ایک حصہ ہے، علم معانی میں کلمات اور کلام کی ترتیب وتنظیم کے بارے میں بحث کرتے ہیں، مرکبات عربی اپنی جگہ دو قسم کی ہیں منظوم اور منثور۔ منظوم کی شناخت علم عروض سے ہوتی ہے، لہٰذا اس کا شمار علوم عربیہ میں ہوتا ہے اس حوالے سے یہ مبادی علم معانی ہے، لیکن بعض نے کہا ہے یہ بذات خود ایک علم ہے۔

شعر، حکماء کے نزدیک ایک کلام خیال ہے جو اپنی مرضی پر ہے، چاہے موزون ہو یا غیر موزون۔ شعر کا دارو مدار تخیلات پر ہے، جہاں سے نفس انسانی قبض وبسط کی حالت پیدا کرتا ہے، یعنی نفس انسان آگے بڑھنے یا

روکنے میں تخیلات کا پابند ہے۔

متاخرین علماء نے شعر کو کلام موزون قافیہ دار کہا ہے اور تخیل کے تصور کو قابل اعتناء نہیں سمجھا۔ علم قافیہ اور وزن کے بانی خلیل بن احمد نے اشعار عرب کی تتبع کی اور انہیں پندرہ اوزان میں پایا، ہر ایک وزن کو "بحر" کہا ہے اور ان بحور میں ۳۴ عروض ۶۳ ضرب اور ۲۳ زحاف معتبر گردانے ہیں علت کہتے ہیں، خلیل نے اس کو لکھ کر استار کعبہ سے لٹکایا اور خدا سے دعا کی کہ انہیں ایسا علم دے جس پر کسی نے سبقت نہ کی ہو۔ خدا نے دعا مستجاب کی اور انہیں یہ علم دیا، لہٰذا انہوں نے اس کا نام علم عروض رکھا ہے معتز نے نقل کیا ہے خلیل نے اس علم کے نکلنے کی توجیہ میں لکھا ہے وہ بصرہ میں بازار قصارین سے گزر رہا تھا کہ اس نے وہاں کُذَینَق (کاف پر ضمہ ،ذال پر کسرہ، یاء ساکن، نون پر فتحہ ،ایک ایسے چڑے کو کہتے ہیں جسے مارا جاتا ہے۔) کی مختلف آوازیں ہر گھر سے سنی چنانچہ اس نے ان آوازوں کے مطابق ایک علم وضع کیا۔

عَرُوض

صاحب لغت نامہ دہخدا نے اس کلمے کیلئے بہت سے معانی نقل کیے ہیں ان میں سے ایک معنی شتر مادہ جو خارکش، خارخور ہو یا وہ حیوان ہے جو دوڑنے والا ہو یا وہ حرکت جو بغیر کسی مقصد کے ہو۔

العروض. هو الجزء الأخير من النصف الاول من البيت، وهي مؤنثة ، و بها سمي علم العروض، لانه ان عرف نصف البيت سهل تقطيعه: بیت کے پہلے نصف حصہ کا آخری جزء، یہ کلمہ مونث ہے، اور اسی سے علم عروض نام پڑا ہے، کیونکہ اگر نصف بیت کی شناخت ہو جائے تو شعر کے مختلف حصے کو (بحر کے ارکان) سے تولا جا سکتا۔

عروض، مصرع شعر کے آخری جزء کو بھی کہتے ہیں۔

صاحب نامہ دہخدا کا کہنا ہے یہ فن شناخت اوزانِ اشعار ہے سخن منظوم کے بارے میں جاننے کا ایک اصول ہے۔ یہ ان بارہ علوم میں سے ایک ہے جو عرب میں رائج تھے، اس علم کو عروض کہنے کے متعلق لکھتے ہیں: "موزون و غیر موزون کو اس علم سے پہچانا جاتا ہے۔" بعض نے کہا ہے، چونکہ اس علم کا مؤسس و بانی خلیل احمد فراہیدی ہے اور اسے اس علم کا انکشاف اس وقت ہوا جس وقت وہ مکے میں تھا اور عروض مکہ کے ناموں میں سے ایک ہے، چنانچہ اس علم کو متبرک گردانے کیلئے مکہ کے نام سے موسوم کیا۔

عروض، مصدر ہے جس کا معنی اسم مفعول یعنی معروض ہے۔ عروض: علم اوزانِ شعر، شعر کو اس کے سامنے پیش کر کے جانا جاتا ہے آیا یہ موزون ہے یا نہیں، یہ شعر کا معروض علیہ ہے۔ اس علم کے بانی و مؤسس کے بارے میں لکھتے ہیں: خلیل احمد فراہیدی متوفی ۱۷۰ ہجری قمری نے اسے علم موسیقی سے استخراج کیا ہے اور اس کو پانچ دائرے پر شامل کیا ہے جو کہ پندرہ بحر پر شامل ہے، اس کے بعد ابوالحسن سعید بلخی مقلب اخفش

اوسط متوفی ۲۱۵ ہجری نے اس میں ایک اور بحر اضافہ کیا ہے، شعرائے فارسی نے تین اور بحر کا اضافہ کیا ہے اس طرح انیس اوزان تک پہنچا۔ اس فن میں تالیف کا سلسلہ چوتھی ہجری میں شروع ہوا، کے قدیم ترین مؤسس میں ابوالحسن علی بھرامی سرخسی بزرجمہر قاینی یا قاسیمی یہ منشور قائی کا نام لیا جاتا ہے۔ انھوں نے عروض کے وزن کو (ف ع ل) فعل سے کیا ہے، جو لغت عرب کے اوزان کے برابر ہے، چنانچہ اس کا کہنا ہے، ضارب بروزن فاعل، مضروب بروزن مفعول ہے۔

- کلام منظوم کا سمجھنا علم عروض پر متوقف ہے لہٰذا علماء نے علم عروض کو علوم عربیہ میں گردانا ہے۔
- شعر علماء کے پاس ایک خیالی کلام ہے۔
- علم عروض پر لکھی گئی کتابوں میں ابن مالک "عروض ورقہ" اور جوہری سرفہرست ہیں، اسی طرح "طمعیہ" ابن حاجب، عروض ابن خلکان بھی معروف ہیں، اس علم کا مقصد شعر انشاء کرنے کا ملکہ و قابلیت اور استعداد آنے کے ساتھ اس میدان میں خطا سے بچنے اور اس کی تمہید و مقدمات اشعار عرب اور ان میں سے مستحسنات جنہیں طبیعت انسانی پسند کرتی ہے حاصل کرنا ہے۔

عروض نگاری کے اوزان

- **عروض**، اوزان شعر کو جانچنے کا علم، وہ علم جس میں شعر کے اوزان، بحور، زحافات کے اصول بیان کئے جاتے ہیں۔
- **عروض دان**: عروض کا جاننے والا، فن عروض کا ماہر۔
- **عروض دانی**: عروض کا علم، فن عروض میں مہارت، شاعری کے قواعد جاننا۔
- **عروض شناسی**: عروض سے واقفیت، عروض سے واقفیت رکھنے والا شاعری کے قواعد جاننے والا۔
- **عروض نگار**: علم عروض پر کتاب لکھنے والا۔
- **علم عروض**: شاعری ایک فن ہے اور اس فن کے اصول قواعد کا مجموعہ علم عروض کہلاتا ہے۔ اس علم کا موجد خلیل بن احمد ہے۔ شاعری کی اصطلاحات درج ذیل ہیں: وزن: وزن کے لغوی معنی "تولنا" اور "اندازہ کرنا" کے ہیں۔ اصطلاح میں کسی شعر یا کلام کو علم عروض کی مقررہ بحروں میں سے کسی بحر کے میزان میں تولنا "وزن" کہلاتا ہے۔ اگر شعر کا وزن بحر کے مطابق ہو تو وہ شعر صحیح متصور ہوگا، بصورت دیگر وہ شعر صحیح نہیں گردانا جائے گا۔ [۲۱]

علم و شعر [۲۲]

شعر شین پر کسرہ، عین پر ساکن، کلام موزوں و قافیہ دار کو کہتے ہیں۔ اہل عرب کے نزدیک وہ کلام جس میں وزن اور قافیہ کا پہلے سے قصد کیا گیا ہو شعر، جبکہ متکلم کو شاعر کہتے ہیں، کلام شعری کو کلام منظوم بھی کہتے ہیں۔

نظم

✿ مفہوم: نظم کے لغوی معنی موتیوں کی لڑی، موتی کو لڑی میں پرونا ہے۔

✿ اصطلاح: اصطلاح میں اس کا مفہوم شعر آراستہ کرنا، کلام موزوں ہے۔

✿ موضوع: نظم کا موضوع عام طور پر ایک خیال یا تصور ہوتا ہے جس میں ترنم، روانی اور تسلسل قائم رہتا ہے اس میں مرثیے یا قصیدے کی طرح کسی خاص موضوع کی قید نہیں۔

اقسام نظم: موضوع کے اعتبار سے نظم کی مندرجہ ذیل اقسام ہیں:

✿ حمد: جس میں خدا تعالیٰ کی عظمت بیان کی جائے۔

✿ مناجات: جس میں خدا تعالیٰ سے التجاء کے لہجے میں خیر و برکت کی دعا مانگی جائے۔

✿ نعت: جس میں رسول پاک کی عظمت بیان کی جائے۔ ان کی صفات و تعلیمات کا ذکر ہو اور اپنی عقیدت کا اظہار ہو۔

✿ قصیدہ: جس میں کسی زندہ شخص کی تعریف و توصیف بیان کی جائے۔

✿ ریختی: جس میں عورتوں کی زبان میں اشعار کہے گئے ہوں۔

✿ مثنوی: ایک مربوط اور مسلسل نظم جس میں ہر شعر کا قافیہ الگ ہوتا ہے۔

✿ شہر آشوب: جس میں کسی ملک، شہر یا تہذیب کی تباہی و بربادی کا ذکر ہو۔

✿ واسوخت: جس میں محبوب کی بے وفائیوں سے تنگ آ کر شاعر اسے جلی کٹی سناتا ہے اور ستاتا ہے۔

✿ رباعی: جس میں ایک ہی مضمون کو چار مصرعوں یا دو شعروں میں بیان کیا گیا ہو۔

✿ مثلث: مسلسل نظم جس میں ہر خیال تین مصرعوں میں مکمل ہوتا ہے۔

✿ قطعہ: چار مصرعوں کا ایسا ٹکڑا جس میں کوئی خال، مضمون یا واقعہ تسلسل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کا دوسرا مصرع ہم قافیہ ہوتا ہے۔

✿ مربع: چہار گوشہ نظم کی ایسی قسم جس میں مسلسل مضمون مختلف بندوں میں بیان کیا جاتا ہے، اس میں ہر چوتھا مصرع اور پہلا بند ہم قافیہ ہوتا ہے۔

✿ سانیٹ: جس میں مرکزی خیال کو دو بندوں میں مربوط انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔

✿ وزن: وزن کے لغوی معنی اندازہ اور پیمانہ وغیرہ ہیں۔ [میزان سخن ص ۲۸]

✿ نظم معری: ایسی نظم جس میں مجر ہوتی ہے مگر ردیف و قافیہ کی قید نہیں ہوتی، رفعت خیال اس کی خصوصیت ہے۔

✿ نظم آزاد: ایسی نظم جو مروجہ مجر اور ردیف و قافیہ سے بے نیاز ہو۔

اصناف نظم: اصناف نظم کی تقسیم دو طرح سے ممکن ہے:

۱۔ ہیئت کے لحاظ سے ۲۔ موضوع کے لحاظ سے [۲۳]

ہیئت کے لحاظ سے:

قصیدہ

قصیدہ، عربی زبان کا لفظ ہے، قصد کے معنی ارادہ کرنے کے ہیں، خاص طور پر اس صنف میں شاعر، چونکہ ایک خاص مقصد کے پیش نظر بلا ارادہ شعر کہتا ہے اس لئے اس صنف سخن کو قصیدہ کہا جاتا ہے۔

قصیدے کیلئے مندرجہ ذیل باتیں لازمی سمجھی گئی ہیں:

۱۔ زور بیان۔ ۲۔ تخیل کی بلندی۔ ۳۔ مبالغہ آرائی۔ ۴۔ تشبیہات و استعارات کی جدت اور کثرت۔
۵۔ مضامین کی رنگارنگی۔ ۶۔ زبان و علوم پر قدرت۔

بعض قصیدہ گو کو زندگی بھر معاش کی فکر نہ ہوئی، کیونکہ وہ اپنے وقت کے رئیسوں، نوابوں اور بادشاہوں کی شان میں اعلیٰ درجے کے قصیدے کہہ کر ان سے انعامات حاصل کرتے رہے اور ساتھ ہی بزرگان دین کی عقیدت میں قصیدے لکھ کر مذہبی حلقوں میں بھی نیک نام رہے۔ [۲۴]

بیت

بیت کی وجہ تسمیہ: بیت، لغت عرب میں گھر کو کہتے ہیں۔ لفظ بیت، بیتوتہ سے نکلا ہے جس کے معنی رات گزارنے کے ہیں۔ گھر کو اسی لئے بیت کہتے ہیں کہ عموماً وہاں راتیں گزاری جاتیں ہیں اور لوگ بالخصوص ایسی ہی جگہ راتیں گزارتے ہیں جہاں گھر ہوتے ہیں، اسی مناسبت سے عربی میں "شعر" کو بیت کہتے ہیں چونکہ عموماً اطمینان، سکون اور تنہائی دنوں کی بہ نسبت رات میں زیادہ پائی جاتی ہے، اس وقت شاعر اپنے خیالات کو بہ اطمینان تمام نظم کر سکتا ہے، اس طرح راتوں کا کچھ حصہ اس مشغلے میں بہ لطف گزر جاتا ہے، بعض کا قول ہے، جس طرح بیت یعنی گھر لوگوں کی نگاہوں میں قابل قدر ہے، گھر رکھنے والا معزز سمجھا جاتا ہے، اسی طرح صاحب شعر یعنی شاعر بھی قابل قدر ہے، چنانچہ اہل عرب میں مشہور ہے بہت سے ابیات یعنی اشعار ہونے کے بیوت کے گھروں سے بہتر ہیں۔ بعض کا خیال ہے، جس طرح صاحب خانہ اپنے گھر سے الفت رکھتا ہے، اسی طرح شاعر کو اپنے شعروں سے محبت ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ [۲۵]

ہر بیت یعنی گھر کیلئے دو پلوں کے دروازوں کی ضرورت ہوتی ہے، اسی رعایت سے بیت یعنی شعر میں بھی دو پلے قائم کئے گئے اور ہر پلے کا نام مصرع رکھا گیا، چونکہ عرب میں مکانات عموماً خیمے نما ہوتے تھے اس لئے بیت یعنی شعر کے ہر جزو اور مصرع کے ہر رکن کا اسی مناسبت سے نام رکھا گیا ہے۔ (بیت کو جب شعر کے معنی میں لکھیں گے تو اس کی جمع ابیات ہوگی اور گھر کے معنی میں لیں گے تو اس کی جمع بیوت لکھی جائے گی۔)

اگر کسی نے معنی کا ارادہ کیا، لیکن موزوں، قافیہ دار کلام اس سے از خود نکلا تو اسے شاعر نہیں کہتے، چنانچہ اس

تفسیر کے تحت قرآن ،حدیث شعر نہیں، چونکہ یہاں وزن دار لفظ کا ارادہ نہیں کیا گیا۔ یعنی شاعر و شعر وہ ہے جو پہلے سے وزن کا ارادہ کرے اور پھر اس کے لحاظ سے تکلم کرے۔ بیضاوی نے اپنی تفسیر میں سورہ شعراء کی آیت ۲۲۴ کے ذیل میں کہا ہے: شعراء کے اکثر مقدمات یا تمہید خیالات تھے جن کی کوئی حقیقت نہیں، ان کے اشعار عشق، عورتوں کی صفات، غزل، ناموس کی پردہ دری، دوسروں کی شان میں تنقید، دوسروں کے نسب میں عیب جوئی، جھوٹے وعدے اور غلط و بے بنیاد فخر، غیر مستحق لوگوں کی مدح و تعریف پر مشتمل ہوتے تھے۔

ابوالحسن اہوازی نے کتاب قوافی میں لکھا ہے۔

✿ بحر: کے لغوی معنی سمندر کے ہیں۔ اصطلاح میں بحر سے مراد چند ایسے موزوں کلمات ہیں جن پر شعروں کا وزن کیا جاتا ہے۔ بحر، جن اجزاء سے بنتی ہے ان کو ''ارکان'' کہتے ہیں۔ علم عروض میں بحروں کے اوزان اور ان کے نام مقرر ہیں۔

✿ تقطیع: کے معنی ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہیں۔ اصطلاح میں اس سے مراد شعر کے مختلف حصوں کو بحر کے ارکان کی حرکات وسکنات کے لحاظ سے تولنا ہے۔

✿ قافیہ: قفو سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں پے در پے آنے والا۔ اصطلاح میں اس سے مراد ہر شعر کے آخر میں ردیف سے پہلے آنے والے وہ الفاظ ہیں جن کی آخری آوازیں ایک جیسی ہوں مثلاً:

وحدت، الفت، کثرت، عشرت یا کلام، سلام، خرام، نظام وغیرہ قافیہ ہیں۔ اگر شعر میں ردیف نہ ہو تو قافیہ شعر یا مصرعوں کے آخر میں ہوتا ہے۔

✿ ردیف: کے لغوی معنی ہیں ''گھوڑے یا کسی سوار کے پیچھے سوار ہونے والا'' اصطلاح میں اس لفظ یا الفاظ کو کہتے ہیں جو قافیے کے بعد آتے ہیں اور دہرائے جاتے ہیں۔

مصرع: ہر شعر کے دو حصے ہوتے ہیں اور ہر حصے مصرع کہلاتا ہے۔

مطلع بطلوع ہونے والی جگہ، مگر اصطلاح میں کسی نظم یا غزل کا پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے۔ اس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوتے ہیں۔

مقطع: آخری شعر جس میں شاعر عموماً اپنا تخلص استعمال کرتا ہے ''مقطع'' کہلاتا ہے۔

قافیہ اور ردیف

قافیہ اور ردیف بھی شعر سے تعلق رکھنے والی دو اہم چیزیں ہیں۔ شعر میں دونوں مصرعوں کے آخر میں دہرائے جانے والے الفاظ ردیف ہیں (ردیف کے معنی ہیں وہ شخص جو گھڑ سوار یا ناقہ سوار کے پیچھے بیٹھتا ہے) شعر میں اور خاص طور پر غزل میں ردیف کا التزام کیا جاتا ہے، تاہم کبھی کبھی ردیف کو قابل اعتناء نہیں سمجھا جاتا اور اسے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ردیف سے پہلے آنے والے ہم آواز الفاظ قافیہ کہلاتے ہیں۔ قافیہ، شعر کا لازمی جز ہے، اس کے بغیر شعر کی تکمیل ممکن نہیں۔ [26]

✿ قافیہ: ان چند حروف اور حرکات کے مجموعے کو کہتے ہیں جو اشعار کے آخر میں بار بار لائے جائیں۔

✿ قافیہ، قفو یا قفا سے مشتق ہے جس کے معنی پیچھے آنے والے کے ہیں اور بعض کا خیال ہے قافیہ [قافِ مفتوح و فائے مکسور] اصل میں قافی اسم صفت فاعلی تھا جس کے لغوی معنی، پیچھے جانے والا ہے جب اسے وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل کیا گیا تو عربی قاعدے کے مطابق ''ت'' آخر میں اضافہ ہوئی جیسے کافیہ، شافیہ، لیکن شاعروں کی اصطلاح میں چند حروف و حرکات کے مجموعہ کو (خواہ وہ مجموعہ بامعنی ہو یا بے معنی) قافیہ کہتے ہیں جس کی تکرار بہ الفاظ مختلف غیر مستقل طور پر بیت یا مصرع کے آخر میں ردیف سے قبل آئے، اسی طرح اگر اس بیت میں ردیف نہیں ہے تو قافیہ بیت یا مصرعوں کے آخر میں ہوگا۔ الفاظ مختلف، غیر مستقل کی تکرار سے مراد یہ ہے کہ مختلف الفاظ خواہ لفظاً ہوں یا معناً یا ہر دو صورت غیر مستقلاً بار بار آئیں۔ اگر مستقل طور پر وہی لفظ مکرر آئے تو ردیف کہلائے گا۔ [27]

قافیہ کی تعریف میں علمائے فن میں اختلاف ہے۔ مفتاح میں سکاکی نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں:

✿ خلیل ابن احمد کا قول ہے قافیہ کی حد، آخر بیت سے اس ساکن تک ہے جو اس سے قبل اور نزدیک ہو اور اس ساکن کے قبل کا متحرک بھی حروف قافیہ میں داخل ہے۔

✿ اخفش کا خیال ہے بیت کا کل کلمہ آخر قافیہ میں داخل ہے۔

✿ بعض کے نزدیک صرف ''حروف روی'' قافیہ ہے۔

بہر کیف جداگانہ لفظیں جو صورت یا معنی یا دونوں کے اعتبار سے بار بار بدل کر ردیف سے قبل آئیں، قافیہ کہلاتی ہیں۔

✿ ردیف: وہ ایک یا ایک سے زیادہ الفاظ جو کسی شعر کے شعر کے آخر میں قافیہ کے بعد جوں کے توں دہرائے جاتے ہیں۔ [28]

✿ ردیف: ردیف، لغت میں اس سوار کو کہتے ہیں جو گھوڑے پر کسی سوار کے پیچھے بیٹھا ہو اور اصطلاح میں اس مستقل کلمہ کو کہتے ہیں جو آخر مصرع یا بیت میں قافیے کے بعد آتا ہے۔ خواجہ نصیر الدین طوسی کے خیال میں تکرار لفظ ضروری ہے، جبکہ تکرار معنی ضروری نہیں اور لفظ یا کلمہ مستقل کی قید بھی لازمی نہیں۔ محقق مذکور کی رائے میں اگر ایک کلمہ معنی مختلف میں بھی آئے تو وہ ردیف ہے، لیکن علمائے فن کا بالا اتفاق یہ خیال ہے کہ لفظ مستقل کا ہونا ردیف کیلئے ضروری ہے اور یہ ایک ہی معنی میں ہر جگہ مستعمل ہو۔ ردیف کا کلمہ مستقل ہونا بیشک ضروری ہے ورنہ اس پر قافیے کا اطلاق ہو جائے گا، لیکن تکرار لفظی کے ساتھ تکرار معنی لازمی نہیں مثلاً:

وہ زندہ ہم ہیں کہ ہیں روشناسِ خلق اے خضر — نہ تم کہ چور بنے عمرِ جاوداں کیلئے
گدا سمجھ کے وہ چپ تھا مری جو شامت آئے — اٹھا اور اٹھ کے قدم میں نے پاسباں کیلئے

(دونوں شعروں میں ردیف دو (۲) معنوں میں آئی ہے)

قافیوں کے بعد ردیف کا لانا ضروری نہیں بلکہ مستحسن ہے، ردیف وار شعر کو مردّف کہتے ہیں، لیکن قافیوں کا ہونا شعروں میں لازمی ہے، بعض اہل فن کا خیال ہے ردیف شعرائے عجم کی ایجاد ہے، شعرائے عرب میں متاخرین نے اہل عجم کی تقلید میں مردف اشعار کہے ہیں، اختلاف ردیف قطعاً نا روا ہے۔ [میزان سخن ص ۱۴۰]

علم قوافی

یہ وہ علم ہے جس میں بیتوں کے آخر کا تناسب اور عیب و نقص کے بارے میں بحث کی جاتی ہے اس علم کی غایت شعر گوئی کا ملکہ حاصل کرنا ہے، جس کے تحت شعر کا آخر ایسے عیب سے خالی ہو جو طبع سلیم کو پسند نہیں ۲۹

ڈاکٹر مسعود رضا خاکی اور جدید مرثیے

شاعری انسان کے حساتی ادراک کا ایک وجدانی ردعمل ہے۔ میں نے جب بھی اس انداز سے شعر کے وسیع و زرخیز میدان کو اپنے شعور کی آنکھ سے دیکھا تو محسوس ہوا کہ جذبات کو خیالات کے ساتھ مربوط کرنے کا عمل شاعری کی ہر صنف میں شامل ہے۔ چاہے وہ غنائی ہو یا ڈرامائی، محاکاتی ہو یا تخیلاتی، واقعاتی ہو یا احساساتی۔ ہر صنف شاعری کی شعریت اسی میں مضمر ہے کہ وہ کسی امر کے تخیلاتی ادراک کو ایک خاص ماحول کی نسبت سے پیش کرے۔ یہی وجہ ہے کہ شاعر کے شخصی جذبات عوامی سطح پر لوگوں کے جذبات یا فطرت کے مناظر یا انسانی زندگی کے واقعات و معاملات کے رخ کا تعین کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ ۳۰

ڈاکٹر شبیہ الحسن، کتاب "معتبر مرثیے" کے مقدمے میں قیصر بارہوی کی مرثیہ نگاری کے بارے میں کہتے ہیں ان کے ہاں محاکات منظر نگاری اور جزئیات نگاری عہد موجود سے مناسبت رکھتی ہے۔ وہ ہواؤں اور فضاؤں سے گفتگو کرتے اور ریگزاروں سے ہم کلام ہونے کا ہنر جانتے ہیں قیصر بارہوی زمان و مکان کی وسعتوں سے ماورا ایسا مقام بھی ہمارے مشاہدے میں لانے پر قدرت رکھتے ہیں جسے وجدان کی آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے، قدرت بیان کے حوالے سے وہ کسی بھی مشکل کو خاطر میں نہیں لاتے، بلکہ اظہار کی سنگلاخ وادی میں پا بہ جولاں گزرتے ہوئے محسوس کرتے ہیں اور اپنے قاری کو ہم رکاب لے کر آگے بڑھنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ وہ مرثیے میں انسانی نفسیات کی باریکیوں کو شعریت کا جامہ پہنا کر داد وصول کرنے کا ہنر جانتے ہیں۔ انہیں لفظ برتنے اور معنویت میں گہرائی اور گیرائی پیدا کرنے کا سلیقہ آتا ہے۔

شعر

اصطلاح ادباء میں موزون و قافیہ دار کلام کو شعر کہتے ہیں۔ قدامت شعر، قدامتِ انسان کی مانند ہے، کیونکہ انسان کی طبیعت میں ترنم کی طرف جھکاؤ ہے، یہ گھونسلے میں موجود پرندوں کی مانند ہے، جب یہ کوئی مسافت طے کرتا یا زحمت و مشقت والا عمل کرتا ہے تو خود کو سکون کی طرف پلٹانے کیلئے اپنی زبان کو ترنم کیلئے

حرکت میں لاتا ہے، اسے ایسا کلام چاہیے جو عاطفے کو جوش میں لائے اور سماعت کو لذت ملے۔ ان اہداف کے حصول کیلئے شعر وجود میں آیا ہے۔ ہم یہ نہیں کہیں گے کہ شعر کلام میں آرائش و زیبائش پیدا نہیں کرتی ہے انسانی زندگی سادگی سے سازگار تھی پھر اس نے ترقی کی اور خود کو آراستہ کیا، جس طرح انسان دوسری چیزوں میں ترقی کرتا گیا یہاں تک کہ اس منزل پر جا پہنچا جہاں اسے آج ہم دیکھ رہے ہیں۔

شعر زبانی اور موثر اسلحہ ہے، اگر اسے غزل میں استعمال کر کے جوانی کی تاروں کو چھیڑا جائے تو دلوں اور خواہشات کو دھوکہ دیتا ہے اور جسم کو تخیل کیلئے آمادہ کرتا ہے، اگر میدان شجاعت و شہامت کی طرف لگائیں تو نفس کو ہیجان میں لاتا ہے، یہاں تک انتہائی مشکلات میں کود پڑتا ہے۔ کسی کو اٹھانے، کسی چیز کو طلب کرنے کوئی مطالبہ منوانے یا عواطف کو حرکت میں لانے کیلئے الگ الگ کلام ہوتا ہے۔ ہر ایک کی اپنی مناسبت ہے۔ یہ عاقل و رشید اور عقلمند انسان کے پاس ایک مفید اسلحہ بھی بن سکتا ہے، لیکن اس انسان کیلئے انتہائی نقصان دہ ہے جو کسی ذمہ داری کو تحمل کرنے کیلئے تیار نہ ہو۔ پوری تاریخ انسانیت میں اقوام و ملل میں شعراء کے دو گروہ سرگرم رہے، بعض نے مصلحین کی حمایت کی اور انہوں نے مشکلات کو نرم و سہل کرنے کیلئے شعر کو اٹھایا، جبکہ دوسرے گروہ نے خواہشات و دھوکہ دہی کیلئے اسے استعمال کیا ہے۔ ۳۱

اصناف سخن

غزل

الغَزْل: کاتا ہوا، المغزل، کاتنے کی جگہ، سوت کاتنے کا چرخہ یا تکلا، کاتنے کی مشین۔ غَزَلَ الصُّوفَ و القُطنَ: روئی اون وغیرہ، کاتنا، دھاگے بنانا۔ غَزِلَ، غَزْلاً: عورتوں سے بات چیت کرنے اور ان سے پینگیں بڑھانے کا رسیہ ہونا۔ غازل المرأۃ: عورت سے عاشقانہ باتیں کرنا اور اظہار محبت کرنا۔ الغزال، ہرنی کا بچہ۔ غزل وہ ہے جس میں حسن و عشق کے معاملات کا ذکر ہو۔ غزل کے لغوی معنی عورتوں کے ساتھ در پردہ یا عورتوں سے متعلق عشق و محبت کی باتیں کرنے کے ہیں۔ ہرن کی وہ دردناک آواز بھی غزل کہلاتی ہے جو شکاریوں کے نرغے میں گھرنے اور خوف کے مارے اس کے منہ سے نکلتی ہے۔ غزل کے ایک معنی جوانی کا حال بیان کرنے کے بھی ہیں۔ ۳۲

غزل، اردو شاعری کی ایک اہم اور مقبول ترین صنف ہے۔ بعض لوگوں نے اس کے معنی محبوب سے بات چیت کرنا لکھے ہیں۔ اصطلاح میں غزل ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں حسن و عشق کی واردات نہایت موثر اور لطیف انداز میں بیان کی جائے۔ غزل ایک عرصے تک عاشقانہ معاملہ بندیوں اور ہجر و وصال کی داستانوں کیلئے مخصوص رہی، لیکن آہستہ آہستہ اس کا دامن وسیع ہوتا چلا گیا اور اس میں تصوف، اخلاق، سیاست، مناظر فطرت اور حکیمانہ خیالات بھی بیان ہونے لگے۔

❁ غزل کے پہلے شعر کے ہر دو مصرعے میں قافیہ ہوتا ہے اور یہ قافیہ پہلے شعر کے قافیوں کا ہم قافیہ ہوتا ہے۔

✿ غزل میں عام طور پر پانچ سے گیارہ شعر ہوتے ہیں۔
✿ زیادہ تر عشق ومحبت اور تصوف واخلاق کے مضامین غزل میں پیش کئے جاتے ہیں۔
✿ اصطلاح شعروسخن میں غزل سے مراد شاعری کی وہ قسم ہے جس میں جذباتِ شباب یعنی حسن وعشق کے معاملات نہایت موثر اور لطیف انداز میں بیان کئے جائیں۔ غزل ایک عرصے تک معاملات حسن واردات عشق اور کیفیات ہجر ورساں کے اظہار کیلئے مخصوص رہی مگر آہستہ آہستہ اس میں صوفیانہ، فلسفیانہ، اخلاقی اور سیاسی ہر قسم کے مضامین بھی شامل کر لئے گئے۔ ۳۳

روایت کا التزام

غزل میں روایات کی پابندی ضروری سمجھی جاتی ہے: مثلاً
۱۔ محبوب کے نام کی بجائے اسم ضمیر استعمال کی جاتی ہیں۔
۲۔ محبوب اگر چہ لڑکی یا عورت ہوتی ہے، لیکن اس کیلئے مذکر صیغہ استعمال کرتے ہیں۔
۳۔ رسمی طور پر محبوب کو سنگ دل، ظالم، بے مروت اور بے وفا وغیرہ کہا جاتا ہے اور عاشق کو نا کام ونامراد اور بدنصیب وغیرہ کہتے ہیں۔

غزل کا موضوع

غزل ہمیشہ کسی سے لگاؤ اور میل ومحبت کا شاخسانہ ہوتی ہے۔ اس کا موضوع ہمیشہ عورت ہوتی ہے۔ غزل میں عورت کے باطنی اخلاق اور ظاہری حسن وجمال اور ان تصورات کی عکاسی کی جاتی ہے جو غازل کے اندر مغزول العنہا کے بارے میں منعکس ہوتے ہوں اور وہ اس کے فراق وجدائی اور ارمان کو ختم کر کے وصال کے خواہاں ہونے کا مظاہرہ کرتا ہے، یہیں سے شعر دقیق وباریک بین ہوتا ہے۔ عام طور پر جوان عشق کے الفاظ استعمال کرنے میں پیش پیش ہوتے ہیں ان پر جنسیت کا غلبہ ہوتا ہے اور یہ دشت ویابان وصحرانشینی کو اپنے قصر وقصور سے زیادہ بہتر پیش کرتے ہیں، کیونکہ یہ اپنے گھر کو محدود اور دشت ویابان وجنگلات کو اپنے لئے محیط آزادی تصور کرتے ہیں۔ ہم شعر سرائی کے بنیادی اغراض ومقاصد اور اہداف کو عقل، قرآن وسنت، سیرت پیغمبر اسلامؐ، سیرت آئمہؑ واصحابؓ اور دنیا کے شرافت مندوں کے نکتہ نظر کی روشنی میں تلاش کرنے کی کوشش کریں گے۔

علامہ شبلی نعمانی نے شعرعجم میں لکھا ہے، میری نظر میں فارسی میں سب سے پہلے غزل لکھنے والے "رودگی" ہے ان سے غزل کو دیگر اشعار سے بطور جدا لکھا ہے۔ کہتے ہیں غزل عربوں کی اختراع نہیں ہے۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی کی نظر میں سلسلہ نسب غزل اردو میں فارسی سے آئی ہے، غزل نے مکتب میخانہ ایران سے جنم لیا ہے اور پھر یہ وہاں سے ہندوستان آئی۔ شاتروان پروفیسر حمید احمد خان لکھتے ہیں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ آٹھویں میلادی سے پہلے غزل کا وجود نہیں تھا یہ نویں صدی میلادی کے آخر میں فارسی زبان سے شروع

ہوئی، سب سے پہلے رودگی نے غزل پر دیوان ترتیب دیا۔ پروفیسر عابد علی عابد کا کہنا ہے سب سے پہلے رودگی نے فارسی میں غزل کہی، وہ صاحب دیوان شاعر تھے۔ سید محمد عبداللہ کہتے ہیں، رودگی اور ان کے ہمعصر لوگوں نے پہلی بار غزل کو قصیدے سے جدا کر کے ایک مستقل فن کے طور پر پیش کیا ورنہ عربی شاعری میں غزل نامی کسی صنف کا وجود نہ تھا گرچہ غزل خود ایک عربی کلمہ ہے۔ [کتاب فارسی علامہ اقبال پروفیسر منور ص۴۲]

غزل کے موضوعات

غزل کے موضوعات کا تعلق بالخصوص ان جذبات سے ہے جن کا سرچشمہ محبت ہے۔ محبت ہر انسان کا ایک فطری خاصہ ہے، بنابرایں مختلف قسم کی عاشقانہ واردات وکیفیات غزل کا بنیادی موضوع ہیں مثلاً محبت کے غم اور خوشیاں، دردِ فراق، کیفِ وصال، حسن کی ادائے بے نیازی، عشق کی وارفتگی، اضطرابِ انتظار، رندی و سرمستی، سوز وساز کی جاں گذاریاں، جفائے محبوب اور عقل وجنون کا تصادم غزل کے فطری موضوع ہیں، مگر اس دور میں غزل کے دامن میں اس قدر ہمہ گیری اور وسعت پیدا ہو چکی ہے کہ اب اس میں ہر قسم کے مذہبی اخلاقی، تمدنی، سیاسی، عمرانی، معاشرتی تصورات وعقائد اور فلسفیانہ مسائل بے تکلف بیان کئے جاتے ہیں۔ غزل کی اس ہمہ گیری کے ایک باوصف نقاد نے کہا ہے "اردو غزل کا سرچشمہ دل کی فضا ہے اس میں دماغ کی تخلیق کیلئے کوئی جگہ نہیں" محبت غزل کا حقیقی موضوع ہے۔ ۳۴

مثنوی

مثنوی عربی کلمہ ثنی سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں "دوتہوں والا" اصطلاح شعر میں مثنوی ایسی مسلسل نظم ہے جس کے ہر شعر کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوں اور ہر شعر کے قافیے الگ الگ ہوں، مگر مضمون مربوط ہو۔ قصیدے یا غزل کی ہیئت میں ایک ہی ردیف اور قافیے کی پابندی کی وجہ سے مسلسل مضامین بیان کرنے کی گنجائش کم ہوتی ہے، لیکن مثنوی میں اشعار کے مختلف القوافی ہونے کے باعث مسلسل مضامین بڑی آسانی سے نظم کئے جاسکتے ہیں، مثنوی کے اشعار کی تعداد مقرر نہیں۔ مثنوی مختصر سے مختصر بھی ہوسکتی ہے اور طویل سے طویل بھی۔

بعض اوقات اس کے اشعار کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچتی ہے۔ مثنوی عام طور پر چھوٹی بحروں میں لکھی جاتی ہے، کہتے ہیں شاعری میں زیادہ بکا آور صنف یہی ہوسکتی ہے، اس میں ظاہری اور معنوی اعتبار سے بلند پایہ شاعری کے تمام اوصاف موجود ہیں۔ مثنوی میں عام طور پر کوئی قصہ، تاریخی واقعہ یا جنگ وغیرہ کی طرح کے طویل مضامین بیان کئے جاتے ہیں۔

آزاد شاعری

۱۹۴۰ء کے بعد عرب ممالک میں آزاد شاعری کی تحریک چلی۔ جس کا موضوع عرب اسرائیل جنگ، اسرائیل کا عربوں کے علاقے پر قبضہ تھا۔ اس سلسلے میں ۱۹۴۷ء میں قابل ذکر شعراء "نازک الملائکہ" اور "بدر شاکر

السیاب" پیش پیش رہے، بلکہ ان دونوں سے اس نوعیت کے اشعار کا آغاز ہوا، ان دونوں کی نظموں کے مصرعے چھوٹے بڑے اور بحریں ایک جیسی تھیں۔ گویا ان کی نظمیں مسلمہ شعری اقدار کے خلاف ایک بغاوت تھیں۔

نازک ملائکہ نے اپنے دوسرے مجموعہ کا نام "شظایا و رماد" (بم کے ٹکڑے اور راکھ) رکھا۔ نازک الملائکہ کا کہنا ہے، شاعری کی صورتیں اس حد تک بڑھ چکی ہیں کہ آج وہ شاعر کے تجربہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اس نے آزاد شعر انشاء کرنے پر زور دیتے ہوئے کہا آزاد شاعری کا مصرع چاہے تین انچ کا ہو یا آٹھ انچ کا، شاعر کو اپنی بات کرنے کی پوری آزادی دیتا ہے، اسے اپنی سطروں میں الفاظ کی بھرتی کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

نازل الملائکہ اور بدر شاکر السیاب، عبدالوہاب البیاتی اور بلند الحیدری نے اس سے بڑھ کر شاعری کو لچکدار بنایا، اور شاعری کو ہر قسم کے اصول، اقدار نگاری، جذبات واحساسات سے آزاد کرایا۔ اصل میں یہ دونوں کمیونسٹ پارٹی سے تعلق رکھتے تھے، چنانچہ اس سلسلے میں شامی شاعر یوسف الخال جب ۱۹۵۵ء میں امریکہ سے واپس آیا تو اس نے جدید شاعروں کے اشعار کے فروغ کیلئے مجلّہ نکالنے اور اس کو چھاپنے کیلئے پریس لگانے کی کوشش کی، تاکہ اس میں نوجوان شعراء کے اشعار کو فروغ دے سکے، چنانچہ اس نے ایک سہ ماہی مجلّہ "شعر" جاری کیا جس میں صرف شاعری ہی ہوتی تھی۔ اس میں یوسف الخال، بدر شاکر السیاب، علی احمد سعید، شوقی ابی شقرا فوائد رفقہ، محمد الماغوت، جبرا ابراہیم جبرا توفیق صائغ، خلیل حاوی، ریاض الریس، عصام محفوظ، سعدی یوسف، نازک الملائکہ اور بلند الحیدری شامل تھے، مجلّہ "شعر" کی تحریک سے وابستہ شعراء زیادہ تر عیسائی تھے اور اپنے مخصوص نقطہ نظر سے اپنی شاعری کے میدان کو وسعت دیتے گئے، یوسف الخال خود بھی مسیحی تھا۔

شعروشاعری میں زوراثر، جلد پذیرائی، استقبال کے دعوے کرنے والے کسی بھی عقل ومنطق، دلیل وبرہان سے اس مدعا کو ثابت کرنے سے عاجز وناتوان ہیں۔ ہاں باہر انہیں جو پذیرائی یا استقبال مل رہا ہے وہ ایک حقیقت ہے، لیکن اس حقیقت کا بھی ایک سبب ہے، لیکن یہ سبب شعروشاعری کی حقیقت گوئی کی طرف برگشت نہیں کرتا، کیونکہ اس میں کوئی حقیقت نہیں، لہٰذا اس پذیرائی کے اسباب کو ماورائے حقیقت تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ ماورائے حقیقت یعنی باطل، یعنی حقیقت سے خارج میں تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ حقیقت کی سرحد سے خارج دو ہی میدان ہیں۔ ایک کا نام مادیات ہے، ہاتھوں ہاتھ وسائل ذرائع کا حصول ہے جو کوئی طاقت وتوانائی فراہم کرتی ہے، اس کی واضح وروشن مثال ہر ملک میں بے تحاشا چھپنے والے جرائد ومجلّات ہیں، جن میں نئی دنیا کی نہ کوئی اہم خبر ہوتی ہے اور نہ ہی حقائق انکشاف ہوتے ہیں، یہ مفت میں ترسیل کئے جاتے ہیں یا ضائع کردیئے جاتے ہیں، لیکن سرورق پر اس کی کثیر تعداد اشاعت کا ڈھنڈورا پیٹتے

ہیں، ان لوگوں کے پس پشت باطل طاقتیں سرگرم ہیں جنہیں دیکھنے کیلئے نہ سادہ آنکھ کام کرتی ہے نہ مائیکرو سکوپ وٹیلیسکوپ کی ضرورت ہے، بلکہ اس کیلئے معمولی عینک ہی کافی ہے۔

ہر انسان اپنے اوپر کسی بھی قسم کی ذمہ داری ومسئولیت اٹھانے سے گریز کرتا ہے، اس کی نظر اسی دنیا کی خوشحال زندگی پر مرکوز رہتی ہے، لہٰذا جن جن لوگوں نے دین ودیانت چھوڑ کر مادرزاد آزاد زندگی دینے کی دعوت دی وہاں عوام کا انبار لگ گیا، یہ چیز آپ کو داعیان حق وباطل کی تاریخ کے صفحات میں بھری ہوئی نظر آئے گی، لہٰذا شعر میں اتنی گنجائش نہیں کہ لوگوں کو جمع کرے بلکہ مادرزاد آزاد ہونے کی دعوت میں یہ اثر ہے کہ لوگوں کو جمع کرتی ہے، لہٰذا شعر کے علاوہ بھی ایسے اجتماعات ہیں جہاں بے دینی کا اعلان ہو تو لمحے بھر میں بے دینوں کا ہجوم لگ جاتا ہے۔

شعرگوئی کی اقسام

صاحب تاریخ ادب العربی، معجز ص ۲۰ پر لکھتے ہیں شعرگوئی میں درج ذیل اغراض شامل تھیں:

۱۔ **حماسہ:** میدان جنگ میں برسرپیکار شجاعان کی صفات، بطولت وفروسیت اور شجاعت وشہامت بیان کرنے کیلئے شعر کوئی کی جاتی تھی، اس قسم کے شعر کو عرب، شعر حماسہ کہتے تھے۔ دور جاہلیت میں عرب ہمیشہ حالت جنگ میں رہتے جس کی وجہ سے اس قسم کے تکلم کو فروغ حاصل ہوا۔

۲۔ **مدح:** قوم وقبیلے کے کسی فرد یا رئیس کے انتخاب کے موقع پر شعر سرا ہے جاتے جسے مدح کہتے تھے۔

صاحب مقائیس اللغہ لکھتے ہیں:

"م، د، ح سے مرکب یہ کلمہ کسی چیز یا شخص کی حسن وخوبی کو جمیل وحسین کلام سے تعریف کرنے کو کہتے ہیں۔" اسی سے مداح بنی ہے یعنی بہت مدح کرنے والا، ثناخوان، خوشآمد کرنے والے کو کہتے ہیں۔ شیعہ اصطلاح میں ائمہ طاہرینؑ کی تعریف کرنے والے کو مداح کہتے ہیں، لیکن ایران میں یہ کلمہ بطور عام آئمہ کی تعریف و ثناخوانی کرنے والے، مصائب بیان کرنے والے، سوزخوانی اور مرثیہ کوئی کرنے والے سب کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

۳۔ **فخر:** ایک انسان یا ایک قبیلہ دوسرے پر فخر ومباہات کرنے کیلئے شعر سراہتا، اس مضمون کی قرآن کریم نے بہت مذمت کی ہے۔

۴۔ **شعر رثاء:** کسی ہستی کی موت وفقدان پر لاحق ہونے والے حزن واندوہ اور دکھ کے موقع پر اس مفقود کے مناقب وفضائل اور آثار شعروشاعر کی صورت میں بیان کئے جاتے۔ موت کو ایک ناگوار اور غیر متوقع حملہ تصور کیا جاتا، چنانچہ شعر رثاء کے ذریعے اپنے مفقود کے فضائل بیان کئے جاتے، مرثیہ زیادہ تر قاتل سے انتقام لینے اور ورثاء کے جذبات ابھارنے کیلئے بھی سراہا جاتا تھا۔

مرثیہ

مرثیہ ''رثاء'' سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی ''مرنے والے کی تعریف وتوصیف'' کے ہیں۔اصطلاح میں مرثیہ ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں کسی شخص کی موت پر دردناک اور دلگداز پیرائے میں رنج وغم کا اظہار کیا جائے نیز اس کے محاسن کا بیان بھی حسرت ناک لہجے میں ہو جہاں تک محاسن کا تعلق ہے مرثیے اور قصیدے میں کوئی فرق نہیں۔قصیدے میں جو اوصاف ایک شخص کی زندگی میں بیان کئے جاتے ہیں مرثیے میں وہی اوصاف مرنے کے بعد غم واندوہ کے لہجے میں دہرائے جاتے ہیں۔تاہم مرثیے کے موضوع میں بڑی وسعت پائی جاتی ہے۔ایک زمانے میں لوگ مرثیہ کوئی کو شاعری نہیں سمجھتے تھے اور یہ مثل عام ہوگئی تھی کہ'' بگڑا شاعر مرثیہ گو''بعض شعراء نے مرثیہ گوئی کو فن اور پیشے کے طور پر اختیار کیا۔ ۳۵

لفظی معنی کے اعتبار سے مرثیہ کسی ایسی نظم کو کہہ سکتے ہیں جو کسی شخص کے مرنے پر اظہار غم کیلئے لکھی جائے۔ایسی نظمیں دنیا کی ہر زبان میں انشاء ہوئیں اور ہوتی ہیں،مرثیہ خاص طور پر کربلا کے غمناک واقعات کی یاد تازہ کرنے کیلئے کہا جاتا ہے۔ظاہر ہے یہاں مقصد خود رونا نہیں، بلکہ سننے والوں کو رلانا ہے شیعوں کے نزدیک رونا عبادت اور ثواب کا کام ہے جس کی وجہ سے مرثیہ کو پذیرائی حاصل ہوئی۔اس کی ابتداء ایران سے ہوئی اور پھر دکن کی ریاستوں تک پہنچا،اوائل میں اسے سنجیدہ صنفِ شاعری ہی سمجھا جاتا تھا۔[ایضاً ص۱۸۳]

❁ اس طرز کی نظم میں نکتہ آفرینی اور حکمت طرازی کی گنجائش نہیں،اس کی مقبولیت کا راز شاعر کی قوت بیان میں پوشیدہ ہوتا ہے بالخصوص جب اسے مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جائے اور سامعین صرف اپنے بزرگان دین کی بلند پایہ (بلکہ فوق الفطری) خوبیاں اور ان پر ہونے والے دردناک مظالم ہی سننے کیلئے آمادہ ہوں،اس طرح مرثیہ کو بیک وقت مثنوی اور قصیدے کی خصوصیات کا حامل ہونا چاہیے۔

❁ مرثیہ،عربی لفظ ہے خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:''مرثیہ رثاء سے مشتق ہے جس کا لفظی مطلب مرنے والے کی تعریف وتوصیف ہے، یہ عربی شاعری کی ایک معروف صنف ہے،کسی کی وفات پر حزن وملال کے جذبات کو موزون کرکے پیش کرنے کا نام مرثیہ ہے''

عرب شعراء نے مرثیہ کیلئے قصیدہ کی ہیئت اختیار کی،لیکن اس فرق کے ساتھ کہ قصیدہ کسی زندہ فرد کی تعریف،توصیف،مدح ومنقبت کی مضامین سے متعلق ہے،جبکہ مرثیہ کسی کی وفات،شہادت یا صدماتی سانحہ کے ضمن میں مرنے والے کے اوصاف،محاسن اور احوال پر محیط مضامین سے متعلق ہے۔اردو مرثیہ بھی ملی جلی تہذیبی ہم آہنگی کا آئینہ دار ہے۔اسی لئے ہمیں اس میں نہ صرف عربی بلکہ فارسی مرثیے سے مماثلت اور عدم مماثلت کی کیفیت بھی نظر آئے گی۔

قصیدہ اور مرثیہ میں فرق

جہاں تک محاسن کا تعلق ہے مرثیے اور قصیدے میں کوئی فرق نہیں۔اگر اوصاف زندگی بیان کئے جائیں تو

یہ قصیدہ ہے اور اگر انھیں موت کے بعد دہرایا جائے تو مرثیہ ہے،عورتوں اور بچوں کا مرثیہ کہنا ایک مشکل امر ہے، کیونکہ جن اوصاف پر قصائد ومراثی کی بنیاد قائم ہے وہ عورتوں میں کم پائے جاتے ہیں اور بچوں میں تو انکا فقدان یقینی ہے۔

۱۔ قصیدہ میں کہا جاتا ہے ''تو فیاض ہے''جبکہ مرثیہ میں کہا جاتا ہے''تو فیاض تھا''یا''اب فیاضی کا خاتمہ ہوگیا''''اب دوسرا کون فیاضی کرے گا۔''

۲۔ قصیدے میں اوصاف کا بیان پرجوش لہجے میں کیا جاتا ہے،جبکہ مرثیے میں اس کا دردناک لہجے میں بیان ہوتا ہے۔

۳۔ قصیدے کی طرح مرثیہ میں تشبیب نہیں ہوتی،درد وغم کے جذبات میں تغزل کی آمیزیش کا موقع نہیں ہوتا۔تہنیت وتعزیت کا ایک ساتھ جمع کرنا مشکل ہے۔

۴۔ قصیدے کی زبان پرشکوہ ہوتا ہے،جبکہ مرثیہ میں دردانگیز الفاظ کا انتخاب اثر آفرینی کا باعث ہوتا ہے۔

۵۔ قصیدے میں تصنع،تکلف اور تخیل کی بلندی سے مضمون آفرینی کی جاتی ہے،جبکہ مرثیے میں متانت،سنجیدگی اور جذبات عالیہ کی آمیزش سے آفرینی کی کوشش کی جاتی ہے۔

۶۔ قصیدے کے آہنگ وترنگ میں ایک طنطنہ پایا جاتا ہے،جبکہ مرثیہ کے آہنگ وتاثر میں رنج وغم اور دردوکرب کی فضا مسلط ہوتی ہے۔

۷۔ قصیدے کا مجموعی تاثر مسرت بخش اور راحت افزا ہوتا ہے اور مرثیے میں آہ وبکا اور نوحہ وماتم کا سامان مہیا کیا جاتا ہے۔

۸۔ قصیدے میں ذاتی غرض اور انعام واکرام کا لالچ ہوتا ہے،لیکن مرثیے کا مقصد صرف قلبی لگاؤ یا مذہبی عقیدت کا اظہار ہے۔

قصیدہ گوئی

زمانے کے بدلتے ہوئے ذوق اور ماحول نے قصیدہ گوئی کو بالکل ختم کردیا ہے۔اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہی،اسی لئے اس کی فنی اور شاعرانہ اہمیت کا پورا اندازہ لگانا دشوار ہے بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ قصیدہ گوئی نے ہمارے بہت سے اچھے شعراء کی شاعرانہ صلاحیتوں کو غلط راستہ پر لگا کر برباد کردیا،لیکن ان لوگوں نے قصائد کی فنی اہمیت کا پوری طرح جائزہ نہیں لیا،ورنہ انہیں معلوم ہوجاتا کہ خالص شاعرانہ نقطہ نظر سے بھی قصیدوں کو پڑھتے وقت اس وقت کے ماحول اور تقاضوں کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ ۳۶

مداح ومراثی

سید عابد علی عابد زین العابدین مؤمن،شعر اور ادب فارسی کے حوالے سے مرثیہ کی تین قسمیں بیان کرتے ہیں:

۱۔ رثائے تشریفائی ورسمی: وہ مرثیہ ہے جس میں اکابر قوم اور سلاطین کا ماتم کیا جاتا ہے۔فرخی کا

مشہور مرثیہ جو محمود غزنوی کی موت پر لکھا گیا ہے جس کی ہیئت قصیدے کی ہے اسی شق سے متعلق ہے۔

۲۔ رثائے شخصی وخانوادگی: ان مرثیوں میں شعراء اپنے دوستوں، خاندان کے افراد یا اپنے پیاروں کے مرنے پر اظہار تأسف کرتا ہے اور ان کے لواحقین کو صبر کی تلقین کرتا ہے۔

۳۔ رثائے مذہبی: وہ مرثیے ہیں جن میں پیشوایانِ دین کی موت موضوع سخن بنتی ہے خاص طور پر آئمہ اطہارؑ، سیدالشہداءؑ اور دیگر شہدائے کربلاؑ کے شہادت کا ذکر ان مرثیوں کا موضوع ہوتا ہے۔

شعراء، حزن وملال کے اظہار کیلئے کسی کی جدائی، وفات یا شہادت پر ان کے اوصاف کا ذکر کرتے ہوئے مرنے والے کی یادوں کے حوالے سے مرثیہ کہنے کی عادی رہے ہیں جس میں مرنے والے سے ہمدردی کے ساتھ اس کی جدائی میں سارے ماحول یا فضا کی غم آگینی کا بھرپور نقشہ کھینچتے ہوئے ایسا ماحول طاری کرتے ہیں جس سے سننے والے پر رقت آمیزی آجائے۔

شبلی نعمانی لکھتے ہیں: جب انسان کے جذبات کو ٹھیس لگتی ہے تو وہ اس کے اظہار کیلئے کبھی جذباتی حرکات سے کام لیتا ہے اور کبھی ان حرکات کو لفظی جامہ پہناتا ہے۔ مرثیہ کی قدیم ترین تصنیف کے بارے میں شبلی نعمانی لکھتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے حضرت آدمؑ نے ہابیل کے قتل پر مرثیہ کہا۔

اردو زبان میں مرثیہ کی تو صنف مندرجہ بالا ہیئتوں کے علاوہ غزل کی صورت میں بھی آتی ہے، بصورت رباعی بھی مل جاتی ہے غزلوں میں جا بجا مفرد اشعار کی صورت میں بھی دکھائی دیتی ہے لیکن موجودہ عہد کے غزلوں میں اس کا التزام زیادہ روا رکھا گیا ہے۔ ہمارے شاعر کی اصطلاح میں مرثیے ایسے نظم کہنا ہے جو شہدائے کربلا اور ان کے واقعات وتاثرات کے ذکر وافکار پر مشتمل ہو۔ ان خاص معنوں میں مرثیہ کسی اور زبان میں نہیں پایا جاتا حتی عربی اور فارسی شاعری کی تاریخ بھی ایسے اصطلاحی مفہوم سے نا آشنا ہے۔ اسی لئے ہمارے ہاں جو مرثیے کہے جاتے ہیں وہ صرف اردو والوں کی ایجاد ہیں۔

دکن میں مرثیہ گوئی کا آغاز عادل شاہی اور قطب شاہی کے درباروں میں ہوا، کیونکہ یہ دونوں ریاستیں شیعہ تھیں اور مرثیہ کی ترویج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں لیکن یہ تعین نہیں ہو سکا کہ سب سے پہلے کس دربار میں اور کس شاعر نے دکنی زبان میں مرثیہ کہا۔ دکن مرثیوں کے بارے میں معلومات کا نکتہ آغاز تذکرہ جات اور اشاروں کے علاوہ ڈنبرا یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ مخطوطوں سے ہوتا ہے۔ ان میں ایک مخطوط ہاشم علی یا دیوانِ حسینی ہے اس میں ۲۲۸ مرثیے ہیں، دوسرا ایک بیاض کی شکل میں ہے جو نامکمل صورت میں ہے، جس میں ۸۰ شاعروں کے تین سو مرثیے درج ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دکن کے شعراء مرثیہ گوئی کی طرف مائل تھے۔

❁ بیجاپور کے عادل بادشاہوں نے بھی شاعری کو فروغ دیا، بیجاپور کے عادل شاہ ثانی شعروشاعری میں

ممتاز درجہ رکھتے تھے۔

❁ اردو شاعری کی ابتداء دکن میں ہوئی اور صنف مرثیہ سے ہی اردو شاعری کا آغاز ہوا، دلی میں اردو شاعری دکن سے آئی لیکن مرثیہ نگاری میں دلی والوں نے دکن کی تقلید کرنے کی بجائے اپنی راہ اپنائی۔

محتشم کاشانی

صاحب ریاض لکھتے ہیں: آپ شاہ طہماسب اور محقق کرکی کے دور میں تھے، ان کے مرثیے سخت سے سخت پتھر کو رلاتے ہیں۔ صاحب الذریعہ ج ۵ ش ۲۷۲ ص ۲۹ پر لکھتے ہیں: ان کا ایک دیوان ہے، ان کا انتقال ۹۹۲ھ میں ہوا۔ [37] محتشم کاشانی فرزند خواجہ میر احمد کمال الدین، انہوں نے بادشاہان صفوی، امرائے دکن اور دیگر بزرگان کی مدح وحق میں شعر سراہے ہیں، لیکن آئمہ طاہرینؑ کی مدح میں سراہے گئے ان کے اشعار کو شہرت حاصل ہے، ان کے آثار میں کلیات محتشم ہے جسے ان کے شاگرد میر تقی الدین کاشانی نے منظم کیا ہے، ۱۲ بند مرثیہ امام حسینؑ پر مشتمل ہے۔ [38]

محتشم [39] کاشان کا مشہور شاعر تھا، محتشم کاشانی کے نام سے زیادہ مشہور ہے اس کے تین قصائد مشہور ہیں آئمہ اور عمائدین کی مدح سرائی کی ہے، ایک رسالہ بھی لکھا جس میں مادہائے تاریخ اور معمے ہیں۔ ۹۸۴ھ میں شاہ اسماعیل صفوی تخت نشین ہوا تو ۶۶ مصرعوں کا ایک قصیدہ لکھا جس کے ہر مصرعے سے سالِ تخت نشینی نکلتا تھا۔ صاحب دہخدا: ج ۱۲ ص ۱۷۹۷۹ لکھتے ہیں:

"شمس شعرائے کاشان میں سے تھے، عہد صفوی کے اوائل یعنی ۹۲۶ھ قمری میں وفات پائی ان کے بیشتر شعر مدح ومراثی اہل بیتؑ پر مشتمل ہیں، جنہیں بہترین گردانا جاتا ہے، قصائد وغزلیات پر مشتمل ایک دیوان بھی ہے، قصائد کو "جامع الطائف" اور غزلیات کا نام "نقل عشاق" رکھا۔"

مرثیے کی ترکیب اس طرح ہے:

بازاین چه شورش است که درخلق عالم است — بازاین چه نوحه و چه عزاو چه ماتم است
بازاین چه رستخیزعظیم است کزجهان — بی نفخ صور خاسته تاعرش اعظم است
گویاطلوع میکندازمغرب آفتاب — کاشوب درتمامی ذرات عالم است
گرخوانمش قیامت دنیابعید نیست — این رستخیز عام که نامش محرم است
دربارگاه قدس که جای ملال نیست — سرهای قدسیان همه برزانوی غم است
جن وملک برآدمیان گریه میکنند — گویاعزای اشرف اولاد آدم است
خورشید آسمان وزمین نورمشرقین — پرورده کناررسول خداحسین

شہید مرتضی مطہری محتشم کا شعر نقل کرنے سے پہلے لکھتے ہیں: اب اگر ہم شعر کہنا چاہیں تو کیا کہیں؟ مرثیہ کہیں کیونکہ مرثیہ کے سوا اور کوئی بات بھی نہیں ہے جو ہم کہہ سکیں۔ ہمیں یہ کہنا چاہیے:

زآن تشنگان ہنوز بہ عیوق می رسد فریاد العطش زبیابان کربلا

آیا عاشورا کی تاریخ میں صرف یہی صفحہ ہے؟ کیا فقط مرثیہ ہے؟ فقط مصیبت ہے اور کوئی دوسری چیز نہیں؟ ہماری غلطی یہی ہے۔۔۔۔۔اس زمانے میں آج کے دور جیسے مرثیہ گو شاعر نہیں تھے، کمیت مرثیہ گو تھا، دعبل خزاعی مرثیہ گو تھا، وہی دعبل خزاعی جس نے کہا میں پچاس سال سے اپنی صلیب اپنے کاندھے پر اٹھائے پھر رہا ہوں، وہ ایسا مرثیہ کہتا تھا کہ اموی اور عباسی سلاطین کے تخت ہلا دیتا تھا، وہ محتشم نہیں تھا۔ ہمارے شاعروں نے امام حسینؑ کی شہادت کا ذمہ دار آسمان کو ٹھہرایا ہے، کمیت اس قسم کا شاعر نہیں تھا۔ وہ ایک قصیدہ کہتا تھا تو دنیا لرز جاتی تھی۔۔۔۔۔کیا محتشم کاشانی بھی مذہب کا کوئی رکن ہے؟ تحریک حسینی کو دعبل خزاعی نے وقت کے لحاظ سے صرف احتجاجی اور نزاعی سمجھا ہے۔ محتشم کاشانی نے اس کے المناک اور دل پگھلانے اور رلانے والے پہلو پر زور دیا ہے، عمان سامانی یا صفی علی شاہ نے اس تحریک سے عرفانی، عشق الٰہی اور راہ حق میں پاک بازی کا پہلو اٹھایا ہے۔ یہ تمام نتائج صحیح ہیں، لیکن ایک پہلو کی حیثیت سے! ۴۰

شعر ہجاء

ہجو، جیسا کہ لغت میں آیا ہے دوسروں کے عیب برائیوں کو گننا اور ان کی خوبیوں سے چشم پوشی کرنا ہے۔ قرآن و سنت میں ایک دوسرے کی عیب جوئی کرنا اور برائیوں کو گننا سامنے ہو یا غیبت میں اس کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے، جیسا کہ سورۂ مبارکہ حجرات کی آیت ۱۱ اور ۱۲ میں آیا ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ﴾

"اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہو اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ کسی کو برے لقب دو۔ ایمان کے بعد فسق برا نام ہے اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں۔ اے ایمان والو! بہت بدگمانیوں سے بچو یقین مانو کہ بعض بدگمانیاں گناہ ہیں اور بھید نہ ٹٹولا کرو اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے؟ تم کو اس سے گھن آئے گی۔"

نبی کریمؐ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں بھی فرمایا ہے:

"اے لوگو! تمہارا خون، مال اور ناموس دوسرے کیلئے حرام ہے، جس طرح آج کے دن کی حرمت ہے، اسی طرح مسلمان کے خون، مال، عرض و ناموس کا چھیڑنا حرام ہے، خدا نے غیبت کو حرام قرار دیا

جس طرح دوسرے کے مال و خون کو حرام قرار دیا ہے۔" نیز پیغمبرؐ کی حدیث ہے:

"ایک دوسرے پر لعن طعن، اہانت یا عیب گوئی کرنے سے گریز کرو۔"

قرآن و سنت میں شدت سے حرام ہونے والا یہ عمل شعراء کیلئے پسندیدہ ہے، اپنے حریف کو ناپسند گردانا، لوگوں کے سامنے اس کا تمسخر اڑانا شعراء کا مزاج اور پسندیدہ مشغلہ ہے، بلکہ ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل کے ساتھ کثیر در آمدات کا بھی ذریعہ ہے۔ شعراء کی اس بری صفت کو ہر دور کے معاشرے کے اہل شرافت و نجابت نے قباحت کی نظر سے دیکھا اور انہیں ہجوگر ان کے نام سے متعارف کروایا۔ ایک حدیث کے مطابق ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جس کے بارے میں حدیث میں بیان ہوا ہے کہ وہ لوگ سب سے زیادہ برے ہیں جن کی زبان سے لوگوں کی جان و مال ناموس محفوظ نہیں ہیں۔ گو حقیقت میں یہ لوگ مسلمان بھی نہیں ہیں۔ اس حقیقت کو سامنے رکھنے کے بعد شاعروں کو شرفاء یا نعوذ باللہ تائید خداوندی کے لائق و سزاوار اور آئمہ ہدیٰ طاہرینؑ کے ناصر و مددگار اور حق و حقیقت کے پرچار کرنے والے شرفاء کے طور پر کیسے متعارف کروائیں گے۔

یہ انداز کلام اپنے فریق مخالف پر گندگی پھینکنے، تہمت و افتراء باندھنے، اس کی برائی اچھالنے اور اسے حقیر و ذلیل دکھانے کیلئے اپنایا جاتا ہے۔ ہمیشہ شعراء کے اشعار ہجائیہ یا مدح پر مشتمل ہوتے تھے، تاہم بعض شعراء پر ہجو گوئی زیادہ چھائی ہوتی ہے اس میں شاعر کی کمزوری، احساس کمتری، انتقام جوئی اور طمع و لالچ کی بنیاد پر اضافہ ہوتا۔

ہجو کسی شخص، چیز یا مقام کی برائیوں سے متاثر ہو کر اس پر شعر میں طنز کرنا ہجو کہلاتا ہے۔ عربی اور فارسی شاعری میں بھی ایک مشہور صنف تھی اور اردو میں بھی شعراء نے اسے استعمال کیا۔ ہجو گو اکثر تہذیب کے دائرے سے باہر نکل جاتے ہیں۔ ۴۱

مشاہیر شعرائے ہجو

مال و مقام نوازنے والوں کی مدح سرائی اور اس سے انہیں محروم رکھنے والوں کی تنقیص اور ہجو گوئی کرنا ہر شاعر کی فطرت ہے جس سے کم ہی شاعر محفوظ رہے ہونگے۔ ابو عبیدہ نے کہا ہے، جو ہجو کرتا ہے وہ کسی کی قدر کو گراتا ہے تو کسی کے مقام کو اٹھاتا ہے۔ جس طرح ہر سیاست کرنے والے سیاست دان معروف نہیں ہوتے، بلکہ تاریخ میں چند ہی نام اس حوالے سے مشہور ہوتے ہیں۔ شعراء کا حال بھی ایسا ہی ہے، ہر شاعر ہجو کرتا ہے، لیکن بعض شعراء ہیں جنہیں ہجو کا نابغہ سمجھا جاتا ہے، ان میں مشہور نام یہ ہیں:

جاہلیت میں زہیر طرفہ، اعشیٰ، نابغہ ہیں جبکہ حطیئہ، جریر فرزدق، اخطل نے بنی امیہ کا دور پایا۔ بعد میں بشار بن برد اور دعبل بن علی خزاعی ہیں جو خلفاء اور سلاطین کی ہجو کرتے تھے، اس کا کہنا تھا میں اپنے تختہ دار کو ایک سال سے لے کر چل رہا ہوں، لیکن مجھے اس پر چڑھانے والا کوئی نہیں مل رہا۔ یہ ہجو میں بہت مشہور تھے۔

- ابن رومی علی بن عباس کی زبان اس کی عقل سے زیادہ لمبی تھی وہ جریر کی سیرت پر چلتا جو لمبی ہجو کرتا تھا اور یہ اسی وجہ سے قتل ہوا۔
- ابن بسام جو اپنے باپ اور اقارب کی ہجو کرتا تھا وہ اس سلسلے میں حطیئہ کی پیروی کرتا تھا جس نے اپنی ماں کی ہجو کی۔
- ابن حجاج بغدادی جسے خبیث عراقی کہا جاتا تھا اس نے اندلس کی ہجو کی، وہ اندھا تھا، لیکن بہت شریر اور ہجو میں ماہر لیکن مدح میں قاصر تھا، جب وہ ہجو کرتا تو خلیفہ بھی اس سے محفوظ نہیں رہتا۔

ہجوی گری کے بارے میں تفصیلی گفتگو ان شعراء کی سوانح حیات میں ملاحظہ کریں۔

۱۔شعرائے ماقبل الاسلام

اس سلسلے میں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ اسلام آنے سے پہلے شعر کو کیا حیثیت حاصل تھی؟

پہلے مرحلے میں یہ حقیقت و واقعیت یاد رکھیں کہ عربوں پر جاہلیت کا غلبہ تھا اور وہ تمدن سے دور تھے، لیکن اجتماع میں پیش پیش رو قبائل وعشائر اپنے ترجمان رکھتے جو خطاب یا شعروشاعری کے ذریعے اپنی قوم سے مخاطب ہوتے تھے۔ جاہلیت میں شعروشاعری کے مصادر و مآخذ عرب کے سامنے موجود طبیعی حقائق ومناظر تھے یا دیگر قوموں کی خصوصیات وامتیازات تھے، جنہیں وہ اچھے الفاظ وکلمات میں پیش کرتے تھے۔ عرب عقلِ یونان اور روم وفارس کے تمدن سے بھی محروم تھے، ان کے اشعار اپنی جھونپڑی، اونٹ، خواتین، لڑائی کرنے والوں کے قبیلے کے سربراہ اور ان کی تلوار کے متعلق ہی ہوتے تھے۔

اگر جاہلیت کی شعر گوئی پر ایک غائرانہ نظر دوڑائی جائے تو اس میں کوئی خاص محرک وفلسفہ اور ضرورت نظر نہیں آتی سوائے اس کے کہ وہ اپنے مافی الضمیر اور دل کی آواز کو اچھے کلمات میں ادا کرتے تھے۔ ان میں درج ذیل خصوصیات پائی جاتی تھیں:

۱۔عرب شعراء جاہل تھے، وہ اپنے مدعا کو عقل اور وحی سے اخذ کرنے والے نہیں تھے۔

۲۔شعر ان کی طبیعت کا صحیح پس منظر پیش کرتے تھے۔

۳۔اشعار میں جھوٹ کھسوٹ اور خلاف واقعہ مناظر کم نظر آتے تھے۔

۴۔کوئی کسی بھی حوالے سے ان کے اس فعل کو مذموم یا ناپسند نہیں گردانتا تھا۔

۵۔شعراء اپنی جگہ حقائق کو درک کرنے کے بعد حوادث کے مشاہدے یا طبیعی حالات کو شعر کی صورت میں سامعین کے سامنے پیش کرتے تھے۔

۲۔شعراء بعد از اسلام

اسلام آنے کے بعد رئیس قوم اور خطیب صرف محمد مصطفیٰؐ تھے، آپ کا مصدر وحی تھا، آپ ہی تمام ضروریات کو بیان فرماتے۔ آپ کے ۲۳ سالہ دور رسالت میں لڑی جانے والی جنگوں حتی خلفائے راشدینؓ کے ادوار

میں لڑنے والی جنگوں کے دوران دار الخلافہ یا مجالس خلفاء میں شاعری کی اہمیت کم دکھائی دیتی ہے یا بالکل نظر ہی نہیں آتی۔ اس سے بخوبی یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ قرآن وسنت اور سیرت پیغمبرؐ کے بعد شعروشاعری کی کوئی احتیاج یا نیاز نہ رہی، چنانچہ جب خلیفہ دوم سے اچھے شعر انشاء کرنے کی درخواست کی گئی تو انہوں نے کہا ہمیں شعر کے بدلے میں قرآن دیا گیا ہے۔ [۴۲]

غالی شعراء

غالی شعراء کا عنوان بھی شعرائے ہجو کی مانند ہے، کیونکہ کوئی شخص شاعر نہیں بنتا جب تک وہ غلو نہ کرے، چونکہ شعر کی خوبی اسی میں ہے کہ وہ حد سے تجاوز کر کے مدح وزجر کرے لہٰذا شاعر غالی ہی ہوتا ہے۔ لیکن ہم اس عنوان کے حوالے سے بات کریں گے کہ جہاں انھوں نے غلو کی کوئی حد دیکھی وہاں بعض ذوات کو مقام الوہیت تک پہنچا دیا۔ بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں اس قسم کے شعراء نے اپنی جگہ بنائی ہے۔ جس میں ابن ابی الحدید، شمس تبریزی وغیرہ شامل ہیں۔

شعریٰ یمانی

شعریٰ یمانی ایک ستارے کا نام ہے۔ جو ہمارے سورج کے مقابلے میں پانچ سو گنا بڑا ہے۔ اس کی نورانیت سورج سے پچاس گنا زیادہ ہے یہ ہمارے سورج سے یہ ایک ملیون کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ دیکھنے میں یہ سیارہ مستقر نظر آتا ہے، حالانکہ یہ ایک منٹ میں ایک ہزار میل کا سفر طے کرتا ہے۔ اس ستارے کا ذکر سورہ نجم آیت ۴۹ میں ملتا ہے۔

افراد واجتماع پر شعر کے اثرات

معاشرے میں شعر کا کردار یا اس کے اثرات کیا ہیں؟ اسلام اور قرآن وسنت اس سلسلے میں کیا فرماتے ہیں؟ شعر کے بارے میں قرآن وسنت کا حکم بیان کرنے سے پہلے ہمارے لئے ضروری ہے شعر کا تصور واضح ہو جائے۔ شعر کے بنیادی عناصر عاطفہ اور خیال ہیں، یعنی انہی دونوں کے ذریعے شعر وجود میں آتا ہے، کیونکہ انسان پر طبیعی طور پر عاطفہ غالب وحاوی رہتا ہے۔ عاطفہ کا کردار یا اس کے اثرات معاشرے میں عقل سے کم نہیں۔ [۴۳]

قدیم زمانے سے انسان کا جھکاؤ شعر کی طرف تھا، تاہم یہ ثابت نہیں کہ شعر اور نثر دونوں میں سے کس کی ابتداء پہلے ہوئی؟ لیکن واضح ہے شعر کے اثرات نثر سے زیادہ ہیں۔ شعر کی تعریف میں کہا گیا ہے یہ ایک ایسی صفت ہے جس سے شاعر وہم وخیال اور قیاس وغیرہ کو ترتیب دیتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کیا ہم ہمیشہ شعر کے بارے میں بدگمانی کریں یا شعر سے نفرت کرتے ہوئے اس کے بارے میں کہیں یہ اخلاص کو فاسد روح کو مردہ اور انسان کو بے قابو اور دیوانہ بنا دیتا ہے۔ یا ہم یہ نکتہ نظر اپنائیں کہ شعر ایک اچھا محرک ہے جو انسان کے اخلاق سنوارتا ہے، اسے ہمت دیتا ہے، اسے بلندیوں تک پہنچانے میں مدد دیتا ہے وغیرہ۔ شعر کو

خلاصۃً دیکھا جائے تو اس کے الفاظ وکلمات ایک آئینہ ہے جس میں شاعر نظر آتا ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے شاعر کون سے معاشرے میں رہتا ہے؟۔شاعر اور معاشرے کی فکروسوچ کیا ہے؟شاعر اور اس کا معاشرہ کس قدر تقویٰ،علم وآگہی اور فضیلت کا حامل ہے؟اسی سے پتہ چلتا ہے شاعر اس کی سوچ،فکر اور اس کا معاشرہ کس حد تک شہوت،خواہشات اور حیوانیات جیسی صفات یا عادات واطوار میں گھرا ہوا ہے؟۔

شعر کے بارے میں چند نکات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔شعر کے نثر کی نسبت زیادہ اثر پیدا کرنے میں کسی شک وتردید کی کوئی گنجائش نہیں۔

۲۔شعر سرائی میں شاعر کے اہداف کو مدنظر رکھنا ضروری ہے،دیکھنا ہے اس شعر کے ذریعے کسی فرد یا معاشرہ یا دین کی سربلندی کا خواہاں ہے یا اس کا مقصد مفادِ دنیا یا عداوت ودشمنی پوری کرنا ہے۔

۳۔ہمیں صرف غلط اشعار اور گمراہ شعراء کی مذمت کرنے پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے،بلکہ ہمیں ایسی شعروشاعری کی مجالس ومحافل کو رونق دینے والوں کی بھی حوصلہ شکنی کرنی چاہئے ورنہ ہم خود ان کے زمرے میں شامل ہوں گے،کیونکہ شعر پڑھنے اور سننے والے دونوں،اہل باطل کی تقویت کا باعث ہیں:

﴿وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا﴾ ’’اور وہ لوگ جو جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے اور جب بے ہودہ کاموں سے گزرتے ہیں تو سنجیدگی کے ساتھ گزر جاتے ہیں‘‘(فرقان ۷۲)

شعروشاعری

۱۔شعر ایک وسیلہ وذریعہ ہے جس کے متعلق اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے یہ کس حد تک صحیح اور مؤثر ثابت ہوسکتا ہے؟۔جہاں تک شعر کا تعلق ہے اپنی جگہ حقیقت سے عاری یا جھوٹ ہو تو ایسے وسائل کو اعلیٰ وارفع اور پاک اہداف کیلئے استعمال کرنا صحیح نہیں چاہے یہ کتنا ہی مؤثر کیوں نہ ہو۔جس طرح مسجد کی رونق بڑھانے زیادہ سے زیادہ نمازی اکٹھا کرنے کیلئے غصبی زمین،عمارت اور آرائش وزیبائش اور موسیقی کو وسیلہ بنایا جائے جبکہ یہ وسیلہ اپنی جگہ باطل ہے۔

۲۔شاعر نے شعر میں خدا،رسول اور حق کو مدنظر رکھا ہے یا اپنے فریق سے کچھ حاصل کرنے،دوسرے کی دشمنی میں،اپنی جرأت بیانی میں یا کینہ وحسد کی بنیاد پر شعر سرا ہا ہے۔

۳۔شاعر عادی حالات میں شعر گوئی سے ہٹ کر کس میدان کا شہسوار ہے وہ کن سرگرمیوں میں زیادہ مصروف رہتا ہے یا اس کا گزر کس وادی سے ہوتا ہے؟

شعر،مولود عشق

عشق کے ساتھ فکروعمل کی حسن وخوبی میں جائے کلام وبحث نہیں،چونکہ عشق کی حسن وخوبی چوں وچرا بردار نہیں۔یہ فی ذاتہ مستحسن ہے کیونکہ شعر فرزندِ صالح عشق ہے،اس کے خلاف وہی افراد کچھ کہتے ہیں۔جو عشق سے خالی ہوتے ہیں یہ تصور وتعریف کس حد تک عقل وشرع سے مطابقت رکھتی ہے ورنہ عاشق کی طرف

سے عشق کی تعریف،عشق سے عشق کی تعریف ہوگی جو کہ صحیح نہیں۔عشق اپنی جگہ مافوق عقل وشرع ہے یا نہیں؟ یہ معلوم کرنے کیلئے ضروری ہے کہ پہلے خود عشق کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔

شعر کا ستون عشق

شعر کے اہم ستون میں سے ایک عشق ہے عشق بغیر شعر کے پھیکا اور کھوکھلا ہے لہٰذا جن افراد نے علم کو نظم میں پیش کیا انہیں نظم کی صورت میں فروغ نہیں مل سکا یہاں تک کہ انھوں نے دوبارہ اسے نثر میں پیش کیا۔ ہمیں پہلے مرحلے میں مصدر ومآخذ عشق کی حقیقت کو جاننا چاہیے۔

عشق بعربی زبان کا لفظ،لفظی معنی وفور محبت،شدید شوق،انتہائی شدید جذباتی تعلق خاطر ہے۔یہ لفظ قرآن مجید میں نہیں آیا،کیونکہ قرآن اعتدال کی تلقین کرتا ہے جبکہ عشق ایک انتہائی جذبہ ہے،قرآن میں محبت اور انس کی تلقین ہے جو ایک متوازن اور تعقل کی حد میں پرورش پانے والا جذبہ ہے۔

دنیا بھر کے ادب کی مانند عربی میں بھی اس لفظ نے خاصی اہمیت اختیار کی ہے عالموں،فقیہوں،صوفیوں، دانشوروں اور عام لوگوں نے عشق کے اسباب ومظاہر اور اس کے درجوں کے بارے میں تفصیلی اظہار خیال کیا ہے۔مذہب میں اس پر ایک خاص طرز پر گفتگو کی جاتی رہی اور اس کو سلجھانے کی کوشش کی گئی۔عام طور پر مسلمہ تعریف کی رو سے عشق کسی محبوب یا ہستی کے حصول کی ناقابل مزاحمت خواہش کا نام ہے۔اس تجربے سے گزرنے والے شخص (عاشق) کو اپنے اندر کسی نقص یا کمی کا احساس ہوتا ہے جسے وہ ’’حصول کمال‘‘ کیلئے ہر قیمت پر دور کرنا چاہتا ہے۔[۴۴]

عشق کے کمال پر پہنچنے سے انسان کی طاقت ختم ہوجاتی ہے اور لاغر ہوجاتا ہے،طبیعت،غذا خوری سے باز رکھتی ہے،کہتے ہیں عشق ایک آتش ہے جو دل کو لگتی ہے اور محبوب کو جلا دیتی ہے،عشق ایک دریائے بلا اور جنون ہے،عشق مہم ترین رکن شریعت ہے،تنہا یہ مقام انسانِ عاشق کو کمال کے درجے تک پہنچاتا ہے، جہاں خود بیگانہ وناآگاہ اور زبان ومکان سے فارغ ہوجاتا ہے،اسی طرح محبوب سے جدائی مل جاتی ہے۔

- عشق کے دفاع میں بات کرنے کا حق ہر کسی کو حاصل ہے،کیونکہ عشق فطرت انسان کے اندر سے اُگا ہوا پودا ہے۔جب اسلام دین فطرت ہے پھر کیسے ممکن ہے اسلام فطرتی چیزوں سے منع کرے،لیکن اس وہم وخیال کا ازالہ آسان ہے،کیونکہ اگر عشق فطرت انسان میں ہوتا تو سب انسان عاشق ہوتے جبکہ ہر انسان عشق نہیں کرتا۔
- عشق دین وشریعت کے احاطے سے باہر کوئی چیز نہیں فطرت بھی قرآن وسنت کی چاردیواری کے اندر آزاد ہے۔فطرتِ انسان بھی تابع قرآن وسنت ہے۔عشق،قرآن وسنت کا شریک وبرابر نہیں بلکہ یہ قرآن وسنت کے تابع ہے اور وہ عشق جو قرآن وسنت کی حدود وقیود سے باہر اور کسی قانون و قاعدے کا پابند نہیں وہ من پسند ہے۔

✿ عشق، ع پر کسرہ، س ساکن، ایک ایسی عارضی کاوش ہے جو خالی دلوں پر عارض ہوتی ہے، ایک مرض ہے، جس میں اجر ہے نہ عوض، ایک مشہور عاطفہ ہے، جس کی تجدید وتعریف میں علمائے نفس حیران و سرگردان ہیں، بعض نے کہا ہے یہ ایک خوشی، سرور اور غیر سے محبت ہے اس کے ذریعے کسی سے تعلق قائم ہوتا ہے اور انسان اس کا احترام کرتا ہے، اسے بڑا گردانتا ہے۔ یہ باعث کشش جذبہ ہے۔

✿ افلاطون سے عشق کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا، یہ ایک مرض ہے جو فارغ البال کو عارض ہوتا ہے۔ کسی نے کہا، عشق ایک جہل ہے جو خالی دلوں کو پیش آتا ہے۔ امام صادقؑ سے پوچھا گیا عشق کیا ہے؟ آپؑ نے فرمایا وہ دل ہے، جس میں یاد خدا نہ ہو اور خدا نے اسے دوسروں سے محبت کرنے کا ذائقہ دیا ہے۔

✿ ایک شدید عاطفی گیرائش ہے، جو جنسی غریزے کے تحت پیدا ہوتی ہے، عوام کہتے ہیں کسی عورت سے عشق نے اسے ناکارہ ولنگڑا بنایا ہے۔ [فرہنگ بزرگ سخن ج ۵ ص ۵۰۲۳]

ہمارے ہاں دو قسم کے عشق کی مثال پیش کی جاتی ہے:

۱۔ **عشق جنونی:** جس میں عاشق اپنے معشوق کے لب وخال، آبرو کا ذکر کرتا ہے، جس سے ذات باری تعالیٰ پاک ومنزہ ہے، اگر کہیں یہ استعارہ وتشبیہ ہے تو غلط ہی ہوگا جو کنہ حقیقت کے واصل ہو تو تشبیہ کے محتاج نہیں۔

✿ جب عشق کا مصدر وماخذ "محبت"، ہر شخص اور ہر چیز سے متعلق نہیں تو عشق کیسے ممدوح قرار پائے گا؟

✿ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ عشق دلیل ومنطق کے تحت مجہول النسب ہے، جس کی کوئی سند نہیں۔ لہٰذا جس جس نے عشق کو بنیاد بنا کر شعر انشاء کئے ہیں ان کے اشعار کا عقل ومنطق کی رو سے کوئی وزن نہیں۔ ہاں ان کا وزن صرف علم عروض کے بیان کردہ اوزان تک محدود ہے۔

✿ عشق، انسان کی طاقت کو ختم کر کے اسے مفلوج بنا دیتا ہے، کہتے ہیں عشق ایک آتش ہے جو دل کو لگتی ہے۔

۲۔ **عشق در مقابل عقل:** جہاں انسان اپنے حق میں کوئی دلیل نہ پیش کر سکے وہاں کلمہ عشق استعمال کرتا ہے، غیر عادی حرکات کرنے والے انسان اپنے افعال کے بارے میں عقل اور قرآن وسنت سے کوئی ثبوت پیش نہ کر سکیں تو کلمہ عشق استعمال کرتے ہیں۔ اہل باطل نے اہل دین کے درمیان رفتہ رفتہ باطل چیزوں کو داخل کرنے کیلئے اس کلمہ کو استعمال کیا، پھر شعراء سے اس کی مداح سرائی کرائی اور علماء سے اس کی تائید حاصل کی، چنانچہ اب یہ علماء کے پاس ایک دلیل کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ جب ان سے کسی غیر عادی کام کی دلیل پوچھی جائے تو کہتے ہیں ہر چیز کی دلیل نہیں ہوتی نہ ہی ہر چیز قرآن و سنت میں پائی جاتی ہے۔

جبکہ قرآن میں آیا ہے:

﴿وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ "اور کوئی خشک وتر ایسا نہیں ہے جو کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔" (انعام ۵۹)

اسی طرح عقل کی بات آنے پر کہتے ہیں، یہ چیزیں عقل میں نہیں آتیں اور کہتے ہیں، "بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق" جبکہ حقیقت میں عقل ہی نے ضرورت نبوت کی طرف رہنمائی کی ہے، یہ افراد عقل سے خارج چیزوں کو استعمال کرنے کیلئے عشق کو استعمال کرتے ہیں اور یوں رفتہ رفتہ شریعت کو معطل کرتے ہیں۔ علماء نے پہلے مرحلے میں اسے آسان وہلکا سمجھ کر اس سے تساہل برتا جس کی وجہ سے آج ہمارے ہاں بہت سی چیزیں عشق کے نام پر رواج پا رہی ہیں، حالانکہ اگر عشق کوئی بڑی چیز ہے تو اس کی دلیل بھی بڑی ہونی چاہیے تھی، اسی طرح اگر عشق کوئی اچھی چیز تھی تو اس کی دلیل عقل قرآن وسنت سے بھی ہونی چاہیے تھی۔ اگر مصادر مستند قرآن اور سنت وعقل سے ہٹ کر خود عشق سے اس کی اچھائی کو ثابت کریں گے تو یہ دور ہوگا، جبکہ دور خلاف عقل ہے اور ہر خلاف عقل چیز باطل ہے۔

✿ نٹز کہتا ہے، عشق ایک سرور ہے جو کسی اور کی سعادت کیلئے ہوتا ہے، انسان کسی کی سعادت کو اپنی ذاتی سعادت سمجھتا ہے۔

✿ ہربرت سنسر کا کہنا ہے، یہ شدید ترین عواطف کا نام ہے جس کے انسانی نفس پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں، اس کے مطابق یہ سات آٹھ عناصر سے مرکب ہے۔

✿ عواطف جمع عطف ہے، عطف، کسی پر شفقت کرنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، عاطفہ میل و رجحان، مہربان کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے، بعض نے کسی سے متاثر ہونے، بعض لذات اور آلام، کسی طرف جھکنا، غریزۂ حب، لذات وغیرہ میں استعمال کیا ہے:

۱۔ بعض عواطف میں شعورات طبیعی ہوتے ہیں جیسے حب ذات، اس کو عشق نہیں کہتے۔

۲۔ کسی سے محبت ہو تو کہتے ہیں وہ عشق کرتا ہے۔

✿ ہربرت کا کہنا ہے، ہمیں عشق کے معنی میں جنسی خواہشات کو بھی اضافہ کرنا چاہیے جو ایک حسن و جمال دوسرے کے اندر پیدا کرتا ہے، ساتھ ہی بہت سے پسندیدہ افکار اس کے اندر پیدا ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس میں عشق نہ ہو، چونکہ یہ ایک خاص لگاؤ ہے جس کو ہم میل بھی کہتے ہیں، ممکن ہے یہ چیز ایک ہی جنس کے مختلف افراد میں ہو یا دو راستوں کے درمیان ہو۔ اس کے بعد عشق کا دوسرا مرحلہ عواطف، عجب واحترام ہے یعنی کسی کی زیادہ تعظیم وتکریم کی جائے پھر عاطفہ لذت امتلاک ہے یعنی ہر عاشق ومعشوق خود کو ایک دوسرے کے بارے میں مالک اور مسلط سمجھتا ہے، اس پر کوئی احاطہ نہیں ہے۔

عشق ،قرآن وسنت میں

✿ علامہ محمد تقی جعفریؒ شرح مثنوی ج ۱۲ص ۲۹۰ پر لکھتے ہیں:

"عشق کا کلمہ قرآن میں نہیں آیا۔قرآن میں اس معنی کے حوالے سے کلمہ "حب، وداور تبل" آئے ہیں۔نہج البلاغہ خطبہ ۱۷۵میں آیا ہے۔"اگر کوئی کسی کا عاشق ہوجائے تو اندھا ہوجاتا ہے اور دل مریض ہوجاتا ہے۔"

✿ محدث قمیؒ نے کتاب سفینہ ج ۲میں مادہ "عشق" نقل کیا ہے:

"جنت سلمان سے زیادہ عشق رکھتی ہے خود سلمان کے جنت سے عشق کی بہ نسبت۔"

✿ یعقوب کلینیؒ نے امام صادقؑ سے نقل کیا ہے:

"سب سے بہتر انسان وہ ہے جو عشق عبادت رکھتا ہے۔"

علامہ کتاب کے ص ۲۸۷ پر لکھتے ہیں:

"عشق قابل تعریف نہیں، نہ یہ محسوس ہے اور نہ معقول،لیکن انسان کے اندر اثر گزار ضرور ہے۔اگر کوئی عاشق، عشق کی تعریف کرے تو اس کی تعریف صحیح نہیں ہوگی کیونکہ عشق غیر عادی باتوں کو کہتے ہیں، عاشق کے شعور عقل، منطق پر حاوی ہے وہ کیسے صحیح تعریف کرسکتا ہے۔عشق عبارت ہے اس شدید محبت سے جو انسان کے معشوق میں درک کمال وخیر و زیبائی کا احساس کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ عاشق ،معشوق میں موجود اس کمال خیر و زیبائی کو درک کرتا ہے جس نے اس کے وجود کا احاطہ کیا ہوتا ہے،محبت کی تفسیر جو ایک عام شخص کرتا ہے وہ اس مفہوم سے مختلف ہے جو ایک عاشق کے پاس ہے۔ اگر عشق کی تعریف کرنے والے غیر عاشق ہیں تو جس چیز کو وہ نہیں جانتے وہ کیسے تعریف کریں گے؟ جس کے وجود کے اندر عشق پیدا ہو وہ اس کے وجود کو دگرگوں کرتا ہے۔"

عاطفہ حریہ عمل

فیلسوف جول سیمون کا کہنا ہے،انسانی شعور تین حصوں میں تقسیم ہوتا ہے :

۱۔حب ذات ۲۔حب النساء ۳۔حب خالق

ہماری تمام خصلتوں کی برگشت یا تو اپنی ذات کی طرف ہے یا کسی مخلوق کی طرف یا پھر خالق کی طرف ہے۔ ہر انسان کی طبیعت میں ایک نقص ہے جس سے وہ اپنے آپ کو محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔یہ خود کو خالق اور دیگر کائنات کے درمیان تقسیم کرتا ہے، کہتا ہے میں مخلوق ہوں اور خدا سے گیرائش کرتا ہوں۔فلاسفہ نے عشق کا بہت ذکر کیا ہے اور اس کا اپنے شعور کے تحت تجزیہ و تحلیل کیا ہے۔کہتے ہیں عواطفہ عشق ،طاقت کے لحاظ سے سب سے شدید عاطفہ ہے جو انسان کی ذات پر مسلط ہوتا ہے۔اس بات کی تائید، عالم غربی کی حالت زار سے ہے جہاں ہر آئے دن عورتوں اور مردوں کے اختلاط کی وجہ سے خودکشی کی شرح انتہائی تیزی سے بڑھ

رہی ہے اس کے علاوہ بہت سے دوسرے جرائم بھی وجود میں آئے ہیں جیسے اغوا،قتل وغیرہ۔فلاسفہ غرب کا کہنا ہے، عشق زواج کے بعد دوام پذیر نہیں ہے، جب انسان کی عورت سے محبت کی پیاس بجھ جائے گی اس کا عشق خود بخود ختم ہوجائے گا۔

زواج کے بعد حرارتِ عشق ختم ہونے پر وہ کسی اور کو تلاش کرتا ہے،میاں بیوی کے درمیان عشق کا دوام ہونا چوتھے محالات میں سے ہے، ممکن ہے محبت ہو لیکن ایک محدود اور مختصر وقت تک اس کے بعد اس کے دوام نہیں ،اگر کوئی دعوی کرتا ہے تو یہ صرف کہانی کی حد تک ہے۔اسی طرح عام لوگوں کے درمیان بھی محبت کو دوام حاصل نہیں، ہر وہ انسان جو شادی کرتا ہے یا پہلی مرتبہ اس عورت کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کیلئے پھر ہر قیمتی چیز قربان اور بذل کرتا ہے،اسی طرح اس تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔

عشق کا چرچا کرنے والوں یا عشق کے دعوے داروں کا دعوی باطل ہونے کیلئے اتنا کافی ہے کہ وہ چور کی مانند ہیں۔جس طرح چور خود کو بچانے کیلئے صالح کو چور کہتا ہے، عاشق بھی دلیل سے آزاد ہونے اور عقل کو مسترد کرنے کیلئے تگ و دو کرتا ہے اور دلیل سے نالاں و پریشان رہتا ہے۔یہاں سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ شعر کی حقانیت اور سچائیت کہاں تک ہے؟نیز قرآن کریم کی خلود و جاودانی کا بھی اندازہ کرسکتے ہیں جس نے شعر کے انتہائی ترقی وعروج اور پرواز کے موقع پر اعلان کیا مردانِ صالح وصادق کو شعر گوئی زیب نہیں دیتی ،مردان حق شعراء کی پیروی نہیں کرتے ،کیونکہ ان کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں۔

محبت

التحقیق فی کلمات القرآن: محبت مادہ حب سے ہے، با کے با میں ادغام ہونے کے بعد با مشدد ہوجاتا ہے۔

مقائیس اللغہ: اس کلمے کے تین اصول ہیں:

۱۔لزوم وثبات۔ ۲۔کسی چیز کا بیج ،داغ۔ ۳۔قصر و کوتاہ۔

صاحب معجم المصطلاحات والشواہد فلسفی "جلال الدین سعید" نے ص ۱۴۳ پر لکھا ہے:

"کسی شخص یا کسی چیز سے تعلق ہونا، جڑنا یا جڑنے والے شعور کو محبت کہتے ہیں۔یہ ایک انفعالی حالت ہے جو احساسات وجذبات کے فوارے سے جنم لیتی ہے جسے کبھی عاطفہ کہتے ہیں۔محبت ہمیشہ جنسی نہیں ہوتی گرچہ اکثر و بیشتر محبتیں انسان کی فردی زندگی سے وابستہ امور سے ہی پیدا ہوتی ہیں، اس حوالے سے کہہ سکتے ہیں اس کے چند متعلقات ہیں:

۱۔غرائز وطبیعت۔

۲۔اعلیٰ وارفع چیزوں کی طرف گیرائش جیسے صداقت وشجاعت وغیرہ۔انسان کا نفس ایسی خصوصیات و امتیازات سے وابستہ ہوتا ہے جیسے اقرباء،رشتہ داروں سے لگاؤ۔

۳۔کبھی محبت خالص روحانی ہوتی ہے جو کسی قسم کے جسمانی محرکات و دوافع سے نکلتی ہے جیسے ایک انسان

کی کسی دوسرے ایسے انسان سے محبت جن کا آپس میں کسی قسم کا رشتہ نہ ہو۔"

محبت کے بارے میں دنیا کے فلاسفہ، اہل عرفان اور اہل تصوف نے بہت کچھ لکھا اور کہا ہے۔ محبت، انسان کے غرائز اور طبیعت میں سے ایک ہے، لیکن یہ غریزہ یا گیرائش اپنی جگہ آزاد نہیں، لہٰذا دین اسلام ان غرائز و طبائع کو اور توازن میں رکھنے کیلئے آیا ہے۔ قرآن کریم نے اس میں توازن وتعادل کے موارد کو واضح و و اشگاف الفاظ میں بیان کیا ہے، اس کے قابل تعریف وستائش اور مذموم دونوں موارد کا ذکر کیا ہے:

✿ اجنبی عورتوں سے محبت کی مذمت کی ہے:

﴿قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾ "ان کے دل میں یوسف کی محبت بیٹھ گئی، ہمارے خیال میں تو وہ صریح گمراہی میں ہے۔" (یوسف ۳۰)

✿ مال سے محبت کی مذمت کی ہے:

﴿وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا﴾ "اور مال کو جی بھر کر عزیز رکھتے ہو۔" (فجر ۲۰)

✿ خدا تجاوز کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔
✿ خدا فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔
✿ نہ کافرین سے محبت کرتا ہے۔
✿ خدا حیلہ گروں اور اہل تفاخر سے محبت نہیں کرتا۔
✿ خدا کسی برائی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔
✿ نہ عاصی وگناہ گار سے محبت کرتا ہے۔
✿ خدا ظالمین سے محبت نہیں کرتا۔
✿ خدا خیانت کاروں سے محبت نہیں کرتا۔

عقل اور شریعت

۱۔ دین ومذہب میں بنیادی وابتدائی کردار عقل کو حاصل ہے یا شرع کو؟ یہ مسئلہ فرق ومذاہب اور مسلکوں میں متضاد اجتہادات کا سبب بنا ہے، لیکن اس کے اثبات کے قائلین پر بھی افراط وتفریط حاوی رہی ہے، اکثر وبیشتر نے تردد کرتے ہوئے اس سے گریز کیا اور کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ ہر ایک کو دوسرے پر ترجیح حاصل رہی ہے۔ البتہ ایک کافر وملحد جو خدا پر ایمان نہیں رکھتا اس کیلئے وجود خدا کے بارے میں مطمئن کرنے کیلئے شریعت ووحی قاصر ہیں اسے عقل ہی کے ذریعے مطمئن کیا جا سکتا ہے، چنانچہ عقل ہی سے دلیل دی جا سکتی ہے اسی طرح اثبات نبوت عام وخاص کے بارے میں بھی شریعت کا پاؤں لنگڑا ہے انبیاءؑ کی نبوت کا انکار کرنے والے شریعت سے قانع نہیں ہوتے ایسے موقع پر اگر کوئی شخص خود کو شریعت کا حامی اور مدافع دکھا کر شریعت کو مقدم رکھے تو وہ بیوقوف ہے، اس کے پاس نہ شریعت ہے اور نہ ہی عقل۔ لہٰذا یہاں عقل ہی مقدم اور ناگزیر ہے۔

۲۔ عبادت وبندگی کے مقام پر عقل کو کوئی مقام وحیثیت حاصل نہیں، اگر یہاں بھی عقل چلتی تو اسے ترجیح حاصل ہوتی لامحالہ نہ تو نبوت کی نیاز رہتی اور نہ ہی شریعت کی۔ یہ براہمہ کا مذہب ہے، چنانچہ خدا اور اصل نبوت کو ماننے کے بعد نظام وبندگی میں پہلا کردار شریعت کو حاصل ہے، عقل اس کے بعد کی بات ہے۔

۳۔ جہاں شریعت وقرآن حاکم ہیں اگر وہاں بھی کوئی شخص اپنے مذموم عزائم کو پھیلانے کیلئے یا اپنی جاہلانہ باتوں کو علمی مقام دینے کیلئے ہر الٹی سیدھی روایت کو گھسیٹتے ہوئے کہے عقل کو کیا حق حاصل ہے؟ عقل کو شریعت کے مقابلے میں حق نہیں، لیکن کوئی روایت عقل سے متصادم ومتضاد ہو تو خود شریعت کے مطابق قابل قبول نہیں ہوگی، کیونکہ دین اسلام کا امتیاز عقل سے متصادم نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ عقل کے شریعت پر مقدم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہاں شریعت کا ادراک نہیں، لیکن جہاں عقل شریعت سے متصادم ہوگی وہاں اسے تقدم حاصل نہیں ہوگا، اسی طرح عقل کسی آیت کو رد نہیں کر سکتی، کیونکہ آیت خدا کی طرف سے ہے، لیکن آیت کی تفسیر کو رد کر سکتی ہے، کیونکہ یہ علماء کی طرف سے ہے۔

فصیح وبلیغ خطبوں پر شعر کا برقعہ

زمانۂ جاہلیت واسلام میں اپنے دور کے فصیح وبلیغ خطباء اور نوادر ونوابغ پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے اپنے مقالات وخطبات میں حقیقت گوئی سے کام لیتے ہوئے بہت سے فصحاء وبلغاء کو متاثر اور اپنی طرف جذب کیا۔ خطباء کے کلمات پر لکھی گئی کتابوں میں قابل ذکر کتاب "جمہرۃ خطباء العرب" ہے جس میں جاہلیت، اسلام، دور بنی امیہ اور بنی عباس کے خطیبوں کے خطبات جمع کئے گئے ہیں، لیکن ایک غیر محدود یا ناقابل یقین اوقات سے شعراء اور ان کے حامیوں نے ان خطب وخطباء کے اوپر چادر چڑھا کر اسے پس پردہ ڈالا اور شعر وشعراء کو خوب اچھالا ہے۔

شعروشاعری کو فروغ ملنے کے اسباب وعلل

ذیل میں ہم شعروشاعری کو فروغ ملنے کی وجوہات پیش کرتے ہیں:

۱۔ شعروشاعری کیلئے درس ودروس قرآن وسنت اور تاریخ اسلام وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ شعر کوئی ذوقِ طبع آزمائی کا نام ہے، لہٰذا ہر قوم وملت میں آپ کو بہت سے ایسے نامور شعراء ملیں گے جو اپنی جگہ ان پڑھ وامّی تھے جیسا کہ "فرزدق" جو امی الصفت تھے۔ اسی طرح دورِ جاہلیت کے شعراء سب کے سب امی الصفت تھے۔

۲۔ ذوقِ شاعری اور شعر گوئی کیلئے چند اشعار حفظ کرنا اور شاعر کے ساتھ چند دن رہنا کافی ہے۔

۳۔ شاعر اپنا شعر پیش کرنے کے بعد، سوائے ادب بازی اور قافیہ سازی کے کسی بھی مطلب ومضمون کی دلیل پیش کرنے کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔

۴۔ کوئی بھی شخص، شاعر کے شعر کے معانی پر اعتراض نہیں کر سکتا، کیونکہ اس کے جواب میں یہ کہا جاتا ہے: "ہو سکتا ہے شاعر نے کوئی اور معنی ارادہ کیا ہو۔"

۵۔ شاعر کا دلچسپ موضوع عشق ومعشوقی اور اس کے متعلقات ہیں۔

۶۔شاعر،شعر میں کوئی بھی نادر یا ناقابل فہم کلمہ استعمال کرنے میں آزاد ہوتا ہے۔
۷۔شاعر، پر تنقید کرنا ہر شخص کا کام نہیں، کیونکہ وہ جری ہوتا ہے اور شعر سے فریق مخالف کو بہ آسانی ذلیل وخوار کرسکتا ہے۔
۸۔شاعر، اپنے شعر کا صلہ حاصل کئے بغیر نہیں رہتا۔
اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ شعر میں خیال بافی، تصورات وتخیل گوئی اور جھوٹ کی جس قدر گنجائش ہے وہ خطب و خطابت میں نہیں ملتی، لہٰذا شعروشعراء پر گذر اوقات کرتے ہیں، انہوں نے خطب کو تحت الشاع میں پھینکا ہے۔

ادب، غلاف ہے ہمیں مغلوف کو دیکھنا چاہیے

جواہرات اور گراں قدر اشیاء کو ان کے تناسب سے اچھے غلاف میں پیش کرنا قدیم زمانے سے انسانوں کی سنت چلی آرہی ہے اور چلتی رہے گی، تاکہ غلاف کی زیبائی اور کشش کے ذریعے مغلوف یا مضروف کی طرف رغبت دلائی جائے، لیکن انسان عاقل کو غلاف کی کشش پر اکتفا کرکے مغلوف ومضروف کو دیکھنے سے باز نہیں رہنا چاہیے، کیونکہ اس حوالے سے چشم پوشی اور سہل انگاری ناقابل جبران خسارے کا سبب بنتی ہے۔صاحبان شعور مغلوف سے غلاف کو ہٹا کر اس کی تمام تر چیزوں کی آزمائش کرتے ہیں، تاکہ اس کے نقص وعیب سے آگاہ ہوں، شعر بھی اسی طرح ہے۔
آپ کو اکثر وبیشتر اشعار ان چیزوں سے بھرے ملیں گے:
۱۔ قصے، کہانیاں جو مرقع ومرصع عربی زبان میں ملفوف پیش کی گئی ہیں۔
۲۔ قرآن وسنت رسول کے مفاہیم ومعانی کی بجائے شعراء کے پیش کردہ افکار ونظریات اور صوفیوں کی ثقافت وشناخت کا تعارف کیا گیا ہے:
- نسوانیت: مراثی میں عورتوں کے حسن وجمال، چہرے، بالوں، تکلم، بوودوباش اور متاثر کن حرکات کو پیش کیا گیا ہے یعنی ان پر نسوانیت غالب تھی۔
- عشق: یعنی مادیات وعالم مادہ کی زیبائیت کی عکس برداری کی گئی ہے جو اپنی جگہ دلیل ومنطق سے زیادہ من میخواہم، من میبایم پر مشتمل ہے اور اس میں بھی ردیف نسوانیات ہے۔

شعراء کے پسندیدہ مخدوم دو ہیں ان میں سے ایک ان کی معشوقات ومحبوبات ہیں اور دوسرا بادشاہان، ارباب اقتدار، وزراء، یہی دو صنف ان کے مبداء ومعاد، دین وایمان، شافع ومشفع ہیں۔ان کے ہاں شاہان واعلیٰ حضرت ودرباری، قدم بوسی ودست بوسی، شہریارو شہر پرست، ظل اللہ ہی ہے۔

خمریات

شعراء کے پسندیدہ اور اشعار وغزلیات میں مکرر استعمال ہونے والی حکایت ومفاہیم میں سے ایک خمر ہے۔ دور بنی عباس میں شراب عام وخاص میں رواج پا چکی تھی، کیونکہ اس دور میں معاشرے کے تمام طبقات پر

فارسیت چھا چکی تھی۔شراب اہل فارس کے نزدیک محترم پسندیدہ تھی وہ اپنے بتوں کے سامنے شراب پینے کو وسیلہ مودت اور باعث تقرب سمجھتے تھے، چنانچہ ''ابونواس'' اور ان کے ساتھیوں کے اشعار میں آپ کو شراب کیلئے نئے نئے پسندیدہ کلمات ملیں گے۔شراب کے ذریعے وہ معاشرے کے آزاد طلب اور مباح طلب افراد کو خوش کرتے، لہٰذا انہوں نے شراب، غنا، موسیقی اور آلات موسیقی وغیرہ کی کھلے الفاظ میں دعوت دی یہاں تک کہ اس کی راہ میں جور کاوٹ بنتی اس کو ہٹانے کیلئے وہ دین سے مذاق الحاد وزندیقی تک کا ارتکاب کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے، یہ کبھی خود کو مسلمان بھی کہتے تھے، لیکن ان کی مسلمانی میں شریعت کے تمام محرمات ان کی رضا وخوشی میں مباح جاتے تھے۔

شعر، زینہ تنزل

کسی بھی قوم وملت میں شعر کا فروغ پانا، اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ اس قوم نے تنزل کی سیڑھی پر قدم رکھا ہے۔جو قوم اپنی زندگی کو تصورات، توہمات اور خیالات پر استوار کرے اس کی مثال اس غبارے کی سی ہے جو ہوا میں اڑ رہا ہے اور جب بھی کسی چیز سے ٹکرائے گا اس سے ہوا نکلنا شروع ہوجائے گی اور اس غبارے کا گرنا حتمی ہے۔علماء کا کہنا ہے، ''شاعر، کاہن اور ساحر'' تینوں کا مصدر ومآخذ توہمات وتخیلات ہیں، چنانچہ علامہ طنطناوی اپنی تفسیر ج ۱۳، ۱۴، ص ۱۳۸ پر فیلسوف لیوس فیراڈو سے نقل کرتے ہیں:

''اندلس جہاں مسلمانوں نے حکومت قائم کی شعر کو اتنا فروغ ملا کہ وہ اپنے سیاسی واجتماعی تمسکات کو بھی شعر میں لکھتے، اس معاشرے میں شعر کے فروغ اور اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک شاعر نے گذشتہ شعراء کے ایک لاکھ شعر یاد کئے تھے۔''

جہاں بھی شعر کو فروغ ملا وہاں علم، فلسفہ، استدلال اور قرآن وسنت محو ہوئے ہیں۔
اگر ہم اپنے ملک کی مذہبی محافل ومجالس پر ایک نظر دوڑائیں تو یہ چیز واضح نظر آئے گی کہ ایک عرصے سے تفسیر قرآن، تشریح سیرت وسنتِ پیغمبرؐ اور تاریخ اسلام پر بحث وگفتگو کو طاق نسیان کے سپرد کرکے شعر کو فروغ دیا جارہا ہے۔آج کل تمام محافل ابتداء سے انتہاء تک شعر ہی پر منتہی ہوتی ہیں تو کیونکر زینہ تنزل پر قدم نہ رکھیں عام طور پر شاعر کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، وہ ایک دن ایک کی مدح اور دوسرے دن دوسری کی ہجو کرتا ہے، تیسرے دن پلٹ کر پھر اسی کی مدح کرتا ہے۔ان کے حلقہ بگوش افراد کی کثیر تعداد قرآن کریم کی خبر کے تحت گمراہ، جاہل ونادان اور بے ہودہ افراد پر مشتمل ہوتی ہے جہاں راعی شاعر اور رعیت سننے والے دونوں کی گزر اوقات جاہلیت پر ہے تو وہ کیوں زینہ تنزل پر قدم نہ رکھیں۔

شعر، توازن امت میں اختلال

پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ کسی بھی معاشرے کیلئے سب سے بڑی آفت اس میں توازن کا فقدان ہے۔ جس طرح انسانی جسم کے اجزائے کا توازن بگڑ جانے سے صحت بگڑ جاتی ہے اور علاج ومعالجہ پر توجہ دینے

سے انسان ہرلمحہ موت سے قریب ہوتا ہے۔اسی طرح معاشرے میں کچھ گروہ ہمیشہ توازن بگاڑنے پر تلے رہتے ہیں،کوئی نیچے کھنچتا ہے تو کوئی بہت اوپر،انہی عوامل میں سے ایک شعر ہے۔بعض افراد نے اسلام کو شعروشاعری کا مرہون منت قرار دیا ہے،انکا کہنا ہے،اگر یہ شعراء نہ ہوتے تو اسلام کب سے ختم ہو چکا ہوتا، آج ہم انھی کے طفیل وبرکت سے مسلمان ہیں،جبکہ بعض نے تو یہاں تک کہا کہ پیغمبرؐ اور آئمہ طاہرینؑ کے گھروں میں بھی شعروشاعری ہوتی تھی۔دوسری جانب بعض کا کہنا ہے،شعروشاعری ایک فعل حرام اور نجس چیز ہے جس سے گریز کرنا ہی بہتر ہے، کیونکہ اسے نبی کریمؐ نے نہیں اپنایا اسی طرح صحابہ اور آئمہ طاہرینؑ بھی اس سے دور رہیں شاعری وہ مصیبت ہے جسے ان کے بعد مسلمانوں میں فروغ دیا گیا،لہٰذا اس سے گریز کرنا چاہیے۔

اس پس منظر کے بعد،قبل اس کے کہ شعروشعراء کے کردار اور قرآن وسنتِ پیغمبرؐ میں ان سے متعلق وارد ہدایات کا جائزہ لیں یہ جاننا ضروری ہے محیط اسلامی میں شعر کی تاریخ پیدائش کیا ہے؟اس کی پیدائش کی ضرورت کیونکر ہوئی اور اسے کس نے جنم دیا؟اس سلسلے میں تمام مورخین اور شعراء کا اتفاق ہے کہ شعروشاعری اب تک اپنے زمان ومکان کے حوالے سے بہت سے مراحل ومدارج سے گزری ہے۔

شعراء کی لغزگوئی

لغز،وہ کلام ہے جو معطل اور بیکار لوگ مجمل کوئی کیلئے اپناتے ہیں،تا کہ ایک دوسرے کی طبیعت میں مقابلہ کریں کہ کون اس مطلب کو جلدی سمجھتا ہے اور اس پر فخر ومباہات کریں، جو چیز کسی فائدے کی نہیں اس میں مردانگی دکھاتے ہیں یہ کسی علم کے پابند نہیں،لغزگوئی کرنے والے انسانوں کی مثال ان کشتی لڑنے والوں کی سی ہے جنہوں نے اپنی تمام صحت اور عافیت کو کشتی پر لگایا ہے۔انھوں نے یہاں عقل کو کشتی پر لگایا ہے۔اس میں نہ ان کی تعریف ہے نہ انہیں اس میں کوئی فائدہ ہے۔

لغزگوئی قدیم زمانے سے دور حاضر تک چند گروہ کی طرف سے ہوتی آئی ہے۔اہل لغت نے عمداً لغزگوئی کی ہے،شعراء نے بھی لغزگوئی کی ہے۔شعراء نے لغزگوئی کرتے وقت معنی میں ابہام رکھا، چنانچہ آپ کو اس طرح کے بہت سے اشعار ملیں گے،شعر میں لغزگوئی اتنی زیادہ ہے کہ ابن قتیبہ نے اس بارے میں ایک کتاب تالیف کی ہے،ان کے بعد دوسروں نے مستقل طور پر یا ضمنی طور پر لغزگوئی کے بارے میں لکھا ہے۔ لغزگوئی وہ چیز ہے جو ابتدائی مرحلے میں سمجھ نہیں آتی،لغزگوئی کی ایک قسم الفاظ کی ترکیب اور اعراب میں ہے اس سلسلے میں جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب میں بہت سے اشعار نقل کئے ہیں خواہشمند حضرات اس کتاب کی طرف رجوع کریں۔ [۴۵]

علماء نے ان شعراء کے اشعار پر ضخیم مجلدات لکھی ہیں۔جیسا کہ مثنوی کے اشعار کی کئی افراد نے تفسیر کی ہے، اگر شعر زود اثر ہوتا تو اس کی تشریح وتفسیر لکھنے کی ضرورت نہ پڑتی۔

اسباب غموز معانی

کبھی معنی سمجھ میں نہ آنے کی وجہ خود کلام پر غور وفکر کرنے کی ضرورت پڑتی ہے کہ متکلم نے ارادہ کیا ہے۔کسی معنی کا غامض ہونا چند حالات سے خالی نہیں۔

۱۔ بذات خود لفظ واضح نہیں ہے۔

۲۔ متکلم نے اس سے کیا مراد لیا ہے واضح نہیں۔یہ اپنی جگہ دو قسم کا ہے:

- جلی وہ ہے جو سامع کے ذہن میں پہلے مرحلے میں جلدی آتا ہے، یہاں معنی سمجھ میں آنے میں کوئی پیچیدگی نہیں ہوتی۔
- خفی وہ ہے جہاں مزید غور وخوض اور روقت کرنے کی ضرورت ہے،تا کہ واضح ہو جائے کہ متکلم نے کیا چیز ارادہ کی ہے،اس سے کشف نقاب فکر کو دوڑائے بغیر آسانی سے سمجھ میں نہیں آئے گا۔

جدت گرائی

۱۔ انسان کو ہر جدید چیز سے آگاہ ہونا چاہیے،انھیں استعمال میں لانا چاہیے اور پھیلانا چاہیے۔

۲۔ ہر فکر کی تحلیل وتجزیہ ہونا چاہیے۔

۳۔ ادب گوئی اپنی جگہ کئی اقسام رکھتی ہے اس میں سے ایک قسم رمز گوئی واشارہ سازی ہے جس کا مقصد اپنی منویات کو رمز گوئی کے ذریعے پہنچانا ہے۔

۴۔ آزادی محض: یعنی انسان ہر چیز سے آزاد ہے وہ اپنے مافی الضمیر کو جہاں سے چاہے ادا کر سکتا ہے۔

۵۔ عبسیہ: یعنی انسانی زندگی قید وبند،اصول کی پابندی نہیں بلکہ انسان آزاد ہے۔کھیل کود اس کی زندگی کیلئے ضروری ہے۔

شعر کی قباحتیں

- بعض افراد کا کہنا ہے:"جو چیز صدر اسلام میں نہ ہو ہمیں اسے اپنانے کی کیا ضرورت ہے اس میں کونسا حسن ہے؟اگر شعر میں کوئی قباحت نہیں تو حسن بھی نہیں اور جس چیز میں حسن نہ ہو وہ قباحت سے نزدیک ہوتی ہے۔"
- اس کے مدمقابل گروہ کا کہنا ہے،یہ منطق درست نہیں،یونکہ کتابت بھی صدر اسلام میں نہ ہونے کے برابر تھی یا بہت کم افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے کیا ہم اسے بھی نہ اپنائیں؟۔

کتابت کو ایک صدی گزرنے کے بعد عروج ملا،لہٰذا جو چیز صدر اسلام میں چند ان فروغ نہ پا سکی ہو اس کے قبیح ہونے یا مستحسن ہونے کی کوئی منطق نہیں۔آج کوئی نہیں کہتا کہ کتابت اچھی چیز نہیں ہے،لہٰذا جب کتابت اچھی ہے تو شعروشاعری بھی اچھی ہے،اسے یکسر مسترد کرنا اپنی جگہ ایک قبیح عمل ہے۔یہ منطق ان لوگوں کے خلاف قرار پائے گی جو شعروشاعری کو صرف آثارِ جاہلیت قرار دے کر مسترد کرتے ہیں یا صدر

اسلام میں اس کے فروغ نہ پانے کو بنیاد قرار دے کر مسترد کرتے ہیں۔ ہم جس طرح دیگر چیزوں میں قدامت وجدت پرستی دونوں سے گریز کرتے ہیں یہاں بھی دلیل ومنطق اور وحی وتجربات کو سامنے رکھتے ہوئے شعروشاعری کے بارے میں بات کریں گے۔ ہم اس منطق کو درج ذیل نکات میں مسترد کرتے ہیں:

۱۔ جاہلیت میں شعر کو پذیرائی ملنا اس بات کی دلیل نہیں بنتی کہ آج بھی اس کو پذیرائی ملنی چاہیے کیونکہ دور جاہلیت میں لوگ معرفت کے تمام ذرائع اور مصادر سے محروم تھے، ہر شخص اپنی جگہ آزاد تھا، علاوہ ازیں دور جاہلیت میں شعروشاعری سے زیادہ خطابت کو پذیرائی حاصل تھی، جبکہ آج خطابت کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

۲۔ قرآن کریم نے کلی طور پر شعروشاعری کے انجام کو برا گردانا ہے۔

۳۔ خداوند متعال نے شعر کو پیغمبرؐ کیلئے نامناسب قرار دیا لہٰذا جو افراد پیغمبرؐ کی سیرت واسوہ کو اپنانا چاہتے ہیں انہیں سوچنا چاہیے جس چیز کو خداوند متعال نے صریحاً پیغمبرؐ کیلئے نامناسب قرار دیا ہے، وہ ایک مسلمان ومومن کیلئے کیونکر مناسب وسزاوار ہوسکتی ہے؟

۴۔ دنیا میں قدیم زمانے سے عصر حاضر تک عوامی تحریکیں، سیاسی سربراہان، رہبرانِ انقلاب اور قوموں کو بیدار کرنے والی شخصیات کے ذریعے ہی اپنی منزل مقصود تک پہنچی ہیں آپ کو بہت کم لوگ ایسے ملیں گے یا ممکن ہے ملیں ہی نہ جنہوں نے شعروشاعری کے ذریعے قوموں میں بیداری پیدا کی اور اس ذریعے سے اپنے مطالب کو دوسروں تک پہنچایا ہو۔

قرآن کریم میں شعروشعراء کی واشگاف کلمات میں مذمت کے باوجود ہمارے دینی مراسم ومظاہر پر شعرو شعراء کا تسلط وقبضہ ناقابل تحلیل وتجزیہ ہے۔ قرآن کریم کی آیات، پیغمبر اسلامؐ کی سنت اور سیرت آئمہ طاہرینؑ کو اگر مدنظر رکھیں تو پتہ چلتا ہے شعروشاعری کی تعریف وتمجید مبالغہ آرائی پر مشتمل ہے، اس کا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ جس کے ثبوت کیلئے درج ذیل، ناقابل تردید دلائل سے استناد کیا جاسکتا ہے:

- کیا لسان یعنی زبان سے دعوت صرف شعروشاعری میں ہی محصور ہے؟
- کیا اس مقصد کیلئے نثر زیادہ موزوں نہیں؟

۱۔ مطلب کی صحیح ادائیگی میں شعر سے زیادہ نثر موثر ثابت ہوتی ہے، کیونکہ نثر کسی وزن اور قافیہ وردیف کی پابند نہیں ہوتی۔

۲۔ بہتر سے بہتر شعر غلط گوئی وجھوٹ پر مبنی ہوتا ہے اور شاعری عموماً گمراہی وباطل کا ایک دروازہ ثابت ہوتی ہے۔

۳۔ اسلام کی رو سے جھوٹ، برائی کی جڑ ہے، جبکہ اسلام اپنے پیروکاروں کو معمولی سے معمولی جھوٹ

بولنے سے بھی منع کرتا ہے، دوسری جانب جھوٹ سے پاک شعر کہنا عموماً ممکن نہیں ہوتا۔ بعض شعراء جن کا دین اور آئمہ اطہارؑ کی خدمت کے حوالے سے ذکر کیا جاتا ہے وہ دینی حوالے سے مشکوک شخصیت کے حامل تھے جیسے فرزدق، حمیری وغیرہ۔

۴۔ قرآن کریم نے شعروشاعری کو کھلے الفاظ میں باطل قرار دیا ہے۔

۵۔ بعض شعراء کے اشعار بذات خود مشکوک ہیں، چنانچہ کہتے ہیں یہ اشعار ان کے اپنے نہیں بلکہ ان سے منسوب کئے گئے ہیں۔

۶۔ شعراء کے بارے میں آئمہ طاہرینؑ کی طرف سے جو تعریف وتمجید نقل کی گئی ہے اسے ابھی تک زیر بحث نہیں لایا گیا ہے۔

۷۔ شعراء کے اشعار سے آئمہ طاہرینؑ کی حقانیت ثابت ہوئی یا ان سے آئمہؑ اور دین کو کوئی فائدہ پہنچا ہمیں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔

۸۔ شعر کا ماحول اجتماع ہے اور اجتماع میں آئمہ طاہرینؑ کی تعریف وتمجید اس وقت کے رائج تقیہ کے منافی تھی، لہٰذا کیسے ممکن ہے ایک طرف تو آئمہ طاہرینؑ اپنے اصحاب کو تقیہ کرنے کی دعوت دیں اور دوسری جانب اپنی تعریف اور اپنے دشمنوں کی مذمت کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کریں؟

ہر وادی میں گھومنا غاوین کی صفت ہے، جبکہ غاوین اور شعراء میں فرق ہے۔ شعراء، غاوین کی بہ نسبت اہل علم ودانش اور مزاج شناس بھی ہوتے ہیں اور حق وباطل کو پہچانتے ہیں، لیکن مفاد پرستی اور دنیا پرستی ان پر حاوی ہوتی ہے، لہٰذا یہ اپنے مفاد کے گرد گھومتے ہیں، جبکہ غاوی جاہل ونادان ہوتے ہیں، وہ آخرت سے پہلے خود دنیا میں بھی اپنے مفادات سے ناآشنا ہوتے ہیں، لہٰذا وہ ٹھوکریں کھاتے اور ہر محفل میں شریک ہوتے ہیں، روایات میں انہیں ہمج الرعی کہا گیا ہے جو ہر رخ پر چلتے ہیں، خداوند عالم یہاں ان شعراء کی مذمت کرتا ہے جن کو سننے والے اور جن کی پیروی کرنے والے دونوں گمراہ ہیں۔

شاعر اشعار کو لوگوں سے منسوب کرتا ہے، چنانچہ آگے "حماد الراویہ" کے بارے میں پڑھیں گے وہ یہ کام کتنی آسانی سے کرتے تھے جیسا کہ حیاتِ امام حسینؑ میں ایسے اشعار امام حسینؑ اور آپ کے اہل بیت اطہارؑ سے منسوب ملیں گے جنھیں آپ دین مقدس اسلام کے مصادر اصلی قرآن کریم، سنتِ رسول اسلامؐ اور ائمہ اطہارؑ کے سیرت کے منافی پائیں گے۔ اس سلسلے میں امام حسینؑ سے منسوب ایک شعر پیش کیا جاتا ہے جس کے متعلق کہتے ہیں، جب امام کے آخری لمحات میں تمام عزیز واعزاء، دشت کربلا میں درجہ شہادت پر فائز ہوچکے، آپ نے اپنے خود کو قربانی کیلئے پیش کرتے وقت یہ شعر پڑھا:

ان کان دین محمدلم یستقیم	الابقتلی فیاسیوف خذینی
اگر دین محمد میرے قتل کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا	تو اے تلوارو آؤ اور مجھ پر ٹوٹ پڑو

یہ شعرامام سے منسوب کیا گیا ہے جو چودھویں صدی کے تقریباً پہلے پچاس سال کے دوران ایک خطیب "محسن ابوالحب" کاانشاء کردہ ہے، چنانچہ سید حسن نے اپنی کتاب "معجم الخطباء" ج ۵ ص ۶۵ پر محسن ابوالحب کی سوانح حیات کا آغاز اسی شعر سے کیا ہے۔ کتاب ہذا کے ج ۵ ص ۴۷ پر لکھتے ہیں، محسن ابوالحب ۱۳۰۵ھ میں کربلا میں پیدا ہوئے اور ۱۳۶۹ھ میں وفات پائی۔ [۴۶]

آپ دیکھیں ایک صدی کے اندر ایک شاعر کا شعر امام حسینؑ کے ساتھ منسوب کر دیا گیا ہے، یہاں سے پیغمبر اسلامؐ اور آئمہ طاہرینؑ سے منسوب احادیث کا آسانی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اسی طرح بہت سے کلمات واقوال جو بزرگ، صوفیوں کا انشاء کردہ ہوتے ہیں انھیں خدا سے منسوب کر دیا جاتا ہے۔

شعراء اور قوم پرستی میں کردار

انسانوں کو ایک تقسیم کے تحت دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱۔ ایک گروہ مبدأ ومعاد پر ایمان رکھنے کے ساتھ ساتھ تمام انسانوں کے مابہ الاشتراک پر بھی ایمان رکھتا ہے۔ ادیان سماوی سے گمراہ ومنحرف ہونے والے بھی انسان دوستی اور انسانوں میں اشتراکیت کی بات کرتے ہیں، چنانچہ قرآن کریم کی آیات کے علاوہ سنت وسیرت رسول، اقوال وکلمات امیر المومنینؑ میں آیا ہے:

"فَاِنَّهُمْ صِنْفَانِ: اِمَّا أَخٌ لَکَ فِي الدِّيْنِ أَوْ نَظِيْرٌ لَکَ فِي الْخَلْقِ" "مخلوقات خدا کی دو قسمیں ہیں۔ بعض تمہارے دینی بھائی ہیں اور بعض خلقت میں تمہارے جیسے بشر ہیں جن سے لغزشیں بھی ہو جاتی ہیں۔" [۴۷]

اس فکر کا حامل انسان، ہر اس قول وفعل کو ناپسند کرتا ہے جس سے انسانوں میں تقسیم بندی، گروہ بندی، عداوت وبغض اور ایک دوسرے سے نفرت وبیزاری پیدا ہو۔

قرآن اور سنت رسولؐ تمام مسلمانوں کو اخوت اور برادری قائم رکھنے کی تاکید کے ساتھ ایک دوسرے پر امتیاز وبرتری، منافرت ومباغضت سے منع کرتے ہوئے محبت ویگانگی اور ہم آہنگی کی دعوت دی گئی ہے، چنانچہ پیغمبرؐ نے فرمایا:

"میں سیاہ وسفید سب کیلئے مبعوث ہوا ہوں۔"

۲۔ دوسرا گروہ مبدا ومعاد کسی چیز کو نہیں مانتا اور انسانوں کے درمیان کسی مابہ الاشتراک کو بھی تسلیم نہیں کرتا گویا وہ ہر علاقے، وطن اور خطے کے انسانوں کو دوسرے انسانوں سے جدا ومتمایز یا منحط سمجھتا ہے۔ یہ کفر کا دوسرا صفحہ ہے، اس سے زیادہ دین ودینداروں کیلئے مہلک یا موثر اسلحہ نہیں، چنانچہ اس فکر کے حامل انسان، انسانوں کو گروہوں میں، ممتاز رکھنے، عداوت ونفرت پھیلانے اور اس فکر کی تعلیم دینے کیلئے سب سے پہلے قومی وعلاقائی شعراء سے متوسل ہوتے ہیں۔

یہ شعراء کو اپنی قومی زبان میں شعر کہنے کی دعوت دے کر ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، اسی طرح بزم وانجمن بنا کر شعراء کو گراں قدر جائزے وانعامات دیئے جاتے ہیں۔ اس کار باطل اور اسلام مسلمین کیلئے بنائے جانے والے اس خطرناک مورچے کی حوصلہ افزائی کرنے میں اہل دین اور دیانت، علماء ودانشوران بھی کوتاہی نہیں برتتے، بلکہ تائید کرتے ہوئے اسے سراہتے ہیں۔ جبکہ قرآن وسنتِ رسولؐ اسلام اور نبی اسلام قوموں کے امتیازات وافتراقات کو مٹانے کیلئے آئے ہیں۔

شعراء کا کردار ہمیشہ سے قوموں اور نژادوں میں تفرقہ، ایک دوسرے پر برتری دکھانا رہا ہے، چنانچہ عربوں کو غیر عرب پر اور خود عرب میں فصیح عربی کے مقابل میں بازاری عربی زبان کو مقام دیا گیا، تاکہ عربوں کو دوسرے مسلمانوں کے ساتھ اشتراکیت واتحاد پیدا ہونے سے روکا جائے۔ فصیح عربی کے فروغ کو روکنے کیلئے بازاری عربی کی حوصلہ افزائی کی گئی، لہٰذا یہ کہنا درست ہوگا کہ شعروشعراء نے ہمیشہ قوم پرستی کی دعوت دی ہے۔

شعر غلو کا کارخانہ

ہمارے معاشرے میں ہمیشہ سے غالیوں کو ہی قبض وبسط حاصل رہی جس کی وجہ سے معاشرہ شیخی اور وہابی کے نام سے تقسیم ہوا۔ دین کو ان کے چنگل سے نکالنے کیلئے غالی شناسی کے اصول یا مہلک اثرات سے واقف ہونا ضروری ہے:

۱۔ غالی، آئمہ طاہرینؑ کو غیر محدود سمجھتے ہیں، لہٰذا ان کے بارے میں اللہ کیلئے مخصوص صفات ازلیت خالقیت، رازقیت، احیاء، اماتہ، صفت علم میں بھی قدیر کل جیسے کلمات استعمال کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے آئمہؑ سب کچھ جانتے ہیں، سب کچھ کر سکتے ہیں۔ لامحالہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ ذوات خدا کے برابر ہیں یا خود خدا ہیں یہ ان کا ایک مدبرانہ اندازِ بیان ہے۔

۲۔ یہ ہر حیلے وبہانے سے قرآن سے استدلال کرنے سے روک کر توجہ فقط حدیث کی طرف راغب کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں، تاکہ غلو کے بارے میں موجود خود ساختہ اخبار مخدوش قرار نہ پا سکیں۔ یہاں اخباریوں کو مورد الزام ٹھہرانے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اخباریوں کے مقابلے میں اصولیوں کو ترجیح دیتے ہوں کیونکہ اصولی اور اخباری کی تقسیم درحقیقت آج کل کے محاورے کے تحت ایک "نورہ گشتی" ہے، اصولی بھی مقام عمل میں اخباریوں کی مانند قرآن سے استدلال کرنے سے گریز کرتے ہیں۔

۳۔ غالی نماز، روزہ، حج اور ضروریاتِ اسلام کے درجات اور قدر وقیمت کو گرانے کے درپے رہتے ہیں اور اس بارے میں محبت اہل بیتؑ کو ان سے بالاتر گردانتے ہیں۔

۴۔ سبِّ خلفاء نہ ہر صورت جاری رکھنے کا اصرار کرتے ہیں، اس سلسلے میں قرآن وسنت اور سیرت آئمہؑ کی تأسی وپیروی کیلئے تیار نہیں علاوہ ازیں علیؑ اور حضرات حسنینؑ اور دیگر آئمہؑ کی سیرت کو ماننے کیلئے بھی آمادہ نہیں ہیں۔ ان کا کہنا ہے اگر آئمہ طاہرینؑ نے خلفاء پر سبّ نہیں کیا تو یہ ان کی مصلحت تھی

ہماری نہیں، گویا خلفاء آئمہؑ کے مخالف نہیں بلکہ ان کے مخالف تھے۔

۵۔ یہ افہام وتفہیم، وعظ وہدایت، قرآن وسنت اور تاریخ اسلام سے زیادہ شعروشاعری سے لطف اندوز ہوتے ہیں، ان کے ہاں شعر کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی اور چیز کو نہیں، لہٰذا یہ اپنے مدعا کیلئے ہر موڑ پر شعر سے استناد کرتے ہیں۔

۶۔ یہ دلیل ومنطق کی بجائے گالی، سب وشتم اور مختلف اقسام کے تشدد سے زیادہ استناد کرتے ہیں۔

شعروشاعری دوفرزندِ ارباب اقتدار

شعروشاعری کی تاریخ، دور جہل وجاہلیت کی منزل کو پس پشت ڈالنے کے بعد اس کے دوفرزندِ متبنّیٰ، حکام و امراء باقی رہے، جنہوں نے اپنے اقتدار کی کرسیوں کے پہیے کو شعروشاعری سے مستحکم اور پائیدار بنایا۔ تیسرے مرحلے پر اس کے متبنّیٰ صوفیائے کرام بنے جنہوں نے شعروشاعری کے ذریعے محبت کے نام پر تمام نامشروع کام چاہے جنسی ہوں یا مشروباتی کو فروغ دینے کی کوشش کی۔

یہاں سے ان کے غیر متزلزل امتیازات، پیغام صلح وآشتی اور پیار ومحبت کو گردانا گیا۔ ممکن ہے پیار ومحبت دو غیر متزلزل اقدار ہوں، لیکن سوال یہ ہے کس نوع کے ساتھ ہیں؟۔ کیا حیوانات بھی اس میں شامل ہیں؟ کیونکہ ان میں بھی جنسی ہیجان کے موقع پر پیار ومحبت ہوتی ہے اور مختلف آوازیں نکالتے ہیں۔ یہی صفت کو عارف باللہ کے دعویداروں اور دین وشریعت سے آزاد انسانوں غیر متزلزل اور ناقابل انکار حقیقت کے طور پر پیش کیا، جبکہ قرآن کریم نے غیر خدا سے ہر قسم کے پیار ومحبت کو شرک گردانا ہے اس کے ثبوت کیلئے درج ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ﴾ ''اے ایمان والو! اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان سے زیادہ عزیز رکھیں۔'' (توبہ ۲۳) ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ ''یہ اس لئے کہ انھوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت سے زیادہ محبوب رکھا یقیناً اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو راہ راست نہیں دکھاتا۔'' (نحل ۱۰۷) ﴿الَّذِينَ يَسْتَحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ﴾ ''جو آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی کو پسند رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں ٹیڑھ پن پیدا کرنا چاہتے ہیں یہی لوگ پرلے درجے کی گمراہی میں ہیں۔'' (ابراہیم ۳) ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ ''بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے شریک اوروں کو ٹھہرا کر ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے ہونے چاہیے اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔'' (بقرہ ۱۶۵)

شعر کی چند بنیادی چیزیں درج ذیل ہیں:

۱۔ شعروشاعری ہمیشہ اہل باطل اور گمراہوں کے ہمراہ ہوتی ہے۔

۲۔ جن شعرائے اسلام کا تاریخ میں زیادہ چرچا ہے ان کا پس منظر مجہول الحال، بلکہ ان کا اَنپڑھ ہونا معلوم الحال ہے جنھیں عرف عام میں شاعر حر کہا جاتا ہے، چنانچہ کم سے کم اسلامی علوم سے بے بہرہ تھے اور ان کے معتقدین اس بات کو چھپانے کیلئے ہمیشہ دو چیزوں سے متوسل رہے ہیں۔

۱)۔ اصل عرفان سے متوسل ہو کر کہتے ہیں علم پڑھنے سے نہیں آتا۔

۲)۔ شعراء کو الہام اور کرامت سازی کی کہانیوں کے ذریعے اچھالا گیا ہے۔

اہل تصوف ہمیشہ ان دونوں ذرائع سے متوسل رہے ہیں، لہٰذا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ شعر کا اسلام میں فروغ پانا تصوف ہی کے مرہون منت ہے اور یہ انہیں کا کارنامہ ہے۔

۳۔ قرآن نے ایسے شعراء کی مذمت کی ہے جو عمل کے میدان سے غائب اور صرف باتوں کی حد تک رہتے ہیں۔ ۴۸

شعر کے وہم وخیال ہونے کا واضح ثبوت اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ اب تک دنیا میں ہر علم وہنر کیلئے ادنیٰ سے اعلیٰ درسگاہیں قائم ہوتی آرہی ہیں، ادنیٰ سے اعلیٰ کیلئے نصاب کا انتخاب ہوتا ہے ان نصاب کو پڑھنے کے بعد ہر طالب سند حاصل کرتا ہے اور اپنے روزگار میں مشغول ہوتا ہے، لیکن شعر گوئی کیلئے کوئی نصاب نہیں سوائے ان اوزان کے جو خلیل احمد فراہیدی نے وضع کئے، اس کے بعد ان اوزان یا سانچے کو پر کرنا شاعر کی قوت تخیل اور توضیح پر متوقف ہے کہ وہ کس قدر قوت تخیل کا حامل ہے۔ شاعر کے روزگار کے مراکز ارباب تملق پسند، سیاسی، اجتماعی واقتصادی ارباب اقتدار ہیں، اس نے انہی کی تملق وتعریف اور کسی کی ہجو گوئی کرنا ہے، بہترین شاعر وہی ہے جو زیادہ ہجو کرسکتا ہو جیسے فرزدق، اخطل، جریر اور دعبل وغیرہ۔

حوالہ جات

۱ تبیان علی طریق الاتقان طاہر جزائری دمشقی ص ۴۴۷۔
۲ لغت نامہ دہخدا: ج ۱۳ص ۱۹۷۴۶۔
اردو لغت، کراچی بورڈ ۱۹ص ۱۷۹۔
۳ العمل الادبی ص ۳۸۹۔
۴ المثل السائر ج ۱ص ۲۵۵۔
۵ المثل السائر ج ۱ص ۱۹۰۔
۶ المثل السائر ج ۱ص ۲۳۱۔
۷ ا لعمل الادبی ص ۳۱۱۔
۸ فن خطابہ ص ۱۹۶۔
۹ میزان الحکمۃ ج ۵ص ۱۰۶۔
۱۰ میتھیو آرنلڈ۔
۱۱ تکمیل ادب: ص ۳۵۱۔
۱۲ کتاب امام سجاد: ص ۱۸۔
۱۳ دائرۃ المعارف العالمی: جلد ۱۱، ص ۸۱۔
۱۴ العمل الادبی: ص ۳۰۷۔
۱۵،۱۶ تحسین اردو: ص ۲۷۔
۱۷ درسی اردو کمپوزیشن ص ۲۷۳۔
۱۸ میزان سخن ص ۲۷۔
۱۹ المزھر: ج ۲ص ۴۶۹۔
۲۰ مصطلحات مفتاح السعادہ ومصباح السیادہ ص ۵۳۰۔
۲۱ تکمیل ادب ص ۳۵۲۔
۲۲ ابجد العلوم ج ۲ص ۲۸۳۔
۲۳ تکمیل ادب: ص ۳۷۰ تا ۳۷۵۔
۲۴ تحسین اردو ص ۴۸۔
۲۵ تحسین اردو ص ۲۹۔
۲۶ تحسین اردو ص ۲۸۔
۲۷ میزان سخن ص ۱۲۹۔

۲۸ درسی اردو کمپوزیشن ص ۲۷۳۔
۲۹ مصطلحات ص ۷۴۷۔
۳۰ جدید مرثیے ص ۵۔
۳۱ دائرۃ المعارف فرید وجدی: ج ۵ص ۳۹۳۔
۳۲ قاموس وحید ص ۱۱۶۶، تکمیل ادب ص ۳۵۴۔
۳۳ درسی اردو کمپوزیشن ص ۲۷۳۔
۳۴ تحسین اردو ص ۴۴۔
۳۵ تحسین اردو ص ۵۳۔
۳۶ لکھنؤ کا دبستان شاعری ج ۱ص ۳۰۶۔
۳۷ ریاض العلماء ج ۹ص ۲۵۔
۳۸ از فرہنگ بزرگان ص ۴۴۶، التاریخ ص ۵۳۶۔
اعیان الشیعہ ج ۹ص ۴۵ الذریعہ ج ۹ص ۹۷۲۔
طبقات اعلام الشیعہ قرن دوم ص ۱۹۸۔
۳۹ مشاہیر مشرق ص ۴۳۷۔
۴۰ حماسہ حسینی: جلد اول دوم ص ۲۴۷،۰۶۔
۴۱ تحسین اردو ص ۱۸۴۔
۴۲ تاریخ آداب العرب ج ۳ص ۶۹۔
۴۳ ثقافت اسلامی شمارہ ۶، صفحہ ۳۴۔
۴۴ شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا ج ۲ص ۱۱۶۷۔
۴۵ لغز فی الکلام کتاب ادب الدنیا والدین ص ۶۲۔
المزھر ج ۱ص ۵۷۸۔
۴۶ دائرۃ المعارف الشیعی: ج ۱۳ص ۱۹۔
۴۷ نہج البلاغہ مکتوب ۵۳ ترجمہ جوادی ص ۵۷۳۔
۴۸ مجلہ الثقافۃ الاسلامیۃ، شمارہ ۶، صفحہ ۳۴۔

شعروشعراءقرآن وسنت میں

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ

''نہ تو ہم نے اس پیغمبر کو شعر سکھائے اور نہ یہ اس کے لائق ہے وہ تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے۔'' (یٰسین ۶۹)

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ أَلَمْ تَرَى أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ

''شعراء کی پیروی وہ کرتے ہیں جو بہکے ہوئے ہوں، کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ شاعر ہر وادی سر ٹکراتے پھرتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں ہیں۔'' (شعراء ۲۲۴ تا ۲۲۶)

شعروشعراء قرآن وسنت میں

﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ﴾ ”نہ تو ہم نے اس پیغمبر کو شعر سکھائے اور نہ یہ اس کے لائق ہے وہ تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے۔“ (یٰسین ۶۹) ﴿بَلْ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ بَلِ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ﴾ ”اتنا ہی نہیں بلکہ یہ تو کہتے ہیں کہ یہ قرآن پراگندہ خوابوں کا مجموعہ ہے بلکہ اس نے از خود اسے گھڑ لیا ہے بلکہ یہ شاعر ہے، ورنہ ہمارے سامنے یہ کوئی ایسی نشانی لاتے جیسے اگلے پیغمبر بھیجے گئے تھے۔“ (انبیاء ۵) ﴿وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَجْنُونٍ﴾ ”اور کہتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی بات پر چھوڑ دیں؟“ (صافات ۳۶) ﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ﴾ ”یہ کسی شاعر کا قول نہیں (افسوس) تمھیں بہت کم یقین ہے۔“ (حاقہ ۴۱) ﴿وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ﴾ ”شاعروں کی پیروی وہ کرتے ہیں جو بہکے ہوئے ہوں۔“ (شعراء ۲۲۴) ﴿أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ﴾ ”کیا کافر یوں کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے ہم اس پر زمانے کے حوادث (یعنی موت) کا انتظار کر رہے ہیں۔“ (طور ۳۰)

قرآن کریم میں شعروشاعری کے موضوع کو اہمیت دی گئی ہے، سورہ شعراء کی ۲۲۴ سے ۲۲۷ تک کی آیات میں شعروشعراء کے بارے میں اس قدر واضح و روشن بیان ہے کہ اس سورے کا نام ہی شعراء قرار دیا گیا ہے۔

سورہ مبارکہ شعراء میں شعروشعراء کے متعلق صرف یہی ایک کلمہ ”شعراء“ بیان ہوا ہے جس کی بنیاد پر یہ سورہ سورۂ شعراء کے نام سے معروف ہے۔ مفسرین کرام نے انتہائی شدومد سے بیک وقت شعروشعراء کی مذمت اور تائید دونوں کو ان آیات سے استناد کیا ہے۔ لہٰذا مفسرین، فقہاء، علماء تمام کا اس پر اتفاق ہے کہ شعروشاعری نہ تو کلی طور پر مفسد و حرام ہے اور نہ ہی ہمیشہ مستحسن ہے، بلکہ بعض شرائط اور حالات میں شعروشاعری تنہا جائز ہی نہیں بلکہ ایک مستحسن عمل ہے۔ بعض کے نزدیک اس عمل کی کوئی نظیر نہیں، بلکہ کبھی چند شعر تمام برے اعمال کا حابط بن سکتا ہے۔

ہمیں شعروشاعری دونوں کی حقیقت اور ان کے بارے میں اسلام کے حکم کو سمجھنے کیلئے اس کے بارے میں وارد سورۂ مبارکہ ”شعراء“ کی آیت کے علاوہ دیگر تمام آیات اور نبی کریمؐ کے فرمودات کو دیکھنے کے ساتھ تاریخ کے صفحات کی بھی ورق گردانی کرنا پڑے گی، ہمیں دیکھنا ہوگا کہ شعروشاعری نے کہاں تک حق و حقیقت کی ترجمانی کی ہے۔ پہلے ہم اس سورۂ مبارکہ کی آیات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۱۔ سورۂ شعراء کی آیت ۲۲۴ میں فرماتے ہیں: ”شعراء وہ ہیں جن کی اتباع بہکے ہوئے لوگ کرتے ہیں۔“

۲۔ آیت ۲۲۵ میں پیغمبر اسلامؐ سے خطاب کرکے فرمایا ہے: ”کیا آپ نے نہیں دیکھا یہ لوگ ہر بیابان

میں سر ٹکراتے پھرتے ہیں۔“

۳۔ آیت ۲۲۶ میں فرماتے ہیں: ”یہ لوگ وہ باتیں کرتے ہیں جو خود انجام نہیں دیتے۔“

۴۔ آیت ۲۲۷ میں فرماتے ہیں: ”وہ لوگ ان میں شامل نہیں ہیں جو ایمان لاتے، عمل صالح انجام دیتے اور کثرت سے خدا کا ذکر کرتے ہیں اور جنھوں نے اپنی مظلومیت کے بعد انتقام لیا۔“

﴿وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ﴾ یہ آیت کریمہ بھی قرآن کریم کی ان بعض آیات میں سے ہے جن کی تفسیر میں مفسرین کرام، مشکل اور پیچیدگیوں کا شکار ہوئے ہیں۔ مفسرین نے آیت کی تفسیر کرتے وقت سیاق و سباق سے صرف نظر کیا ہے۔ اگر ہم ان آیات کی تفسیر کرتے وقت آیات کے سیاق وسباق کا خیال رکھیں تو آیت ۲۲۱ میں ارشاد باری ہے: آپ ان سے کہہ دیں، آیا میں تمہیں خبر دوں کہ شیطان کس پر نازل ہوتا ہے؟ مشرکین نے پیغمبر اسلامؐ کے بارے میں یہ باتیں منسوب کیں:

۱۔ محمد ﷺ جو خبر دیتے ہیں وہ ان کے پاس شیطان، جھوٹے اور برے آدمی لے کر آتے ہیں۔ اُن کے بقول نعوذ باللہ پیغمبر اسلامؐ جو خبر دیتے ہیں وہ اسے شیطان اور جھوٹے لوگوں سے لیتے ہیں جبکہ قرآن کریم نے مشرکین کے اس دعویٰ کو مسترد کرتے ہوئے فرمایا:

﴿هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ تَنَزَّلُ عَلَى كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ﴾ ”کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں؟ وہ ہر ایک جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں سنی سنائی ہوئی پہنچا دیتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں۔“ (شعراء ۲۲۱ تا ۲۲۳)

ان آیات میں خداوند عالم نے وحی اور وہ باتیں جو شیطان القاء کرتے ہیں دونوں کو جدا کرکے واضح کیا ہے رسالت الٰہی کا محور توحید اور عدالت ہے، جبکہ شیاطین کے محور میں جھوٹے اور تہمت لگانے والے شامل ہیں یہیں سے واضح ہوتا ہے شعراء کا واسطہ کن سے ہے؟!

۲۔ مشرکین، پیغمبر اسلامؐ کو متہم کرتے تھے کہ آپ شاعر ہیں، کیونکہ آپ کے قول اور معنی دونوں میں وزن پایا جاتا ہے۔ ان کے بقول آپ ایسے مطالب بیان کر رہے ہیں جو لوگوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس کے جواب میں خداوند متعال نے ارشاد فرمایا:

﴿وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ﴾ ”شاعروں کی پیروی وہ کرتے ہیں جو بہکے ہوئے ہوں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ شاعر ایک ایک بیابان میں سر ٹکراتے پھرتے ہیں۔ اور وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور اپنی مظلومی کے بعد انتقام لیا جنھوں نے ظلم کیا ہے وہ بھی ابھی جان لیں گے کہ کس کروٹ الٹتے

ہیں۔" (شعراء/۲۲۴ تا ۲۲۷)

شعر کا معنی انداز اور مفروضہ ہے۔ شاعر ہمیشہ خواہشات، وہمیات اور خیالات کی ہی پیروی کرتے ہیں۔ ان آیات سے بخوبی واضح وروشن ہوجاتا ہے کہ شعروشاعری اور مومنین کے راستے الگ ہیں یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ جہاں کہیں دوئیت ہو وہاں بات دو حالتوں سے خالی نہیں یا تو ان دونوں کے درمیان کوئی مقسم موجود ہے یا نہیں۔ اگر دو مختلف ومتضاد حکم یکے بعد دیگر ایک مقسم سے ہوں تو علمائے نحو ایسے کلام کو استثناء کہتے ہیں۔ استثناء کے تین ارکان ہیں:

۱۔ اداۃ الاستثناء، یہاں اداۃ الاستثناء "الّا" ہے۔

۲۔ مستثنیٰ منہ ہے، جس کا ہم نے "مقسم" نام رکھا ہے۔

۳۔ مستثنیٰ، جو مستثنیٰ منہ سے خارج ہوتا ہے۔

اگر مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کا جزء ہے تو یہ "استثناء متصل" کہلاتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں تمام قوم نے ہاں کہی صرف فلاں نے نہ کہا۔ اگر مستثنیٰ جزءِ مستثنیٰ منہ ہو تو اس کو "استثناء منقطع" کہتے ہیں جیسے "لایسمعون فیھا لغواً الا سلاما" یہاں "سلاما" جزء لغو نہیں ہے۔ اگر مستثنیٰ جزء مستثنیٰ ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں اختلاف ہو تو ہر فریق کو اپنا مدعا ثابت کرنے کیلئے لغت قرآن اور سنت سے رجوع کرنا ہوگا۔ آیت میں ہمارے پاس کلمہ "شعراء" مستثنیٰ منہ ہے۔ اس کے بعد الا الذین آمنوا آیا ہے جو استثناء ہے۔ "الا الذین آمنوا" جزء شعراء بن سکتا ہے یا نہیں۔

اکثر وبیشتر مفسرین کا کہنا ہے: "الا الذین آمنوا" شعراء کی ایک قسم ہے۔ اس پر ان کی دلیل شعروشعراء کے بارے میں وارد بعض ضعیف روایات ہیں جبکہ شعر عرفِ علماء میں مجموعہ خیالات اور توہمات کا نام ہے اور قرآن کریم نے شعر کی قرآن اور محمدؐ سے نفی کی ہے اور کہا: "قرآن شعر نہیں محمد ﷺ شاعر نہیں" چنانچہ ان آیات میں آیا ہے:

﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ﴾ "نہ تو ہم نے اس پیغمبر کو شعر سکھائے اور نہ یہ اس کے لائق ہے۔ وہ تو صرف نصیحت اور واضح قرآن ہے۔" (یٰسین ۶۹)

خداوند متعال نے دیگر آیات میں بھی قرآن کریم اور نبی کریمؐ سے شعریت کو مسترد کیا ہے، جیسا کہ: سورہ حاقہ ۴۰، طور ۲۹، صافات ۳۶، انبیاء ۵، انہی آیات کے علاوہ سورۂ یٰسین کی آیت ۶۹ میں بھی اس کا ذکر ہے۔ ان تمام آیات میں پیغمبر کے کلمات کو شعر اور خود آپ کو شاعر کہنے کے الزام کو مسترد کرتے ہوئے فرمایا یہ قرآن زندہ دلوں، عقل وتدبر اور تعمل رکھنے والوں، حق وخیر اور کھلے دل رکھنے والوں کیلئے کتاب ذکر وانذار ہے۔

۞ اگر قرآن شعر ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا یہ کتاب خدا نہیں اور یہ قرآن محمدؐ کا خودساختہ ہے یعنی اسے نعوذ باللہ محمد ﷺ نے از خود گڑھا ہے۔ [مجلّہ آشنا شمارہ ۳۶، سال ۷، ص ۸۵]

۞ اگر قرآن شعر ہوتا تو اس میں محمدؐ کے دکھ، درد ومحن اور تاسف منعکس ہوتے جس طرح دیگر شعراء کے کلام میں یہ چیزیں نمودار ہوتی ہیں، جبکہ قرآن میں ایسے تاثر کی بو تک نہیں پائی جاتی۔

ہم نے ان کو شعر نہیں سکھایا نہ ان کیلئے سزاوار ہے

﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ﴾ "نہ تو ہم نے اس پیغمبر کو شعر سکھائے اور نہ یہ اس کے لائق ہے۔" (یٰسین ۶۹)

شاعر کی تمام تر توجہ جذبات پر مرکوز ہوتی ہے، وہ اچھے اور برے جذبات دونوں کو اٹھاتے ہیں، جبکہ انبیاء کرامؑ کی دعوت عقل پر مبنی ہوتی ہے وہ جتنا خود عقل پر اعتماد کرتے ہیں اتنا ہی دوسروں کو تعقل کی دعوت دیتے ہیں۔ پیغمبرؐ کی رسالت ایک نظام حیات کی طرف دعوت دیتی ہے، پیغمبر اسلام کیلئے خداوند عالم نے فرمایا ہمارے نبی کو شعر نہ آنے کی ایک دلیل پیغمبر اسلام کا امی ہونا ہے جس کا ذکر سورۂ اعراف کی آیات ۱۵۷، ۱۵۸ میں ہوا ہے "امّی" یعنی پڑھا لکھا نہیں۔ اُمی اسے بھی کہتے ہیں جس کی فکر وسوچ اس معاشرے سے نہیں، بلکہ خدا سے حاصل کردہ ہے۔

خداوند عالم نے اس امت کو بھی امی کہا ہے، تاکہ واضح ہو یہ نبوت تمدن وترقی کے باعث وجود میں نہیں آئی بلکہ یہ الٰہی عنایت ہے، لہٰذا خداوند عالم نے فرمایا ہمارے پیغمبر کیلئے شعر گوئی سزاوار نہیں، بلکہ ہر صادق پیغمبرؑ اس سے دور رہے، کیونکہ بہتر شعر اور شاعر کی پہچان اس میں جھوٹ کی کثرت ہے، جبکہ خدا نے اپنے پیغمبروں کے صادق ہونے کی خبر دی ہے۔ جبکہ شعر کے حامیوں کا کہنا ہے شاعری اور سچائیت میں کوئی تضاد نہیں۔

نبی کریم ﷺ کیلئے شعر گوئی سزاوار نہیں

خداوند عالم فرماتا ہے، ہم نے اپنے نبی کو شعر نہیں سکھایا ہے اور نہ ہی ان کیلئے شعر گوئی مناسب ہے، جو کچھ ہمارا پیغمبر کہتا ہے وہ ذکر اور قرآن مبین ہے۔ سورۂ مبارکہ یٰسین کی آیت ۶۹ میں خداوند عالم فرماتا ہے:

"نہ تو ہم نے اس پیغمبر کو شعر سکھائے اور نہ یہ اس کے لائق ہے۔" (یٰسین ۶۹)

اس آیت کریمہ میں خداوند عالم نے شعر سے متعلق پیغمبر اسلام کے بارے میں دو باتیں ذکر کی ہیں۔ ایک یہ کہ ہم نے پیغمبر کو شعر نہیں سکھایا شاید بعض لوگ اس سے یہ نتیجہ اخذ کریں کہ شعر گوئی اپنی جگہ ایک ثقافتِ لغوی ہے اور علوم عروضی اور قوافی سازی جاننے کی محتاج مند ہے اور وہ صلاحیت اور وسائل جو ایک شاعر کیلئے ضروری ہیں پیغمبر کے اندر موجود نہ تھے جس طرح بہت سے لوگوں کے اندر ذوق شاعری کا فقدان ہوتا ہے، پیغمبر بھی اس ذوق شاعری سے دور تھے۔

شعراء کی پیروی وہ کرتے ہیں جو بہکے ہوئے ہوں

قرآن کریم کی بہت سی آیات میں شعر کو حقیقت سے عاری اور وہمیات وخیالاتِ ساختہ وباختہ کہا گیا ہے

چنانچہ بعض آیات میں خداوند متعال نے قرآن کریم کو شعر سے پاک اور اسی طرح شعر کو اپنے نبی کی شان سے نامناسب گردانا ہے۔ سوال یہ ہے اگر خدا نے پیغمبر کو شعر نہیں سکھایا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پیغمبر ایک فن سے ناآشنا تھے اور یہ آپ کی ذات کیلئے ایک نقص ہے؟

اس کا جواب یہ ہے پیغمبر شعر گوئی سے عاجز وناتواں نہیں تھے جس طرح دیگر گناہ وجرائم پر پیغمبر عاجز نہیں تھے۔ بلکہ پیغمبر اپنی مرضی یا حکمِ خدا کے تحت ان چیزوں سے کنارہ کش رہتے۔ پیغمبر کیلئے یہ گنجائش نہیں تھی کہ آپ شعر کہتے، کیونکہ جھوٹ کے بغیر ذوقِ شعر میں جمال وکمال ممکن نہیں، جبکہ پیغمبر کی ذات جھوٹ سے پاک ہے۔ یہاں "شعراء" کلمہ رمزی ہے یعنی جادہ مستقیم اور حق وحقیقت سے منحرف، خیالات وتصورات میں گم انسانوں کی شناخت شعر گوئی ہے، لہٰذا ضروری ہے ہم رحمٰن سے وحی لینے اور شیطان سے وحی لینے والے دونوں گروہوں کی شناخت کریں۔

اس سلسلے میں ہم آیت ۱۷۶ سے شروع کرتے ہیں، جس میں ارشاد ہوتا ہے: اصحاب ایکہ نے تمام مرسلین کو جھٹلایا، انہوں نے شعیبؑ سے کہا، آپ پر سحر ہوا ہے یعنی آپ حقیقت سے دور اور جھوٹے ہیں آپ کی سچائی پر ہمیں شک ہے۔ پھر خداوند عالم نے اپنے نبی پر نازل کی گئی وحی کی خصوصیات بیان کی ہیں اور راہ صدق وجہل کو جدا کرنے کے بعد پیغمبرؐ سے خطاب کرکے فرمایا آپ کی پیروی کرنے والے مومنین ہیں، مومنین کیلئے اپنے پر وبال نچھاور کریں اور اگر انھوں نے آپ کی نافرمانی کی تو ان سے برأت کریں اور پھر خدا پر بھروسہ کریں جو کہ سر واخفا پر حاضر وناظر ہے۔

اس سورہ میں انبیاءؑ اور ان کو درپیش مزاحمتوں کے مقابلہ میں کہیں بھی شعر گوئی کا کوئی ذکر نہیں ہوا ہے، خاص کر سرزمین مکہ میں جہاں صنادید قریش پیغمبرؐ کے مقابل تھے اور وہ خود شعر کو اچھا نہیں جانتے تھے لہٰذا، انہوں نے کہا محمد ﷺ شاعر اور قرآن شعر ہے جس کے جواب میں خداوند متعال نے فرمایا: یہ قرآن شعر ہے نہ شعر ہمارے پیغمبرؐ کو زیب دیتا ہے:

﴿بَلْ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ بَلْ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ﴾ "اور وہ کہتے ہیں بلکہ یہ پراگندہ خواب ہیں بلکہ یہ اس کی من گھڑت ہے بلکہ یہ شخص شاعر ہے۔" (انبیاء ۵) ﴿وَيَقُولُونَ أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَجْنُونٍ﴾ "اور وہ کہتے ہیں کہ کیا ہم ایک شاعرِ مجنون کی خاطر اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں۔" (صافات ۳۶) ﴿أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ﴾ "کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ شخص شاعر ہے جس کے حق میں ہم گردش ایام کا انتظار کر رہے ہیں۔" (طور ۳۰) ﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ﴾ "اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں کہ تم لوگ کم ہی ایمان لاتے ہو۔" (حاقہ ۴۱) ﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ﴾ "اور ہم نے اس کو (نبیؐ) شعر نہیں سکھایا ہے اور نہ شاعری اس کو زیب دیتی ہے یہ تو ایک نصیحت ہے اور

صاف صاف پڑھی جانے والی کتاب ہے۔" (یٰسین ۶۹)

شعروشعراء قرآن اور نبیؐ کی ساحت اقدس سے دور اور ان کیلئے سزاوار نہیں، دونوں کا راستہ جدا اور مصدر و مآخذ الگ ہیں۔ قرآن حق کی طرف سے نبیؐ برحق پر نازل ہوا تا کہ آپ داعی حق بنیں اور حق کی طرف دعوت دیں۔ پھر یہاں جائے شک نہیں کہ مومنین کا راستہ بھی شعر اور شعراء سے جدا ہے، کیونکہ مومنین قرآن اور نبیؐ کے تابع ہیں، جبکہ گمراہان وسرگردان اور منافقین تابع شعروشعراء ہیں۔

خداوند متعال نے مومنین کو شعراء سے دور اور الگ بتانے کیلئے کلمہ "اِلّا" استعمال فرمایا ہے، بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ــــ الخ۔ یہاں شعراء کی وہ مذمت جو اوپر بیان ہوئی اس سے ان شعراء کو مستثنیٰ قرار دیا ہے یہ افراد تین خصوصیات کے حامل ہوں:

اول: مومن ہوں یعنی اللہ اور اس کے رسول اور اس کی کتابوں کو سچے دل سے مانتے ہوں اور آخرت پر یقین رکھتے ہوں۔

دوم: اپنی عملی زندگی میں صالح ہوں، بدکار اور فاسق وفاجر نہ ہوں، اخلاق کی بندشوں سے آزاد ہوکر جھک نہ مارتے پھریں۔

سوم: اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے ہوں، اپنے عام حالات اور اوقات میں بھی اور اپنے کلام میں بھی۔

ایسا نہیں کہ شخصی زندگی تو زہد وتقوی سے آراستہ ہے مگر کلام سراسر رندی اور ہوس سے لبریز ہو، اسی طرح ایسا بھی نہ ہو کہ شعر میں تو بڑی حکمت ومعرفت کی باتیں بگھاری جارہی ہیں مگر ذاتی زندگی کو دیکھیں تو وہ یادِ خدا کے سارے آثار سے خالی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں حالتیں یکساں مذموم ہیں ایک پسندیدہ شاعر وہی ہے جس کی نجی زندگی بھی خدا کی یاد سے معمور ہو اور شاعرانہ قابلیتیں بھی اس راہ میں وقف رہیں جو خدا سے غافل لوگوں کو میسر نہیں، بلکہ خداشناس، خدادوست اور خداپرست لوگوں کی راہ ہے۔

کیا آیت میں مومن اور عمل صالح کرنے والے شعراء کو غاوی اور ہر وادی میں پھرنے والے اور اپنے فعل کے خلاف بولنے والوں سے استثناء کیا گیا؟ آیت کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے وہمیات، خیالات، مفادات، جھوٹ، افتراء کے مصادیق اور مرکز شناخت میں سے ایک شعراء ہیں یہاں مراد شعراء سے صرف وہ شعراء نہیں جو کوئی منظوم وقافیہ دار شعر انشاء کرتے ہوں، بلکہ ہر وہ انسان مراد ہے جو حق وحقیقت کو پس پشت ڈال کر یا کنارے پر لگا کر اپنے خیالات کی پیروی کرتا ہے۔

قرآن کریم میں قرآن اور نبیؐ کی راہ کو شعر اور شعراء سے جدا دکھانے کے بعد بھی بعض مفسرین کرام کا اصرار ہے بعض شعراء اس سے مستثنیٰ ہیں یہ منطق کسی بھی حوالے سے سمجھ میں نہیں آتی کہ یہاں "اِلّا" کا استثناء شعراء سے ہے؟ شعراء مستثنیٰ منہ ہے، شعراء مقسم ہے۔ شعراء کو مقسم قرار دینے کی سند صرف چند مجہول السند روایات ہیں جو بعض شعراء کے بارے میں نقل ہوئی ہیں جو اس بات کی دلیل نہیں بنتی کہ شعر گوئی کو بھی نثر

کے مقابل میں ایک فضیلت حاصل ہے۔ یہاں یہ جاننے کی ضرورت ہے کہ شعراء صفت غاوین ہے، یعنی شعراء کے دو گروہ ہیں ایک گروہِ غاوین ہے جبکہ دوسرا مومنین یا صفتِ تابع ہے، اس کے بعد پتہ چلے گا:

۱۔ بعض شعراء غاوی اور گمراہ ہوتے ہیں۔

۲۔ بعض شعراء مومن ہوتے ہیں۔

سورۂ شعراء کی آیت ۲۲۷ میں کلمہ "اَلّا" کے ذریعے ایمان اور عمل صالح رکھنے والوں کو مستثنیٰ کیا گیا ہے یہاں حرف استثناء "اَلّا" ہے۔ مستثنیٰ مومنین اور اعمال صالح کرنے والے ہیں لیکن مستثنیٰ منہ شعراء نہیں تاکہ شعراء کی دو قسم غاوین اور مومنین بنا سکیں۔

ان دو آیات کے تحت قرآن نے پیغمبر گوراہ شعراء سے جدا کیا ہے، کیونکہ شاعروں کا راستہ خام خیال، وہم و گمان، مبالغہ آرائی، زور گوئی اور غلو گیرائی ہے۔ شاعر وہ ہیں جن کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں، چنانچہ گمراہی کی طرف جانا ان کی پہچان ہے اور ان کی پہچان ان کے شعروں سے نمایاں ہوتی ہے۔ ان کی ایک اور شناخت یہ ہے کہ وہ جو بات کرتے ہیں اس پر عمل نہیں کرتے۔

صرف ایک کلمہ سے پورے سورۂ کی نامگذاری ہونے کی کیا منطق ہے؟

اس کا جواب مختصر سے غور و فکر کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ کسی چیز کا کسی نام سے موسوم ہونا کلمے کی کثرت قلت کی بنیاد پر نہیں، بلکہ اس کلمے سے مفہوم کی وسعت اور ہمہ گیری کو دیکھا جاتا ہے۔ یہاں شعر و شاعری کو بشر کی ایک ثقافت اور فکری و تاریخی انتاج کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو ہمیشہ سے آسمانی رسالت کی مزاحم رہی ہے۔ اس سورے کی اکثر و بیشتر یا تقریباً تمام آیات رسالت آسمانی جس کے داعی انبیاء ہیں اور ان کو در پیش مختلف مزاحمتوں کے بارے میں ہیں، جو بشر نے جعل کی ہیں۔ چنانچہ اس سورے کا آغاز ہی ان آیات سے ہوا ہے:

﴿لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَفْسَکَ اَلَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴾ "ان کے ایمان نہ لانے پر شاید آپ تو اپنی جان کھو دیں گے۔" (شعراء۳)

نبی کریم ﷺ اس دعوت کے مزاحم گروہ سے پریشان تھے، چنانچہ بعد کی آیات میں یہ بات واضح ہے کہ

﴿اِنْ نَشَاْ نُنَزِّلْ عَلَیْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ اٰیَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِیْنَ وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِنْ ذِکْرٍ مِنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ اِلَّا کَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِیْنَ فَقَدْ کَذَّبُوْا فَسَیَاْتِیْهِمْ اَنْبٰؤُا مَا کَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ "اگر ہم چاہتے تو ان پر آسمان سے کوئی ایسی نشانی اتارتے کہ جس کے سامنے ان کی گردنیں خم ہو جاتیں۔ اور ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے جو بھی نئی نصیحت آئی یہ اس سے رو گردانی کرنے والے بن گئے۔ ان لوگوں نے جھٹلایا ہے اب ان کے پاس جلدی سے اسکی خبریں آجائیں گی جس کے ساتھ وہ مسخرا پن کر رہے ہیں۔" (شعراء۴تا۶) ﴿وَاِذْ نَادٰی رَبُّکَ مُوْسٰی

اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ قَوْمَ فِرْعَوْنَ اَلَا یَتَّقُوْنَ﴾ "اور جب آپ کے رب نے موسیٰ کو آواز دی کہ تو ظالم قوم کے پاس جا قوم فرعون کے پاس، کیا وہ پرہیزگاری نہ کریں گے۔" (شعراء۱۰تا۱۱)

ان آیات میں موسیٰ بعنوان داعی و حاملِ رسالت الٰہی اور دوسری جانب آپ کے مزاحم فرعون اور اس کے ہم نوا ہیں۔ رسالت آسمانی کا موضوع ہمیشہ سے سیاسی، اجتماعی اور اقتصادی طبقات میں موجود خرابیوں کی اصلاح رہی ہے، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے فسادِ اجتماعی اور تعصب قومی سے جنگ کی، ابراہیمؑ نے بت پرستی سے جنگ کی، نوح علیہ السلام نے طبقہ بندی کے خلاف مبارزہ کیا، ہودؑ نے لہو و لعب سے جنگ کی۔ صالح و شعیب+ نے اسراف و تبذیر کے خلاف جنگ کی جبکہ لوط علیہ السلام جنسی انحرافات کے خلاف برسرِ پیکار ہوئے، چنانچہ رسالت آسمانی یا رسالت زمینی دونوں کے پیغام رسانوں اور داعیان کے درمیان ہونے والے مکالمات و مجادلات اور مباحثات کو خداوند متعال نے اس سورہ مبارکہ میں بیان کیا ہے اور آخر میں فرمایا ہے رسالت آسمانی کے مقابل میں بشر کے خود ساختہ افکار و نظریات پاش پاش ہوئے ہیں۔ باطل نظریات کے حامی ہمیشہ غصے، تشدد، عنف اور مار دھاڑ سے متصل ہوتے رہے ہیں۔

تفہیم القرآن

"رہے شعراء تو ان کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں۔" یعنی شاعروں کے ساتھ لگے رہنے والے لوگ اپنے اخلاق، عادات و خصائل اور افتادِ مزاج میں ان لوگوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں جو محمدؐ کے ساتھ تمہیں نظر آ رہے ہیں۔ شعراء کا حال یہ ہے کہ کہیں عشق بازی اور شراب نوشی کے مضامین بیان ہو رہے ہیں اور حاضرین اچھل اچھل کر ان پر داد دے رہے ہیں، کہیں کی زن بازاری یا کسی گھر کی بہو بیٹی کا حسن موضوعِ سخن ہے اور سننے والے اس پر مزے لے رہے ہیں۔ کہیں جنسی مواصلت کی حکایت بیان ہو رہی ہے اور پورے مجمع پر شہوانیت کا بھوت مسلط ہے، کہیں ہزل بکا جا رہا ہے یا مسخرہ پن کی باتیں ہو رہی ہیں اور مجمع میں ہر طرف ٹھٹھے لگ رہے ہیں، کہیں کسی کی ہجو اڑائی جا رہی ہے اور وہ لوگ اس سے لطف لے رہے ہیں، کہیں کسی کی بے جا تعریف ہو رہی ہے اور اس پر تحسین و آفرین کے ڈونگرے برسائے جا رہے ہیں اور کہیں کسی کے خلاف نفرت، عداوت اور انتقام کے جذبات بھڑکائے جا رہے ہیں اور سننے والوں کے دلوں میں ان سے آگ سی لگی جاتی ہے۔ ان مجلسوں میں شاعروں کا کلام سننے کیلئے جو ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگتے ہیں اور بڑے بڑے شاعروں کے پیچھے جو لوگ لگے پھرتے ہیں ان کو دیکھ کر کوئی شخص یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ اخلاق کی بندشوں سے آزاد، جذبات و خواہشات کی رو میں بہنے والے اور لطف و لذت کے پرستار، نیم حیوان قسم کے لوگ ہیں جن کے ذہن کو کبھی یہ خیال چھو بھی نہیں گیا ہے کہ دنیا میں انسان کیلئے زندگی کا کوئی بلند تر مقصد و نصب العین بھی ہو سکتا ہے۔ "کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں اور ایسی باتیں کرتے

ہیں جو کرتے نہیں ہیں۔'' یعنی کوئی ایک متعین راہ نہیں ہے جس پر وہ سوچتے اور اپنی قوت گویائی صرف کرتے ہوں، بلکہ ان کا تو سن فکر ایک بے لگام گھوڑے کی طرح ہر وادی میں بھٹکتا پھرتا ہے اور جذبات یا خواہشات واغراض کی ہر نئی رو اُن کی زبان سے ایک نیا مضمون ادا کرتی ہے جسے سوچنے اور بیان کرنے میں اس بات کا کوئی لحاظ سرے سے ہوتا ہی نہیں کہ یہ بات حق اور صدق بھی ہے۔ کبھی ایک لہر اٹھتی تو حکمت وموعظت کی باتیں ہونے لگیں اور کبھی دوسری لہر آئی تو اسی زبان سے انتہائی گندے سفلی جذبات کا ترشح شروع ہوگیا۔ کبھی کسی سے خوش ہوئے تو اسے آسمان پر چڑھا دیا اور کبھی بگڑ بیٹھے تو اسی کو تحت الثریٰ میں جا گرایا۔ ایک بخیل کو حاتم اور ایک بزدل کو رستم واسفندیار پر فضیلت دینے میں انہیں ذرا تامل نہیں ہوتا کیونکہ اس سے ان کی کوئی غرض وابستہ ہے۔ اس کے برعکس کسی سے رنج پہنچ جائے تو اس کی پاک زندگی پر دھبہ لگانے اور اس کی عزت پر خاک پھینکنے میں بلکہ اس کے نسب پر طعن کرنے میں بھی ان کو شرم محسوس نہیں ہوتی۔ خدا پرستی اور دہریت، مادہ پرستی اور روحانیت، حسن اخلاق اور بداخلاقی، پاکیزگی اور گندگی، سنجیدگی اور ہزل، قصیدہ اور ہجو سب کچھ ایک ہی شاعر کے کلام میں آپ کو پہلو بہ پہلو مل جائے گا۔ شعراء کی ان معروف خصوصیات سے جو شخص واقف ہو اس کے دماغ میں آخر یہ بے تکی بات کیسے اتر سکتی ہے کہ اس قرآن کے لانے والے پر شاعری کی تہمت رکھی جائے جس کی تقریر جچی تلی، جس کی بات دوٹوک، جس کی راہ بالکل واضح اور متعین ہے اور جس نے حق اور راستی اور بھلائی کی دعوت سے ہٹ کر کبھی ایک کلمہ بھی زبان سے نہیں نکالا ہے۔ قرآن مجید میں ایک دوسرے مقام پر نبیؐ کے متعلق فرمایا گیا ہے آپ کے مزاج کو تو شاعری کے ساتھ سرے سے کوئی مناسبت ہی نہیں ہے: (یٰسین ۶۹) اور یہ ایک ایسی حقیقت تھی کہ جو لوگ بھی نبیؐ سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے وہ سب اسے جانتے تھے۔ معتبر روایات میں آیا ہے کہ کوئی شعر حضور کو پورا یاد نہ تھا۔ جس قسم کے مضامین سے عرب کی شاعری لبریز تھی وہ یا تو شہوانیت اور عشق بازی کے مضامین تھے یا شراب نوشی کے، یا قبائلی منافرت اور جنگ وجدل کے، یا نسلی فخر وغرور کے۔ نیکی اور بھلائی کی باتیں ان میں کم پائی جاتی تھیں۔ پھر جھوٹ، مبالغہ، بہتان، ہجو، بے جا تعریف، ڈینگیں، طعن، پھبتیاں اور مشرکانہ خرافات تو اس شاعری کی رگ رگ میں پیوست تھیں اس لئے نبیؐ کی رائے اس شاعری کے متعلق یہ تھی کہ **لان یمتلی جوف احدکم قیحا خیر له من ان یمتلی شعرا**: ''تم میں سے کسی شخص کا خول پیپ سے بھر جانا اس سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ شعر سے بھرے۔'' اسی طرح ایک اور روایت میں آیا ہے کہ امراؤالقیس پر چمدار شعراء ہے کہ جنہیں جہنم کی طرف سوق دیتے ہیں۔ (ج ۳ ص ۵۴۶)

آیات قرآن کریم اور سنت کی رُو سے شعر وشعراء مذموم قرار پانے کے بعد اگلا مرحلہ میں ہمیں تاریخ شعراء کی ورق گردانی کرنی ہوگی تا کہ دیکھیں شعراء کی تاریخ صفحات دین ودیانت کی ترویج واشاعت میں کتنی

روشن اور نورانی ہے، اس سلسلے میں ہم شعراء کی چند تاریخوں کی صفحات میں ورق گردانی کریں گے:

۱)۔ دورِ جاہلیت۔

۲)۔ دورِ اسلام یعنی آغازِ دعوت اسلام سے لے کر خلفاء راشدینؓ کا دور۔

۳)۔ خلفاء بنی اُمیہ اور بنی عباس کا دور۔

۴)۔ شعراء دربارِ ملوکِ مسلمین۔

۵)۔ شعراء برصغیر۔

شعروشعراء

از ابتداء تا عصر حاضر

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ
تَنَزَّلُ عَلَى كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ يُلْقُونَ السَّمْعَ وَ
أَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ

''کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں؟ وہ ہر ایک جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں سنی سنائی ہوئی پہنچا دیتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں۔'' (شعراء ۲۲۱ تا ۲۲۳)

شعروشعراء از ابتداء تا عصر حاضر

کسی بھی موضوع پر قلم اٹھانے یا زبان کھولتے وقت تمام زمان ومکان کو سمیٹنا ممکن نہیں۔ہم چونکہ مسلمان ہے اور مسلمان کیلئے سب سے پہلی زبان عربی ہے،اس کے بعد اس کی اپنی علاقائی زبان ہے لہٰذا ہم شعرو شاعری کے آغاز وانجام میں عربی اور اردو کو اپنا مدنظر رکھیں گے:

تاریخ شعروشاعری

اگر ہم عرب میں شعروشاعری کے نکتہ آغاز کو تلاش کریں تو اس بارے میں تحقیق کرنا سوائے زحمت ومشقت کے اور کچھ نہ ہوگا۔گرچہ یونان اور روم کی کتب میں جزیرۃ العرب کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے جن سے اندازہ ہوتا ہے شاعری کی ابتداء کب سے ہوئی ہے؟لیکن ہمیں وہاں کوئی شعر نہیں ملتا کیونکہ عرب کے ابتدائی دور جسے جاہلیت اولیٰ کہا جاتا ہے اشعار کو ایسا مقام ومنزلت حاصل نہیں تھا جتنا جاہلیت میں اسے حاصل ہوا۔ہم نے شاعری کے بارے میں تاریخ عرب کی صفحہ گردانی کی اور ان سے مروی نقولات کی طرف رجوع کیا،لیکن ان نقولات کے بارے میں اطمینان سے فیصلہ نہیں کر سکے سوائے چند شعر جو کتاب مروج الذہب مسعودی میں ملتے ہیں جو بائدہ ہیں (یعنی صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہیں) جیسے عاد وثمود وغیرہ جن کا کوئی نام ونشان نہیں جیسا کہ ان آیات میں آیا ہے:

﴿وَأَنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ وَثَمُودَ فَمَا أَبْقَىٰ﴾ ”اور یہ کہ اسی نے عاد اول کو ہلاک کیا ہے اور ثمود کو بھی ایک کو بھی باقی نہ رکھا۔“ (نجم ۵۰،۵۱) ﴿فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ﴾ ”ثمود تو بے حد خوفناک آواز سے ہلاک کردئے گئے اور عاد بے حد تیز وتند ہوا سے غارت کردیئے گئے۔“ (حاقہ ۵،۶)

شعروشاعری جاہلیت میں

دورِ جاہلیت میں تعلیم وکتابت کا رواج نہیں تھا،البتہ شعر رائج تھے اور لوگ شعراء کو کمالِ مجسم سمجھتے تھے۔عرب اجتماعات میں شعر گوئی اور شعراء کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی تھی،اشعار قافیہ دار ہوتے،بلکہ نثر کو بھی قافیے میں پڑھا جاتا تھا۔مستشرق مودلک نے لکھا ہے،میلادی کی چوتھی صدی میں روم اور یونان میں شعر وجود میں آیا جس سے عرب اور روم میں شعروشاعری کا رابطہ قائم ہوا۔جاہلیت کے اشعار کے بارے میں علامہ ابو ہلال عسکری اپنی کتاب صناعت میں لکھتے ہیں:”جاہلیت میں پانچ اقسام کے شعر انشاء ہوتے تھے:

۱۔مدح ۲۔ہجا ۳۔وصف ۴۔تشبیب ۵۔مراثی

نابغہ نے اس میں چھٹی قسم ”اعتذار“ کا اضافہ کیا۔“

علامہ عسکری نے حماسہ خمریات،دہریات،زہریات حکم وشکوہ کو نہیں گنا،تاہم انہوں نے انھیں باب وصف میں شامل کیا ہے۔”وصف“ کسی چیز کی صفت بیان کرنا اور موصوف کو آنکھوں کے سامنے آمادہ پانا ہے جیسا کہ عدی بن الرقاع عاملی اپنی سواریوں کی ٹاپوں کی آواز کی تعریف کرتے تھے۔

شجاعت اور عزت نفس سے متعلق اشعار جاہلیت میں سب سے پسندیدہ اشعار تھے،تاہم اس زمانے میں اشعار کی کتنی اقسام تھیں انہیں ہم بیان نہیں کر سکتے۔شعروشاعری کے عروج اور بلند پروازی کا دور،دورِ جاہلیت تھا بالخصوص وہ وقت جب شعراء نے اپنے اشعار کو دوسروں کیلئے مبارزہ طلبی (چیلنج) کے طور پر خانہ کعبہ پر آویزاں کرنا شروع کیا۔یہ دور شعروشعراء کے انتہائی عروج وپرواز کا دور سمجھا جاتا ہے۔

طبقات شعراء

علمائے ادب شعراء کو زمانے کے لحاظ سے چار طبقات میں تقسیم کرتے ہیں:

۱)۔جاہل قدیم۔بعض نے شعرائے جاہلیت کو تین طبقات میں تقسیم کیا ہے۔

۲)۔مخضرم؛یعنی جس نے جاہلیت اور اسلام دونوں دور دیکھے۔

۳)۔اسلامی

۴)۔محدث۔ابن رشید نے کہا ہے محدث کے چار طبقات ہیں محدث اول،محدثین دوم،محدثین کو مولدین بھی کہتے ہیں۔

۵)۔شعراء برصغیر،شعراء علاقہ جات۔

بعض نے شعرائے جاہلیت کو تین طبقات میں تقسیم کیا ہے:

۱)۔اصحاب معلقات سبع،اس میں اعشی قیس،مھلھل،عدی بن زید،عبید بن الابرص،امیہ بن ابی صلت ہیں۔

۲)۔دوسرے طبقے میں:الشنفری،ابودواد،سلامۃ بن جندل،مثقب العبدی،براق بن روحان،تأبط شرا،سموءل بن عادیا،علقمۃ الفحل،حارث بن عباد،خداش بن زہیر،عروۃ بن الورد،اسود بن یعفر،حاتم الطائی،اوس بن حجر،ورید بن الصمۃ،خنساء۔

۳)۔تیسرے طبقات میں لقیط بن زرارہ ہیں۔[تاریخ آداب العرب ج ۳ ص ۴۶]

مشاہیر شعرائے جاہلیت

مشاہیر شعرائے جاہلیت میں درج ذیل شعراء کو فہرست ہیں:

امرو القیس،طرفۃ بن العبد،زہیر بن ابی سلمی،لبید بن ربیعہ،عمرو بن کلثوم،عنترہ شداد،حارث بن حلزہ۔

ان کی شہرتِ شاعری کی بڑی وجہ قصائد طوال سبع ہے یعنی ان میں سے ہر ایک کا ایک لمبا قصیدہ ہے،یہ قصائد ”معلقات سبع“ کے نام سے معروف ہیں۔ان کے اشعار کو کیونکر شہرت ملی؟اور کیوں یہ اشعار معلقات سبع کے نام سے مشہور ہوئے؟اس سلسلے میں تاریخ آداب العرب کے مصنف مصطفیٰ صادق رافعی لکھتے ہیں:

"دورِ جاہلیت کے شعراء جب اپنے علاقے میں شعر انشاء کرتے تو کوئی بھی ان کو اس وقت تک اہمیت نہ دیتا جب تک وہ ان اشعار کو قریش کے سامنے بیان نہ کرتا۔ اس لئے شاعر، مکہ جاکر قریش کے سامنے اپنے اشعار پیش کرتے، اگر قریش ان اشعار کو مستحسن قرار دیتے تو وہ فخر کرتے اور اگر قریش ان کے اشعار پسند نہ کرتے انھیں اہمیت نہ دیتے تو شاعر واپس آجاتے۔" [ج ۳ص ۱۳۹]

اس سلسلے میں ابوعمرو بن علاء (متوفی ۱۵۴ھ) لکھتے ہیں:

"عرب سال میں ایک بار مکہ میں جمع ہوتے اور وہاں شعراء اپنے اشعار قریش کے سامنے پیش کرتے جن اشعار کو قریش نے پسند کیا وہ مذکورہ بالا سات شعراء ہیں۔"

لیکن ان کو معلقات کہنے کی توجیہ میں مولف لکھتے ہیں، عربوں نے ان اشعار کو انتخاب کرنے کے بعد سونے سے یا سونے کے پانی سے حریر قبطی پر لکھا۔ حریر قبطی انتہائی نازک وباریک سفید کپڑا تھا جو مصر میں بنتا تھا۔ کہتے ہیں، پھر ان اشعار کو کعبے پر آویزاں کیا جاتا تھا، بعض نے کہا ہے مشرکین بتوں کی جگہ ان لٹکے ہوئے اشعار کے سامنے سجدہ کرتے تھے۔ اس سلسلے میں مصطفیٰ رافعی نے لکھا ہے، یہ کہنا کہ ان اشعار کو سونے یا سونے کے پانی سے لکھ کر کعبے میں آویزاں کرتے تھے میرے خیال میں ان جعلی اخبارات میں سے ہے جسے متاخرین نے اچھالا ہے۔

ابن خلقان نے ابن جعفر نحاس (متوفی ۳۳۷ھ) سے نقل کیا ہے، ان سات قصائد کو جمع کرنے والے حماد (متوفی ۱۵۵ھ) ہیں۔ صاحب "المزھر" جلال الدین سیوطی نے بھی لکھا ہے، سب سے پہلے ان اشعار کو حماد نے جمع کیا ہے۔ بغدادی نے کتاب "خزانہ ادب" میں لکھا ہے، عبدالملک بن مروان نے چار شعراء ذکر کیے ہیں۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ عبدالملک نے ۸۶ھ میں وفات پائی اور عبدالملک اور حماد کے درمیان ۶۹ سال کا فاصلہ ہے۔ ابن کلبی (متوفی ۲۰۴) نے لکھا ہے، جاہلیت کا پہلا شعر امرؤالقیس نے انشاء کیا جو ایام حج میں رکنِ کعبہ پر معلق کیا جاتا۔ کہتے ہیں، ان سات شعراء کے اشعار کو کعبے پر لٹکایا جاتا تھا۔

کتاب معجم الاوئل صفحہ ۴۲۹ پر دکتور فواد صالح سید لکھتے ہیں:

"شعرائے جاہلیت کی تقسیم بندی ایک مشکل عمل ہے، دورِ بنی عباس میں بعض نے ان اشعار کی تقسیم بندی کرنے کی کوشش کی ہے۔ بعض نے اس کے سات طبقات بتائے ہیں، سب سے پہلا گروہ اصحاب معلقہ کا تھا جو اپنی جگہ سات گروہوں پر مشتمل تھا:

طبقہ اول:	اصحاب معلقات	طبقہ ثانی:	اصحاب مجمہرات	طبقہ ثالث:	اصحاب منتقیات
طبقہ رابع:	اصحاب مذہبات	طبقہ خامس:	اصحاب مراثی	طبقہ سادس :	اصحاب مشوبات
طبقہ سابع:	اصحاب محکمات			[تاریخ آداب العرب ج ۳ص ۱۳۹]	

شعرائے طبقاتِ اولیٰ

۱۔ امرؤالقیس بن حجر الکندی (۱۳۰-۸۰ق ھ/۴۹۷-۵۴۵م)

جندج بن حجر الکندی ملقب بہ امری القیس جسے ملک الضلیل اور ذوالقروح کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کا باپ بنی اسد، غطفان کا رئیس، جبکہ اس کی ماں فاطمہ بنت ربیعہ کلیب ومھلھل التغلبیین کی بیٹی تھی۔ نجد میں پیدا ہوا اور نسباً یمنی ہے۔

جندج یا حندج اس اچھی ریت کو کہتے ہیں جس میں اچھی سبزی اگتی ہے، عرب میں حجر، حجر الکندی کے علاوہ کوئی نہیں۔ امروالقیس کے معنی سخت شدت والے مرد کے ہیں، عرب میں اس نام کے بہت سے افراد ہیں جن کی تعداد سیوطی نے اپنی کتاب المزھر میں سولہ تک ذکر کی ہیں، تاریخ نے ان کو قیس کے نام سے یاد کیا ہے ان کی کنیت ابا الحارث اور لقب ملک الضلیل، ذوالقروح، جندج بن حجر کندی ہے۔ ان کے باپ شاہانِ کندہ کی نسل سے تھا اور بنواسد کا رئیس تھا، جبکہ ماں ربیعہ کے بیٹوں مکیب ومہلہل کی بہن تھی۔

حالاتِ زندگی

ملک الضلیل، ذوالقروح جندج بن حجر کندی شریف خاندان کا اصیل الطرفین تھا۔ اس کا باپ شاہان کندہ کی نسل سے تھا اور بنواسد کا رئیس تھا، جبکہ اس کی ماں ربیعہ کے بیٹوں مکیب ومہلہل کی بہن تھی۔ امروٴالقیس نے سرداری کے ماحول میں پرورش پائی، نازونعم میں جوان ہوا شراب نوشی، عشق بازی، کھیل کود اور شعروشاعری اسے مطلق العنان آزادی کی طرف لے گئی، اس کے باپ نے اسے گھر سے نکال دیا، کیونکہ حجر کو اس کی شعر گوئی پسند نہیں تھی اور بادشاہان شعر گوئی کو پسند نہیں کرتے تھے۔ جس کے بعد یہ عرب اوباش اور آوارہ گروپ میں شامل ہوگیا جن کا کہیں مستقل ٹھکانہ نہیں تھا، وہ باغات اور چشموں کی تلاش میں رہتے، جہاں کہیں پانی کا تالاب دیکھتے وہاں خیمہ زن ہوتے کھیل کود کرتے، شراب نوشی اور شکار میں مشغول رہتے اور جب پانی خشک ہوجاتا گھاس ختم ہوجاتی تو وہاں سے کسی اور علاقہ کا رخ کرتے۔ اپنی ان آوارگیوں میں امروٴالقیس یمن میں "کوہِ دمون" کے قریب واقع ایک آبادی میں پڑاؤ کیے ہوئے تھا کہ اسے اپنے باپ کے مرنے کی اطلاع ملی۔ بنواسد نے اس کے ظالمانہ سلوک سے تنگ آکر اسے قتل کردیا تھا۔ یہ قصہ کتاب اغانی جلد ۸ صفحہ ۵۷ پر بھی موجود ہے۔

بنی اسد اس کے باپ کو ہر سال جزیہ دیتے تھے، ایک زمانہ تک اس نے لگان چھوڑ دیا لیکن کچھ عرصے کے بعد اس نے لگان جمع کرنے کیلئے آدمی بھیجا تو بنی اسد نے جزیہ دینے سے انکار کیا اور اس آدمی کو مارا پیٹا۔ اس وقت حجر تہامہ میں تھا اس نے بنی اسد کے سربراہ عمرو بن مسعود اور عبید بن الابرص کو اسیر کیا، اس کے بعد عبید نے ایک شعر کے ذریعے اس سے معافی طلب کی تو حجر نرم پڑ گیا۔ بنی اسد حجر کی طرف روانہ ہوئے اور جب تہامہ پہنچنے میں ایک دن باقی تھا تو ان کے کاہن عوف بن ربیعہ نے بنی اسد کو حجر کو قتل کرنے کا کہا وہ سب

اپنی سواریوں پر سوار ہو کر صبح سویرے حجر کی قیام گاہ پر حملہ آور ہوئے اس کے محافظین نے اسے بچانے کی کوشش کی، لیکن علباء بن الحارث کاہلی جس کے باپ کو حجر نے قتل کیا تھا اس نے پیچھے سے حجر پر حملہ کیا جس پر چند عورتیں قتل ہوئیں اور حجر کو اسیر کر لیا گیا حجر نے اپنی اولاد کے نام ایک وصیت نامہ لکھا جس میں اپنے ساتھ گزرنے والے حالات اور اپنے قاتل کا نام لکھا۔ اس کی اولاد میں سب سے چھوٹا امرؤالقیس تھا۔

حجر نے اپنے ایک معتمد خاص سے کہا اس کی وصیت اس کی تمام اولاد کو باری باری پڑھ کر سنائے اور ان میں سے جو بھی اس کی موت کی خبر پر چیخ و پکار نہ کرے اسے اس کا اسلحہ اور وصیت نامہ دے دیا جائے، جب حجر کا قاصد اس کا وصیت نامہ لے کر اس کے بیٹے نافع کے پاس گیا تو نافع نے یہ خبر سنتے ہی فریاد کرتے ہوئے اپنے سر پر مٹی ڈالی، قاصد باری باری حجر کی تمام اولادوں کے پاس گیا، لیکن سب نے نافع جیسا رویہ اختیار کیا۔ جب قاصد امرؤالقیس کے پاس پہنچا تو اس وقت وہ اپنے ایک دوست کے ساتھ پینے پلانے اور چوسر کھیلنے میں مصروف تھا، قاصد نے جب اسے یہ خبر سنائی کہ اس کے باپ حجر کے خلاف بنو اسد نے بغاوت کر دی ہے اور اسے قتل کر ڈالا ہے تو اس نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ اس کے ساتھی نے کھیل سے ہاتھ روک لیا تو امرؤالقیس نے کہا کھیل جاری رکھو، پھر جب وہ فارغ ہوا تو اس موقع پر اس نے یہ مشہور جملہ کہا:

ضَیَّعَنِی ابی صغیراً وحمَّلنی دمہ کبیراً　　　لاصَحْوَ الیوم، ولاسُکْرَ اغداً

الیوم خمرٌ وغداً امرٌ

"میں چھوٹا تھا تو میرے باپ نے مجھے ضائع کر دیا اور اب بڑا ہوا ہوں تو مجھ پر اپنے خون کا بوجھ لاد کر چل دیا۔ آج تو میں ہوش میں آؤں گا نہیں، اور کل نشہ کروں گا نہیں۔ آج کا دن جام کیلئے ہے اور کل کا دن ایک بڑے کام کیلئے۔"

ہوش میں آنے کے بعد امرؤالقیس نے قسم کھائی آج سے شراب، عورتیں اس وقت تک حرام ہیں جب تک قبیلہ بنو اسد کے سو افراد کو تہ تیغ کر کے اپنے باپ کے خون کا بدلہ نہ لے لوں۔ جب رات کی تاریکی چھائی اور اس نے دور کہیں بجلی چمکتے ہوئے دیکھی تو کہنے لگا:

"میں اس بجلی کیلئے جاگتا رہا جو رات کو چمکی اور جس کی روشنی پہاڑ کی چوٹی کو روشن کر رہی ہے مجھے ایک ایسی خبر پہنچی ہے کہ اس سے پہاڑ کی چوٹیاں لرز جائیں لیکن میں نے اس کی تصدیق نہیں کی وہ خبر یہ ہے کہ بنو اسد نے اپنے سردار کو قتل کر دیا ہے اب اس کے بعد ہر خبر مجھے حقیر اور معمولی لگتی ہے۔"

دوسرے دن امرؤالقیس بنو اسد کے خلاف مدد حاصل کرنے کیلئے اپنے ننھیال بنو بکر اور تغلب کے پاس گیا وہ اس کے ساتھ چل پڑے، اس نے ان کے ساتھ مل کر بنو اسد پر ہلہ بول دیا اور بنو اسد نے اپنے سو آدمی بطور فدیہ دینے کو کہا، لیکن اس نے انکار کر دیا، بنو بکر اور بنو تغلب اس سے ناراض ہو کر اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ دوسری طرف منذر بن السماء اس کے خلاف ہوا تو امرؤالقیس کی حامی جماعتیں منذر کے ڈر سے منتشر ہو

گئیں، پھر وہ قبیلہ قبیلہ جا کر مدد مانگنے لگا لیکن اسے کہیں پناہ نہ مل سکی، آخر کار اس نے سموئل بن عادیا یہودی کے ہاں پناہ لی اور اس کے پاس اپنی زرہیں بطور امانت رکھیں۔ اس سے حارث بن شمر غسانی کے نام سفارشی خط لکھوایا، تا کہ وہ اسے قیصر روم تک پہنچا دے قیصر ان دنوں جستنیاں میں تھا۔ امرؤالقیس جب اس کے پاس پہنچا تو اس نے اس کی عزت افزائی کی، قیصر کا خیال تھا وہ امراؤالقیس کی وجہ سے عربوں میں اپنی طاقت بڑھا کر ایرانیوں کا زور توڑ سکے گا۔ اس نے ایک بہت بڑا لشکر اس کے ہمراہ بھیجنے کا ارادہ کیا لیکن بعد میں کچھ سوچ کر اس نے لشکر کو واپس بلا لیا۔ اس اثناء میں امرؤالقیس پر جلد کی بیماری حملہ آور ہوئی جس نے اس کے جسم پر زخم کر دیئے اور اس کا گوشت گل گیا۔ مورخین کا خیال ہے امرؤالقیس جب لشکر لے کر نکلا تو طماح اسدی نے قیصر سے امرؤالقیس کے خلاف شکایت کی، کیونکہ امرؤالقیس اس سے اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینا چاہتا تھا، چنانچہ قیصر نے امرؤالقیس کیلئے ایک پوشاک بھیجی جس پہ زہر آلود چوب کاری کی گئی تھی اس وقت وہ انقرہ پہنچ چکا تھا اس پوشاک کی وجہ سے اسے مذکورہ حالت کا سامنا کرنا پڑا۔ مورخین امرؤالقیس کے ان اشعار سے استدلال کرتے ہیں:

"طماح اپنے علاقے سے اس طمع پر آیا تا کہ اپنی تکلیف اور مصیبت کو مجھ پر ڈال دے اور میں صحت کے بعد خونی زخموں میں مبتلا ہو جاؤں اس خوشحالی پر افسوس ہے جو دکھوں سے بدل جائے میری موت اگر ایک آدمی کی موت ہوتی تو کوئی بات نہیں تھی مگر میری موت تو کئی جانوں کو لے ڈوبے گی۔"

جس وقت امرؤالقیس پر موت کی بے ہوشی طاری ہوگئی تو اس کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے:

"کتنے ہی بھرے ہوئے پیالے کتنے ہی تیز نیزے اور وضاحت بھرے خطبے کل انقرہ میں باقی رہ جائیں گے۔"

اسے جبل عسیب کے پاس ۵۴۵ء میں دفن کر دیا گیا۔

امرؤالقیس اپنے چچا کی بیٹی کے عشق میں غرق تھا، اس نے بارہا اس کو بلایا، لیکن وہ اس کے ہاتھ نہ آئی، ایک دن نہانے کیلئے جھیل پر گیا تو وہاں چند لڑکیاں آئیں جس میں اس کے چچا کی وہ بیٹی بھی شامل تھی۔ وہ چھپ کر انھیں دیکھتا رہا جب یہ لڑکیاں لباس اتار کر پانی میں چلی گئیں تو اس نے ان کے لباس پر قبضہ کیا اور کہا جب تک اسی حالت میں ایک ایک آ کر خود مجھ سے اپنا لباس نہ لے گی میں نہیں دوں گا جب وہ لڑکیاں مجبور ہوئیں تو ہر ایک اسی حالت میں آ کر اپنا لباس لینے لگیں اس طرح اس نے اپنے چچا کی لڑکی پر قبضہ کر لیا۔

امرؤالقیس کی شہرت شاعری

امرؤالقیس نسباً یمنی اور سکونت کے حوالے سے نزاری تھا، اس نے ہمیشہ دیار بنی اسد کی تعریف کی ہے، اس کے باپ اور چچا وغیرہ سردار تھے، انھوں نے عرب بادیہ نشینوں کی طرح سختی میں زندگی نہیں گزاری، بلکہ اس کا باپ جہاں جاتا اس کے خدمت گزار اس کے آگے جا کر اس کے پہنچنے سے پہلے خیمے نصب کر دیتے تھے۔ امرؤالقیس کی پرورش سرداری کے ماحول میں ہوئی، چنانچہ بڑے ہوتے ہی اس کی عادات خراب ہو گئیں

عیش ونوش میں زندگی گزارنے کی وجہ سے بہت متکبر تھا۔شراب نوشی،عشق بازی،کھیل کود اور شعروشاعری اس کا مشغلہ بنی۔پھر یہ مطلق العنان آوارہ مزاج ہوگیا اور قابل فخر اور سرداری کے برعکس دیگر کاموں میں دلچسپی لینے لگا،جس پر اس کے باپ نے اسے گھر سے نکال دیا اور یہ اس کی اولاد میں سب سے چھوٹا لڑکا تھا۔

۲۔ عبید بن الابرص (متوفی ۵۵۴ء)

عبید بن ابرص بن عوف اسدی قبیلہ مضر سے تھا۔اس کا نام دور جاہلیت کے سیاست مداروں میں گنا جاتا ہے،اپنی قوم میں عزت کا حامل تھا،مروت اور بزرگی اس کی حیات پر غالب تھی۔حجر کندی کے مقربین اور بادشاہانِ حیرہ کے ہاں بھی محترم تھا،جب عبید کے قبیلہ والوں نے حجر کندی کو مالیت دینے سے انکار کیا تو عبید بن ابرص نے بادشاہ کے سامنے اپنی قوم کی سفارش کی جسے حجر کندی نے قبول کیا۔

کہتے ہیں،ایک دن اس نے نشے کی حالت میں اپنے دو ساتھیوں کو قتل کر ڈالا،جب بیدار ہوا تو اپنے کئے پر پشیمان ہوا۔اس کے حالات زندگی میں دو دن کا ذکر مشہور ہیں ایک دن اس کے نوازنے کا دن ہوتا جو بھی جاتا خالی نہ لوٹتا،جبکہ جس دن وہ غصے میں ہوتا جو بھی سامنے آتا اسے قتل کر دیتا۔اس کا قصیدہ جو کعبہ پر لٹکایا گیا وہ ۴۸ بیت پر مشتمل تھا۔کہتے ہیں ان اشعار میں توحید کا اقرار اور حکمت وموعظہ کا ذکر تھا،جبکہ دوسری طرف یہ وحدت اور الفت سے خالی تھے۔

۳۔طرفہ بن عبد بکری (۶۰،۶۸ق۔ھ/۵۳۸،۵۶۴م)

عمرو بن عبد،ملقب بہ طرف،بنی بکر بن وائل سے،بحرین میں پیدا ہوا۔طرفہ بن عبد بن سفیان بن بکری یتیم پیدا ہوا،اس کے چچاؤں نے اس کی تربیت کی لیکن تربیت میں کوتاہی کے سبب جب یہ جوان ہوا تو بے کار، آرام پرست اور لہو ولعب اور مے نوشی کا عادی بنا،لوگوں کی عزتوں کو پامال کر کے انھیں زچ کرنے کا شوق رکھتا جوانی کی مستی میں آکر اس نے عمرو بن ہند بادشاہ کی ہجو کہہ ڈالی حالانکہ اسے بادشاہ کی رضامندی کی ضرورت تھی اور وہ اس کے عطیات کا محتاج تھا اس کی ہجو کی وجہ سے عمرو کے دل میں اس کے خلاف نفرت اور کینہ پیدا ہوا۔

طرفہ کی شاعری

طرفہ بچپن سے ہی نہایت ذہین،انتہائی حساس اور تیز فہم تھا،اس کی عمر ابھی بیس سال بھی نہ ہوئی تھی کہ اس کا شمار بلند پایہ اور کامل شعراء میں ہونے لگا۔لیکن عمرو بن کلثوم کی طرح طرفہ بھی صرف اپنے معلقہ کی وجہ سے ہی مشہور ہوا۔اس کے اشعار تو بہت زیادہ ہونگے،لیکن راویان شعر کی ان تک رسائی نہ ہوسکی،طرفہ وصف میں راست گو اور مبالغہ میں غلو سے گریز کرنے میں امتیازی مقام رکھتا تھا،لیکن اس کے اشعار میں عمدہ ترکیبیں غیر مانوس الفاظ اور مبہم مضامین پائے جاتے ہیں۔یہ سب کچھ اس کے اس معلقہ میں پایا جاتا ہے جس کی ابتدا اس نے غزل سے کی ہے۔اس نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے انوکھے اور منفرد انداز میں اپنی اونٹنی کی

تعریف کی ہے،اس کے بعد اپنے ذاتی کمال کو فخریہ انداز میں پیش کیا ہے،جو نہایت پر مغز اور فصاحت و بلاغت سے بھرپور شاعری پر مشتمل ہے۔

طرفہ بن عبد بن سفیان بکری

اس کا سلسلہ نسب معد بن عدنان پر منتہی ہوتا ہے۔کہتے ہیں امرؤالقیس کے بعد اسے شاعری میں پہلا مقام حاصل تھا۔یہ شعرائے معلقات سبع کے انشاء کرنے والوں میں سے تھا،طرفہ شاعر متلمس کا بھانجا اور معروف شاعر اصغران کا بھتیجا تھا،اس کے شعر کا مصدر وماخذ ان دونوں پر منتہی ہوتا ہے۔اپنی قوم کا رئیس تھا لیکن اپنی قوم اور دوسرے قوموں کی ہجو کرتا،تاریخ میں اس کے بارے میں بہت کم ذکر ہے یہ ایک خود پسند انسان تھا، اپنی قوم کے پاس اپنی عزت کی فکر کرتا۔بادشاہان سے انعامات کی امید رکھنے کے ساتھ ان کی ہجو بھی کرتا تھا۔

ایک روایت کے مطابق ایک مرتبہ طرفہ اپنے ماموں متلمس کے ساتھ بادشاہ کے پاس انعامات وبخشش کی غرض سے گیا (متلمس نے بادشاہ کی ہجو کہی تھی) بادشاہ ان دونوں کو بڑے پرتپاک انداز سے ملا تا کہ وہ دونوں اس کی طرف سے مطمئن ہو جائیں، بلکہ اس نے ہر ایک کو انعام بھی دیا اور ساتھ ہی دو خط بحرین کے گورنر کے نام لکھ دیئے اور کہا وہاں جا کر اپنا انعام وصول کرلیں،وہ ابھی گورنر بحرین کی طرف جانے والے راستہ پر ہی تھے کہ متلمس کو خط کے متعلق شک گزرا اس نے خط پڑھنے والے کو تلاش کیا جب اس نے خط پڑھ کر سنایا تو اس میں لکھا تھا "با سمک اللھم عمرو بن ہند کی طرف سے مکعبر کی طرف،جونہی تیرے پاس متلمس میرا یہ خط لے کر پہنچے اس کے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹ کر اسے زندہ دفن کر دینا۔" اس نے وہ خط نہر میں پھینک دیا پھر طرفہ کو کہنے لگا تیرے خط میں بھی یہی حکم ہوگا۔لیکن طرفہ نے اپنا خط نہ کھولا۔اسے یقین تھا بادشاہ اس کے ساتھ یہ برتاؤ کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔لیکن جب وہ بحرین پہنچا تو اس کے گورنر نے معاملہ بھانپ کر طرفہ کو موقع دیا،تا کہ وہ وہاں سے فرار ہو جائے،لیکن طرفہ نہ مانا۔آخر جب خط کھولا گیا تو وہی حکم اس میں بھی قتل کا حکم برآمد ہوا۔گورنر نے طرفہ کو اختیار دیا کہ اپنی موت کا طریقہ وہ خود تجویز کرے،طرفہ نے خواہش ظاہر کی اسے خوب شراب پلائی جائے اور پھر الحل نامی شریان کا منہ نشتر سے کھول دیا جائے،چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور وہ زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے مر گیا،قتل کے وقت اس کی عمر چھبیس سال کے لگ بھگ تھی۔

۴۔ابواسود عمرو بن کلثوم (متوفی ۶۰۰ء)

عمرو بن کلثوم بن مالک تغلبی ماں لیلی بنت مہلہل تھی،جزیرہ فراتیہ میں حسب ونسب کے مالک اور معزز قبیلے تغلب کے درمیان پرورش پائی،جب جوان ہوا تو عظیم لوگوں کی طرح خوددار،غیرت مند،شجاع اور فصیح اللسان معروف ہوا ابھی وہ پندرہ سال کا بھی نہ ہوا تھا کہ اپنی قوم میں معزز اور قبیلہ کا سردار بن گیا،بسوس کی وجہ سے بنو بکر وتغلب کے مابین لڑائیاں ہوتی رہتی ان لڑائیوں میں یہی ان کا قائد ہوتا تھا۔اس نے پوری جرأت وطاقت سے ان لڑائیوں میں حصہ لے کر کارہائے نمایاں سرانجام دیئے،آخر کار دونوں قبیلوں نے آل

منذر کے شاہان حیرہ میں سے ایک بادشاہ عمرو بن ہند کے ہاتھ پر متفقہ مصالحت کرلی، مگر یہ صلح طویل مدت تک برقرار نہ رہ سکی اور جلد ہی ان کے سرداروں کے مابین پھوٹ پڑ گئی اور ان کی رگ حمیت پھڑک اٹھی اور وہ عمرو بن ہند کے دربار میں جھگڑنا شروع ہو گئے۔ بنو بکر کا شاعر حارث بن حلزہ کھڑا ہوا اور اس نے اپنا مشہور معلقہ پڑھ کر سنایا جس کی بناء پر بادشاہ کی نظر التفات اس کی قوم کی طرف ہوگئی، حالانکہ اس سے قبل اس کا ذہنی میلان اہل تغلب کی طرف تھا اور وہ ان کی طرف داری کرتا، یہ دیکھ کر عمرو بن کلثوم عمرو بن ہند سے ناراض ہو کر چلا گیا۔[تاریخ ادب عربی ص ۱۰۱ تا ۱۰۲]

اس کے بعد ایک عجیب واقعہ ہوا، بادشاہ عمرو نے اپنے درباریوں سے پوچھا کیا تم عرب کا کوئی ایسا آدمی بتا سکتے ہو جس کی ماں میری ماں کی خدمت کرنے کو اپنی توہین سمجھے: وہ کہنے لگے شاعر عمرو بن کلثوم کی ماں لیلیٰ کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایسا کرنے کو ذلت و عار سمجھے گی، کیونکہ اس کا باپ مہلہل بن ربیعہ اس کا چچا کلیب وائل اور اس کا خاوند کلثوم بن عتاب عرب کا مشہور شہسوار ہے اور اس کا بیٹا عمرو بن کلثوم اپنی قوم کا مایہ ناز سردار ہے۔ یہ سن کر عمرو بن ہند نے عمرو بن کلثوم کو کہلا بھیجا کہ عمرو بن ہند آپ سے ملنا چاہتا ہے اس کی خواہش ہے آپ آئیں اور اپنی والدہ کو بھی ساتھ لائیں میری والدہ ان سے ملنا چاہتی ہے، چنانچہ عمرو بن کلثوم خاندان تغلب کی ایک جماعت کو لے کر اپنی والدہ کے ہمراہ جزیرہ سے عمرو بن ہند کے ہاں پہنچا عمرو کے حکم سے فرات اور حیرہ کے درمیان شامیانے تنوا دیئے گئے اور اپنی حکومت کے سرکردہ افراد کو بھی بلوالیا وہ سب وہاں جمع ہو گئے ادھر عمرو بن ہند نے اپنی ماں کو سکھا دیا تم لیلیٰ بنت مہلہل سے کوئی کام کرنے کیلئے کہنا جب لیلیٰ شامیانے میں داخل ہوئی اور اطمینان سے ایک جگہ بیٹھ گئی تو عمرو بن ہند کی ماں نے لیلیٰ کو کہا:

"ذرا یہ سینی تو مجھے اٹھا کر لا دو۔" لیلیٰ نے اپنی عزت و وقار کو برقرار رکھتے ہوئے کہا: "جس کو کوئی کام ہو وہ اپنا کام خود کرے۔" جب اس نے اصرار کیا تو لیلیٰ چلائی: "ہائے مجھے ذلیل کرتے ہیں۔"

جب اس کے بیٹے عمرو بن کلثوم نے یہ چیخ سنی تو وہ غصے سے بھرا ہوا اٹھا اور وہیں بھرے دربار میں عمرو بن ہند بادشاہ کو قتل کر دیا اور فوراً ہی جزیرہ واپس چلا گیا۔ وہاں پہنچ کر اپنا شہرہ آفاق معلقہ کہا جس کی ابتداء تغزل اور شراب نوشی سے کی ہے، پھر اس نے جو کچھ عمرو کے ساتھ کیا وہ بیان کیا اور اپنی قوم اور نسب کی بڑائی کا فخریہ تذکرہ کیا یہ قصیدہ مجلسوں میں اس کثرت سے پڑھا گیا کہ عام و خاص کی زبان پر آ گیا، خصوصاً خاندان تغلب میں اس قصیدہ کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔

انہوں نے اس کو خوب نشر کیا اس کی شہرت اور مقبولیت کو دیکھتے ہوئے ایک شاعر نے کہا ہے:

"عمرو بن کلثوم کے کہے ہوئے (شہرہ آفاق معلقہ) قصیدہ نے انہیں اس قدر شہرت سے سرفراز کر دیا ہے کہ اب انہیں مزید کوئی کارنامہ انجام دینے کی ضرورت نہیں ہے، اس قصیدہ کے ذریعے خاندان تغلب اپنے جد اعلیٰ پر فخر و ناز کرتے رہیں گے لو گو! دیکھو یہ ہے وہ شاعری جس سے نہ دل اکتاتا ہے اور نہ جی بھرتا ہے۔"

چھٹی صدی عیسوی کے اواخر میں اس کا انتقال ہو گیا۔

۵۔ نابغہ ذبیانی (متوفی ۶۰۴م)

اس کا پورا نام ابوامامہ زیاد بن معاویہ ہے اس کا لقب "نابغہ" اس لئے پڑا کیونکہ اس نے مکمل مہارت اور تجربہ کے بعد اچانک شاعری شروع کی اور اس طرح اس شاعری کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا جس کی بناء پر اسے پانی کے بہتے چشمہ سے تشبیہ دی گئی یہ بنو ذبیان کے رئیس اور شریف لوگوں میں سے ایک تھا، لیکن تکسب بالشعر کی وجہ سے اس کے وقار میں کمی پیدا ہوئی یہ نعمان بن منذر کے پاس گیا تو اس نے اسے اپنے خواص اور مقربین میں شامل کر لیا اور اس پر انعامات کی بارش کر دی، حتی کہ یہ اس کے فیضان کی بناء پر سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے لگا۔ نابغہ مسلسل نعمتوں اور خوشحالی سے بہرہ ور ہوتا رہا تا آنکہ کچھ حاسدوں نے نعمان کے پاس نابغہ کی چغلیاں کھائیں اور ثبوت کے طور پر اس کا وہ قصیدہ پیش کیا جس میں اس نے نعمان کی بیوی متجردہ کا وصف بیان کیا تھا جس کا نعمان کے دل پر گہرا اثر ہوا اور ان کے تعلقات خراب ہو گئے، چنانچہ نعمان نے نابغہ کو دھمکی دی۔ نابغہ جان بچا کر سرزمین شام کی طرف بھاگ گیا اور عمرو بن حارث اصغر غسانی کے ہاں پناہ لی جہاں وہ عزت و وقار اور اطمینان و سکون کی زندگی بسر کرنے لگا۔ نعمان کی ناراضگی میں مزید اضافہ ہو گیا کیونکہ وہ اس کے دشمن اور مدمقابل کی پناہ میں چلا گیا تھا۔

نابغہ کافی عرصہ ان کے ہاں رہا وہ غسانیوں کی مدح میں قصائد کہتا اور وہ اسے سونے چاندی کا بدلہ دیتے رہے حتی کہ اسے نعمان کے علیل ہونے کی خبر ملی تو وہ سفارش کے ذریعہ نعمان کے پاس آیا اور اپنی برائت کا اظہار کیا اور سفارش کے ذریعہ اپنے مدحیہ و معذرت خواہانہ قصائد بھی پیش کئے جو بے نظیر و بے مثال ہیں ان اشعار نے نعمان کی دلی ناراضگی کو دور کر دیا اور نابغہ نے نعمان کے دربار میں دوبارہ پہلے سا مقام حاصل کر لیا اور وہ آسودہ حالی کی زندگی بسر کرتا رہا حتی کہ بڑھاپے میں اس کے بدن میں رعشہ پڑ گیا اور وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا اور زندگی سے اکتا گیا اور اس نے یہ اشعار کہے:

"آدمی لمبی زندگی گزارنا چاہتا ہے حالانکہ طویل زندگی اس کیلئے نقصان دہ ہے۔ اس کی تروتازگی ختم ہو جاتی ہے اور شیریں زندگی کے بعد تلخ زندگی باقی رہ جاتی ہے۔ زمانہ اس کے ساتھ دھوکہ کرتا ہے حتی کہ اس کے بعد اسے کوئی خوش کن چیز نظر نہیں آتی۔ میرے مرنے کے بعد کتنے ہی لوگ خوشی منائیں گے اور کتنے ہی لوگ کہیں گے خدا اس کا بھلا کرے کتنا اچھا آدمی تھا۔"

۶۔ الحارث بن حلزہ شکری بکری (متوفی ۵۸۰م)

ابوظلیم حارث بن حلزہ قبیلہ بکر کا شاعر تھا، بنو بکر میں اس کو وہی مقام حاصل تھا جو بنو تغلب میں شاعر عمرو بن کلثوم کا تھا، اس نے بھی عمرو اور طرفہ بن العبد کی طرح صرف ایک قصیدے کی بدولت شہرت دوام حاصل

کی۔ یہ قصیدہ عام روایت کے مطابق اس نے بادشاہ عمرو بن ہند کے سامنے فی البدیہہ کہا اور بادشاہ کی رائے اپنے قبیلے کے حق میں کرائی، اس نے طویل عمر پائی اور "معمرین" کے زمرے میں شمار ہوا۔

بنو بکر اور بنو تغلب کے درمیان ایک عرصے سے دشمنی چلی آرہی تھی، جس کی وجہ سے ان قبیلوں میں لڑائی کا ایک طویل سلسلہ جاری تھا جسے "حرب البسوس" کہتے ہیں۔ حیرہ کے بادشاہ منذر بن ماء السماء نے بڑی مشکل سے ان دونوں قبائل میں صلح کرائی اور ہر قبیلے سے سو سو غلام بطور ضمانت لئے کہ اگر کسی قبیلے نے زیادتی کی تو اس کے غلام دوسرے قبیلے کو دے دیئے جائیں گے، منذر کے بعد اس کے بیٹے عمر بن ہند نے بھی یہ عہد برقرار رکھا، ایک دفعہ یہ ضمانتی غلام کسی مہم پر بھیجے گئے تو بنو شیبان کے ایک کنویں پر پہنچ کر بکر کے غلاموں نے تغلبی غلاموں کو وہاں سے مار بھگایا۔ یہ غلام صحرا میں بھٹک گئے اور انہیں کہیں پانی یا سایہ نہ ملا تو یہ بیچارے بھوک، پیاس اور لُو سے مر گئے، اس پر بنو تغلب نے ان کا خون بہا مانگا تو بنو بکر نے ان کا خون بہا دینے سے انکار کر دیا۔ معاملہ عمرو بن ہند کے سامنے پیش ہوا، اس مقدمے میں تغلبیوں کا وکیل شاعر عمرو بن کلثوم تھا اور بکریوں کی طرف سے نعمان بن ہرم نے وکالت کی اور اپنی بات کہتے ہوئے اس نے کچھ جملے تہذیب سے گرے ہوئے کہہ دیئے جس سے بادشاہ خفا ہو گیا اور قریب تھا کہ وہ تغلبیوں کے حق میں فیصلہ دے دیتا' اتنے میں حارث بن حلزہ جو دربار میں موجود تھا اس نے کھڑے ہو کر فی البدایہ اپنا مشہور معلقہ کہنا شروع کیا جس کا مطلع ہے: آذنتنا ببینها اسماءُ رُبَّ ثاوٍ یُملّ منه الثواء

"اسماء نے ہمیں اپنے جدا ہونے کی خبر سنا دی، بسا اوقات اپنے قرب میں ٹھہرے ہوئے آدمی سے طبیعت اچاٹ ہو جاتی ہے لیکن اسماء ایسی نہیں تھی۔"

اغانی کی روایت ہے حارث بن حلزہ کے جسم پر برص کے داغ تھے، چنانچہ جب وہ اپنا قصیدہ پڑھنے کیلئے کھڑا ہوا تو عمرو بن ہند نے اپنے سامنے سات پردے ڈلوا دیئے کیونکہ اس قسم کی بیماری کو دیکھنا عربوں کی ریت کے مطابق اس کی شان کے خلاف تھا۔ جب حارث نے اپنا معلقہ پڑھنا شروع کیا تو عمرو بن ہند اتنا متاثر ہوا کہ ایک کے بعد ایک پردہ اٹھواتا گیا، حتیٰ کہ سارے پردے اٹھوا دیئے اور جب حارث نے اپنا معلقہ ختم کیا تو اسے اپنے پاس بٹھا کر کھانا کھلایا اور اس کی آؤ بھگت کی، نتیجتاً اس کی ہمدردیاں قبیلہ بنو بکر کی طرف ہو گئیں۔

۷۔ عنترہ بن شداد عبسی (۵۲۵/۶۱۵م)

ابو مغلس عنترہ بن عمرو بن شداد عبسی کا باپ شریف النسل عبس کے سرداروں میں سے تھا اور ماں زبیبہ حبشیہ کنیز تھی، انکا شمار عربوں میں ہوتا تھا، اس کے باپ نے جاہلی دستور کے مطابق اس کی پیدائش کے وقت ہی اس کی نفی کر دی کیونکہ وہ لونڈی کی اولاد کو اپنی نسل شمار نہیں کرتے تھے، چنانچہ عنترہ اپنی غلامی کے داغ سے بیزار رہا اس نے جنگ وجدل اور شہسواری کی تربیت حاصل کی بالآخر ایک دن وہ جنگی شہسوار اور فوجی کمانڈر

بن گیا۔ اتفاق سے کسی قبیلے نے عبس پر غارت گری کی اور ان کے اونٹ بھگا لے گئے۔ عبسیوں نے ان کا پیچھا کیا، عنترہ بھی ان میں شامل تھا، اس کے باپ نے کہا: "عنترہ حملہ کرو۔" وہ پہلے ہی باپ کے اس کو غلام بنائے رکھنے کی وجہ سے جلا بھنا تھا فوراً جواب دیا: "غلام اچھی طرح حملہ نہیں کر سکتا البتہ وہ دودھ اچھی طرح دھو اور تھن باندھ سکتا ہے۔" اس کے باپ نے کہا: "حملہ کر تو آزاد ہے۔" یہ سنتے ہی وہ حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑا حتیٰ کہ حملہ آوروں کو شکست ہوئی اور اس نے ان سے اونٹ واپس لے لئے۔ اس کے بعد سے اس کے باپ نے اسے اپنا بیٹا تسلیم کر لیا اور اسی دن سے اس نے شہرت حاصل کی یہاں تک کہ بہادری، دلیری، پیش قدمی اور جرات میں اس کا نام ضرب المثل بن گیا۔ اس نے اپنی بہادری اور ناموری کی وجہ شہرت جو بیان کی ہے یہاں اس کا ذکر کرنا قارئین کیلئے مفید ہے۔

کسی نے اس سے کہا کیا تو سب سے زیادہ دلیر اور بہادر ہے؟ اس نے کہا نہیں، سوال کرنے والے نے کہا تو پھر لوگوں میں یہ بات کیوں مشہور ہو گئی کہ تو سب سے بہادر ہے؟ اس نے جواب میں کہا:

"میں جب اقدام کرنے میں مصلحت دیکھتا ہوں تو پیش قدمی کرتا اور اگر پیچھے ہٹنے میں احتیاط دیکھتا تو پیچھے ہٹ جاتا ہوں میں اس جگہ کبھی نہیں گھستا جہاں داخل ہونے کے بعد واپسی کا راستہ نظر نہ آتا ہو، میں کمزور اور بزدل کو دیکھ کر اس کی طرف پیش قدمی کرتا اور پوری طاقت سے اس پر وار کرتا ہوں جسے دیکھ کر بہادر اور طاقتور کے ہوش اڑ جاتے، چنانچہ پھر پلٹ کر بہادر پر بھی حملہ کر دیتا ہوں اور اسے مار ڈالتا ہوں۔"

داحس اور غبراء کی جنگوں میں عنترہ نے اپنے قبیلہ کی قیادت کی اور قیادت کا حق ادا کیا جس سے یہ سرداری کے بلند مرتبہ پر فائز ہو گیا۔ اس نے ایک لمبی عمر پائی حتیٰ کہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی ہڈیاں کمزور ہو گئیں اور اس کی جلد پتلی ہو گئی اور وہ تقریباً ۲۸ قبل ہجری میں قتل کر دیا گیا۔

۸۔ زہیر بن اَبی سلمٰی المزنی (۵۳۰/۶۲۷م)

ابی سلمٰی بن ریاح یا رباح مزنی کا سلسلہ نسب نزار تک پہنچتا ہے۔ وہ اپنی قوم میں خوددار و پرہیزگار اور حکیم معروف تھا۔ اس کا شمار عشرۂ شعرائے نوابغ میں سے ہوتا ہے۔ اس نے اپنے باپ اور خالو سے اشعار اخذ کیے اس کے بعد ان کے بیٹے نے اس کی پیروی کی اس کی ایک بہن بھی شاعرہ تھی۔

زہیر بن ابی سلمٰی بن ربیعہ بن رباح مزنی نے اپنے باپ کے رشتہ داروں بنو غطفان میں پرورش پائی، ایک عرصہ تک اپنے باپ کے ماموں کی صحبت میں رہا، وہ عرصے سے صاحب فراش مریض تھا اور بے اولاد تھا لیکن نہایت دانا شخص تھا، وہ حسن رائے، عمدہ شاعری اور کثرت مال کی وجہ سے شہرت کا حامل تھا۔ زہیر نے اس کی شاعری سے بہت کچھ حاصل کیا وہ اس کے علم وحکمت سے بہت متاثر ہوا، یہ چیز اس کی حکمت کے موتیوں سے مرصع شاعری میں جگہ جگہ نمایاں نظر آتی ہے۔ مرہ قبیلہ کے دو دانشمند حارث بن عوف اور ہرم بن سنان نے بنو عبس و ذبیان کے درمیان صلح کروانے اور دشمنی کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کیلئے دونوں قبیلوں

کے مقتولوں کی دیت جو تین ہزار اونٹ بنتی تھی اپنے ذمہ لی اور جنگ کی آگ کو فرو کر کیا تو سرداروں کی اس عالی ظرفی نے شاعر کی طبیعت کو بے حد متاثر کیا۔ اس نے اپنے مشہور معلقہ میں ان دونوں کی مدح کی ہے، اس نے بارہا دفعہ ہرم بن سنان کی مدح سرائی کی اور اس کی خوبیوں کی داد دیتے ہوئے لمبے لمبے مدحیہ قصائد انشاء کئے، یہاں تک ہرم نے قسم کھالی کہ زہیر جب بھی اس کی مدح کرے گا یا اس سے کچھ سوال کرے گا یا اس کو سلام کہے گا تو وہ اس کے جواب میں اسے کوئی غلام یا لونڈی یا گھوڑا دے گا، لہٰذا زہیر اس کے عطیات قبول کرتے کرتے شرما گیا۔ چنانچہ وہ جب ہرم کو لوگوں میں بیٹھا ہوا دیکھتا تو کہتا ہرم کے سوا تم سب لوگ خیریت سے رہو، جبکہ وہ تم سب سے اچھا ہے جس کو میں نے شریک نہیں کیا۔

ایک دفعہ عمرؓ بن خطاب نے ہرم کے کسی لڑکے کو کہا اپنے باپ کی مدح میں کہے ہوئے زہیر کے کوئی اشعار تو سناؤ اس نے شعر سنائے اس پر عمرؓ کہنے لگے تمہارے متعلق زہیر نے کتنے اچھے اشعار کہے ہیں جس پر وہ کہنے لگا خدا کی قسم ہم اس کو نوازتے بھی تو تھے۔ عمرؓ نے فرمایا جو کچھ تم نے اسے دیا وہ تو ختم ہو گیا اور جو کچھ اس نے تمہیں دیا وہ باقی ہے۔ زہیر دولت اور ثروت کے باوجود نہایت خوش اخلاق، نرم مزاج، صاحب الرائے پرہیزگار صلح جو اور اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا تھا اس کا ثبوت اس کے معلقہ کے وہ اشعار ہیں جن میں کہتا ہے:

"اپنے سینوں کا حال اللہ تعالیٰ سے چھپانے کی کوشش نہ کرو تو اللہ سے نہیں چھپا سکتا کیونکہ وہ تو ہر چیز سے باخبر ہے۔ وہ بعض دفعہ سزا کو موخر کر کے اسے حساب میں لکھ کر یوم حساب تک موخر کر دیتا ہے اور اگر جلدی بدلہ لینا مقصود ہوتا ہے تو جلدی سزا دے دیتا ہے۔"

زہیر نے سو سال سے بھی لمبی عمر پائی جیسا کہ اس کے ایک شعر سے ظاہر ہوتا ہے:

"مجھے یہ معلوم ہو گیا کہ میں نوے سال تک لگاتار زندہ رہا پھر دس سال زندگی گزاری اور پھر آٹھ سال یعنی ایک سو آٹھ سال تک زندہ رہ چکا ہوں۔"

اس کا انتقال ہجرت سے تیرہ سال قبل ہوا لیکن اس کے بیٹے کعب اور بجیر اسلام لے آئے تھے۔

۹۔ اعشیٰ بن قیس ثعلبی (۵۳۰ـ۶۲۹م)

ابو بصیر میمون بن قیس بن جندل بکری، ملقب بہ اعشیٰ بوجہ ضعف بصر، ان تجربہ کار اور ماہرین فن اساتذہ میں سے ایک ہے جنہوں نے شاعری کی بیشتر اقسام میں طبع آزمائی کر کے اسے کمائی کا ذریعہ بنایا، اس نے یمامہ کی منفوحہ نامی بستی میں پرورش پائی اور اپنے ماموں مسیّب بن علس کی شاعری کا راوی بن کر شاعری میں کمال حاصل کیا حتیٰ کہ جب اس کی عقل پختہ ہوئی اور زبان میں سلاست و زور پیدا ہوا تو یہ کمائی کی تلاش میں ملک ملک پھرتا رہا آخر کار بادشاہوں کے درباروں میں پہنچا ان کی مدح کر کے بخششیں مانگتا، جب یہ شاہان نجران بنو عبد المدان کے ہاں پہنچا تو انہوں نے اس کو عزت و احترام دیا اور اسے گرانقدر انعامات دیئے، ان

کی صحبت کی وجہ سے وہ شراب نوشی کا عادی بن گیا نیز ان کے بعض اثرات کو بھی قبول کیا۔ یہ چیزیں اس کے اشعار سے ملتی ہیں خصوصاً شراب کے اوصاف بہت زیادہ بیان کرتا ہے اعشیٰ نے لمبی عمر پائی حتیٰ کہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی بینائی جاتی رہی اس نے جب نبی اسلامؐ کی نبوت کے متعلق سنا تو آپؐ کی شان میں مدحیہ قصیدہ کہا اور آپؐ سے ملاقات کیلئے حجاز کا رخ کیا۔ قریش کو جب اس کے مسلمان ہونے کی خبر ملی تو ان پر سخت گھبراہٹ طاری ہوئی۔ ابو سفیان کہنے لگا خدا کی قسم اگر یہ محمدؐ کے پاس چلا گیا یا مسلمان ہو گیا تو اپنی شاعری کی وجہ سے عربوں میں آگ بھڑکا دے گا۔ انہوں نے اس کیلئے سو اونٹ اکھٹے کئے جنھیں لے کر وہ واپس ہوا اور جب یمامہ کے قریب پہنچا تو اونٹنی سے گرا اور اونٹنی نے اس کی گردن کچل دی۔

۱۰۔ ابو عقیل لبید بن ربیعہ۔ (۵۶۰ـ۶۶۱م ۴۱ھ)

پیدائش ۴۰ قبل ہجری۔ وفات ۴۱ ہجری۔ ابو عقیل لبید بن ربیعہ عامری مضری نے سخاوت اور بہادری کی آغوش میں پرورش پائی۔ اس کا باپ ربیعہ پریشان حال لوگوں کی امید گاہ تھا۔ اس کا چچا مضر کا شہسوار اور ملاعب الاسنۃ (نیزوں سے کھیلنے والا) تھا۔ اس کے اشعار کہنے کا سبب یہ ہے کہ اس کا ماموں عبس ایک دن امیر ربیعہ بن زیاد نعمان بن منذر کے پاس گیا اور اشعار میں بنو عامر کے متعلق غلط قسم کے الفاظ کہے جب بنو عامر کا وفد ملاعب الاسنۃ کی قیادت میں نعمان بن منذر بادشاہ کے پاس پہنچا تو اس نے وفد کو اہمیت نہ دی اور بے رخی برتی، اس ناروا سلوک سے بنو عامر کو بہت دکھ ہوا اس وقت لبید جو ابھی نو عمر تھا اور ان کے اونٹ چراتا تھا، پوچھا کیا معاملہ ہے۔ پہلے تو ان لوگوں نے اسے بچہ سمجھ کر کچھ نہ بتایا، لیکن جب اس نے اصرار کیا تو اسے سارا واقعہ سنا دیا۔ لبید نے کہا ہم نعمان کے پاس پھر جائیں گے اور عبسی لوگوں سے انتقام لیں گے۔ میں ربیع کی ایسی ہجو کہوں گا کہ اس کے اور بادشاہ کے درمیان وہ تعلق باقی نہیں رہے گا۔ انھوں نے امتحان لینے کیلئے اس سے کہا اچھا تربہ نام کی جو جڑی بوٹی ہے اس کے عیوب سناؤ۔ لبید نے ایک مقفیٰ عبارت میں اس کے عیوب گنوائے: هذه التربة لاتذكي نارا ولاتؤهل دارا...

"یہ بوٹی نہ آگ جلاتی ہے، نہ گھر میں پیدا ہوتی ہے، یہ اس کے قرب والے لوگ اس سے خوش ہوتے ہیں اس کی لکڑی کمزور ہوتی ہے، اس کا فائدہ نہ ہونے کے برابر ہے اور اس کی شاخ کسی کام کی نہیں ہوتی، چراگاہ کی بوٹیوں میں یہ سب سے بدہیئت ہوتی ہے، شاخیں اس کی چھوٹی ہوتی ہیں لیکن اکھاڑنے میں یہ بہت سخت ہوتی ہے۔"

یہ سن کر ان لوگوں کو اطمینان ہو گیا کہ لبید ہجو کہہ سکتا ہے، چنانچہ اس نے نہایت چبھتی ہوئی ہجو یہ رجز کہی جس کا پہلا مصرعہ یہ ہے: ابيت اللعن لاتاكل معه الخ...

"بادشاہ سلامت! ذرا ٹھہریئے، خدا آپ کے اقبال کو بلند کرے، اس کے ساتھ کھانا نہ کھایئے۔"

یہ رجز سننے کے بعد بادشاہ عبس سے متنفر ہو گیا اور اتنا ناراض ہوا کہ اسے اپنے دربار سے نکال دیا اور عامریوں کو

اعزازواکرام سے نوازااوراپنے مقربین میں شامل کیا۔کہتے ہیں یہ لبید کی پہلی رجز تھی جس سے اس نے شہرت پائی صدراسلام میں یہ اپنی قوم کے وفد کے ہمراہ آیااور مسلمان ہوگیا۔اس نے قرآن مجید حفظ کیااور شاعری کوترک کردیا۔کہاجاتا ہے اسلام لانے کے بعداس نے صرف یہ ایک شعر کہاتھا:

"خدا کاشکر ہے اللہ نے مجھے موت آنے سے پہلے پہلے اسلام کالباس پہنادیا۔"

اس وجہ سے اسے جاہلی شعراء میں شمار کیا جاتا ہے، حالانکہ اسلام قبول کرنے کے بعداس نے طویل عمر پائی ہے۔خلافت فاروقی میں جب کوفہ شہر قیام پذیر ہواتو یہ وہاں چلا گیااور وہیں مقیم ہوااس نے امیر معاویہ کے دور کے اوائل میں ۴۱ھ میں وفات پائی کہتے ہیں اس نے ایک سو پینتالیس سال عمر پائی خوداس کا یہ شعر ہے:

"میں زندگی اوراس کی طوالت سے اکتا گیاہوں اور میں لوگوں کے یہ بار بار پوچھنے سے تنگ آ گیا ہوں کہ لبید کا کیاحال ہے۔"

لبید کی شاعری

لبید بڑافیاض،عقلمند،شریف النفس،مروت کاپیکر،اور بہادل دل کامالک تھا۔اس کے اخلاق وجذبات ہی ہیں جواس کی شاعری میں رواں دواں نظر آتے ہیں۔اس کی شاعری میں فخریہ لہجہ اور شرافت وکرم کااظہار ہوتا ہے،اس کے قصیدے کے الفاظ پرشوکت،عبارت کی ترتیب خوشنما،حکمت عالیہ سے بھرپور،موعظ حسنہ کامرقع اور جامع کلمات سے مزین ہے۔ہمارے خیال کے مطابق صابراورغمزدہ کے جذبات واحساسات کی ترجمانی کیلئے جومناسب الفاظ اور پراثرطرز بیان وہ اختیار کرتا ہے اس میں اس کاکوئی ثانی نہیں۔

جہاں تک اس کے معلقہ کاتعلق ہے تواس کے الفاظ پرزوراوراسلوب متین ہے۔وہ بدوی زندگی اور دیہاتی اخلاق وعادات کی منہ بولتی تصویر ہے نیزاس میں عاشقوں کے نازوانداز،شوخیوں اور باہمت لوگوں کے اعلیٰ مقاصد کی تعریف بھی پائی جاتی ہے۔اس نے اپنے معلقہ کی ابتداءکھنڈرات کے وصف اور محبوبہ کی یاد سے کی ہے پھرطرفہ کی طرح اپنی اونٹنی کے طویل وصف کوبیان کیا۔پھر چلتے چلتے اپنی زندگی اس کی لذتوں،جودو سخاوت اور جنگ وحرب کاذکر کرتے ہوئے قومی فخر کے اظہار پراس کا معلقہ اختتام پذیر ہوتا ہے،لیکن اس نے اس طویل قصیدے میں سچائی،خلوص اوراعتدال کے دامن کوہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

دورِ مخضر مین

شعرائے مخضر مین ان شعراء کوکہتے ہیں جنھوں نے دورِجاہلیت کے ساتھ دورِاسلام کوبھی درک کیا،اندازِ بیان،فصاحت وبلاغت کے شاہکارنمونے کودیکھ کریہ شرمندہ ہوئے۔انھیں مخضرم کیوں کہا گیا؟اس بارے میں کہتے ہیں جب اہل جاہلیت نے اسلامی زمانے کودرک کیاتوانھوں نے نشانی کے طورپراپنے اونٹوں کے کان کاٹے،ان کایہ اقدام اس لئے تھا کہ جب کوئی مسلمانوں پرحملہ کرے تو مسلمانوں کے اونٹ نمایاں ہوں،مخضر مین میں لبید،حسان،حطیہ،نابغہ جعدی اور خنساءمشہورشعرائے مخضر مین ہیں۔

سرزمین مکہ میں خدا کی آخری کتاب "قرآن کریم" کی آیات میں باھرہ،بارعہ وناطقہ دیکھ کرشعراء نے احساسِ کمتری اور شرمندگی سے شاعری سے منہ موڑلیااورقرآن کے سامنے ساکت وخاموش رہنے میں اپنی بقاءسمجھی قرآن کریم نے شعروشاعری کوکس حدتک کنارے لگایا،اس کی طرف آئندہ صفحات میں اشارہ کریں گے۔

۱)دورصدراسلام وخلفائے راشدینؓ

ا۔حاتم طائی(متوفی ۶۰۵م)

ابوسفانہ حاتم بن عبداللہ بن سعد بن حشرج طائی (متوفی ۴۶قبل ھ)قبیلہ طے سے،والد بچپن میں ہی فوت ہوگیا،اس کی ماں نے اس کی پرورش کی،وہ ایک دولتمند خاتون تھی اور نہایت فیاض تھی۔ایک مرتبہ اس کے بھائیوں نے اس کاتمام مال روک لیااور اسے ایک سال تک قید رکھاانہوں نے سوچا اسے غریبی کامزا چکھائیں تاکہ اسے مال ودولت کی قدر آئے۔اسے دوبارہ اس کے مال میں سے تھوڑا حصہ دیا گیا تاکہ اسے آزمایا جائے۔اسی اثنامیں بنوھوازن کی ایک تنگ دست خاتون اس کے پاس فریاد لے کرآئی جس پراس نے وہ سارامال اسے دے دیااور کہنے لگی جب سے میں نے بھوکے رہ کراس کی تکلیف دیکھی اس وقت سے میں نے قسم کھائی ہے کسی سائل سے کوئی چیز نہ چھپاؤں گی۔(تاریخ ادب عربی ص۱۱۲تا۱۱۵)

اس سخی ماں نے حاتم کی تربیت کی اوراس عادت کااسے وارث بنایا،اسے سخاوت کادودھ پلایا،چنانچہ وہ جوان ہوکرایک عظیم سخی بنا،اس نے سخاوت میں اس قدرمبالغہ کیا کہ جنون کی حدتک پہنچ گیا۔اس کے بچپن کا ایک واقعہ بیان کیاجاتا ہے کہ جب یہ اپنے داداکے پاس رہتا تھاتواپنا کھانا لے کرباہرنکل جاتا اگرکوئی کھانے والامل جاتاتو کھالیتاوگرنہ اپنا کھاناباہرپھینک آتا۔حاتم کادادااس کی اس سخاوت کوناپسند کرتا،چنانچہ اس نے اس کے ذمہ اونٹوں کی نگرانی کاکام لگایا۔ایک دن عبید بن الابرص،بشربن ابی حازم اورنابغہ ذبیانی نعمان کے پاس جاتے ہوئے اس کے قریب سے گزرے اوراس سے مہمانی کامطالبہ کیا۔اس نے ان میں سے ہرایک کیلئے ایک ایک اونٹ ذبح کیا،حالانکہ یہ انہیں جانتا تک نہیں تھا۔جب انہوں نے اپنے نام بتائےتواس نے سارے اونٹ ان میں تقسیم کردیئے جس کی تعدادتقریباتین سوتھی اورخوشی خوشی گھرآیادادا کو مبارکباددی کہنے لگا"میں نے دائمی عزت ومجدکاہارآپ کے گلے میں ڈال دیا۔"پھرپوراقصہ اسے سنایا۔ دادانے یہ معاملہ سن کرکہا"اب تو میرے ساتھ نہیں رہ سکتا۔"حاتم نے کہامجھے بھی کوئی پرواہ نہیں۔پھریہ اشعار کہے:

"میں تنگ دستی وناداری میں لوگوں سے اجتناب کرتا ہوں اور مالداری کی حالت میں ان کے ساتھ مل جل کررہتاہوں اوراپنے سے غیرآہنگ شکل کوترک کردیتاہوں۔میں اپنے مال کواپنی عزت وآبروکیلئے ڈھال بنالیتاہوں اور جوبچ رہتا ہے مجھے اس کی پرواہ نہیں۔مجھے اس کاکوئی نقصان نہیں ہواکہ سعد(دادا)اپنے اہل وعیال کولے کرچلاگیااور مجھے گھرتنہاچھوڑدیا کہ میرے ساتھ میرے گھروالے نہیں ہیں۔"

حاتم کی سخاوت کے چرچے گھر گھر عام ہوگئے اوراس کی سخاوت وفیاضی کی داستانیں ضرب المثل بن گئیں اوراس ضمن میں بڑے عجیب وغریب قصے بیان کئے جاتے ہیں جن میں اکثر صرف زیب داستان کیلئے بڑھاچڑھالئے گئے ہیں۔حاتم کی سخاوت کے قصوں کی مثال ایسی ہے جیسے امیہ کے اشعار دین کے بارے میں،عنترہ کے فخر وحماسہ میں،ابوالعتاھیہ کے زہد میں اور ابونواس کے فحش وبے حیائی میں گھڑ لئے گئے ہیں۔ وہ پہلے کسی مقصد کیلئے شعر بنالیتے پھر جس کے مضامین اوراسلوب سے مطابقت رکھتے اس شاعر کی طرف منسوب کردیتے۔[موسوعہ امام علیؑ محمد ری شہری:ج ۷،ص ۳۷]

ابن اعرابی کے مطابق حاتم ہر میدان میں کامیاب ہوتا، جب جنگ کرتا تو غالب آجاتا، جب مقابلہ کرتا تو سبقت لے جاتا ،جب جوا کھیلتا تو جیتتا۔زمانہ جاہلیت میں خاندان مضر رجب کو انتہائی باعزت اور محترم مہینہ گردانتے تھے، جب ماہ رجب کا چاند نظر آتا حاتم ہر روز دس اونٹ ذبح کرتا اور لوگوں کو کھلاتا اور لوگ بھی اس کے پاس جمع ہوجاتے تھے، حاتم نے پہلے نوار نامی عورت سے شادی کی پھر یمن کے بادشاہ کی بیٹی ماویہ بنت عفرز سے نکاح کیا ان دونوں بیویوں سے اس کے تین بچے عبداللہ،سفانہ اور عدی پیدا ہوئے اس نے اپنی آخری عمر میں اسلام کا زمانہ پایا اور اسلام سے فیض یاب ہوا۔حاتم اسی طرح لوگوں کو کھانا کھلاتا رہا اور مال لٹاتا رہا تا آنکہ وہ ۵۷۸عیسوی میں اس دار فانی سے رخصت ہوگیا۔

اخلاق وعادات

حاتم ایسے اعلی اخلاق کا مالک تھا جس کی نظیر زمانہ جاہلیت میں نہیں ملتی ،وہ نہایت خاموش طبع ،نرم دل اور حد درجہ بامروت تھا،اس نے اپنی ماں کے اکلوتے بیٹے کو قتل کیا اور نہ ہی اپنے کمزور چچازاد بھائی پر ظلم روا رکھا' اس سلسلہ میں وہ کہتا ہے:

''میری عمر کی قسم!میں نے اکلوتے بیٹے کو پناہ دی پھر نہ اسے قتل کیا اور نہ ہی قید کیا اور میں نے کبھی اپنے چچازاد پر ظلم نہیں کیا کہ میرے بھائی تو موجود ہوں اور اس کے بھائیوں کو زمانے نے ختم کردیا ہو۔''

حاتم کی بیٹی سفانہ جب قیدیوں کے ہمراہ آئی تو رسول اسلامؐ کے سامنے کھڑی ہوکر رہائی کی درخواست کرتے ہوئے کہنے لگی: ''میرا باپ قیدیوں کو آزاد کراتا تھا،حقوق کی حفاظت کرتا تھا۔مہمان نواز تھا اور مصیبت زدہ کی پریشانیوں کو دور کرتا تھا،کھانا کھلاتا اور سلام پھیلاتا تھا،اس نے ضرورتمند کو کبھی خالی واپس نہ لوٹایا۔''

رسول اللہؐ نے اسے فرمایا''اے لڑکی!یہ صفات تو مومن کی ہیں تیرا باپ اگر مسلمان ہوتا تو ہم ضرور اس پر رحمت بھیجتے۔''اور فرمایا اس کو چھوڑ دو کیونکہ اس کا باپ مکارم اخلاق کو پسند کرتا تھا۔

۲۔عبداللہ بن رواحہ (۶۳۰م/۱۰ھ)

عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ انصاری،خزرج سے تعلق رکھتے تھے،اپنے دور کے بڑے مشہور شاعر تھے اور انصار کے ان ستر آدمیوں میں سے تھے جنہوں نے عقبہ میں پیغمبرؐ کی بیعت کی۔اسی طرح آپ کا شمار ان بارہ آدمیوں

میں بھی ہوتا ہے جن کو پیغمبرؐ نے اہل مدینہ کیلئے نقیب منتخب فرمایا۔یہ بدر واحد اور خندق وحدیبیہ میں بھی شریک ہوئے۔پیغمبرؐ نے اپنی ایک جنگ میں انہیں مدینہ میں اپنا جانشین بنایا،عمرۂ قضا کے موقع پر پیغمبرؐ کے ساتھ تھے جہاں انہوں نے ایک رجز پڑھا،جنگ موتہ میں امیر تھے اور وہیں شہید ہوگئے۔[اعلام زرکلی:ج ۱ص ۸۶]

عبداللہ بن رواحہ بن ثعلبہ امری ءالقیس

آپ عقبہ اولی میں حاضر ہونے والے ۷۰ انصار اور پیغمبرؐ کے معین کردہ نقیبوں میں سے ایک تھے،بدر،احد خندق،حدیبیہ،خیبر،عمرۃ القضاء کی جنگوں میں شریک ہوئے تھے،بدر کے موقع پر مدینہ میں پیغمبرؐ کے جانشین بنے اور پیغمبرؐ نے آپ کو تیس آدمیوں کے ساتھ اُسیر بن رزام یہودی کی طرف بھیجا اور عبداللہ،اُسیر کو قتل کرکے واپس آگئے۔آپ کو خیبر میں معلومات حاصل کرنے کیلئے بھی بھیجا گیا تھا۔آپ غزوۂ موتہ میں تیسرے قائد منتخب ہوئے اور مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے جامِ شہادت نوش کیا۔[صفوۃ الصفوۃ ج ۱ص ۲۴۹]

۳۔امیہ بن ابی صلت بن ابی ربیعہ (متوفی ۶۳۰م)

حالاتِ زندگی

ابوعثمان امیہ بن ابی صلت ثقفی ،قیس عیلان سے تھا(متوفی ۵ ہجری)ایک تجربہ کار عرب تھا،قبیلہ ثقیف کا بڑا سیاست مدار اور سیاست گر تھا،یوں تو خود قبیلہ بنی ثقیف سیاست میں بہت مشہور تھی،لیکن امیہ دوسروں سے اس میں سبقت رکھتا تھا،اپنی سیاست میں وہ درجے پر پہنچا کہ دعوائے نبوت کرنے کا ارادہ کرنے لگا،وہ سمجھتا تھا دعوائے نبوت کیلئے کیا کیا صفات ہونی چاہیے؟اس سلسلے میں وہ کتب کا مطالعہ کرتا اور تاریخ و سیاست سے روایات تلاش کرتا رہتا۔ابن قتیبہ نے لکھا ہے،امیہ خبر دیتا تھا کہ ایک نبی کے آنے کا زمانہ قریب آگیا ہے اور وہ امید کرتا تھا وہ نبی خود ہو۔جب اسے خبر ملی کہ مکے میں کسی نے دعویٰ نبوت کیا تو اسے بہت حسد ہوا۔جب پیغمبرؐ کی خدمت میں امیہ کا شعر پڑھ کر سنایا گیا تو آپؐ نے فرمایا امیہ کی زبان تو ایمان لائی لیکن اسکا دل کافر ہوگیا ہے۔اس کے اشعار میں دین کی باتوں کے ساتھ گذشتہ قوموں کی خرافات بھی پائی جاتی تھیں،چنانچہ نصرانیوں کے اشعار کے مجموعے میں اس کے شعر پائے جاتے ہیں۔ورقہ بن نوفل زید بن عمرو بن نفیل،قس بن ساعدۃ الایادی کا ماجرا بھی کچھ ایسا ہی ہے۔

ابوعثمان امیہ بن ابی صلت ثقفی نے اپنی تمام عمر تجارتی تجربات میں گزاری،کبھی وہ شام کے سفر پر ہوتا تو کبھی یمن کا سفر کرتا،وہ فطرتی طور پر دیندار تھا۔کئی دفعہ سفروں کے دوران وہ چند پادریوں اور راہبوں سے ملا جب اس نے قدیم دینی کتابوں کے کچھ حصے سنے تو دین کی تلاش میں لگ گیا،اس نے ٹاٹ پہن لیا اور شرب نوشی ترک کردی،بت پرستی کے متعلق شک کرنے لگا اور نبی بننے کے خواب دیکھنے لگا،وہ دین ابراہیمی کے متعلق کہتا تھا: ''قیامت کے دن اللہ کے نزدیک ابراہیمی دین کے سوا ہر دین باطل ہوگا۔''

جب رسول اللہؐ کو نبی بنا کر مبعوث کیا گیا تو وہ عجیب مخمصہ میں پڑ گیا اور حسد کی وجہ سے آپ کی نبوت کا انکار

کرنے لگا اور کہنے لگا مجھے تو امید تھی کہ نبوت مجھے ملے گی اس پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ﴾ "(اے میرے رسول) آپ انہیں اس شخص کا واقعہ سنا دیجئے جسے ہم نے اپنے دین کی نشانیاں دیں پھر اس نے ان کو چھوڑ دیا۔ چنانچہ شیطان نے اس کا پیچھا کیا تو اس طرح وہ گمراہ ہو کر بھٹک گیا۔" (اعراف ۱۷۵)

پھر وہ لوگوں کو آنحضرت کی مخالفت پر اکساتا رہا، اس نے جنگ بدر میں مشرکین مکہ کے مقتولوں کیلئے مرثیے کہا، اسی بناء پر حضورؐ نے اس کے اشعار پڑھنے سے منع کیا۔ جب رسول اسلامؐ اس کے توحید سے متعلقہ اشعار سنتے تو فرماتے "آمن لسانه و كفر قلبه": "اس کی زبان ایماندار تھی مگر اس کا دل منکر تھا" پھر امیہ اپنی بیٹی کو لے کر یمن کی آخری حدود کی طرف بھاگ گیا اور پھر طائف واپس آ گیا، وہاں ہی اس کی موت واقع ہوئی اور اسے موت سے کچھ دیر قبل ہوش آیا تو کہنے لگا:

"میں تم دونوں کی خدمت میں حاضر ہوں یہ دیکھ میں تم دونوں کے پاس ہوں نہ مجھ کو مال کا فدیہ چھڑا سکتا ہے اور نہ مجھے خاندان اور قبیلہ موت سے بچا سکتا ہے، اے اللہ اگر بخشنا ہو تو تمام گناہ بخش دینا، تیرا کونسا بندہ ہے جو گناہ گار نہیں ہے؟۔

پھر حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگا:

"زندگی خواہ کتنی ہی لمبی کیوں نہ ہو جائے بالآخر اس کا انجام کار فنا ہے۔ کاش میں اس وقت رونما ہونے والے حالت سے قبل پہاڑوں کی چوٹیوں پر بارہ سینگوں کو چرا رہا ہوتا۔ تو موت کو اپنا نصب العین بنا اور ناگہانی مصیبتوں سے ڈرتا رہ کیونکہ زمانہ کی گرفت اچانک ہوتی ہے۔"

اس شاعر کے حالات زندگی کی اکثر تاریخ من گھڑت اور غیر معتبر قصوں پر مبنی ہے۔ [تاریخ ادب عربی ص ۱۱۷ تا ۱۱۹]

۴۔ کعب بن زہیر (۲۴ھ/۶۶۲م)

کعب بن زہیر بن ابی سلمی مازنی، غطفان میں پلا بڑھا، اس کی ماں کبشہ کی قوم سے تھی۔ زمانہ جاہلیت میں اہل نجد کے بڑے شعراء میں شمار کیے جاتے تھے۔ اسلام آیا تو انہوں نے پیغمبرؐ کی ہجو کی اور مسلمان عورتوں کی اہانت کی، پیغمبرؐ نے ان کے خون کو ہدر کر دیا۔ ایک دن یہ پیغمبرؐ سے امان لینے کیلئے آئے تو اسلام قبول کیا اور اپنا شعر پڑھا۔ پیغمبرؐ نے انہیں معاف کر دیا اور اپنی چادر انھیں عطا فرمائی۔ ان کے والد زہیر بن ابی سلمٰی بھائی بجیر، بیٹا عقبہ اور پوتا عوام سب شاعر تھے، ان کے اشعار کا اطالوی زبان میں ترجمہ ہوا ہے جسے مستشرق رینی باسط (Rene Basset) نے فرانسیسی زبان میں ترجمہ کر کے نشر کیا ہے۔ [اعلام زرکلی ج ۵ ص ۲۴۸]

۵۔ کعب بن مالک (۶۷۰م/۵۰ھ)

کعب بن مالک بن عمرو بن قین خزرجی، کا شمار دور جاہلیت کے مشہور شعراء میں ہوتا تھا۔ انہوں نے اسلام قبول کیا اور بہت سی جنگوں میں بھی شریک ہوئے، پیغمبرؐ کے بعد خلیفہ سوم کے ساتھ رہے اور یوم الدار کے موقع

پر انصار کو ان کی مدد کیلئے دعوت دی۔ خلیفہ سوم کے قتل کے بعد انھوں نے علیؑ کا ساتھ نہ دیا اور آخر عمر میں نابینا ہو گئے اور ۷۷ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ ان کے اشعار کا ایک دیوان بھی ہے۔ [اعلام زرکلی ج ۵ ص ۲۲۸]

۶۔ حسان بن ثابت (۵۴ھ/۶۷۴م)

ابو ولید حسان بن ثابت، مقام تولد مدینہ۔ پیغمبرؐ کی ولادت سے آٹھ سال قبل پیدا ہوئے اور ۱۲۰ سال کی عمر میں ۵۴ھ میں وفات پائی۔ آپ شعراء کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ انصار کے شاعر، شاعر نبی اور یمنی تھے۔ کہتے ہیں، حسان بن ثابت بہت بزدل تھے، انہوں نے کبھی پیغمبرؐ کی جنگوں میں شرکت نہیں کی، یہ عثمانی العقیدہ اور علیؑ سے منحرف تھے، انہوں نے حضرت علیؑ کے بعد ان کے حق میں شعر پڑھے، آپ نے زندگی کی ساٹھ بہاریں دور جاہلیت اور ساٹھ سال اسلام میں گزار دیں۔ [موسوعہ امام علیؑ: ج ۲ ص ۲۱۰]

جنگ خندق کے موقع پر یہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ تھے، صفیہ بن عبدالمطلبؓ کہتی ہیں ہمارے پاس سے ایک یہودی کا گزر ہوا۔ ہم نے حسانؓ بن ثابت سے کہا جا کر اُسے مار دو لیکن حسان نے کہا، اے عبد المطلبؓ کی بیٹی خدا تمہیں بخش دے میں ایسا کام نہیں کرتا۔ صفیہ بن عبدالمطلبؓ کہتی ہیں اس کے بعد میں نے خود خیمے کا ستون اٹھا کر اس یہودی کے سر پر دے مارا جس سے وہ مر گیا۔ [موسوعہ امام علیؑ: ج ۴ ص ۱۰۲]

حسان بن ثابت، معروف شاعر "ابو ولید سعید حسان بن ثابت بن منذر بن حرام بن عمرو بن زید نے جاہلیت اور عصر اسلام دونوں ادوار میں شاعری کی ہے۔ ۶۰ سال دور جاہلیت میں اور ۶۰ سال اسلام میں گزارے، آپ نے ۵۵ ہجری میں وفات پائی۔ علامہ امینی اپنی کتاب "الغدیر" کی ج ۲ ص ۳۴ پر انہیں زمان جاہلیت اور صدر اسلام کا بزرگ شاعر ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ مرتے وقت بصارت اور بصیرت دونوں سے محروم ہو گئے۔ انہوں نے قیس بن سعد بن عبادہ خزرجی کی ملامت کی، حضرت علیؑ نے انہیں مصر کی ولایت سے معزول کیا۔"

آیت اللہ خوانساری اپنی کتاب "روضات الجنات" ج ۳ ص ۳۱ پر ان کا شعراء میں ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انہوں نے معاویہ کی مدح میں شعر انشاء کیا، ہمارے اصحاب کی تالیفات میں آیا ہے یہ شخص آخر میں ہمج الرعی ہوئے (ہر ہوا کے رخ پر چلتے تھے) شیخ مفیدؒ کا کہنا ہے، آخری عمر میں یہ علیؑ سے منحرف ہوئے اور لوگوں کو علیؑ کے خلاف اُکساتے تھے۔"

لہٰذا ان شعراء میں سے کسی کو سند بنا کر اسلام میں شعروشعراء کیلئے کوئی مقام نہیں بنا سکتے۔ اسی طرح خود نبی کریمؐ کے دور سے لے کر خلفائے راشدینؓ کے دور تک لڑی جانے والی جنگوں کو اسلام کا موسم بہار سمجھا جائے تو اس دورانیے میں ہمیں شعروشعراء کا کوئی کردار نظر نہیں آتا یعنی صدور اسلام سے دور خلفاء راشدین تک شعروشعراء کو کوئی مقام ومنزلت نہ ملا، اس بارے میں کسی شاعر کی طرف سے خلیفہ دوئم کو لکھے گئے خط اور خلیفہ کے جواب ملاحظہ کریں۔

خلیفہ دوم کو دورِ جاہلیت کے ایک نامور شاعر نے اپنے شعر بھیجنے کیلئے کہا تو انھوں نے اشعار کے بدلے میں قرآن کی کچھ آیات لکھ کر بھیجیں اور کہا، اسلام نے ہمیں شعر کے بدلے میں یہ آیات دی ہیں، چنانچہ اس وقت فضیلت وبرتری کا معیار کسی بھی موقع ومحل میں آیاتِ قرآن سے استناد قرار پاتا نیز لوگ اس وقت اسلام سے وابستگی، اسلامی جہاد میں شرکت اور اس بارے میں پیغمبرؐ کے فرمودات نقل کرنے کو اپنی برتری کیلئے اعلیٰ وارفع سند گردانتے تھے، لیکن تاریخ اسلام میں نکتہ تنزل کا آغاز، خلافت کو صلاحیت اور تقویٰ اور پرہیز گاری کی بجائے، بہانے اور طاقت کے ذریعے ہتھیانے سے ہوا۔ اس موقع پر بعض شعراء مقام ومنزلت کے حصول کیلئے اپنے آپ کو حرکت میں لائے، چنانچہ شعروشاعری اور لغت عرب کے ماہرین نے اس دور کو "دور مولدین" کا نام دیا ہے۔ شعروشاعری کا دوبارہ اہتمام، خلفائے بنی عباس کے دور میں ہوا، چنانچہ اس دور کو شعروشاعری کی نشاۃ ثانیہ کا دور کہہ سکتے ہیں۔ خلفاء کے درباروں میں شعراء کی کثرت اور ان کی طرف سے شعراء کو ملنے والے مقام ومنزلت اور انعامات اس بات کی دلیل ہیں۔ خلفائے بنی عباس میں سے ہر ایک خلیفہ کے پاس کتنے شاعر تھے؟ اور انھیں ہمیشہ راتب کے طور پر کتنا وظیفہ یا انعام ملتا تھا؟ اس کی ایک فہرست ہم آگے قارئین کی خدمت میں پیش کریں گے، اس کے بعد قارئین خود متوجہ ہوں کہ شعروشاعری نے امتِ اسلام کو کہاں لا کھڑا کیا اور بیت المال مسلمین جو کہ اسلام کی سربلندی کیلئے مختص تھا، وہ کس مد میں خرچ ہوتا رہا!؟

شعراء کے جوائز وانعامات

مختصر تعریف، انشاء ابیاد پر کثیر رقم اور جوائز کا بخشنا، عقل ومنطق سے خارج ہے، اور نظام عدل ومساوات کو متزلزل کرنے کا سبب بنتا ہے۔ حکام وسلاطین اور بادشاہان کے ظالم ہونے کی نشانی یہ ہے کہ وہ تقسیم دولت میں کوئی منطق نہیں رکھتے تھے، چنانچہ حکام اسلامی پر اٹھائے جانے والے اعتراضات اور ان کے عیوب میں سے ایک یہ تھا کہ وہ شعراء کو کثیر رقم بخشتے تا کہ وہ ان کے فضائل کو نشر کریں اور ان کی برائیوں کو چھپائیں اس سلسلے میں بنی امیہ کے دربار میں اخطل، جریر اور فرزدق وغیرہ جیسے شاعر موجود تھے۔ اس کے علاوہ حاکموں کے والی بھی شعراء اور گانے والوں کو نوازتے تھے، چنانچہ خلفائے بنی عباس کی اپنے دور کے شعراء کو بخشنے والے جائزے کی ایک فہرست ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

خلیفہ دوم عباسی، ابوجعفر منصور

۱۔ادیب مجہول الاسم :	بیس ہزار درہم
۲۔شبہ بن عقال تمیمی :	تیس ہزار درہم

۳۔ابن ہرقہ :	دس ہزار درہم دوسری دفعہ: دس ہزار درہم تیسری دفعہ: پانچ ہزار درہم چوتھی دفعہ: تین ہزار درہم پانچویں دفعہ: دو ہزار درہم چھٹی دفعہ: ایک ہزار درہم ساتویں دفعہ: دس ہزار درہم
۴۔ابودلامہ:	دس ہزار درہم دوسری بار: دو ہزار درہم تیسری بار: دس ہزار درہم
۵۔مؤمل بن امیل:	چار ہزار درہم
۶۔قبیلہ عمر بن حزم کا ایک شاعر:	دس ہزار درہم
۷۔ابونخلیہ:	دس ہزار درہم
۸۔احوص:	چار ہزار درہم
۹۔حماد عجرد:	پانچ ہزار درہم
خلیفہ مہدی	
۱۔تمام شعراء کے درمیان :	پانچ لاکھ درہم تقسیم کیا۔
۲۔مروان بن ابی حفصہ:	چالیس ہزار درہم دوسری بار: تیس ہزار درہم تیسری بار: ستر ہزار درہم چوتھی بار: اسی ہزار درہم پانچویں بار: ایک لاکھ درہم
۳۔ابن خیاط:	پچاس ہزار درہم دوسری بار: پچاس ہزار درہم دو دفعہ
۴۔مسلم خاسر:	دس ہزار درہم دوسری دفعہ: دس ہزار درہم تیسری دفعہ: دس ہزار درہم چوتھی دفعہ: تیس ہزار درہم پانچویں دفعہ: ایک لاکھ ایک ہزار درہم
۵۔ابوالعتاہیہ:	پانچ ہزار درہم دوسری بار: پچاس ہزار درہم
۶۔ابن مولیٰ:	اسے ہر سال دس ہزار درہم دیتا تھا۔
۷۔مباشوں:	پانچ ہزار دینار دوسری بار: دس ہزار دینار
۸۔مفضل:	تیس ہزار درہم
۹۔ابن مکمل:	ستر ہزار درہم دوسری بار: تین ہزار درہم
۱۰۔مؤمل بن امیل:	پندرہ ہزار درہم دوسری بار: دس ہزار درہم تیسری بار: پانچ ہزار درہم
۱۱۔مغیرہ بن عبدالرحمن مخزومی:	دس ہزار دینار
۱۲۔ابوسائب:	دس ہزار دینار
۱۳۔عثمانی بن لؤلؤ رطب:	دس ہزار دینار
۱۴۔ابن اخت احوص:	دس ہزار دینار
۱۵۔عمانی:	دس ہزار درہم
۱۶۔بشار بن برد:	پانچ ہزار درہم دوسری بار: پانچ ہزار درہم تیسری بار: دس ہزار درہم

۱۷۔ابودلامہ:	ایک تھیلی درہم

خلیفہ ہادی

۱۔مروان بن ابی حفصہ:	ایک لاکھ تیس ہزار درہم
۲۔سلم خاسر:	پہلی بار: ایک لاکھ درہم دوسری بار: تین لاکھ درہم
۳۔عیسی بن داب:	تیس ہزار درہم
۴۔ابولخطاب بہدلی:	ایک لاکھ درہم

خلیفہ الرشید

۱۔مروان بن ابی حفصہ:	ایک لاکھ درہم دوسری بار: پانچ ہزار دینار تیسری بار: تین ہزار دینار چوتھی بار: اسی ہزار درہم
۲۔ابراہیم موصلی	ایک لاکھ درہم
۳۔اسحاق بن ابراہیم موصلی:	بیس ہزار درہم دوسری دفعہ: چالیس ہزار درہم تیسری دفعہ: پچاس ہزار درہم چوتھی دفعہ: ایک لاکھ درہم پانچویں دفعہ: ایک لاکھ درہم چھٹی دفعہ: دو لاکھ درہم
۴۔اصمعی:	دس ہزار درہم دوسری بار: پانچ ہزار درہم تیسری بار: دس ہزار درہم چوتھی بار: بیس ہزار درہم پانچویں بار: دو ہزار نو سو درہم چھٹی بار: اسی ہزار درہم ساتویں بار: ایک لاکھ درہم آٹھویں بار: دو لاکھ درہم
۵۔ابوعتاہیہ:	پچاس ہزار درہم دوسری دفعہ: بیس ہزار درہم تیسری دفعہ: ایک لاکھ درہم چوتھی دفعہ: ایک ہزار دینار پانچویں دفعہ: چار ہزار درہم چھٹی دفعہ: ایک ہزار دینار
۶۔ابونواس :	چار ہزار درہم دوسری بار: دس ہزار درہم
۷۔عباس بن احنف:	دس ہزار درہم دوسری دفعہ: تیس ہزار درہم تیسری دفعہ: چالیس ہزار درہم چوتھی دفعہ: چالیس ہزار درہم
۸۔سلم خاسر :	اسی ہزار درہم
۹۔اصقی:	بیس ہزار درہم
۱۰۔اشجع سلیمی :	پہلی بار: بیس ہزار درہم دوسری بار: بیس ہزار درہم
۱۱۔رقاشی :	ہر سال ایک ہزار دینار پانچ ہزار درہم
۱۲۔مسلم بن ولید:	دو لاکھ درہم
۱۳۔ربیعہ رقی:	تیس ہزار درہم
۱۴۔ابن مناظر:	بیس ہزار درہم

۱۵۔عمانی:	پانچ ہزار دینار
۱۶۔دعبل:	دس ہزار درہم
۱۷۔اعرابی (مجہول الاسم):	ایک لاکھ درہم
۱۸۔اعرابی (مجہول الاسم):	تین لاکھ درہم

خلیفہ امین

۱۔تمیمی:	دو لاکھ درہم دوسری بار: دس ہزار درہم تیسری بار: ایک لاکھ درہم پانچویں بار: ایک لاکھ درہم چھٹی بار: دس ہزار درہم ساتویں بار: تین تھیلی درہم

خلیفہ مامون

۱۔ابوعتاہیہ:	پہلی دفعہ: بیس ہزار درہم دوسری دفعہ: دس ہزار درہم تیسری دفعہ: بیس ہزار درہم
۲۔نظر بن شمیل:	پہلی بار: پچاس ہزار درہم دوسری بار: پچاس ہزار درہم تیسری بار: چالیس ہزار درہم
۳۔تمیمی:	پہلی دفعہ: پانچ ہزار درہم دوسری دفعہ: دس ہزار درہم تیسری دفعہ: تیس ہزار درہم
۴۔عمارہ بن عقیل:	پہلی دفعہ: بیس ہزار درہم دوسری دفعہ: ایک لاکھ درہم
۵۔اصمعی:	بیس ہزار درہم
۶۔خالد بن ابان (کاتب وشاعر):	ایک ہزار دینار
۷۔عباس بن احنف:	دس ہزار درہم
۸۔دعبل خزاعی:	پچاس ہزار درہم دوسری بار: دس ہزار درہم
۹۔حسین بن ضحاک:	تیس ہزار درہم
۱۰۔محمد بن وہیب حمیری:	پچاس ہزار درہم
۱۱۔اعرابی (بنی تمیم سے):	تین ہزار دینار

خلیفہ معتصم

۱۔ابوتمام:	دس ہزار درہم دوسری بار: بڑی تعداد میں درہم لیا تیسری بار: ۳۷ ہزار دینا
۲۔حسین بن ضحاک:	اکیس ہزار درہم دوسری بار: گیارہ ہزار درہم
۳۔محمد وہیب حمیری:	تیس ہزار درہم
۴۔اسحاق بن ابراہیم موصلی:	دو ہزار دینار
۵۔ابوقنافذ:	بیس ہزار درہم
۶۔خالد بن یزید ابوہشیم:	پانچ ہزار درہم
۷۔محمد بن عمر رومی:	پچاس ہزار درہم

خلیفہ واثق یا واثق

۱۔ابوتمام:	چالیس ہزار دوسری بار ایک لاکھ درہم
۲۔حسین بن ضحاک	پانچ ہزار درہم دوسری دفعہ: چھ ہزار درہم تیسری دفعہ: پانچ سو دینار چوتھی دفعہ تیس ہزار درہم پانچویں دفعہ پچاس ہزار دینار
۳۔عمارہ بن عقیل:	تیس ہزار درہم

خلیفہ متوکل

۱۔مروان بن ابی جنوب:	دس ہزار درہم، ایک ہزار دینار تین، ہزار دینار، دس ہزار درہم، چھ ہزار دینار، پچاس ہزار درہم، ایک لاکھ بیس ہزار
۲۔ابن سکیت:	پچاس ہزار درہم
۳۔بحتری:	دس ہزار درہم
۴۔محمد بن عمرو:	دس ہزار درہم
۵۔حسین بن ضحاک:	بیس ہزار درہم
۶۔ابن صول:	ایک لاکھ درہم
۷۔فضل شاعرہ:	پچاس ہزار درہم دو ہزار دینار

خلیفہ معتز باللہ

۱۔کئی شاعروں کے درمیان:	پانچ لاکھ درہم
۲۔بحتری:	ایک لاکھ درہم چھے ہزار دینار

خلیفہ معتضد

۱۔علی بن بسام:	تین سو دینار
۲۔اعرابیہ (مجہول الاسم):	پچاس ہزار دینار

خلیفہ مکتفی

۱۔عبداللہ بن عبداللہ بن طاہر:	ایک ہزار دینار
۲۔یحییٰ بن علی بن منجم:	دس ہزار درہم

خلیفہ مقتدر

۱۔ابوبکر صولی:	دس ہزار درہم ستر دینار
۲۔ادباء اور شعرا کیلئے:	چالیس ہزار درہم

خلیفہ راضی

اپنے زمانے کے شعراء کیلئے:	اکیس ہزار درہم

مندرجہ بالا فہرست سے یہ نتیجہ اخذ کرنا آسان ہے کہ امتِ اسلام اپنے آغازِ تنزل سے حرکت کرتے ہوئے کس قدر تیزی سے نیچے آیا۔خلفائے بنی امیہ و بنی عباس، اپنی خلافت کی سند نہ تو قرآن کریم اور سنت وسیرت رسولؐ سے ثابت کر سکے اور نہ خود کو اسلام کے عقائد وفروعات سے وابستہ دکھا سکے۔انھوں نے شعراء کے شعروں کو اپنے اقتدار کیلئے باعث تقویت جانا، کیونکہ شعراء ہی تملق وچاپلوسی اور سراپا جھوٹ سے کسی کو عرش سے فرش پر پہنچاتے یا کسی کو دشمنی کے سانچے میں اتارتے ہیں۔

شعر، بعثت پیغمبرؐ سے پہلے اپنے بلند مقام پر پہنچا، لیکن آپؐ کے مبعوث بہ رسالت ہونے کے بعد لوگ امور دین میں مصروف ہوئے جس سے شعر کا مقام گر گیا اور اس کی لو کم ہونے لگی، لیکن خلفائے راشدینؓ کا دور گزرنے کے بعد جب بنی امیہ خلافت پر مسلط ہوئے تو کئی علاقے جو مسلمانوں کے تسلط میں آچکے تھے وہ دوبارہ شعر گوئی کی طرف مائل ہوئے، کہتے ہیں بنی امیہ کی خلافت میں شعروشاعری کو فروغ ملا۔جمیل بن معمر، عمر بن ابی ربیعہ اور عرجی وغیرہ اسی زمانے کے غزل گو شاعر تھے۔نعمان بن بشیر انصاری، ابن مفرغ الحمیدی، ابوالاسود دوئیلی علیؑ کے انصار تھے، یہ لوگ بنی امیہ پر تنقید کرتے تھے، اسی طرح بنی امیہ کیلئے شعراء کی صورت میں انصار موجود تھے جیسے مسکین دارمی، ولید بن عقبہ، قتال کلابی، جریر، فرزدق، اخطل، راعی ابونجم عجلی اور حوص۔انہوں نے شعر کو ایک بلند مقام پر پہنچایا۔

بنی امیہ کے زوال کے بعد بنی عباس نے زمام اقتدار کو اپنے ہاتھ میں لیا، ان کے دور میں شاعری کو مزید فروغ ملا۔بشار بن برد، سید حمیری، ابونواس، مسلم بن ولید، ابوالعتاھیہ، ابوتمام اور دعبل اس زمانے کے بلند پایہ شاعر تھے۔جاحظ کا کہنا ہے، بشار شعراء میں سب سے بلند مقام رکھتا تھا، ان مشہور شعراء نے شعر میں انقلاب پیدا کیا۔یہ شعر کو بادیہ سے شہر میں لائے اور اسی طرح شعر کو تشبیہ، کنایہ اور دیگر لفظی ومعنوی محسنات سے پر کیا۔ ان کے بعد شعر کا عروج رک گیا اور ہر چیز میں سستی آگئی، یہ ایک طبیعی عمل تھا جو اجتماعی عوامل سے الگ نہیں رہ سکتا تھا، جب سیاست، اخلاق، روابط، اجتماعیات سب سست پڑ جائیں تو شعر بھی سست پڑے گا۔

چوتھی صدی کے بعد سوائے چند کے کوئی نامور شاعر پیدا نہیں ہوا، چوتھے وہ بھی اطراف عالم میں مقیم تھے، ان میں سے بھی ابوتمام، بحتری کے مقابلے میں کوئی شخص نہیں آیا، یہاں تک کہ عربی ادب کا سورہ یہ (شام) میں انقلاب آیا پھر مصر میں شعر کا دور دورہ ہوا جہاں شوقی، رافعی اور حافظ ابراہیم نے دوبارہ شعر کہنا شروع کیا۔انھوں نے کلمات کو قافیہ دار بنانا ان سے سیکھا، بعد ازاں سجع، وزن اور بحر وغیرہ پیدا کئے گئے۔ بعض کا کہنا ہے، عربی اشعار نے اپنا وزن لاطین اور یونان سے لیا ہے، تاہم شعر عربوں کی صحرانشین زندگی کا حصہ تھا اور شعراء میں عمومی افکار کو شعر کے ذریعے دوسروں تک پہنچایا جاتا تھا۔قدیم شعراء میں مخضرمی، جاہلی اور ابونواز وغیرہ شامل ہیں، ان کے اشعار کا موضوع شکار، شراب اور غزل گوئی وغیرہ ہوتا تھا۔ابن قتیبہ نے اپنی شعروشعراء کی کتاب میں ابونواس کی تعریف میں لکھا ہے، یہ پہلا شخص تھا جس نے باتوں کو نقد تولا نیز

لکھتے ہیں وہ خود شعر پڑھتا لیکن قدیم وجدید شعراء کی تعریف اور مذمت نہیں کرتا تھا۔

۲)۔دور بنی امیہ

بنی امیہ میں یزید بن معاویہ کو شعر پر عبور تھا، عبدالملک بن مروان بھی مشہور شاعر تھا، بنی امیہ کے دور میں فرزدق اور اخطل مشہور شعراء میں گنے جاتے تھے۔

شعراء اور بنی امیہ

خلافت بنی امیہ کے دور میں شہرت اور اہم مقام پانے والے شعراء میں سے چند قابل ذکر ہیں:

ابو مالک اخطل (۲۰۔۹۲ھ/۶۴۰۔۷۱۰م)

اخطل، غیاث بن غوث تغلبی، کنیت ابو مالک، لقب اخطل، مقام تولد حیرہ، قبیلہ جشم بن بکر پھر تغلب۔ کتاب موسوعہ میسرہ ج ا ص ۶۵ پر درج ہے، اخطل ۶۴۰ء میں پیدا اور ۷۰۸ھ میں فوت ہوا۔ یہ حیرہ یا شام کے کسی گاؤں میں پیدا ہوا اور شام میں پرورش پائی، بنو تغلب کے نصرانی خاندان سے تھا اور بنو امیہ کا شاعر تھا، یہ وہ پہلا شاعر ہے جس نے اپنی شاعری کی ابتداء ھجو گوئی سے کی اس نے بچپن میں اپنی سوتیلی ماں کی ھجو کہی اور جوانی میں تغلب کے شاعر کعب بن جعیل کی ھجو کہہ کر اسے بے آبرو کر دیا۔ اس گستاخی اور بے عقلی کی وجہ سے جوانی میں ہی اسے "اخطل" یعنی بے قوف کا لقب دیا گیا اور پھر وہ اپنے اور لوگوں کے مابین اور اپنے قبیلے اور دیگر قبیلوں کے درمیان ہونے والے جھگڑوں کو نظم کرنے لگا۔ جریر کے ساتھ اس کا تناز عدر ہا یہ ایک دوسرے کی ہجو کرتے رہے، کیونکہ جریر بنو قیس سے دفاع کرتا تھا۔ اخطل ان تین شعراء میں سے ایک ہے جو ہجو گوئی میں سب سے زیادہ مشہور تھے، یہ شراب خوری میں شعرائے جاہلیت سے مشابہت رکھتا تھا۔

ایک مرتبہ ولی عہد یزید بن معاویہ اور عبدالرحمن بن حسان کے درمیان بحث وتکرار ہوئی تو کعب بن جعیل سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ انصار کی ہجو کہے، لیکن اس نے آنحضرت کو پناہ دینے والے مددگاروں کی ہجو کہنا مناسب نہ سمجھا، اور کہا میں تمہیں ایک بدکار تجربہ کار شاعر (مراد اخطل) کی نشاندہی کرتا ہوں۔ اخطل نے انصار کو کاشتکاری، کمینہ پن اور شراب نوشی کے طعنے دیئے اور اپنے رائیہ قصیدے میں قریش کو انصار پر فضیلت دی۔ اگر یزید کی مدد نہ ہوتی تو اخطل اس کارستانی کی وجہ سے خطرناک صورتحال سے دوچار ہو سکتا تھا، امویوں نے اس کے اعزاز واحترام میں بہت حد تک مبالغہ کیا اور اس نے بھی ان کی حمایت ومدد میں بھرپور کوشش کی پھر اس نے انصار کے بعد بنو زبیر کے ایک ایک قبیلے کا پردہ چاک کر ڈالا یہ ہجویہ قصیدہ اس کا ایک مشہور قصیدہ ہے اس کا مطلع یہ ہے:

"اے ھند، بنی بکر کی ھند! تو سلامت رہنا، اگر چہ ہمارے قبیلے ہمیشہ سے ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔"

کیونکہ ایک طرف انہوں نے امویوں سے مخالفت مول رکھی تھی اور دوسری طرف سے وہ جزیرہ میں اپنی قوم پر تسلط جمائے ہوئے تھے۔ پھر اس نے اپنی زندگی فرزدق کی حمایت اور جریر کی ہجو میں ختم کر دی، اخطل

اگر چہ مذہب نصرانیت پر سختی سے کاربند تھا، حالانکہ خلفاء کے ساتھ اس کے مضبوط تعلقات تھے، لیکن دینداری میں عربوں کی طبیعت سے الگ تھلگ نہیں ہوا۔ لامنس پادری نے اس کے متعلق اپنی کتاب میں ایک فصل لکھی ہے جس میں وہ کہتا ہے:

"اخطل کے دین پر نصرانیت کا ہلکا سا رنگ تھا اور اس کی نصرانیت اسی طرح تھی جس طرح بدویوں کے ہاں دینی عقائد ہوتے ہیں، وہ دین کی آڑ میں کثرت سے شراب نوشی کرتا اور خلیفہ کی پناہ میں اکثر ہجو کہتا تھا، اسی طرح تغلب کی پشت پناہی پر تمام قبیلوں پر حملے کرتا، لیکن اس کی ہجو کے الفاظ پاکیزہ اور مہذب ہوتے تھے۔ اس کی شاعری نہ تو حد سے زیادہ مبالغہ آمیزی تھی اور نہ ہی وہ اخلاقی حدود سے متجاوز تھی۔"

اخطل کی ہجو نگاری

اخطل اپنی قوم کا سردار، کریم النسب اور شریف النفس تھا، وہ شراب پیتا اور بادشاہوں کے ہاں بیٹھتا تھا، اپنے دین کے احترام میں پادری کی مار اور قید وبند کی صعوبتیں تک برداشت کر لیتا تھا، اگر چہ وہ عابد وزاہد نہ تھا، اس بناء پر ہجو میں اس کی زبان جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے خواص کی زبان تھی۔ نہ وہ معیار سے گرے ہوئے غلیظ اشعار کہتا اور نہ ہی عریاں مضامین سے مدد حاصل کرتا تھا، اپنے حریف کی مردانہ صفات پر حملے کرتا اور اس کی سخاوت، بہادری، بزرگی اور سچائی کی نفی کرتا جس طرح کہ تیم کے متعلق اس کا قول ہے:

"میں جب تیم کے غلاموں اور سرداروں سے ملتا ہوں تو کہتا ہوں ان میں سے غلام کون ہیں؟ اور سردار کون ہیں دنیا کا کمینہ ترین آدمی تیم کا سردار بنتا ہے اور ان کا غلام ان کی ناپسندیدگی کے باوجود سردار ہی رہتا ہے۔"

اور کلیب بن یربوع کے متعلق وہ کہتا ہے:

"وہ بدترین ساتھی ہیں خاص کر جب شراب اور نشہ ان کی رگوں میں سرایت کرے تو وہ بہت ہی برے شرابی ہیں۔ وہ ایسی قوم ہے ذلت ورسوائی کا ان پر اختتام ہو گیا ہے اور خاندان مضر کو دی جانے والی ہر گالی ان پر جا کر رک جاتی ہے۔ یہ لوگ گندی خوراک کھاتے ہیں اور وہ بھی تنہا کھاتے ہیں اور یہ لوگ عدم موجودگی میں پوچھتے ہیں کہ کیا بات تھی؟ شرافت وبزرگی نے قسم کھالی ہے کہ ان کے ساتھ نہیں چل سکتی، تا آنکہ ان کی ہتھیلی پر بال اگنے لگیں۔" [تاریخ ادب عربی ص ۱۶۳ تا ۱۸۰]

شاید اس کی فحش ترین ہجو وہ ہے جو اس نے جریر کی قوم کے متعلق کہی ہے:

"وہ ایسی قوم ہے کہ جب مہمان کتوں کے بھونکنے کی آواز سن کر ان کی رہائش گاہ معلوم کرنا چاہے تو یہ اپنی ماں سے کہتے ہیں آگ پر پیشاب کر دے (تا کہ آگ بجھ جائے اور مہمان کو ہماری اقامت گاہ کا پتہ نہ چل سکے) وہ کنجوسی اور بخل کرتے ہوئے اپنا پیشاب روک لیتی ہے کہیں اس سے سخاوت نہ ہو جائے اور وہ (پیشاب نکالنے کی) سخاوت بھی ایک خاص مقدار سے کرتی ہے۔ اور (مہمان کیلئے) روٹی (کا انتظام کرنا) تو ان کے ہاں ہندوستانی عنبر کی مثل ہے حالانکہ (ان کے علاقہ میں گندم اتنی سستی ہے کہ) ایک دینار میں پچاس اردب (۶۰ من)

گندم ملتی ہے۔"

آپ نے دیکھا کہ اخطل اپنے حریف کو دکھ پہچانے اور عار دلانے کیلئے اس کے خصوصی عیوب اور ذاتی نصائص پر گرفت نہیں کرتا۔ وہ مخالف قبیلہ کے تمام افراد پر حملہ کرتا ہے اور وہ عظیم کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور مقابلہ کی دوڑ میں سبقت لے جانے پر اپنے اور مخالف قبیلہ کے درمیان مقابلہ کرتا ہے اور وہ انہی مضامین میں اپنے لئے کافی ووافی مواد پاتا ہے اور جریر کی طرح مجبور وبے کس ہوکر گھٹیا انداز سے ذلت آمیز غلبہ حاصل کرنے کیلئے معمولی باتوں کا ذکر نہیں کرتا۔ اب آپ یہ اشعار ملاحظہ کریں جو اس نے جریر کے متعلق کہے ہیں:

"اے مراغہ کے بیٹے میرے دو چچا وہ ہیں جنہوں نے بادشاہوں کو قتل کیا اور قید و بند کو کھول ڈالا اور ان کے بھائی سفاح نے اپنے گھوڑوں کو پیاسا رکھا یہاں تک کہ وہ سیراب ہونے کیلئے بنوکلان کے حوض پر اترے اے جریر اپنی بھیڑوں کے گلے کو آواز دے کیونکہ تنہائی میں تیرا دل شیخ چلی کی سی بے ہودہ آرزوئیں دلاتا ہے تیرا دل یہ خواہش کرتا ہے کہ تو دارم کی طرح بن جائے یا تو حاجب اور عقال کے ہم پلہ ہو جائے۔"

اور ان اشعار پہ نگاہ دوڑائیں جو اس نے جریر کی ہجو میں کہے ہیں:

"تو نے مراغہ پر زین کس دیا حتیٰ کہ تو نے اس کو ہٹا دیا، لیکن تو پھر بھی بے عزت ہی رہا اور تو نے ان کا نطفہ نچوڑا تا کہ تجھے دارم کا مقام و مرتبہ مل جائے، مگر افسوس تیری یہ آرزو پوری ہونا بہت مشکل، بلکہ ناممکن ہے جب دارم پر معاملات مشکل ہو جاتے ہیں تو اس وقت بہادر قبیلوں کے سامنے سر جھکا دیتا ہے اور جب تو اپنی قوم کے گھرانوں (کے کارناموں) کو شمار کرنے لگتا ہے تو تجھے ان میں کوئی بھی عطارد یا لبید (کے گھرانوں) جیسا (گھرانہ) نظر نہیں آتا۔"

جب آپ ان اشعار کو دیکھتے ہیں تو آپ پر واضح ہوتا ہے اس کی ہجو منافرت اور فخر کے مضامین بیان کرنے میں مقصد کے قریب ترین ہے۔ یہ واضح ہے کہ اس کی ہجو چبھنے اور ایذا رسانی کے باوجود پاکیزہ اور بلند ہے جو جریر کی ہجو کے ساتھ ایک میدان میں نہیں دوڑتی اور نہ ہی ان کی ہجو نگاری عوام الناس کے میزان میں برابر ہے تو پھر کس طرح اخطل کے بڑھاپے کی وجہ سے سرد جذبات اور جریر کے جوانی کے جوش کی وجہ سے تیز جذبات ایک جیسے ہوتے ہیں۔ خود جریر نے مخالف کی کمزوری وناتوانی کو اس کی کبرسنی پر محمول کرتے ہوئے آخری مقابلے میں کہا تھا:

"جب میرا اس سے مقابلہ ہوا تو اس کی ایک کچلی تھی اگر دو کچلیاں ہوتیں تو وہ مجھے کھا جاتا۔"

جب اخطل نے فرزدق کو جریر پر برتری دی تو جریر نے اخطل کی ہجو میں قصیدہ نونیہ کہا اس میں یہ کہا ہے:

"اے مرد میدان! تو اس زیرک و ہوشیار سے مقابلہ کر رہا ہے جس کی جوانی ابھر رہی ہے، جبکہ تیری عمر ختم ہونے والی ہے۔"

اگر ہم اخطل کی ہجویہ شاعری میں سے جریر کی ہجو کا حصہ نکال دیں تو اس کے باقی ہجویہ قصائد قومی اور سیاسی مقاصد واغراض پر مشتمل ہیں۔ اس کی ہجویہ شاعری کے دو مشہور قصیدے اس کے مسلک کا خلاصہ اور اس کی شاعری کی فنی تصویر ہیں۔ پہلا قصیدہ وہ ہے جو اس نے قبائل قیس کی ہجو میں کہا جس کا مطلع یہ ہے:

"سن اے ھند! بنی بکر کی ھند تو سلامت رہے اگر چہ ہمارے قبیلے رہتی دنیا تک ایک دوسرے کی مخالفت کرتے رہیں گے۔"

اور دوسرا قصیدہ عبدالملک بن مروان کی تعریف اور مدمقابل کی مذمت میں کہا جس کا مطلع یہ ہے:

"جو ٹھہرے ہوئے تھے انہوں نے سفر شروع کر دیا وہ صبح یا شام کو تیرے پاس سے کوچ کرنے لگے لیکن ان کو اس چیز نے پریشان کر دیا ہے کہ ان کی منزل مقصود غیر متعین ہے۔"

اس قصیدے کے دیگر اشعار ہیں:

"اے بنوامیہ! میں تمہارا خیر خواہ ہوں زفر تم سے بے خوف ہو کر رات نہ گزارنے پائے، اس کی موجودگی کفر اور مصیبت ہے اس کی پوشیدہ عادتیں بہت سی ناز یبا اور قبیح ہیں، بے شک دشمنی اگر چہ کتنی ہی چھپی رہے بالکل ظاہر ہو جاتی ہے جس طرح کھجلی جتنی دیر بھی دبی رہے بالآخر پھیل جاتی ہے۔"

"اے بنوامیہ میں نے تمہاری وجہ سے ایسی قوم کے ساتھ لڑائی کی جنہوں نے رسول اسلام ؐ کو پناہ دی اور ان کی مدد کی (مراد انصار ہیں) اور قیس عیلان سے مقابلہ کیا، حتی کہ وہ رقص کرتے ہوئے سامنے آئے اور انہوں نے علی الاعلان بیعت کی جبکہ اس سے پہلے وہ (بیعت سے) انکار کر رہے تھے۔ وہ جنگ سے چیخ اٹھے جب یہ ان کے کندھوں پر آپڑی قیس عیلان کی عادت میں گھبراہٹ اور اکتاہٹ ہے۔"

اخطل اپنی عیسائیت کی وجہ سے اسلام کے فخر کا کوئی ذریعہ یا ہجو کا کوئی مواد حاصل نہیں کر سکتا، لہٰذا اس نے اپنے آباؤاجداد کے فضائل ومناقب اور اپنے مخالفین کے عیوب ونقائص کے اظہار پر اکتفاء کیا، اس کے باوجود کبھی کبھی وہ ان اعمال کی ہجو کہہ دیتا تھا جن کو اسلام پسند نہیں کرتا، حالانکہ وہ ذہنی طور پر انھیں جائز سمجھتا تھا مثلاً وہ انصار کی شراب نوشی کو عیب شمار کرتا ہے اور کہتا ہے:

"یہ قوم ایسی ہے کہ جب شراب جوش مارے تو تم دیکھو گے ان کی آنکھیں نشہ کی وجہ سے سرخ ہیں۔"

اور کلیب بن یربوع کے متعلق کہتا ہے:

"یہ لوگ بدترین ساتھی ہیں اور ان کی شراب نوشی بدترین شراب نوشی ہے جب شراب اور نشہ ان میں سرایت کر جائے۔"

۲۔ ابوحزرہ جریر (۳۳۔۱۱۴ھ/۶۵۳۔۷۳۳م)

ابوحزرہ جریر بن عطیہ بن حذیفہ ملقب بہ خطفی بن کلیب یربوعی تمیمی، مقام تولد یمامہ، اپنے دونوں ساتھیوں کی طرح بچپن ہی میں شاعری شروع کی اور ہجویہ شاعری میں انہی کی مثل رہا لیکن یہ ایک فرق کا بھی حامل

تھا کہ اس نے شاعری کی ابتداء رجز سے کی جیسے چرواہے کرتے ہیں، کیونکہ یہ بھی چرواہا تھا۔اس کے قبیلے کی گمنامی، خاندان کی پستی، باپ کی غربت اور اخلاق کی درشتی یہ وہ چند اسباب تھے، جنہوں نے شاعری میں کمال اور ہجو گوئی میں امتیاز پیدا کرنے میں اس کی طبیعت کی مدد کی، غسان سلیطی وہ پہلا شخص ہے جس کی اس نے ہجو کہی، کیونکہ اس نے اسکی قوم کی ہجو کہی تھی۔ سلیطی نے اس کی مدافعت میں بعیث سے فریاد کی اس نے جریر کی ہجو کی جس کے جواب میں جریر نے سخت چبھنے والی ہجو کہی فرزدق جو کہ کسی ذاتی دکھ کی بناء پر جریر پر جلا ہوا تھا، اس نے بعیث کی حمایت میں جریر کی ہجو کہہ دی بس پھر ان دونوں تمیمی شاعروں میں ہجو گوئی کا زوردار مقابلہ شروع ہوگیا۔[از تاریخ ادب عربی ص ۱۶۱ تا ۱۶۳]

اخطل نے فرزدق کو جریر پر اس وجہ سے ترجیح دی کہ اس نے قیس کی مدافعت کی تھی۔ جب محمد بن عمیر نے اسے رشوت دی تو جریر نے اخطل کی بھی ہجو کہہ ڈالی اس کے بعد تو اس پر ہر طرف سے ہجو کی بوچھاڑ ہونے لگی حتی کہ ہم عصروں میں سے اسی شعراء اس کے مقابلے میں آ گئے اور یہ اخطل اور فرزدق کے سوا سبھی پر غالب آ گیا یہ دونوں اس کے مقابلہ میں ثابت قدم رہ کر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش میں مصروف رہے۔

لوگ جریر اور فرزدق کے معاملے میں دو گروہوں میں بٹ گئے ہر گروہ اپنے اپنے شاعر کی حمایت کرتا، اہل فرزدق اور اہل جریر میں علویوں اور عباسیوں کی مانند مخالفت پیدا ہوئی، ان میں سے ہر فریق، پراپیگنڈے، تشدد رغبت خوف اور مددگاروں کے ذریعے دوسرے پر غلبہ حاصل کرنا چاہتا تھا۔فرزدق کے حمایتی "مربد" مقام پر اور جریر کے حامی "مقبرہ بنوحصن" میں اکٹھے ہوتے، ہر دو شاعر اپنے ہم خیال لوگوں اور اپنی جماعتوں میں اشعار سناتے جنھیں وہ لکھ لیتے، راوی عام لوگوں میں ان کی نشر واشاعت کرتے اور ماہرین ادب اور امراء روایت کردہ کلام اور اس کا موازنہ کرنے کے بعد اس کے متعلق فیصلہ کرتے تھے۔انصار شعراء کو رشوت دیتے اور علماء کو اپنا طرف دار بناتے تا کہ وہ اس جھگڑے میں اپنا فیصلہ ان کے شاعر کی موافقت میں دیں۔

صاحب الآغانی نے نقل کیا ہے، ایک شخص نے چار ہزار درہم اور ایک گھوڑا اس شخص کو دیا جس نے فرزدق کو جریر پر ترجیح دی تھی، ان دونوں کے معاملے کے متعلق لوگوں کے اہتمام اور ان کی شاعری کے مقابلے میں فیصلہ سنانے میں اختلاف پر اس سے زیادہ کوئی چیز دلالت نہیں کرتی کہ جس طرح دو بالمقابل لشکر کچھ دیر کیلئے لڑائی بند کر دیں تا کہ کوئی خارجی ادیب مہلب کے لڑنے والے دو افراد کے درمیان فیصلہ کرے جو جریر اور فرزدق کے متعلق جھگڑا کر رہے تھے۔

ابن سلام نے نقل کیا ہے، مہلب کے لشکر کے دو آدمی جریر اور فرزدق کے بارے میں جھگڑ رہے تھے، حالانکہ فرزدق خوارج کے بالمقابل تھا۔ جب وہ اس کے پاس گئے تو اس نے کہا میں ان کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا، اس نے اپنے آپ کو ان کے شر کے حوالے کرنے سے بچالیا اور کہا میں تمہیں ایک ایسا آدمی بتاتا ہوں جس پر ان کی ناراضگی اثر انداز نہیں ہوتی وہ عبید بن ہلال ہے وہ اس دن "قطری بن فجاۃ" کے لشکر میں تھا۔ دونوں

اس کے پاس آئے اور دونوں لشکر کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے اور اسے بلایا وہ یہ سمجھتے ہوئے نیزہ گھسیٹتے ہوئے باہر نکلا کہ شاید کوئی مقابلے کی طرف بلانے والا ہے ان دونوں نے اس سے کہا کیا فرزدق بڑا شاعر ہے یا جریر؟ اس نے کہا تم پر اور ان پر اللہ کی لعنت ہو، انہوں نے پھر کہا ہم آپ کا جواب سننا چاہتے ہیں اس نے کہا بڑا شاعر وہ ہے جو یہ کہتا ہے:

"مسلسل سفروں اور لگاتار تعاقب نے ان کے بیٹوں کو اس طرح لپیٹ دیا ہے جس طرح حضر موت کے تاجر کپڑے کی چادروں کو تہہ کرتے ہیں۔"

وہ دونوں کہنے لگے یہ تو جریر کا شعر ہے تو وہ کہنے لگا بس وہی ان دونوں میں سے بڑا شاعر ہے۔

یہاں عراقی شاعروں کا ایک اور گروہ بھی ہے جس میں عبید راعی، ابوالنجم عجلی اور راجز شامل ہیں جنہوں نے شاعری سے ناخن اور کچلیوں کا کام لے کر لوگوں کی عزتوں کو چیر پھاڑ ڈالا، لوگوں میں فحشیات اور واحیات کو عام کیا لیکن ان میں سے کوئی بھی شاعری کے اعلیٰ مقام اور شہرت کی بلندیوں پر اس طرح نہیں پہنچ سکا جس طرح جریر، فرزدق اور اخطل پہنچے، کیونکہ ابوعبیدہ کے بقول وہ شاعری میں اس مقام پر فائز تھے جو اسلام میں کسی اور کو نصیب نہیں ہو سکا، انہوں نے جن لوگوں کی تعریف کی وہ بلند مقام پا گئے اور جن کی مذمت کی وہ بے عزت ہوئے جن لوگوں نے ان کی ہجو کہی انہوں نے اس کا جواب دیا تب بھی وہ چمک اٹھے اور جن لوگوں نے ان کی مذمت کی اور انہوں نے ان کا جواب دینا پسند نہ کیا تو وہ بے عزت ہوئے۔

جریر بن عتید الیربوعی

متولد ۶۴۰ میلادی، متوفی ۷۲۸ میلادی۔اس نے اپنی شاعری کا آغاز یزید بن معاویہ کے دور سے کیا، اس کی تعریف سے اپنی زندگی بنائی، عراق کے والیوں سے تعلقات قائم کئے۔ یہ حجاج کی مدح کرتا تھا اور عبد الملک بن مروان سے بھی ملا تھا۔اس نے فرزدق کے قبیلہ مجاشع کی ہجو کی جس سے دونوں ایک دوسرے کے مدمقابل آئے دیگر شعراء نے بھی ان کی مدد کرنا شروع کی، کہتے ہیں جریر ہجو میں دوسروں پر سبقت رکھتا تھا۔[موسوعہ میسرہ ج ۱ ص ۶۲۴]

جریر کی ہجو یہ شاعری

جریر ایک بڑی آفت اور طوفان ہے، کیونکہ یہ بے لگام اور منہ پھٹ تھا، نہ اسے کوئی بندش روکتی تھی اور نہ ہی کوئی لگام اسے قابو کر سکتی تھی، اس کے پاس نہ تو اخطل جیسی سیاست تھی اور نہ ہی یہ فرزدق کی طرح مذہب کا پیروکار تھا اور نہ ہی ان دونوں کی طرح خاندانی شرافت و بزرگی کا وارث تھا، بلکہ یہ ایک بازاری چرواہا تھا۔ اللہ نے اسے تیز ذہن، نزاکت بیانی اور بدزبانی عطا کی۔تکرار، حجت بازی اور جھگڑے کی عادت نے اس میں تندمزاجی، کثرت تخیلات، متانت شعر اور قافیہ بندی کی روانی کا اضافہ کر دیا تھا، چنانچہ اس نے انفرادی و قبائلی ہجو کو کرب ناک، تکلیف دہ، قابل قبول بنانے اور پختگی پیدا کرنے میں آخری حد تک پہنچا دیا۔ ہو سکتا

ہے یہی پہلا شاعر ہو جس نے شاعری کو ہجو میں عامیانہ اور آوارہ مزاج انداز اپنانے پر مجبور کر دیا مثلاً شرم وحیا سے متعلقہ راز کی باتیں اور آبرو ریزیاں کرنے کا ذکر کرنا لہٰذا اس کے مخالفین بھی اپنی ہجویہ شاعری میں مجبور ہوئے کہ اس کی زبان میں ہی بات کریں اور اس کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر لڑیں حتی کہ اس کے بعد عراق میں کوئی ہجو اس کے اثرات سے متاثر ہوئے بغیر نہ ہوتی۔ حماد اور بشار کی ہجو گوئی میں مقابلہ بھی جریر اور فرزدق کی ہجویہ شاعری کی ایک تصویر ہے۔ [تاریخ ادب عربی ص ۱۷۲]

جریر اپنے عامیانہ پن، ماحول اور دوسرے اسباب و وجوہ کی بناء پر ہجو گوئی کے نت نئے اور حیرت انگیز طریقے ایجاد کرتا۔ مثلاً وہ اخطل کو طعنہ دیتا تھا کہ وہ بے ختنہ ہے، شراب پیتا ہے، سور کا گوشت کھاتا ہے۔ "بعیث" کو اس کی ماں کی وجہ سے الزام دیتا تھا وہ بحستان لونڈی تھی، فرزدق کو اس کی دادی کی وجہ سے کوستا ہے کہ اس نے جبیر نامی لوہار سے بدفعلی کروائی تھی اور اس کی بہن جعثن پر الزام لگاتا ہے اس کے بنی منقر کے ساتھ ناجائز تعلقات تھے، کیونکہ فرزدق نے قیس بن عاصم کی پوتی ظمیاء بنت طلبہ سے بوس و کنار کیا۔ عمرو بن جرموز کو اس کی قوم میں اس طرح رسوا کرتا ہے کہ اس نے زبیر کے قتل میں عہد شکنی کی تھی، پھر اس کی چھوٹی چھوٹی لغزشوں اور معمولی معمولی عیوب کو مبالغہ آمیزی سے پیش کرتا ہے مثلاً رومی کو مارتے ہوئے اس کی تلوار کا اچٹنا اور نوار سے اس کی مرضی کے بغیر شادی کرنا۔ فرزدق نے اپنی ہجو گوئی میں اپنے آباؤ و اجداد پر فخر کا طریقہ اپنایا وہ ان کی فاتحانہ لڑائیوں اور گزشتہ قابل فخر کارناموں کو گنواتا، جبکہ یہ اس میدان میں اس کے ساتھ چلنے کی ہمت و سکت نہیں رکھ سکتا تھا، چنانچہ جریر کوشش کرتا ہے اس کے آبائی فخر و شرافت کا جواب انتہائی تلخ و درشت چبھنے والے مذاق اور تکلیف و بدزبانی سے دے جب جریر اس رویے پر اتر آئے تو اس کا مقابلہ مشکل ہے۔ مثال کے طور پر فرزدق کا ایک قصیدہ جس کا مطلع یہ ہے:

"جس ذات نے آسمان بلند کیا اس نے ہمیں ایسا گھر (خاندان) دیا جس کے ستون (افراد) باعزت اور (مقام میں) اونچے ہیں۔"

اس شعر کے بعد ہم اس کو یہ کہتے ہوئے پاتے ہیں:

"ایسا گھر جس کے صحن میں زرارہ، مجاشع اور ابو الفوارس نھشل جیسے افراد گھٹنے باندھے ہوئے آرام سے بیٹھے ہیں۔ جب شرافت و بزرگی کے کارنامے گنے جائیں تو تیرے گھر کے صحن میں ان جیسے افراد کبھی جمع ہوئے نظر نہیں آئیں گے۔"

جریر اس کی تردیدی قصیدے میں جواب دیتا ہے:

"جس ذات نے آسمان بلند کیا اس نے مجاشع کو ذلیل و رسوا کر دیا اور تیرے گھر کی بنیاد پست زمین میں رکھی، ایسا گھر جس کے صحن میں لوہار بیٹھا بھٹی جلا رہا ہے جس کی نشست گاہیں گندی اور اس گھر میں داخل ہونے کا راستہ انتہائی پلید ہے، زبیر قتل کر دیئے گئے اور تو گھٹنے باندھے بیٹھا رہا نیست و نابود ہو جائے تیری

یہ گھٹنے باندھنے کی حالت جو کھلتی نہیں ہے، تو نے منیٰ میں زبیر کے ساتھ اپنی غداری سے وفا کی اور تیری (بہن) جعثن ذات حرمل (جگہ کا نام) پہ اپنی عزت لٹاتی رہی۔ فرزدق رات بھر اپنی جان کی امان طلب کرنے میں کوشاں رہا اور اس کی (بہن) جعثن کی شرم گاہ آباد راستے کی طرح چالو رہی۔"

فرزدق کہتا ہے :

"ہمارے گھروں میں ہمارا لباس بادشاہوں کی پوشاکیں ہوتا ہے جبکہ جنگ میں ہم زرہوں کا لباس پہنتے ہیں۔"

جریر اس کا جواب یوں دیتا ہے :

"بادشاہوں کی پوشاکوں کی بات نہ کرو زبیر (کے قتل) کے بعد تو تم اس حائضہ عورت کی طرح ہو گئے ہو جو نہا کر پاک نہ ہوئی ہو۔"

فرزدق کہتا ہے :

"ہماری عقلیں وزن کے اعتبار سے پہاڑوں کے برابر ہیں اور جب ہم جاہل ہو جائیں (بگاڑ پہ آ جائیں) تو تم ہمیں جن بھوت خیال کرو گے، اگر (تجھ میں ہمت ہے تو) چاہتا ہے کہ ہمارا گھر گرا دے بھلا ٹیلوں والا ثھلان پہاڑ بھی کبھی ہل سکتا ہے، میرا ماموں وہ ہے جس نے بادشاہوں کی جانیں لے لیں اور اس کی طرف جفنہ کے تحفے بھیجے جاتے تھے، ہم ہر قبیلہ کے سردار کو مار ڈالتے ہیں جبکہ تیرا باپ اپنی گدھی کے پیچھے بیٹھا جوئیں مار رہا ہے۔"

جریر اس کا جواب دیتے ہوئے کہتا ہے :

"فرزدق جب اپنے ماموں کی پناہ لیتا ہے تو اس ذلیل کی مانند ہوتا ہے جو قرمل (کی نازک شاخ) کی پناہ لیتا ہے، تو ضبہ پر فخر کیوں کر کیوں کہ تیری ماں ان سے ہے اور ابن ضبہ کوئی شریف چچاؤں اور ماموں والا نہ تھا، بنو قبان کو پیغام پہنچا دو کہ ان کی عقلیں پست ہو گئیں بلکہ اب تو وہ رائی کے دانے کے برابر بھی نہیں رہے، ان کے نمائشی رکھ رکھاؤ نے ان کی تحمل مزاجی کو نقصان پہنچایا ہے اور تم تو ان پروانوں کی مانند ہو جو جلتی آگ کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں۔"

فرزدق کہتا ہے :

"بلند پایہ اساتذہ فن شعراء نے مرتے وقت مجھے اپنی شاعری بخش دی حتی کہ ابو یزید، ذو القروح (امرؤ القیس) اور جرول نے بھی۔"

پھر وہ بلند پایہ اور کمال کے شعراء کے ایک ایک کر کے نام گنواتا ہے اور کہتا ہے:

"انہوں نے اپنے قصائد کا دفتر بطور وصیت مجھے دے دیا اور اب میں لاتعداد کنکریوں کی تعداد شعروں کا وارث بن گیا ہوں۔"

جریر اس کا جواب یوں دیتا ہے :

"میں نے شاعروں کیلئے سم قاتل تیار کیا ہے جس گلاس سے میں نے آخری کو پلایا اسی سے پہلے کو پلایا جب میں نے اپنی داغنے والی سلاخ فرزدق پہ رکھی اور بعیث نے خاموشی اختیار کرلی اور میں نے اخطل کی ناک کاٹ لی، فرزدق کو تو بس اتنا ہی کافی ہے کہ مجاشع کو گالیاں دی جارہی ہوں لیکن وہ بیٹھا مرقش اور مہلہل کے اشعار شمار کرتا رہے۔"

آپ نے ملاحظہ کیا جریر آسان راستہ پسند کرتا ہے وہ سنجیدگی کی حرارت کو مذاق کی برودت کے ساتھ بجھانے کی کوشش کرتا ہے وہ ایک زرہ پوش مسلح بہادر حملہ آور کے مقابلہ میں ایک معمولی پوشاک اور مضحکہ خیز انداز کے ساتھ پیش آتا ہے۔ جریر کو اپنے مد مقابل کی نجی اور عام زندگی کے حالات کی کھوج لگانے میں کمال قدرت حاصل تھی وہ رفتہ رفتہ ان واقعات کا پتہ چلاتا ہے پھر ان میں سے خاص خاص قابل اعتراض واقعات کو چن لیتا پھر اپنے اشعار میں ان کی اعلانیہ تشہیر کرتا اور ان کی وجہ سے مخالف کو رسوا کرتا۔

فرزدق حدراء بنت زیق بن بسطام سے اس کے باپ کی مرضی سے شادی کرتا ہے اس سلسلے میں جریر یہ کہتا ہے:

"اے زیق تو بنوشیبان میں ایک خاندانی آدمی تھا، اے زیق! صد افسوس، اے زیق تو نے (اپنی بیٹی کو) کس سے بیاہ دیا۔ ہائے افسوس تو نے ایک ایسے لوہار کو نکاح دے دیا جس کے چوتڑ سیاہ ہیں، اے زیق افسوس، کیا بازار میں تیرے مال کی کھپت نہیں تھی؟ بہت سی کہنے والیوں نے شادی کے بعد کہا نہ داماد خوش ہے اور نہ ہی لوہار کا بیٹا پیارا ہے۔"

لڑکی کے خاندان والے جریر کے پاس آتے اور اسے کہتے کہ وہ تو مرگئی ہے کیوں کہ وہ جریر کے ہاتھوں بہت بے عزت ہورہے تھے، لیکن جریر انکار کرتا بلکہ حقیقت حال کو علانیہ بیان کرتے ہوئے کہتا:

"میں قسم اٹھاتا ہوں کہ وہ میری نہیں ہے بلکہ حدراء کو اس کے خاندان نے اپنے ہاں روک رکھا ہے جو تجھے (اے فرزدق) اس قابل نہیں سمجھتے۔"

جوانی کی مدحوشی میں فرزدق کوئی فضول حرکت کر بیٹھتا ہے اور یہ کہتے ہوئے اس کا اعتراف کرتا ہے۔

"انہوں نے اسی قد کی دوری سے اس تیزی سے اپنی قریبی جال میں پھنسالیا جس طرح خاکی پروں والا تیز عقاب جھپٹتا ہے۔"

جریر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

"زنا کاری کی خاطر تو تو اسی قد کی دوری سے اسی تیزی کے ساتھ پہنچ گیا مگر عظمت اور شرافت حاصل کرنے کیلئے تو ہاتھ بھر کا فاصلہ بھی طے نہ کرسکا۔"

فرزدق، سلیمان بن عبدالملک کی موجودگی میں رومی کو جب تلوار مارتا ہے تو تلوار اچاٹ ہوجاتی ہے اس کے متعلق جریر کہتا ہے:

"تو نے ابوسیف مجاشع کی تلوار سے مارا لیکن ابن ظالم کی تلوار سے نہیں مارا۔"

ان جیسے واقعات اپنی شستگی اور جدت کی بناء پر دلوں پر نقش کرجاتے ہیں اور زبانوں پر مشہور ہوجاتے ہیں اسی لئے آجکل متفرق جماعتوں کے اخبارات کے مالکان مخالفین کی زندگی سے اپنے لئے تنقید اور اعتراض کا موضوع فراہم کرلیتے ہیں۔ جریر ہجوگوئی میں طویل مشق اور جھگڑے میں انتہائی دلیرانہ اقدام کرنے کی بناء پر انتہائی مذاقیہ، لچر زبان اور لخراش توہین کرنے والا بن گیا۔ اسی وجہ سے جب مربد میں جریر کا کوئی قصیدہ آتا تو فرزدق انتہائی زچ ہوجاتا اور اس کا رنگ فق ہوجاتا تھا۔ اس سے چبھنے والا اور المناک طنز اور کیا ہوسکتا ہے مثال کے طور پر جریر کے یہ اشعار ہیں:

"اے خاندان تیم تمہارے گھر بھی تیمی ہیں جن کے ستون ٹیڑھے اور طنابیں چھوٹی ہیں۔ ایسی قوم ہے جب ان کے وفود بادشاہوں کے درباروں میں جاتے ہیں تو (ذلت وحقارت کے باعث) ان کی مونچھیں دروازوں پر ہی نوچ لی جاتی ہیں۔"

اور اس کا یہ کہنا:

"فرزدق کہتا ہے وہ عنقریب مربع کو قتل کردے گا اے مربع خوش ہوجا تو طویل زمانہ تک زندہ رہے گا۔"

اسی طرح اس کا یہ کہنا:

"اور تغلبی جب کسی کی مہمان نوازی سے بچنا چاہتا ہے تو اپنے چوتڑ کھجانے لگتا ہے بے تکی باتیں کرتا ہے اور مختلف شکلیں بناتا ہے۔"

اور وہ یہ کہتا ہے:

"اے ابن ابوخلید فخر وتکبر چھوڑ دے بلکہ ہر سال (غلامی کی وجہ سے) اپنا جزیہ ادا کرتا رہ، ورنہ تیرے دائیں ہاتھ میں بیل کا سر ہوگا لیکن تیرے ہاتھ میں اس کی لگام نہیں ہوگی۔"

لگتا ہے ہجوگوئی جریر کی گھٹی میں رچ بس گئی تھی وہ ذرا ذرا سی بات پر اور بلاجان پہچان کے لوگوں کو ہجو کا نشانہ بناتا تھا۔ ایک دفعہ یہ ولید بن عبدالملک کے پاس گیا وہاں عدی بن رقاع عاملی بھی بیٹھا ہوا تھا، خلیفہ نے اسے کہا تو اسے جانتا ہے اس نے کہا امیر المومنین میں اسے نہیں جانتا تو خلیفہ نے کہا اس کا تعلق عاملہ خاندان سے ہے، جریر کہنے لگا وہی جس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ تَصْلَى نَارًا حَامِيَةً" "محنت کرنے والے تھکے ہوئے ہوں گے، وہ دہکتی ہوئی آگ میں جائیں گے۔" (الغاشیہ) پھر اس نے بڑا گندا شعر کہا عدی نے بھی اسی طرح کا ایک شعر سنا دیا تو جریر نے اس کی ہجو میں ایک قصیدہ کہہ ڈالا جس کا ایک مشہور شعر یہ ہے۔

"اس میں بندھا ہوا دو سالہ اونٹ کا بچہ پختہ عمر کے مضبوط اونٹ کی طرح حملہ نہیں کرسکتا۔"

شاید اس فحش گوئی اور ایذا رسانی کی طبیعت میں اس کی ماں کی طبیعت کا بہت دخل ہے، وہ اسے اسی طرح دیکھنا چاہتی تھی حتی کہ اس کو یہ آرزو خواب میں بھی دکھائی گئی اس نے حمل کی حالت میں دیکھا ایک رسی اس

کے پیٹ سے نکلی اور لوگوں پر کودنے لگی یکے بعد دیگرے وہ سب کے گلے گھونٹنے لگی جب اس نے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو اسے جواب ملا تیرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا وہ لوگوں اور شعراء کی شدید ہجو کہے گا اور ایذاء پہنچائے گا اسی بناء پر اس نے اس کا نام جریر (رسی) رکھا خواہ اس کی ماں کو یہ خواب آیا ہو یا اس نے اپنے پاس سے بنالیا ہو بہر حال یہ حقیقت ہے کہ اس کی اس خصلت میں بچپن سے ہی اس کی ماں کا بڑا دخل اور قوی اثر تھا۔

مجموعی اعتبار سے جریر کی ہجو گوئی کا پہلو کمزور ہے کیونکہ (خاندانی شرافت و بزرگی میں محرومی کے باعث) اسے دور کی کوڑی لانی پڑتی ہے (یہی اس کا کمزور پہلو تھا) فرزدق اپنی فخریہ شاعری کے علاوہ جریر کو کسی طرح زیر نہ کر سکا اور اس کا جریر کو یہ کہنا بالکل بجا ہے:

"میں تجھ سے المفقا اور المعنی اور المحتبی اور الخالفقات قصیدوں میں سبقت لے گیا ہوں۔"

منفقایا منفقی سے وہ اپنے اس شعر کی طرف اشارہ کرتا ہے:

"اور اگر تو اپنی آنکھ بھی پھوڑ لے تب بھی شرافت کے کارنامے شمار ہوتے وقت دارم جیسا باپ نہیں پا سکتا۔"

اور معنی سے مراد یہ شعر لیتا ہے:

"جریر اگر تو دارم کے مرتبہ تک پہنچنے کی کوشش کرے گا تو تو اپنے آپ کو بڑی مشکلات اور مصائب میں ڈال لے گا۔"

اور المحتبی سے اس کی مراد یہ شعر ہے:

"ایسا گھر جس کے صحن میں زرارہ، مجاشع اور ابوالفوارس نہشل گھٹنے باندھے آرام سے بیٹھے ہیں۔"

اور الخالقات سے مراد اس کا یہ شعر ہے:

"اور مالکات اپنے معاملات عدل و انصاف کے ساتھ کہاں طے کریں گے۔ اور لہرانے والے جھنڈے کہاں نصب ہوں گے؟"

فرزدق اپنے ان اشعار سے مراد وہ قصیدے لے رہا ہے جن میں یہ اشعار ہیں یہی وہ قصائد ہیں جو اس کی ٹھوس شاعری اور اعلیٰ فخر پر دلالت کرتے ہیں۔

فخریہ شاعری میں جریر کا کمزور پہلو، موضوع کے اعتبار سے ہے نہ کہ اسلوب کے لحاظ سے وہ اپنے مدمقابل پر حسن ترتیب، کمال بلاغت، دقیق الفاظ، نزاکت طرز بیان اور کثرت تفنن کی بناء پر بڑھ کر ہے اور آسان شاعری اور مشکل الفاظ کی کمی کی وجہ سے یہ عوام الناس اور شعراء میں زیادہ مقبول ہے جبکہ راوی اور علماء اس کو زیادہ استعمال نہیں کرتے۔

ہجونگاری میں اخطل، فرزدق اور جریر کا مسلک

ہجو میں ان کا مسلک وہی پرانا تقلیدی مذہب اور عمومی انداز ہے اس کے باوجود وہ طبقہ، ماحول اور طبیعت کے اختلاف کی وجہ سے ہجونگاری میں مختلف نظر آتے ہیں۔ [تاریخ ادب عربی ص ۱۶۳ تا ۱۸۰]

اخطل، فرزدق اور جریر کی شاعری پر تبصرہ

اگر ہم مذکورہ بالا تینوں شعراء کی شاعری سے جدید معانی، ترش لب ولہجہ اور کمال عکاسی کو نکال دیں تو ان کی ہجو جحل فریعی، حسان بن ثابت اور حطیئہ جیسے چوٹی کے شعراء کی ہجو کے دائرہ سے خارج نہیں ہوگی، جس کی ابتداء پرانے کھنڈرات کے اوصاف اور تشبیب سے ہوتی ہے اور جس کا دارومدار مفاخرت اور منافرت پر ہوتا ہے، ماضی کے خفیہ گوشوں سے عیوب تلاش کئے جاتے ہیں اور دفعتہً ایک موضوع کو چھوڑ کر دوسرے موضوع کی طرف منتقل ہوجاتے ہیں جریر اور فرزدق کی ہجو گوئی میں سب سے بڑا عیب کثرت تکرار ہے یہ دونوں شاعر اپنے مخالف کے چند واقعات اور عیوب لے بیٹھتے ہیں اور پھر کسی طرح ان سے صرف نظر نہیں کرتے جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں اس کا تذکرہ کیا ہے، اور پھر اس پر کچھ اضافہ نہیں کر پاتے ہر قصیدہ یا تردید میں انہیں ہی ہیر پھیر کر کے مختلف انداز اور مختلف اوزان میں دہراتے ہیں۔ اگر ہم ان دونوں کا ایک ایک قصیدہ پڑھ لیں تو ہمیں اس کے علاوہ دوسرا کوئی قصیدہ پڑھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسی طرح اگر ہم نے اخطل، فرزدق اور جریر کی ہجو گوئی کا مطالعہ کرلیا تو گویا ہم نے اس دور کی تمام ہجویہ شاعری کا مطالعہ کرلیا کیونکہ وہ اسی موارد سے ترتیب شدہ اور اسی طرز پر بنائی جاتی ہے۔ [تاریخ ادب عرب ص ۱۸۰ تا ۱۸۹]

البتہ جماعتی ہجو میں عراقی شعراء کا اسلوب بیان شخصی ہجو گوئی سے ہٹ کر ہے، کیونکہ شخصی ہجو میں وہ بدکلامی اور جھوٹ سے احتراز نہیں کرتے، لیکن جماعتی ہجو میں آپ انہیں جاہلی شعراء کے مسلک پر پائیں گے۔ وہ حسب ونسب پر فخر کرتے ہیں، مال ودولت اور افرادی کثرت کا مقابلہ کرتے ہیں، شریفانہ الفاظ اور پاکیزہ اسلوب اختیار کرتے ہیں حتی کہ وہ اس میں دین، حکومت، علم اور وطن کو بھی شامل کرلیتے ہیں۔ اعشی ہمدانی کے اشعار ملاحظہ کریں جو ابن اشعث کا مددگار ہے۔

"اگر بصری سے تمہاری بھیڑ ہوجائے تو بصری کو لات مار کر نکال دو کیونکہ جو اقلیت میں ہو اور ذلیل ہو اسے دھتکار دیا جاتا ہے، اور کوفی کو گھڑسواروں میں رکھو اور بصری کو ادھر ادھر کے کاموں کے علاوہ کوئی ذمہ داری نہ سونپو، جب تم ہم سے فخر و مباہات کا اظہار کرو تو یاد کرلیا کرو کہ ہم نے جنگ جمل میں تمہارے ساتھ کیا کیا تھا وہ بڑے شیخ جن کی ریش خضاب سے رنگی ہوئی تھی اور وہ سفید اور دامن لٹکا کر چلنے والا خوبصورت نوجوان جب ہمارے پاس مکمل زرہ پوش ہوکر آیا تو ہم نے اسے چاشت کے وقت ہی بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر ڈالا، ہم نے تمہیں معاف کردیا لیکن تم نے ہماری معافی کو بھلا دیا اور تم نے رب ذوالجلال کی نعمتوں کی ناقدری کی۔"

اسی شاعر کی حجاج کے متعلق دینی وسیاسی رجزیہ ہجو دیکھئے:

"جس کا گھر بستیوں والے آسودہ حال کسری کے ایوان میں ہوا اس کی منزل مقصود بہت دور ہے، ثقیف قبیلے میں دو آدمی ایک نمبر جھوٹے ہیں ایک کذاب تو گزر گیا اور دوسرا کذاب یہ ہے میرے رب نے ہمدان

کوثقیف پر غلبہ عطا کردیا ہم نے اس فتنے باز کافر پر غلبہ حاصل کرلیا، جب اس نے فیاض سردار عبدالرحمن کی اطاعت کر لینے کے بعد انکار کرکے سرکشی کی، وہ قحطان سے مڈی دل لشکر کے ساتھ چل پڑا ہے شیطان کے دوست حجاج کو کہہ دو، وہ ہمدان اور مذحج کے لشکر کے ساتھ لڑنے کیلئے جم کر کھڑا ہوجائے بے شک یہ فوج اسے زہر کا پیالہ پلانے والی ہے، اور اسے ابن مروان کے پاس واپس بھیجنے والی ہے۔"

ہجو کی اس قسم کی بقاء اور رواج بہت کم ہے، اس میں ریاء اور منافقت بہت زیادہ ہے۔ شعراء خلفاء سے انعام وبخشش کے لالچ میں بدن کی سلامتی کو اکثر عقیدہ کی سلامتی پر ترجیح دیتے تھے۔ دراصل جماعتی ہجو بھی سیاسی شاعری کی صورتوں میں سے ایک تھی جو اس دور میں رواج پا گئی تھی۔ سیاسی شاعری کا نام دینے سے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ اسلامی شعراء شاعری میں کسی جدید غرض وغایت کے طریقے پر چل پڑے تھے، کیونکہ شاعری میں مقابلہ بازی تو عہد جاہلیت کی طرح عہد نبوت میں بھی جاری تھی بلکہ سیاسی شاعری کہنے سے ہمارا مقصود وہ چند جدید مضامین ہیں جنہیں مختلف لوگوں کی اختلاف آراء حکومتی معاملات میں لیڈروں کی باہمی چپقلش نے شعراء کے دلوں میں القاء کردیا تھا۔ یہ قدیم انداز مختلف صورتوں میں جدید مضامین کی شکل میں سامنے آیا ہے جسے ہم چار قسموں میں تقسیم کرسکتے ہیں:

۱۔ ایسی مدح جس میں لالچ اور معاوضہ کی خواہش ہو جس طرح ابوالعباس اعمی کے یہ اشعار ہیں:

"اے بنوامیہ، جب مختلف جماعتیں یکجا ہوتی ہیں تو مجھے تمہاری مثل کوئی بھی نظر نہیں آتا، فراخی اور دانشمندی میں، جب دانشمندوں کو ان کے باپ دادا کی مشابہت نقصان پہنچاتی ہے، اے بنوامیہ! تم نے اپنے دشمنوں کو اپنے معاملات میں جرات مند بنا دیا لوگوں کا دستور یہ ہے کہ جب انہیں کسی چیز کی خواہش دلائی جائے تو وہ خواہش مند ہوجاتے ہیں۔ لہٰذا تمہارے دشمنوں کو بھی تمہارے متعلق کچھ امید اور لالچ ہوگیا ہے اور انہیں تمہارے متعلق اس امید نے حوصلہ دیا ہے، اگر تم بھی اپنے مخالفین کے ساتھ وہی برتاؤ کرتے جو انہوں نے تمہارے ساتھ کیا ہے تو وہ (تمہاری مخالفت سے) باز آجاتے جسے تم ناپسند کرتے ہو یا سزا کا خطرہ انہیں پلٹنے پر مجبور کردیتا کیونکہ یہ (سزا جرم کرنے سے) روکتی ہے۔"

اور کمیت کے یہ اشعار ملاحظہ کریں:

"بنو ہاشم خاندان نبوت ہیں میں ان کے ساتھ ہوں اور ان کی خاطر بارہا راضی ہوں گا اور ناراض ہوں گا، میں نے ان سے دوستی کی خاطر اپنے دونوں بازو ایک ایسے مقام میں بچھا دیئے ہیں جس کے دونوں کنارے آرام بخش اور وسیع ہیں، میں ان کی خاطر ان کے دشمنوں سے دشمنی کروں گا اور انہیں میری اور مجھے ان کی خاطر تکلیفوں اور ملامتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

اس قسم کی شاعری میں امویوں کا پلڑا بھاری ہے، کیونکہ ان کے پاس مال ودولت کی ترغیب، حکومت کی دھمکی اور میلان قلوب کیلئے مختلف قسم کے اسباب وذرائع موجود تھے۔ اکثر شعراء نے ان کے عہد حکومت

میں ان کی مدح اور حمایت کی اس کا مقصد یا تو ان کے شر سے بچنا تھا یا ان سے بخشش وانعام کا لالچ تھا حتی کہ زبیریوں اور علویوں میں سے وہ لوگ جنہوں نے ان کے مخالفین کی حمایت کی تھی۔ وہ بھی قصر شاہی کی بخششوں کے سامنے اپنی انا اور خودداری کو قائم نہ رکھ سکے۔

۲۔ سیاسی شاعری ہجو کی شکل میں ہوتی ہے جس کی مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں جیسا کہ اعشی ربیعہ نے عبدالملک سے متوجہ ہوتے ہوئے کہا:

"خلافت کا بوجھ اٹھانے میں آل زبیر کی مثال اس اونٹنی کی سی ہے، جس کا بچہ حمل کی مدت پوری ہونے سے پہلے ہی ساقط ہوجائے اور اسے خالی پیٹ چھوڑ دے یا ان کمزور بوجھ اٹھانے والے جانور کی سی ہے جس کی طاقت سے زیادہ بوجھ لادیا جائے تو وہ اسے گرا کرنا کارہ کردے، تم ان کا بندوبست کروان کی طرف سے غفلت کا مظاہرہ نہ کرو ان سرکشوں کو تم کتنی دیر تک مہلت دے چکے ہو، خلافت تم میں ہی ہونی چاہیے ان میں نہیں ہمیشہ تم ہی اس کے ستون اور ملجاو ماوی رہے ہو، وہ تو نیکی کے کاموں پر بندتالوں کی مانند ہوچکے ہیں اب اٹھئے اور اپنی برکات سے ان تالوں کو کھول دیجئے۔"

۳۔ کبھی سیاسی شاعری مصلحت کی بناء پر کوئی تجویز پیش کرنے یا عوام کی رائے معلوم کرنے کیلئے ہوتی ہے جیسے مسکین دارمی کے وہ اشعار ہیں جس سے معاویہ نے اشارۃ کہا تھا کہ وہ ان کے بعد ان کے بیٹے یزید کی بیعت کی تجویز پیش کرے تاکہ وہ اس معاملہ میں عوام کی رائے معلوم کرسکیں۔

"اے امیر المومنین میں اس سواری کو تیز ہانک کر آپ کے پاس لایا ہوں یہ رات کو سوئے ہوئے قطا (پرندوں) کو پھڑکاتی ہوئی آئی ہے۔ کاش مجھے معلوم ہوجاتا کہ ابن عامر اور مروان کی کیا رائے ہے یا سعید کیا کہے گا؟ اے خلفاء کے بیٹو ذرا ٹھہرو، رحمٰن خلافت کو انہیں لوگوں میں رکھے گا جن میں وہ چاہے گا۔ جب اس مغربی ممبر کو اس کا مالک خالی کرجائے گا تو امیر المومنین یزید ہوگا۔"

جب وہ اپنے اشعار سنا چکا تو معاویہ نے کہا:

"اے مسکین جو کچھ تو نے کہا ہم اس تجویز پر غور کریں گے اور اللہ سے استخارہ کریں گے۔"

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ولید کے ساتھ پیش آیا جب اس نے اپنے بھائی ولی عہد عبدالعزیز کو ہٹا کر اپنے بیٹے ولید کو ولایت دینا چاہی تو اس نے نابغہ شیبانی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کی موجودگی میں یہ تجویز پیش کرے چنانچہ اس نے کہا:

"تیرا بیٹا اپنے باپ کی حکومت کا زیادہ حقدار ہے تیری نافرمانی کرنے والے ذلیل وخوار ہوں گے۔ داؤد عدل وانصاف کرنے والے تھے ان کی سیرت کے مطابق فیصلہ کر پھر ابن حرب (معاویہ) کیونکہ یہ لوگ مصلح اور خیر خواہ تھے۔ یہ بہترین تھے ان کے طریقہ پر چلنا تم سلامت رہو اور ان کی طرح محنت اور لگن سے خدمات انجام دینا، یہ سن کر عبدالملک مسکرا دیا لیکن منہ سے کوئی بات نہ کی لوگ سمجھ گئے کہ یہ اس کے حکم سے ہوا۔"

۴۔کبھی سیاسی شاعری اختلاف رائے اور مسلک کی وضاحت کیلئے ہوتی ہے۔سیاسی اختلاف رائے کی مثال وہ واقعہ ہے جو کعب بن جعیل اور نجاش کے درمیان پیش آیا جب وہ حضرت علی اور معاویہ میں سے کسی ایک کو افضل بتانے میں اختلاف کررہے تھے تو کعب نے یہ اشعار کہے۔

''میں دیکھتا ہوں کہ شامی، عراقیوں کی حکومت ناپسند کرتے ہیں اور عراقی ان کو اچھا نہیں سمجھتے۔ہرایک اپنے مخالف سے بغض وعداوت رکھتا ہے اور ہرایک اس دشمنی کو اپنا مذہبی فریضہ سمجھتا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ ہمارے امام ہیں اور ہم سے کہتے ہیں کہ ہم ابن ہند (معاویہ) پر راضی وخوش ہیں۔انہوں نے کہا کہ تم ان کے سامنے سر جھکادو ہم ان کی اطاعت نہیں کریں گے۔ہرایک اپنے پاس چیز پر نازاں وفرحاں ہے وہ اپنے ہاتھ کی لاغر چیز کو موٹا سمجھتا ہے۔حضرت علی میں کسی قسم کا کوئی نقص نہیں ہے سوائے اس کے کہ نئے نئے افراد کو اپنے گروہ میں شامل کرلیتے ہیں۔نہ وہ خوش ہوتے ہیں نہ ناراض، نہ وہ روکنے والوں سے ہیں اور نہ حکم دیتے ہیں۔نہ کسی کو دکھ پہنچاتے ہیں اور نہ کسی کو تکلیف پہنچا کر خوش ہونے والوں میں سے ہیں یقیناً اس کے بعد کچھ نہ کچھ ضرور ہوگا۔''

جب حضرت علی کو یہ اشعار پہنچے تو انہوں نے نجاش کو ان کے اشعار کا جواب دینے کو کہا:

''معاویہ جو نہیں ہوا اس کو چھوڑ دو جس سے تمہیں خطرہ تھا وہ اللہ نے سچ کر دکھایا۔حضرت علی عراقیوں اور حجازیوں کو تمہارے مقابلے پر لے آئے ہیں اب تم کیا کرو گے؟ وہ ایسے لوگ ہیں جو غبار جنگ میں نیزہ بازی اور شہسواروں کو گرانا اپنا مذہب سمجھتے ہیں۔یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے لشکروں کو شکست دی طلحہ وزبیر کے لشکر اور باغیوں کی جماعت کو ہرایا، اگر تم لوگوں کو عراقی حکومت پسند نہیں ہے تو پرانے زمانے سے جسے تم ناپسند کرتے تھے ہمیں بھاتی رہی ہے۔وائل کے بھائی کعب سے کہہ دو جس نے لاغر (ناکارہ) چیز کو موٹا (کارآمد) سمجھ لیا تم نے علی اور اس کی جماعت کو ابن ہند (معاویہ) کے برابر کردیا کیا تمہیں شرم نہیں آئی؟''

مذہبی وضاحت کے سلسلہ میں کثیر عزہ کے یہ اشعار ہیں جن میں وہ امامت کے بارے میں شیعہ نقطہ نظر کی تشریح کرتا ہے۔

''سنو امامت قریش میں ہوگی والیان برحق ٹھیک چار ہیں۔ایک حضرت علی اور تین ان کے بیٹے ہیں وہ (رسول اللہ کے) نواسے ہیں ان کے متعلق کوئی راز نہیں ہے۔ان نواسوں میں سے ایک نواسا تو ایمان اور نیکی کی تصویر ہے اور ایک نواسے کو کربلا نے غائب کردیا ہے۔اور ایک نواسے کو اس وقت تک موت نہیں آئے گی جب تک وہ گھوڑسوار دستے کی قیادت نہ کرلے اور ان کے آگے جھنڈا ہوگا۔وہ رضویٰ پہاڑ میں چھپا ہوا ہے ایک زمانہ تک لوگوں میں نمودار نہیں ہوگا اس کے پاس شہد اور پانی ہے۔''

اسی طرح ثابت قطنہ اموی شاعر ہے جو اپنے مرجئہ مذہب کی وضاحت اس طرح کرتا ہے:

''اے ہند! میری بات غور سے سن ہمارا طریقہ یہ ہے کہ ہم صرف ایک خدا کی عبادت کرتے ہیں اور اس

کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔مشتبہ امور کا فیصلہ خدا پر چھوڑ دیتے ہیں اور ظالم وسرکش کے بارہ میں سچ بات کہہ دیتے ہیں۔تمام مسلمان اسلام پر ہیں اور مشرکوں نے اپنے دین میں نئی نئی جماعتیں بنالی ہیں۔میں نہیں سمجھتا کہ دنیا میں کوئی گناہ کسی کو شرک کی حد تک پہنچادے جب تک وہ خدا کی توحید کے قائل ہیں۔''

آگے چل کر وہ کہتا ہے:

''ہر خارجی اپنے دعوی میں خطا کار ہے خواہ وہ اپنے دعوی کے مطابق کتنی ہی عبادت واجتہاد کرتا رہے۔رہ گئے حضرت علیؑ وحضرت عثمانؓ تو وہ اللہ کے بندے ہیں وہ شروع سے اللہ کے موحد بندے تھے۔اللہ ہی جانتا ہے وہ اس کے پاس کیا اعمال لے کر حاضر ہوں گے ہر بندہ اللہ سے اکیلا ہی ملے گا۔''

یہی وہ مضامین ہیں جنہیں سیاسی حالات وغوارض نے شاعری میں داخل کیا۔ان مثالوں کو دیکھ کر شاید آپ یہ رائے قائم کرسکتے ہیں کہ ان میں سے اکثر کی بناوٹ ڈھیلی، قافیہ بے ڈول اور تکلف نمایاں ہے۔بعض صورتوں میں تو یہ اس نظم سے مشابہ ہیں جس میں نثر کو نظم کی شکل دے دی گئی ہو۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا وجدان سے تعلق بہت کمزور ہے ان میں سے اکثر اشعار طبیعت پر بوجھ، جبر یا خوشامدانہ شعور یا بجھی ہوئی طبیعت کی عکاسی کرتے ہیں۔اخطل، فرزدق جریر کی شاعری اور مذکورہ شعراء کی شاعری کے درمیان وہی فرق ہے جو اپنے قلبی احساسات وشعور کی ترجمانی کرنے والوں اور اپنے قبیلہ اور ذات کی مدافعت کرنے والوں یا ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کی زبان اپنی ہے لیکن ترجمانی دوسروں کے دل کی کرتی ہے اور جو (کرایہ کے ٹٹو) اور لالچ کی خاطر اپنی جماعت کو چھوڑ کر دوسروں کا ساتھ دیتے ہیں۔اس کے باوجود کچھ فرقہ پرست شعراء ایسے بھی ہے جنہوں نے دینی عقائد، نفسانی احساسات اور عصبیت پر مبنی میلانات کے زیر اثر شاعری کی ہے ان کی شاعری میں حسن خلوص، عمدہ یقین اور قوت حقیقت پائی جاتی ہے ان میں شیعہ اور خارجی شعراء شامل ہیں۔

۳۔دور بنی عباس

خلفائے بنی عباس کا دور خالص عرب دور تھا، وہ فلسفہ سے دور لیکن شعروشاعری اور خطابت سے زیادہ رغبت رکھتے تھے، ان کے دور میں شعراء کی روش اور انداز بدل گیا، ابوتمام طائی اس دور کا شاعر تھا اور اس کا نظریہ فلسفی تھا، ابوعبادہ کا شمار اس کے شاگردوں میں سے ہوتا ہے۔بنی عباس کے دور میں شعر کا محور خلفاء، امراء اور وزراء ہی ہوتے۔چنانچہ شعراء انعام وجائزہ حاصل کرنے کیلئے انکی شان میں اشعار کہتے۔اس زمانے میں اشعار کو اپنے فرقے کے فروغ کیلئے استعمال کرنے کی روش بھی جاری رہی۔

کہتے ہیں، بنی عباس کے دور میں بھی حکام یا ان کے مخالفین کے پاس، موثر اسلحہ شعروشاعری ہی تھا، شعر کے ذریعے لوگوں کو دعوت دی جاتی اور شعر ہی کے ذریعے لوگوں کی مذمت بھی کی جاتی تھی، اس سلسلے میں کچھ شعراء کا ذکر خاندان بنی عباس اور علویوں کے ہاں ملتا ہے جو بنی اُمیہ کے زوال کیلئے ہمسفر کاروان رہے،

تاہم بنی عباس کے برسر اقتدار آنے کے بعد علویوں کو اپنے ساتھ ہونے والے دھوکے کا احساس ہوا۔ بنی عباس کے دور میں کثیر عزہ اور کمیت علویوں کے حامی شاعر کہے جاتے تھے۔ کثیر اعزہ ۱۰۵ھ میں اور کمیت ۱۲۶ھ میں موجود تھے، سید حمیری اور دعبل خزاعی بنی عباس کے ابتدائی دور تقریباً ۷۳ ہجری میں موجود تھے، کہتے ہیں، سید حمیری علوی شاعر تھے لیکن بنی عباس کے ڈر سے یا انعام کے لالچ میں ان کی تعریف کرتے تھے جیسا کہ بنی عباس کی مدح میں سید حمیری نے یہ شعر کہا:

"اے خاندان ہاشم! خلافت کو وصول کرو اور فراموش شدہ رسومات کو تازہ کرو اور تاج کو اپنے سے مخصوص کرو۔"

بنی عباس کے دور میں شہرت پانے والے شعراء درج ذیل ہیں:

۱۔ مروان بن ابی حفصہ

مروان، بنی اُمیہ کے آخری اور بنی عباس کے ابتدائی دور کا شاعر تھا، یہ سید حمیری اور دعبل خزاعی کا سخت مخالف تھا۔ ابتدائی دور میں بنی اُمیہ کا مداح و مدافع تھا، بنی امیہ کے آخری خلیفہ مروان تمار کا حاجب اور اس کے مقربین میں سے تھا، مروان جنگوں میں اسے اپنے ساتھ رکھتا، جب بنی امیہ کی خلافت کو زوال ہوا تو یہ بنی عباس کے حق میں قصیدہ زن ہوگیا اور علوی شاعروں سے مناظرہ کرنے لگا، بنی عباس کو خلافت کیلئے علویوں سے زیادہ حقدار سمجھتا تھا، اس نے اپنے ایک شعر میں علویوں کو "اولا دِاُناس" اور بنی عباس کو "اولا دذکور" گردانا ہے۔

۲۔ ابوتمام۔ (۱۸۰۔۲۲۸ھ/۷۹۶۔۸۴۳م)

حبیب بن اوس طائی مضافات دمشق میں جاسم نامی بستی میں پیدا ہوا، اس کا باپ پیشے کے اعتبار سے جولاہا تھا جو بعد میں دمشق منتقل ہوا، ابوتمام بھی اپنے باپ کے ساتھ کام میں ہاتھ بٹاتا رہا، جب جوان ہوا تو دمشق چھوڑ کر مصر گیا اور جامع عمرو بن عاص میں لوگوں کیلئے پانی بھرنے لگا اور ساتھ ساتھ علماء ادب کی مجلسوں میں بیٹھنے لگا ابوتمام مسلسل اشعار حفظ کرنے اور شعراء کی نقلیں بھی اتارنے لگا۔ اپنے اس عمل میں کبھی کامیاب ہوتا اور کبھی غلطی کر جاتا، تا آنکہ وہ شاعری کے اس بلند مقام پر پہنچ گیا جہاں اس کے عہد میں کوئی اور نہ پہنچ سکا، اس کی شاعری نے ادب کی دنیا میں ہر طرف دھوم مچادی۔ وہ انعامات و کرامات کی غرض سے مصر کو چھوڑ کر معزز لوگوں کی خدمت میں پہنچ کر انعام طلب کرتا رہا۔ ادب و مدح کے شوق رکھنے والے لوگوں میں اسے کچھ ایسی عظیم مقبولیت حاصل ہوئی کہ جس کی نظیر کسی دوسرے شاعر میں نہیں ملتی حتی کہ کوئی دوسرا شاعر اس کی زندگی میں شاعری کے ذریعہ ایک درہم بھی حاصل نہ کر سکا۔ پھر یہ احمد بن معتصم کے پاس پہنچا اور اس کی مدح میں قصیدہ کہا تو اس نے انعام میں موصل کا ڈاکخانہ اس کی تحویل میں دے دیا، یہ صرف دو سال تک اس کا سرپرست رہا، اس نے ابھی چالیس سال کی عمر بھی نہیں گزاری تھی کہ اس کا انتقال ہوگیا۔

حلیہ اور اخلاق

ابوتمام گندمی رنگ کا طویل القامت، فصیح اور شریں کلام تھا، گفتگو میں قدرے ھکلاتا تھا، ابوتمام نہایت

ذہین، حاضر دماغ اور قوی یادداشت کا مالک تھا۔ کہا جاتا ہے اسے قصائد اور قطعات کے علاوہ چودہ ہزار ارجوزے یاد تھے، اس کی دو کتابیں حماسہ اور فحول الشعراء اس کی قابلیت کا ناطق ثبوت ہیں، اس کی ذہانت اور برجستہ گوئی اس واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے جب اس نے احمد بن معتصم کی مدح میں اپنا مشہور قصیدہ سینیہ پڑھا تو وہ اس کے مطلع میں کہتا ہے۔

"پرانے کھنڈرات کا حق ادا کرنے کیلئے ان پر کچھ وقت کیلئے ٹھہر جانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

پھر وہ چلتے چلتے یہاں تک پہنچا:

"اے ممدوح تو پیش قدمی کرنے میں عمرو، سخاوت میں حاتم، بردباری میں احنف اور ذکاوت میں ایاس ہے۔"

تو حاضرین میں سے ابو یوسف کندی فلسفی بول اٹھا، آپ نے جو امیر کی خوبیاں گنی ہیں امیر تو ان سے بالاتر ہے کیونکہ تو نے امیر کو عرب کے بدوؤں سے تشبیہ دی ہے ابوتمام نے کچھ دیر کیلئے سر جھکایا پھر فی البدیہہ کہا:

"میں نے سخاوت و شجاعت میں جو ممدوح سے کم درجہ کی شخصیتوں کو بطور تشبیہ پیش کیا ہے تو اسے برا ماننے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالی نے خود اپنے نور کیلئے جو طاق اور چراغ کی مثال پیش کی ہے یہ اس کے بے مثال نور کے سامنے ہے جو بہت کم حیثیت رکھتا ہے۔"

جب اس سے یہ قصیدہ لیا گیا تو اس میں یہ دونوں شعر نہ تھے تو لوگوں کو تعجب ہوا۔ اعتراض کرنے والے فلسفی نے خلیفہ سے کہا یہ جو مانگیں انہیں دیجئے، کیونکہ اس کی فکر اس کے جسم کو اسی طرح کھا جائے گی جس طرح تیز ہندی تلوار کو اس کی نیام کھا جاتی ہے اور یہ زیادہ دیر زندہ نہیں رہے گا، چنانچہ خلیفہ نے اسے موصل کے محکمہ ڈاک کا انچارج بنادیا۔ [تاریخ ادب عربی ص ۳۹۸ تا ۴۰۰]

ابوتمام کی شاعری

ابوتمام مولدین کے دوسرے طبقہ کے تمام شعراء کا سرکردہ ہے اس نے متقدمین و متاخرین کے تمام معانی کو یکجا کر دیا، اس کے دور میں تمدن ترقی کر رہا تھا اور علوم کے ترجمے ہو رہے تھے۔ اس آگاہی کی بناء پر اس کی عقل پختہ اور اس کا خیال دقیق ہوا چنانچہ اس نے اپنے لئے ایک ایسا منفرد اسلوب اختیار کیا جس میں اس نے آسان عبارت پر معنی کی عمدگی کو ترجیح دی، یہ سب سے پہلا شاعر ہے جس نے عقلی دلائل سے کثیر استدلال کیا اور مخفی کنایات کو استعمال میں لایا۔ اگرچہ اس کی وجہ سے کہیں کہیں تعقید بھی پیدا ہوگئی ہے، لیکن اس نے دیکھا کہ اس کے کلام میں سلالت الفاظ کا فقدان پیدا ہوگیا ہے تو اس نے اپنی اس کمی کو تجنیس مطابقت اور استعارہ سے پر کرنے کی کوشش کی۔ کہیں اسے خوش اسلوبی سے نبھایا اور کہیں بات نہ بن سکی، گویا یہ نقائص چاند پر جھائیوں کی طرح نظر آنے لگے اس کے باوجود اس کا خامیوں سے پاک کلام اس قدر زیادہ ہے کہ نہ تو اس سے پہلے کسی شاعر کا ہے اور نہ بعد میں آنے والوں میں سے کوئی اس کا ہم پلہ ہے۔ جدید معانی اور منتخب الفاظ میں ضرب الامثال اور حکم کو اس احسن انداز سے سمویا ہے کہ ایک طرف تو اس سے ادب کے سرمایہ میں

اضافہ ہوا ہے اور دوسرا یہ مابعد آنے والے ترقی کرنے والے لوگوں کیلئے مشعل راہ ہے اس کے بعد متنبّی اور ابوالعلاء معری نے بھی اس کے طریقے کی پیروی کی۔ اس پر حکمت کا اس قدر غلبہ ہے کہ لوگوں میں مشہور ہوگیا "ابوتمام اور متنبّی حکیم ہیں شاعر تو بحتری ہے۔"

اس کی شاعری کے متعلق رائے میں کثیر اختلاف پایا جاتا ہے، کچھ لوگوں نے تو اس کی حمایت میں غلو کرتے ہوئے اسے اگلے پچھلے تمام شعراء سے مقدم کیا جبکہ کچھ نے اس کی خوبیوں کو پس پشت ڈال کر صرف اس کی خامیوں کو اچھالا۔ بہر حال اس کے مداحوں کو غلبہ حاصل ہے بڑے بڑے رئیسوں اور امیروں میں اسے جو احترام حاصل تھا اس کے مخالفین بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے۔ ابوتمام نے جب محمد بن عبدالملک زیات کی مدح میں قصیدہ کہا تو اس نے کہا ابوتمام! تم اپنی شاعری کو الفاظ کے جوہر اور انوکھے معانی سے جو آراستہ و مزین کرتے ہو وہ حسن وعمدگی تو دوشیزاؤں کے موتیوں کے مرصع ہاروں میں بھی نہیں ملتی، تمہیں جو تمہاری شاعری کے عوض بڑے سے بڑا انعام دیا جاتا ہے، وہ تمہاری شاعری کے موازنہ میں بہت کم رہتا ہے، اس کی شاعری کا دیوان کئی مرتبہ شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے زمانہ جاہلیت و اسلام کی عمدہ شاعری کو جمع کر کے "الحماسہ" اور "فحول الشعراء" تالیف کی ہیں اس نے اس انتخاب میں اس قدر رموز ونیت اور عمدگی کا مظاہرہ کیا ہے کہ لوگ یہ کہنے لگے کہ اس کا انتخاب اس کی شاعری سے بڑھ کر ہے۔

۳۔ابوعبادہ بحتری۔ (۲۰۶۔۲۸۴ھ/۸۲۱۔۸۹۷م)

ابوعبادہ ولید بن عبید اللہ طائی، خالص عربی النسل تھا، یہ حلب اور فرات کے درمیان منبج نامی بستی میں ۲۰۶ھ میں پیدا ہوا، باپ طائی اور ماں شیبانیہ تھی، بنی طے وغیرہ کے قبائل میں دیہات میں پرورش پائی، اس پر فصیح عربی زبان کا غلبہ تھا، پھر یہ بغداد چلا گیا اور وہاں اس کی ملاقات ابوتمام سے ہوئی، پھر یہ اسی کا ہو رہا، اس کی شاگردی اختیار کی اور بدیع میں اس کے طریقے کی پیروی اختیار کی، اکثر علماء ادب سے روایت کی جن میں ابوالعباس مبرد بھی شامل ہے یہ ابوتمام کے زیر سایہ رہا اور اس کے نقش قدم پر چلتا رہا۔ ہم نسب یعنی طائی ہونے کی وجہ سے ابوتمام نے اس کی بہت حوصلہ افزائی کی حتی کہ ایک دن بحتری کو کہنے لگا بیٹے خدا کی قسم! میرے بعد کل تو شاعری کا سردار مانا جائے گا۔ اللہ تعالی نے اس کی پیشین گوئی سچ کر دی ابوتمام کی وفات کے بعد گھر گھر بحتری کے چرچے ہونے لگے، بحتری وقت کے تمام شاعروں کا ادب اور شعر میں امام بن گیا پھر یہ عراق میں متوکل اور اس کے وزیر فتح بن خاقان کی خدمت گزاری میں رہا حتی کہ وہ دونوں اس کے سامنے قتل ہوئے اور یہ وہاں سے منبج واپس آ گیا، کبھی کبھی بغداد سر من رای کے رئیسوں کے پاس چلا جاتا اور ان کی مدح کہتا تا آنکہ ۲۸۴ھ میں فوت ہوگیا۔

اخلاق وعادات

بحتری اپنے ادب وفضل اور نزاکت طبع کے باوجود کائنات ارضی پہ سب سے میلے کپڑے پہننے والا، اپنے

اوپر اور غیروں پر حد سے زیادہ کنجوس اور اس کے شعر سنانے کا انداز نہایت ناپسندیدہ تھا یہ شعر گوئی کے دوران باچھیں پھیلاتا اور جھک کر ایک طرف کو چلتا کبھی پیچھے ہٹتا اور ایک مرتبہ سر کو دوسری مرتبہ کندھوں کو حرکت دیتا۔ ہر شعر سنا کر اپنی آستین کو ہلاتا اور خود ہی کہتا۔ خدا کی قسم میں نے کیا خوب شعر کہا ہے پھر لوگوں سے داد حاصل کرنے کی غرض سے کہتا تمہیں کیا ہو گیا ہے تم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ تیرے شعر سنانے کے کیا کہنے؟ خدا کی قسم یہ وہ کلام ہے جس کی مثال لانے سے سبھی شاعر قاصر ہیں، لیکن وہ منصف مزاج تھا صاحب فضل کی فضیلت کا اعتراف کرتا تھا فضول دعویٰ نہیں کرتا۔ کسی نے اس کے اشعار سن کر کہا آپ تو ابوتمام سے بھی بڑے شاعر ہیں تو کہنے لگا تیرے اس طرح کہنے سے نہ مجھے کوئی فائدہ ہوگا اور نہ ابوتمام کو کوئی نقصان ہوگا۔ خدا کی قسم میں تو اسی کی وجہ سے روٹی کمار ہا ہوں میری خواہش ہے جیسے لوگ کہتے ہیں ایسے بن جاؤں اور کہنے لگا بخدا میں تو اس کا متبع ہوں اور اسی کی پناہ میں رہنے والا ہوں، اس کی ہوا کے سامنے میرا جھونکا رک جاتا ہے اور اس کے آسمان کے مقابلہ میں میری زمین پست ہو جاتی ہے۔

بحتری کی شاعری

بحتری شاعری میں ابوتمام کے نقش قدم پر چلا اور بدیع میں اس کی طرز اپنائی ہاں البتہ یہ معنی کیلئے نہایت حسین الفاظ کا انتخاب کرتا ہے "وہ شعر کہنا چاہتا ہے لیکن گانے لگ جاتا ہے۔" جیسا کہ ابن اثیر نے اس کے متعلق کہا ہے، اس نے معانی علم ومنطق کے قضیوں سے نہیں، بلکہ تخیل کے الہام اور فطرت کے جمال سے اخذ کئے ہیں۔ اس نے شاعری کے ختم شدہ حسن وجمال کو از سر نو جاری کیا، اسی طرف متنبّی اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے: "میں اور ابوتمام تو حکیم ہیں شاعر تو اصل میں بحتری ہے۔" علاوہ ازیں شوکت الفاظ، شیرینی اور فصاحت میں اس کا ایک خاص اسلوب ہے جس کی بناء پر وہ اپنے استاذ ومربی ابوتمام سے بھی آگے نکل چکا ہے، اس کے بعد آنے والے شعراء نے اس کی اتباع کی ہے حتی کہ وہ اہل شام کے اسلوب سے پہچانا جانے لگا۔

بحتری نے ہجو کے علاوہ باقی تمام فنون شعر میں طبع آزمائی کی ہے، اس نے ہجو یہ شاعری بہت کم کی ہے اس میں عمدہ اشعار بہت ہی تھوڑے ہیں، بعض کہتے ہیں اس نے اپنی موت سے قبل ہجو یہ شاعری کو جلا دیا۔ یہ زیادہ صحیح بات ہے۔ بہت زیادہ شعری کلام ہونے کی بناء پر اس کے بعض اشعار بالکل سطحی ملتے ہیں، عمدہ مدح کہنا اور اس میں اعتدال کو ملحوظ رکھنا، ممدوح کے اخلاق وعادات کی پوری پوری منظر کشی، بڑے بڑے محلات کے اوصاف بیان کرنے اور دلکش عمارتیں مثلاً ایوان کسری کا وصف، متوکل کا تعمیر کردہ تالاب اور معتز باللہ کے محل کا وصف، اس کی شاعری کی امتیازی خصوصیات ہیں۔ اس کے تمام قصائد کی ابتدا نشیب سے ہوتی ہے، ابوبکر صولی نے اس کے اشعار کو جمع کر کے اسے حروف تہجی کے مطابق ترتیب دیا ہے، اس دیوان کے علاوہ اس کی کتاب معانی الشعر اور حماسہ البحتری ہے جو ابوتمام کے حماسہ کی طرح ہے، لیکن بحتری کا حماسہ

کثرت ابواب اور ناقص شاعری سے پاک ہونے میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے، یہ حماسہ بیروت سے شائع ہو چکا ہے۔[تاریخ ادب عربی ص ۴۰۲تا۴۰۴]

۴۔ابوفراس ہمدانی (۳۲۰۔۳۵۷ھ/۹۳۲۔۹۶۸م)

سعید بن حمدان، موصل کے امراء میں سے تھا، ابوفراس کا سلسلہ نسب حمدان بن حمدون تغلبی سے ہے جس کے آٹھ فرزند تھے جن میں ابوالہیجاء، والد سیف الدولہ، ابواسحاق ابراہیم، ابوالعلی سعید والدِ ابی فراس ابوولید سلیمان، ابوسرایا نصر، علی، ابوعلی الحسین، ابوسلیمان مزرفن شامل ہیں۔ یہ لوگ موصل کے ایک قلعے میں رہتے تھے، تیسری صدی کے وسط میں حمدان بن حمدون کے ہاتھوں قدرت آئی، وقتاً فوقتاً یہ روم کے خلاف جنگ کیلئے نکلتے، انھوں نے طویل مسافت تک رومی سلطنت میں مداخلت کی اور بہت سے علاقے کو آزاد کرا کر اس کے گرد دیوار بندی کی یہاں تک منطقہ ملطیہ تک ستر ہزار دینار خرچ کر کے ایک دیوار کھینچی۔

یہ بنی عباس کے زیر سایہ حکمرانی کرتے تھے، ان کا نام بنی عباس کے دور میں ۲۵۴ھ میں اس وقت منظر عام پر آیا، جب مساور بن عبدالحمید اشاری نے جنگ کا ارادہ کیا، اس کے خلاف حسن بن ایوب تغلبی کی حمدان بن حمدون نے پشت پناہی کی۔ موصل میں جو بھی جنگ ہوتی اس میں کبھی ان کو شکست ہوتی اور کبھی فتح، تاہم اس سے ان کا اقتدار وقتاً فوقتاً عروج پکڑتا گیا۔ یہ خوارج سے کئی بار نبرد آزما ہوئے یہاں تک ان کے بڑھتے ہوئے نام سے خلیفہ معتضد کو تشویش لاحق ہوئی، چنانچہ ۲۸۱ھ میں وہ حمدان سے مقابلے کیلئے نکلا تا کہ قلعہ ماردین پر قبضہ کرے اور وہاں موجود دولت کو اپنے قبضے میں لے، حمدان فرار ہوئے جب اطراف سے ان کی حمایت ختم ہوگئی تو ان کیلئے چارہ نہ رہا کہ وہ معتضد کے خیمے میں امن لیں۔ اس پر انہیں زندان بھیج دیا گیا، یہاں تک ان کا بیٹا حسین خلیفہ پر غالب ہوا خلیفہ نے اسے آزاد کر دیا اس کے بعد سے یہ خلافت کیلئے ایک تلوار ثابت ہوئے یہ جس میدان میں داخل ہوتے کامیاب لوٹتے۔ اس عرصے میں خلافت کو قرامطہ سے خطرہ لاحق ہوا تو خلیفہ نے حسین بن حمدان کو ان سے مقابلے کیلئے روانہ کیا، اس نے انہیں شام کی طرف بھگا دیا اور لشکر کے رئیس کو قتل کر دیا جب قرامطیوں نے اردن پر قبضہ کیا تو حسین وہاں گیا یہاں تک کہ وہ سماوا فرار ہو گئے اس طرح حسین خلافت میں بیک وقت تنہا قائد لشکر ہی نہیں بلکہ صاحب رائے اور مشاور بھی تھا، یہاں تک ایک دفعہ اس نے بعض قائدین لشکر کے ساتھ مل کر خلیفہ مقتدر کو ۲۹۶ھ میں خلع پر آمادہ کیا اور نئے خلفیہ کو نصب کیا، لیکن وہ نیا خلیفہ کامیاب نہ ہو سکا تو اسے عزل کر کے قتل کر دیا گیا۔

مقتدر دوبارہ خلافت پر آیا اور حسین بن حمدان اور اس کے ساتھیوں کے تعاقب میں لگا، کیونکہ انھوں نے اسے معزول کیا تھا، حسین وہاں سے فرار ہو گیا خلیفہ نے اس کے خلاف اس کے بھائی ابی الہیجاء سے مدد مانگی دونوں کے مابین جنگ ہوئی، لیکن ایک دوسرے پر کامیاب نہ ہوئے، یہاں تک کہ ابن فرات درمیان میں آیا جس پر خلیفہ نے انھیں بخش دیا، یہ واپس بغداد آیا خلیفہ نے اسے قم اور کاشان کا والی بنایا، حسین بن حمدان

اپنے بھائیوں کے مابین شجاعت وجواں مردی میں اپنا مقام رکھتا تھا۔

اولاد حمدان میں سے ایک ابوفراس کے والد ابوالعلاء سعید تھے جو خلیفہ مقتدر کی مجلس میں بڑا مقام رکھتے تھے یہ بھی اپنے بھائیوں کی طرح شجاع اور جنگجو تھے، جب مقتدر کے قصر پر ہجوم ہوا تو ابوالعلاء اس وقت جنگ کیلئے آمادہ نہیں تھے، خلیفہ نے اس سے مدد مانگی تو اس نے حملہ آوروں کو زخمی کیا، سعید نے خلیفہ اور اس کے وزیر ابن مقلہ کے گھر میں جنگ کی اسی طرح اس نے بنی سلیم سے جنگ کی حجاج کو لوٹنے والوں سے جنگ کی، اسی طرح موصل، دیار ربیعہ وغیرہ میں والی تھے، لیکن ان کے بھائی ناصر الدولہ نے ان کو قتل کیا، تا کہ حکومت ان کیلئے مخصوص ہو جائے، اس بات پر ان کے بیٹے ابوفراس فخر کرتے تھے یہ اپنے چچاؤں پر بھی فخر کرتے تھے۔[الادب القدیم :ص ۸۱۹]

تعجب اس بات پر ہے کہ یہ سب امراء دیار ربیعہ اور موصل پر وقتاً فوقتاً حکمران رہے حتی خود حمدون کے خاندان نے اسی اقتدار کیلئے آپس میں جنگ کی۔ ابوالہیجاء نے اپنے بھائی حسین کے ساتھ جنگ لڑی ناصر الدولہ نے سعید کو قتل کیا، یہ عمل صرف حصول اقتدار کیلئے کیا گیا، انہوں نے موصل کو اپنے لئے انتخاب کیا، کیونکہ یہاں بہت سی خیرات اور خصوصیات جمع تھیں، یہاں حمدانیون سے ہمدردی رکھنے والے متعصب عرب تھے جو دیار ربیعہ، دیار مضر، دیار بکر میں ہوتے تھے۔ ابی الہیجاء عبداللہ بن حمدان اپنے بھائیوں میں واحد بھائی تھا ان کیلئے موصل کا اقتدار سب سے زیادہ تین بار عزل ہوئے دوبارہ امیر ہوئے۔ ۳۱۷ھ کو قتل ہوئے اور ان کے دوسرے بھائی جو سیف الدولہ وہ حلب میں امیر ہوئے، ۲۹۳ھ سے موصل میں بنی حمدان کی حکومت قائم ہوئی، ابوالہیجاء ۲۹۳ھ سے ۳۱۷ھ تک دو دفعہ معزول ہوئے۔ ۳۰۱ھ کو معزول ہوئے پھر ۳۰۳ھ کو معزول ہوئے۔

سعید بن حمدان موصل پر قبضہ کرنا چاہتا تھا لیکن حسن نے سعید کے ساتھ حیلہ بازی کی اور اسے ۳۲۳ھ میں قتل کیا، اسی طرح بغیر کسی رقیب کے حسن کا راستہ ہموار ہوا پھر وہ دو سالہ ناصر الدولہ کے نام سے اقتدار پر رہا۔ موصل میں حمدانیوں کا آغاز یہیں سے ہوا دوسری طرف سے خلیفہ ترکیوں کی وجہ سے دارالخلافہ میں تھے اور ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں یہاں سے ناصر الدولہ موصل سے بغداد کی طرف بڑھ گیا، بغداد کی حکومت اس کے ہاتھ آئی، بغداد میں خلیفہ لشکر کیلئے پریشان ہوتا تو فوراً حمدانیوں کو بلاتا۔ ۳۳۰ھ کو بریدیں بغداد میں داخل ہوئے اور خلیفہ متقی اپنے لئے پناہ گاہ تلاش کرنے لگا، اس بارے میں موصل سے بہتر کوئی جگہ نظر نہ آئی، جہاں امیر حمدانی طاقت وقدرت کے حامل تھے اور اس نے ان کو تازہ امیر بنایا تھا، خلیفہ موصل کی طرف گیا اور اپنے ساتھ امیر الامراء ابوبکر محمد بن رائق کو لے گیا۔ ناصر الدولہ چونکہ اقتدار کا خواہش مند تھا اس نے اپنے اقتدار کو مستحکم کرنے کیلئے، ایک آدمی کو ابوبکر محمد بن رائق کو قتل کرنے کیلئے بھیجا۔ ناصر الدولہ نہیں چاہتا تھا کہ اس فرصت کو ضائع کرے، لہٰذا ایک بڑا لشکر لے کر بغداد گیا اور اس کی قیادت اپنے

چھوٹے بھائی اصغرعلی کودی، جونہی یہ لشکر بغداد میں داخل ہوا بریدیین وہاں سے فرار ہوگئے خلیفہ اپنے دربار میں داخل ہوا تو حسن کو ناصر الدولہ اور علی کو سیف الدولہ کا لقب دیا گیا، بغداد میں قصر میں ناصر الدولہ امیرا لامراء رہے اور اپنے نام سے سکہ جاری کیا، اس کے ساتھ اس کے بھائی کا ستارہ بھی چمک گیا تو خلیفہ متقی نے ناصر الدولہ کی بیٹی کا اپنے بیٹے ابامنصور کیلئے رشتہ لیا۔ اس طرح ان کے درمیان رشتہ قائم ہوگیا ایک سال ایک ماہ بغداد میں گزرنے کے بعد لشکر کی بغاوت وسرکشی کی وجہ سے اس نے بغداد چھوڑا اور رئیس امراء سے معزول ہوا اور اپنے پرانے اقتدار کی جگہ لوٹ آیا تو ناصر الدولہ اور سیف الدولہ بار بار چاہتے تھے کہ بغداد کے حالات بگڑ جائیں اور ترک خلیفہ پر چڑھ دوڑیں تا کہ وہ دوبارہ حمدانیوں سے مدد مانگے یوں دوبارہ خلیفہ نے ان سے مدد مانگی اور اس بارے میں ابوفراس نے شعر کہا۔ [دائرۃ المعارف الاسلامیہ ج۶ ص ۳۳۶، ۵۷۸]

سیف الدولہ، نام علی بن عبداللہ بن حمدان اور کنیت ابوالحسن، ۳۵۶ھ میں فوت ہوئے، ابن خلکان نے جلد اول اور قمی نے جلد دوم صفحہ ۳۰۸ پر ان کا ذکر کیا ہے، سیف الدولہ سلطان محمود بن سبکتگین کو بھی کہتے تھے اسے یمین الدولہ اور امین الدولہ بھی کہتے ہیں یہ سب سے پہلا شخص ہے جسے سلطان کہا گیا ہے۔

آل حمدان

دائرۃ المعارف الشیعۃ الاعلمی ج ۱ ص ۳۵۰: بنو حمدان بادشاہ تھے، وہ خوبصورت، فصیح و بلیغ اور جود وسخا کے حامل انسان تھے، ان میں سے سیف الدولہ اعلیٰ سیاست وسیادت کے حوالے سے مشہور تھا، ان کی مدبرانہ سیاست کی وجہ سے انہیں تاج خلافت دیا گیا یہ محتاجوں کی پناہ گاہ بنے، لوگوں کی آمد ورفت، ادیبوں کی محفل، شعر و شاعری کا مرکز تھے۔ ابومحمد حسن بن الہیجاء جو ناصر الدولہ تغلبی کے نام سے مشہور تھے، وہ موصل اور اس کے اطراف میں حاکم تھے۔ خلیفہ متقی باللہ نے ان کو یہ لقب دیا اور اس طرح ان کے بھائی کو سیف الدولہ کا مقام بڑھ گیا، تنوخی نے ان کے باپ عبداللہ بن حمدان کو ۳۲۲ھ میں والی بنایا تھا۔ مسعودی نے لکھا ہے ۳۳۲ھ کو معتضد حمدان بن حمدون کی طرف گیا جس وقت وہ اپنے قلعہ صوارہ میں پناہ لئے ہوئے تھے۔ معتضد کے لشکر سے اسحاق بن ایوب عنبری اور اس کے ساتھی حسین بن حمدان، ابوفراس حارث بن سعید بن حمدان، ابوالھیجاء حارث، سعد الدولہ بن سیف الدولہ، غضنفر بن ناصر الدولہ ابوتغلب، ابوظاہر بن ناصر الدولہ اور حسین بن سعید بن حمدان کو معتضد کے پاس لے گئے۔

حمدانیوں کا مذہب

حلب کی اکثریت امام ابوحنیفہ نعمان کے مسلک پر تھی جبکہ ایک حصہ شافعی تھا، لیکن جب حمدانیین کی حکومت قائم ہوئی تو وہ شیعہ ہوگئے۔ ابتداء میں یہ اپنے سنی عقیدے پر رہے، لیکن بعد میں تشیع حلب پر غالب آگئی، حلب میں شیعہ سنی حوالے سے کوئی کشمکش یا تعصب نہیں تھا، بلکہ یہاں انہیں روم کی طرف سے صلیبیوں کی جنگوں کا خطرہ رہتا تھا۔

ابوفراس ہمدانی کی حالاتِ زندگی

یہ سیف اللہ کا چچازاد بھائی ابوالحارث بن ابوالعلاء یا حارس بن سعید بن حمدون الحمدانی خالص عرب تھا موصل یا منبج میں پیدا ہوا، اس نے شاہانہ انداز اور خوشحالی کی حالت میں تربیت پائی، چنانچہ بڑے لوگوں کی طرح یہ خوددار، بہادر، سلیم الطبع اور کریم الاخلاق بنا۔ یہ تلوار اور قلم دونوں آداب سے آراستہ تھا، سیف الدولہ اس کی انہیں خوبیوں کی بناء پر اسے اپنی پوری قوم پر ترجیح دیتا تھا، اس نے اسے اپنا مقرب خاص بنایا سیف الدولہ جنگوں میں اسے اپنے ساتھ رکھتا اور اپنے اہم کاموں میں اسے اپنا نائب مقرر کرتا۔ یہ سیف الدولہ کے تاج کا گوہر یکتا تھا، حالت جنگ میں لشکر کی قیادت کرتا اور حالت امن میں اس کے دفتری امور سرانجام دیتا، ہر معرکہ میں فتح اس کا ساتھ دیتی جس سے اس نے ہر دلعزیزی حاصل کی اور زبانوں پہ اس کا چرچا عام ہوگیا فخر وحماسہ اور جنگی اوصاف میں عمدہ شاعری کرتا۔ حتی کہ اس کی قسمت گردش میں آئی۔ اسے ایک تیر لگا جو اس کی ران میں پھنسا رہ گیا، چنانچہ دشمنوں نے اسے "خرشنہ" میں قید کیا اور پھر اسے قسطنطنیہ منتقل کر دیا۔ قیدیوں کے باہمی تبادلہ میں کچھ مشکلات آڑے آئیں لہٰذا اسے چار سال تک دشمن کی قید میں رہنا پڑا اسی زمانہ میں اس نے وہ شاعری کی جو "رومیات" کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ جو محبت کے جذبات، اپنے اہل وعیال اور دوست واحباب کے اشتیاق سے بھرپور تھی اس کی شاعری اپنی بوڑھی ماں، اپنی اکلوتی بیٹی اور سیف الدولہ سے محبت کے جذبات پر مشتمل تھی۔ الغرض ابوفراس قید کی تلخیاں اور محبت کی بے چینیاں برداشت کرتا رہا، تا آنکہ صلح اور قیدیوں کا معاملہ طے پایا اور رومیوں نے اسے بڑے اعزاز واکرام کے ساتھ آزاد کیا ابھی فصاحت وبلاغت کا چاند اپنے گہن سے نکلا اور جنگی شیر اپنی قید سے رہا ہوا ہی تھا کہ دوبارہ آسودگی کے دن دیکھے کہ سیف الدولہ کو موت نے آن لیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ابوالمعالی تخت نشیں ہوا جو ابوفراس کا بھانجا تھا، ابوفراس نے اس سے حمص کی ولایت کا مطالبہ کیا لیکن ابوالمعالی نے انکار کر دیا۔ دونوں کے درمیان معرکہ آرائی ہوئی اور ابوفراس مارا گیا وہ ابھی جواں سال ہی تھا۔ [تاریخ ادب عربی ص ۴۱۲ تا ۴۱۳]

اخلاق وعادات

جیسا کہ ہم نے گزشتہ اوراق میں ذکر کیا ہے کہ ابوفراس خوددار، سخی اپنے آپ کو اور اپنی شاعری کو بہت پسند کرتا تھا، اپنی قوم اور نسبت پر بہت فخر کرتا تھا، وہ شراب نوشی اور ہنسی مذاق سے سخت متنفر تھا۔ اس بناء پر اس کی شاعری پاک صاف ہے اور اس پر اس کے اخلاق کا نمایاں اثر ہے۔ وہ کہتا ہے۔

"اگر لوگ شراب نوشی اور مزمار طنبور اور عود (یہ آلات موسیقی ہیں مراد گانا بجانا) کیلئے پیدا ہوئے ہیں تو بنو حمدان تو فقط مجد وسروری جنگ اور سخاوت کیلئے پیدا ہوئے ہیں۔"

ابوفراس کی شاعری

ابوفراس کی شاعری متانت اور اسلوب کے اعتبار سے قدیم شاعری کی طرز پر تھی، تاہم اس میں اس کی

طبیعت کا رنگ، اعلیٰ ظرفی کی جھلک اور شاہانہ عزت نمایاں ہے۔ یہ خوبیاں اس سے قبل ابن معتز کے علاوہ کسی اور میں جمع نہ تھیں صاحب ابن عباد کہا کرتے تھے شاعری بادشاہ سے شروع ہوئی اور بادشاہ پر ختم ہوئی یعنی امراؤالقیس سے ابوفراس پر اس شاعر نے بیشتر اصناف شعر میں طبع آزمائی کی اور نہایت عمدگی سے عہدہ برآں ہوا، البتہ فخر استعطاف اور عتاب میں یہ شاعر نہایت اعلیٰ مقام پر فائز ہے اس کا رومیات والا حصہ اس کی نہایت قدر ومنزلت اور کمال فضیلت پر دلالت کرتا ہے اس جیسے شاعر کے یہ شایان شان نہیں وہ کسی امیر کی مدح کرتا یا اپنے سے کمتر کسی کی ہجو کہتا یا شراب وہنسی مذاق کے ذکر سے اپنی شاعری کو آلودہ کرتا۔ ہم جانتے ہیں وہ کس ماحول میں پلا بڑھا۔ اس کی عشقیہ شاعری بڑی پرسوز اور رقت آمیز تھی جس میں محبت کی بادشاہت کے آگے ہر شے بے بس نظر آتی ہے، چنانچہ شاعری کی یہ صنف پرجلال اور نہایت پرشکوہ ہوگئی ہے ثعالبی کا یہ خیال ہے کہ متنبّی اس کی فضیلت کا معترف تھا اور اس سے مقابلہ کی جرات نہ کرتا تھا۔ اس نے ابوفراس کی دھاک کی وجہ سے ابوفراس کی مدح نہیں کی، حالانکہ اس نے باقی آل حمدان کی مدح کی ہے، لیکن ثعالبی کے دعویٰ پر ہمارا دل مطمئن نہیں ہوتا اور نہ ہی متنبّی کے مزاج کو جاننے والا اس بات کا یقین کرسکتا ہے۔ [موسوعہ امام علیؑ ج۹ص ۳۷۔ الغدیر: ج۳ص ۴۱۵، اعیان الشیعہ ج۲ص ۵۱۳]

ابوفراس ہمدانی

✿ ابوفراس حارث بن ابی العلاء سعید بن حمدان بن حمدون حمدانی تغلبی اپنے دور کا یگانہ فرد تھا۔ ادب کے میدان میں آفتاب۔ فصیح وبلیغ، شجاع اور شہسوار تھا، ابی الحسن سیف الدولہ کا چچازاد بھائی تھا، بہت سی جنگوں میں اس کے ساتھ رہا، دو دفعہ اسیر ہوا، ۳۲۰ھ میں پیدا ہوا اور ۳۵۷ھ میں وفات پائی۔

✿ حارث بن سعید بن حمدان کنیت ابوفراس، عقل وفراست، شجاعت وریاست میں اپنے زمانے کے شہسوار تھے سلطان ناصر الدولہ سیف الدولہ بن حمدان کے چچازاد بھائی تھا۔ اپنے زمانے کے ادب و فضل، کرم وفصاحت اور بلاغت میں یگانہ تھا۔ [سفینۃ البحار ج۲ص ۶۲]

✿ صاحب بن عباد نے کہا ہے، شعر ایک بادشاہ سے شروع ہوا اور ایک بادشاہ پر ختم ہوگیا یعنی امرالقیس جاہلیت میں اور ابوفراس اسلام میں، یہ شاعر اہل بیت ہیں ان کا ایک قصیدہ میمیہ اہل بیت کی مظلومیت اور بنی عباس کے مظالم کے متعلق ہے یہ ۳۵۷ھ میں قتل ہوئے۔

✿ ان کی کنیت ابوالہیجاء ہے، یہ شعرائے اہل بیت میں سے تھے، اپنے دور کے ادب وفضل، کرم اور شجاعت وبلاغت میں سب سے برتر تھے، انہیں حارث بن ابی العلاء بھی کہا جاتا تھا۔

✿ خوانساری نے روضات الجنات ج۱ص ۲۰۶ پر اور ابن خلکان نے ج۱ص ۱۶۹ ایران کے شاعر کے بارے میں لکھا ہے، یہ ۳۵۷ھ میں قتل ہوئے۔ [دائرۃ المعارف الشیعہ العامہ ج۷ص ۴۴۷]

ائمہ طاہرینؑ اور شعروشاعری

ایک عرصے سے یہ مشہور کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ ہمارے آئمہ طاہرینؑ میں سے ہر ایک کیلئے الگ الگ شاعر تھا جو ان کے حق میں اور ان کی مدح سرائی کیلئے شعر انشاء کرتا۔ ایسا مشہور کرنے کا مقصد لوگوں کے ذہن میں یہ بات بٹھانا ہے کہ شعراء نے آئمہ طاہرینؑ کی بہت خدمت کی ہے۔ بلکہ اس وقت آئمہ اطہارؑ کا جو مقام ومنزلت ہمیں نظر آرہا ہے وہ انہیں کے طفیل وبرکت سے ہے۔

آئمہ طاہرینؑ کی حیات وزندگانی کے صفحات کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے جن شعراء کو آئمہ اطہارؑ کے خدمت گزار شعراء کہا جارہا، ان کے اور آئمہ طاہرینؑ کے حالات ومقاصد میں بہت تضاد پایا جاتا ہے۔ آئمہ طاہرینؑ کے حالات سے پتہ چلتا ہے ان ذوات نے اپنے اپنے دور کے حکمرانوں کے ظلم وستم کی وجہ سے انتہائی سختی وبندش میں زندگی گزاردی حتی آپ آزادی کے ساتھ لوگوں سے میل جول بھی نہیں رکھ سکتے تھے، جبکہ اپنی مدح سرائی میں شاعر سے شعر پڑھوانے کیلئے عوامی اجتماعات درکار ہوتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آئمہ طاہرینؑ کے مخالف حکمرانوں کے دور حکومت میں، کون سے شاعر تھے جو اپنی جان کو داؤ پر لگا کر ان کی شان میں شعر پڑھتے تھے؟ اور ان کے شعروں سے متاثر ہوکر کتنے لوگوں نے آئمہ طاہرینؑ کی حمایت کیلئے قیام کیا؟ اس سے پتہ چلتا ہے آئمہؑ کی حیات میں ان کی حقانیت پر شعروشاعری کے کردار سے متعلق لکھے گئے صفحات مشکوک وناقابل اعتبار ہیں، البتہ اس حقیقت سے انکار بھی نہیں کیا جاسکتا کہ نثر میں علماء و فقہاء اور محدثین کی لکھی گئی سوانح حیات نے شعروشاعری کو بہت پیچھے چھوڑا ہے، کیونکہ سابق زمانے میں کسی راوی کی توثیق وتصدیق کیلئے اتنا کافی ہوتا تھا کہ وہ ثقہ ہے، امین ہے یا جھوٹ نہیں بولتا، لیکن دور حاضر میں ان کے نام کے ساتھ فقیہ، محدث، مجتہد اور زاہد وفلسفی اور صاحب کرامات سب لگانا پڑتا ہے، حتی مذہب ومسلک کو کھوکھلا کرنے والوں اور اسلام ومسلمین کیلئے مذاحمت ونقصان کا سبب بننے والی متنازعہ شخصیات کو اپنے فرقے کے اساطین گردان کر ان کی شان وشوکت کیلئے نثر میں شاعری کی جاتی ہے جس کی وجہ سے راویوں اور علماء حق کی شناخت وپہچان میں بہت دشواریاں پیدا ہوتیں ہیں، کیونکہ انکے تعارفی صفحات مبالغہ آرائی، جھوٹ اور حقیقت پر مبنی نہیں ہوتے۔

شعراء اور ان کے حامیوں کا اصرار ہے دین اسلام اور آئمہ طاہرین کو شعروشعراء سے بہت فروغ ملا ہے۔ اس کیلئے دو مرحلہ میں استثناء اور چند مراحل ومراتب سے استدلال کرنے کی ضرورت ہے:

۱۔ سورہ شعراء میں مومن شعراء کیلئے استثناء بیان ہوا ہے۔ اس سلسلے میں ہم نے ''شعروشاعری قرآن وسنت میں'' کے موضوع میں یہ واضح کیا ہے کہ یہ استثناء استثناء متصل نہیں تاکہ شعراء، دو گروہوں:

۱) ۔مذموم شعراء ۲) ۔ممدوح شعراء میں تقسیم ہوں۔

ہم نے اس بارے میں مدلل بیان کیا ہے کہ مومنین اور شعراء دونوں کے راستے ایک دوسرے سے جدا ہیں۔

۲۔پیغمبرؐ نے حسان بن ثابت کیلئے دعا کی۔

پہلے مرحلے میں یہ واضح رہے کہ یہ ایک مشروط دعا ہے۔دوسرے مرحلے پر یہ کہ حسان بن ثابت کی شعر کوئی سے اگر پیغمبرؐ کو میدان جنگ میں کوئی فتح نصیب ہوئی تو اسے سامنے لایا جائے۔تیسرے مرحلے پر یہ ہے کہ حسان بن ثابت کی تاریخ حیات اور اس کے صفحات زندگی سیاہ ہے۔

۳۔ ہر امام کے خاص شاعر تھے۔

ہر امام کیلئے جو شاعر معین کیا گیا ہے، جب ہم ان شعراء کی حیات بیان کریں گے قارئین کیلئے واضح ہو جائے گا ان کا آئمہ سے کتنا گہرا رشتہ تھا؟ اور یہ اپنی نجی حیات میں گناہوں اور بیہودگیوں سے کتنے پاک تھے؟ جبکہ ان کی حمایت وترویج کرنے والے ایسے سیاہ اور مشکوک انسانوں کو ائمہ کی طرف نسبت دینے میں ان سے شرم بھی کھاتے۔

۴۔آئمہؑ لحن دار آواز کے حامل افراد کو خاص لحن میں شعر پڑھنے کا دستور دیتے تھے۔یہ اپنی جگہ صرف ایک مدعا ہے، اس بارے میں وارد روایات کے راوی اور متن دونوں کے محک سے گزارنا ہوگا۔

۵۔آئمہ شعر انشاء کرنے والوں کی تعریف وستائش اور ان کیلئے دعا کرتے تھے، چنانچہ چند معروف اور نامور شعراء کا نام انتہائی تجلیل واحترام سے لیا جاتا ہے۔جن شعراء کے حق میں آئمہ کی مدح سرائی کے بارے میں باتیں نقل ہیں وہ ان کی حیات کے بارے میں موجود تاریخی نقولات سے متصادم ہیں۔ان کا آئمہ کے جادۂ ہدایت سے منحرف ہونا سب کے نزدیک متفقاً علیہ ہے، اسی طرح ان کا آئمہ کے جادۂ ہدایت پر واپس آنے کا دعویٰ بھی اپنی جگہ مشکوک ہے اور کوئی عاقل یقین کو دیکھ کر مشکوک کو نہیں خریدتا۔

۱۔اکثر وبیشتر شعراء کو دین وایمان سے بے بہرہ، شراب نوش اور زنا کا مرتکب بتایا گیا ہے۔

۲۔یہ آئمہ طاہرینؑ کے حق میں انشاء کردہ شعروں سے زیادہ، وقت کے حکمرانوں، خلفاء اور امراء کیلئے شعر انشاء کرتے تھے۔

۳۔جن بعض شعراء کو انتہائی نامور ومعروف شعراء میں گنا جاتا ہے، کتب رجال میں ان کو آئمہؑ کے اصحاب میں نہیں گنا گیا۔

۴۔اگر آئمہؑ زبانی تملق وچاپلوسی سے اتنا خوش ہوتے تو ان میں اور دیگر دنیا طلب حکام وامراء میں کیا فرق رہ جائے گا؟ اسی طرح حکام وامراء کا شعراء کو بے دریغ وبے حساب جائزہ وانعام سے نوازنے میں کونسی قباحت ہوگی؟۔

۵۔شعراء نے جتنی فضیلت آئمہؑ کی بیان کی گئی ہیں اتنی رسول اللہ کیلئے بیان نہیں کی۔

۶۔کیا صرف آئمہؑ کی تعریف وتمجید میں شعر گوئی، باقی گناہوں کو محو کرتی ہے اور خدا انھیں بخش دیتا ہے؟ اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ دین میں مرکزیت اور اساس خود آئمہؑ کو حاصل ہے یعنی دین ان کی خاطر تواضع

کیلئے ہے جبکہ یہ مقام ومنزلت ائمہ کو قرآن وسنت رسولؐ کے رو سے دین کی ترویج واشاعت اور حفاظت وپاسداری کرنے کی وجہ سے حاصل ہے۔

۷۔ہمیں شعراء کے سراہے ہوئے اشعار پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے ہمیں دیکھنا ہوگا ان اشعار میں کس منطق کو استعمال کیا گیا ہے؟ کیونکہ آئمہ طاہرینؑ، غلط گوئی اور مبالغہ آرائی کو پسند نہیں فرماتے تھے، جبکہ شعر مبالغہ کے بغیر نہیں بنتا۔

۸۔کیا انقلاب اسلامی میں کسی شاعر کا نام لیں گے جس کی شاعری کی وجہ سے لوگ امام خمینیؒ کے گرویدہ ہوئے۔کیا دنیا میں اشعار سے کسی قوم کی تقدیر میدانِ سیاست، میدانِ دفاع، میدانِ اقتصاد یا میدانِ تعلیم وتربیت میں بدلی ہے؟ آیا کوئی ایسا شاعر ہے جس کے سر پر قوم کی تقدیر بدلنے کا سہرا ہو؟ خود امام خمینیؒ جنھوں نے بیس یا بائیس سال خطاب سے تحریک چلائی کیا اس میں شعر گوئی کا عنصر شامل تھا؟ ان سے منسوب شعر بھی اس وقت پردۂ پنہان میں تھے جو ان کے بعد زیور طبع سے آراستہ ہوئے ہمارے ملک پاکستان میں شعروشاعری نے اسلام کے کسی اصول یا فروع دین کو اپنے شعر سے اجاگر کیا ہو تو اس کی مثال پیش کریں۔

۹۔خود شعراء کی حیات کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کتنے شعراء نے کوئی کارنامہ انجام دیا، بلکہ ان کی خدمات کے بدلے میں خود خدمت گزار ان کی خدمات رائیگاں ہوگئی۔

۱۰۔گویا ان کے نزدیک کتاب خدا، سنت رسولؐ اور حدیث کے بعد اگر کسی چیز کو کوئی مقام حاصل ہے تو وہ شعراء کے اشعار ہیں۔جب انھوں نے اہل بیتؑ کے فضائل ومناقب میں قرآن کریم، قول رسولؐ اور خود آپؐ کی سیرت کی جگہ شعر کو مقام دیا تو اشعار کے صحیح اور فضیلت کے بارے میں سند دینے کی بھی ضرورت محسوس ہوئی تو یہ افراد یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ پیغمبر اسلامؐ یا حضرت زہراؑ یا خود امام حسینؑ نے انہیں نیند یا بیداری میں یہ حکم دیا ہے۔

ذیل میں ہم شعر کی حقیقت اور شعراء کے مخلصانہ کردار کے بارے میں کچھ حقائق پیش کریں گے، خاص طور پر ان شعراء کا بھی ذکر کریں گے جنھوں نے اپنی شاعری کی خدمات کو اہل بیتؑ کیلئے پیش کیا۔شعروشاعری کی منطق کہاں تک حقیقت رکھتی ہے؟ اگر اس کی تہہ تک پہنچنے کیلئے چمگادڑ کی طرح اس دھند وغبار آلود ماحول اور شعراء کے شور وغوغا میں حقیقت تلاش کریں گے تو کبھی بھی صاف دینی فضا تک نہیں پہنچیں گے۔ اگر کوئی حقیقت تک پہنچنے کیلئے تاریخ اسلام کے روشن دنوں کے صفحات پلٹائے اور اہل بیت اطہارؑ کی حقانیت وصداقت اور غیر متزلزل موقف کو دیکھے تو اسے یہ سب ایک سراب دکھائی دے گا۔اس سلسلے میں ضروری ہے جن شعراء کا نام تکرار سے لیا جاتا ہے ان کی روزمرہ زندگی اور گرائش کا بھی مطالعہ کیا جائے۔

فرو غان وفرو خان شعر نے بھی تبلیغ وترویج کی خاطر آئمہ طاہرینؑ کو بھی اپنے مفادات کی خاطر نہیں چھوڑا اور

ان کی ان تبلیغات کی زد میں بہت سے بڑے بڑے ونامور اور نابغہ روزگار بھی آئے ہیں۔ انہوں نے شعر کو آئمہ سے منسوب کرنے کیلئے مندرجہ ذیل ذرائع وطریقے استعمال کئے ہیں:

- ہر آئمہ سے کچھ اشعار منسوب کئے گئے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ آئمہ کیلئے شعر گوئی قبیح ہے، لیکن اس کے بھی قائل نہیں کہ ہر امام کیلئے چند اشعار کا ہونا ضروری ہو، چنانچہ بعض نے اس سلسلے میں غلو گیرائی کا راستہ اختیار کرکے چند نمونے پیش کئے ہیں:
- پیغمبرؐ نے ایک دفعہ شعر انشاء کیا تھا۔
- مولا امیر المومنینؑ کی طرف اشعار منسوب کرنا تو کجا، آپؑ سے منسوب ایک دیوان چھپ چکا ہے جس کے بارے میں وضاحت کرنے کی ضرورت ہے۔
- کہتے ہیں، حضرت زہراؑ گھر میں بچوں سے شعر میں گفتگو کرتی تھیں۔
- حروف تہجی کے اعتبار سے ہر حرف کا شعر امیر المومنین علیؑ سے منسوب پائیں گے، یہ ضرورت کس منطق کے تحت پیش آئی ہے؟۔
- کتاب ائمتنا: ج ۱ ص ۸۲ پر مولف "علی محمد علی دخیل"، شعبی سے نقل کرتے ہیں ابو بکر، عمر اور عثمان × شعر پڑھتے تھے لیکن علیؑ سب سے بڑے شاعر تھے۔
- آئمہ طاہرین اپنی مدح سرائی کیلئے اشعار انشاء کرنے والوں کو خطیر وکثیر انعامات سے نوازتے تھے اور انہیں دنیا میں بلاؤں، مصیبتوں سے محفوظ رہنے اور آخرت میں پروانہ جنت دینے کی ضمانت دیتے تھے چنانچہ سید حمیری کے اشعار کو یاد رکھنے والوں کیلئے پیغمبرؐ نے جنت کی ضمانت دی ہے۔
- آئمہ طاہرین کے حق میں ایک شعر انشاء کرنے والوں کیلئے اجر وثواب کے علاوہ بڑے بڑے گناہوں ام الخبائث اور ام المعاصی بھی کوئی خطرہ نہیں رکھتے، چنانچہ کتاب اعیان الشیعہ میں امام جعفر صادقؑ سے نقل ہے سید حمیری کی شراب نوشی اتنا بڑا جرم نہیں کہ خدا انہیں شعر انشاء کرنے پر بخش نہ دے۔ امام کی طرف سے مروی یہ روایت ان کی شان میں اشعار انشاء کرنے والوں کی فضیلت میں ہے۔ ہمیں ایک طرف ان شعراء پر نظر ڈالنی چاہیے اور دوسری طرف سے ان روایات کے متن کو بھی دیکھنا ہوگا آیا یہ روایات اپنی جگہ درست ہیں یا نہیں؟
- امام حسنؑ کے علاوہ ہر امام کیلئے اور خود رسول اللہؐ کیلئے شعراء کا تعارف کرایا گیا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

آئمہ طاہرینؑ سے منسوب شعراء

- رسول اسلامؐ کے شاعر: حسان بن ثابت

- امیر المومنین علیؑ کے شاعر: نجاشی، اعور الشنی، ابو الاسود الدوئلی۔ [ائمتنا: ج ۱ ص ۳۲]
- امام حسینؑ کے شاعر: یحییٰ بن حکم۔ [ائمتنا: ج ۱ ص ۱۷۷]
- امام علی ابن الحسینؑ کے شاعر: فرزدق، کثیر عزہ۔ [ائمتنا: ج ۱ ص ۲۵۹]
- امام باقرؑ کے شاعر: کثیر عزہ، کمیت اسدی، ورد اسدی، اخو الکمیت، سید حمیری۔ [ائمتنا: ج ۱ ص ۳۳۶]
- امام صادقؑ کے شاعر: سید حمیری، اشجع سلمی، کمیت، ابو ہریرہ الابار، عبدی، جعفر بن عفان [ائمتنا ج ۱ ص ۴۰۸]
- امام موسی کاظمؑ کے شاعر: سید حمیری۔ [ائمتنا: ج ۲ ص ۸]
- امام رضاؑ کے شاعر: دعبل خزاعی، ابو نواس، ابراہیم بن عباس صولی۔ [ائمتنا: ج ۲ ص ۷۶]
- امام محمد جوادؑ کے شاعر: حماد، داؤد بن قاسم جعفری۔ [ائمتنا: ج ۲ ص ۱۶۱]
- امام علی الہادیؑ کے شاعر: عوفی، دیلمی محمد بن اسماعیل صیمری، ابو تمام طائی، ابو الغوث اسلم بن مہوز منبجی، ابو ہاشم جعفری، حمانی۔ [ائمتنا: ج ۲ ص ۲۱۴]
- امام حسن عسکریؑ کے شاعر: ابن الرومی (۸۹۶م) ابو الحسن علی بن العباس بن جریج معروف بہ ابن الرومی، بغداد میں پیدا ہوا۔ [ائمتنا: ج ۲ ص ۲۶۳]

کہا جاتا ہے یہ شعراء بہت قدر وقیمت کے حامل ہیں، کیونکہ انہوں نے اس وقت آئمہ طاہرینؑ کا ساتھ دیا جب دنیا آئمہ سے کٹی ہوئی تھی۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آئمہ طاہرینؑ اور ان کی حقانیت کو ثابت کرنے میں شعر اور شاعروں نے کیا کردار ادا کیا ہے؟۔ اس کا حقیقت کے تناظر میں تجزیہ وتحلیل کرنے کی ضرورت ہے۔ آئمہ طاہرینؑ میں سے دو آئمہؑ کی شان میں زیادہ شعر سراہے گئے ہیں، ایک مولا امیر المومنین علیؑ ہیں جن کی مدح میں اشعار سراہے گئے اور دوسرے امام حسینؑ ہیں جن کی مصیبت میں اشعار سراہے گئے ہیں۔ ہمیں ان دونوں اماموں کی شان میں سراہے گئے اشعار اور ان کے سراہنے والے شعراء دونوں کے بارے میں تفحص وتحقیق کرنے کی ضرورت ہے، دیکھنا ہوگا جو اشعار ان کی شان میں سراہے گئے ہیں آیا ان کی شان کے مطابق ہیں یا ان کی شان سے کم تر ہیں؟۔ ان کے ذریعے آئمہؑ کی حیثیت کو گرایا ہے یا غلو گیرائی سے کام لیا گیا ہے۔ دوسرے مرحلہ میں ان شعراء کے فکر ومسلک کو دیکھنا ہوگا کہ وہ بنیادی طور پر کس اصل سے مطابقت رکھتے ہیں؟ امیر المومنین علیؑ کی شان میں سراہے گئے اشعار اسی فیصد سے زائد آپ کی مدح و منقبت میں ہیں جن میں آپ کی ذات گرامی سے تجاوز نہیں کیا گیا ہے جبکہ جو اشعار امام حسینؑ کی شان میں سراہے گئے ہیں وہ نوے فیصد سے زائد مراثی پر مشتمل ہیں جن میں آپ کی ذات سے تجاوز کیا ہے۔

امام علیؑ سے منسوب شعراء

ا۔ نجاشی

نقیس بن عمرو بن مالک مشہور بہ نجاشی صدر اسلام کے مشہور شعراء میں سے تھا۔ حضرت علیؑ کے ان اصحاب

میں سے تھا جوشعروشاعری کے ذریعے لوگوں کو آپؑ کی طرف دعوت دیتے، جبکہ معاویہ اوران کے ساتھیوں کی برائیوں کوشعر کے ذریعے لوگوں تک پہنچاتے، لیکن ایک دفعہ اس نے رمضان المبارک میں دن کے وقت افطار کی اور شراب بھی پی لی جس پر حضرت علیؑ نے اس پر حد جاری کی۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ حضرت علیؑ اس کے ساتھ اتنی سختی سے پیش آئیں گے، چنانچہ یہ شخص بالآخر حضرت علیؑ کو چھوڑ کر معاویہ سے جاملا، پھراس نے حضرت علیؑ کے خلاف اشعار پڑھے۔

اردودائرہ معارف اسلامیہ ج ۲۲ ص ۱۲۵، **الاصابہ** ج ۳ ص ۱۲۰۰: **نجاشی**، ساتویں صدی کے عربی ونجرانی شاعر قیس بن عمرو کا لقب ہے، حسان کے بیٹے عبدالرحمان کے ساتھ ایک خاندانی سلسلے میں اسے غیرت آئی تو اس نے عبدالرحمٰن کی ہجو کی جس پراس نے بھی جواباً اس کی ہجو کرڈالی۔ جب ذوالمجاز کے سالانہ میلے میں دونوں کا آمنا سامنا ہوا تو عبدالرحمٰن نے نجاشی سے ہجو میں کمزوری دکھانے کے علاوہ ہاتھاپائی میں بھی کمزوری دکھائی یہاں تک خود حسان کو مداخلت کرنا پڑی۔ نجاشی کا دوسرا جھگڑا بنوعجلان کے شاعر ابن مقبل سے ہوا۔ نجاشی کی بے لگامی پر حضرت عمرؓ نے اس کے اشعار کی بابت حسان اور حطیئہ کی رائے دریافت کرنے کے بعد اسے قید میں ڈال دیا۔ [شرح نہج البلاغہ: ج ۴، ص ۸۸۶، ج ۱۰، ص ۲۵۰، اصابہ: ج ۶ ص ۳۸۷]

۲۔ابوالاسود دوئلی

نساء من التاریخ تالیف احمد خلیل جمعہ ص ۱۷۱: ابوالاسود کا نام ظالم بن عمرو تھا، خلفائے راشدینؓ سے بنی امیہ تک کے دور میں بصرہ کا قاضی رہا، اس کا شمار بصرہ کے علماء، ادباء اور فصیح وبلیغ شخصیات میں ہوتا تھا، اس نے علی ابن ابی طالبؑ، زبیر بن عوامؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ سے بھی نقلِ روایات کی ہے۔ ابن خلکان نے لکھا ہے سب سے پہلے نحو کا آغاز کرنے والا ابوالاسود دوئلی ہے، معاویہ کے قریب ترین ساتھوں میں سے تھا، عاقل ومتکلم انسان تھا۔ وفیات الاعیان ج ۲ ص ۳۵ میں لکھا ہے، یہ فقیہ وشاعر، محدث واشراف، فرسان وامیر، زاہد وحاضر جواب شیعہ تھا، لیکن انتہائی بخیل تھا، بلاغت میں اپنی انتہائی کو پہنچا اس نے بہت سی حکمتیں نقل کی گئی ہیں اس کی بیوی جو اس کے برابر یا اس سے برتر تھی وہ بھی اپنے دور کی فصیح وبلیغ خواتین میں سے تھی۔

ابوالاسود دوئیلی معاویہ کے پاس خاص مقام ومنزلت رکھتا تھا، معاویہ اسے اپنے پاس رکھتا اور اس کے علم کا معترف تھا، یہ ہر مشکل کے بارے میں اس سے سوال کرتا جس کا ابوالاسود جواب دیتا۔ ایک دن اس کی مجلس میں ابوالاسود دوئیلی حاضر تھا تو اس کی بیوی ام عوف اپنے شوہر کی شکایت لے کر مجلس میں حاضر ہوئی، معاویہ کو امیرالمومنین کہہ کر سلام کیا اور اس سے بات کرنے کی اجازت لی، ابتداء میں معاویہ کی تعریف وتمجید کی اور اپنی مشکلات کے گرداب سے نکلنے اور اپنے دشمن سے انصاف دلانے کی درخواست کی، اس نے اپنے شوہر کو تعدی کرنے والا، خدا سے نہ ڈرنے والے کے طور پر متعارف کرایا اور اس سے جدائی کی درخواست کی، اس نے خاص طور پر اس کے بخل کی شکایت کی۔

امام حسینؑ سے منسوب شاعر

یحیٰ بن حکم

دائرۃ المعارف الشیعہ الاالعامہ ج ۱۸ ص ۴۸۰: یحیٰ بن حکم بن عاص، مروان بن حکم کے بھائی اور خلیفہ سوم کا چچا تھا غزل گوشاعر تھا۔ تاریخ ابن کامل جلد ۴ ص ۸۹ پر آیا ہے، اس نے اہل بیتؑ کی شام سے مدینہ واپسی کے موقع پر ان کی شان میں مرثیہ کہا۔ ابن کامل ج ۴، ص ۸۹: جب عبیداللہ زیاد کے جلاد سر مقدس امام حسینؑ کو شام لائے اور دمشق میں داخل ہوئے تو انھوں نے مروان کو خبر دی، مروان اٹھ کر چلا گیا تو اس کا بھائی یحیٰ بن حکم آیا، یحیٰ نے ان سے پوچھا کیا ہوا، انھوں نے وہ ہی خبر دی جو مروان کو دی تھی تو یحیٰ نے کہا تم محمدؐ سے قیامت کے دن حجاب میں ہوگے، میں تمہارے ساتھ نہیں رہوں گا، جب وہ یزید کے پاس پہنچا تو یحیٰ بن اشم نے یزید سے کہا: لهمام جنب الطف ادنى قرابة..... یہی شعر کتاب نفس المہموم ص ۴۰۰ میں بھی آیا ہے۔

امام علی زین العابدینؑ سے منسوب شعراء

فرزدق (۲۰۔۱۱۴ھ/۶۴۱۔۷۳۲م)

تاریخ ادب عربی ص ۱۶۰ تا ۱۶۱: ابوفراس ہمام بن غالب فرزدق دارمی بعد ازاں تمیمی، قبیلہ مجاشع بن دارم، تمیم سے، بصرہ میں معزز گھرانے میں پیدا ہوا، اس کا قبیلہ آسودہ حال اور شریف النفس تھا لیکن یہ اپنے خاندان میں ہجو یہ شاعری کرتے ہوئے جوان ہوا، تندمزاجی اور بدخلقی کی بناء پر اپنی ہی قوم کے افراد کی ہجو کہتا تھا، لوگ اس کے باپ کے پاس آکر شکایت کرتے تو وہ اسے مارتا پھر یہ ہجو یہ شاعری میں اس قدر تجاوز کر گیا کہ لوگ عراق پر معاویہ کے مقرر کردہ گورنر زیاد کے پاس اس کی شکایت لے کر گئے اس نے اسے طلب کیا جس پر یہ عراق کے دیگر شہروں اور قبیلوں میں فرار ہوگیا بالآخر مدینہ کے گورنر سعید بن عاص کے پاس پناہ کی درخواست کی (یہ زیاد کی طرف سے مقرر تھا) اس نے اسے پناہ دی جب زیاد مر گیا تو اپنے وطن واپس پلٹا اور معاویہ ویزید کی حکومت کے بعد وہاں رونما ہونے والے فتنوں اور جنگوں میں شرکت کرتا، تا آنکہ تقدیر ونصیب نے اسے جریر کے ساتھ ہجوگوئی کا مشغلہ دیا اور اس کی سوچ مصروف ہوگئی۔ اس کی شاعری چمک اٹھی اس کی ہجوگوئی کا سلسلہ تقریباً چالیس سال تک چلتا رہا جو عام لوگوں کیلئے سامان تفریح، سیاستدانوں کیلئے خوش طبعی اور ادب عربی کیلئے شاعری کا عظیم سرمایہ بنا، اس کی شاعری گھٹیاپن اور فحش کلامی کے باوجود حکمت اور جمال سے خالی نہیں ہے۔

فرزدق کی ہجونگاری

تاریخ ادب عربی ص ۱۶۸: فرزدق بھی اخطل کی طرح اپنی قوم کا لیڈر تھا فرق یہ ہے کہ یہ کھلی عداوت رکھتا تھا فحش گو تھا اور جھجکتا نہیں تھا، بے شرمی سے سخت آوارہ زبان استعمال کرتا، تندمزاج ہونے کے ساتھ ننگے الفاظ اور نام لے لے کر اعلانیہ طور پر ذلیل کن اور عریاں مضامین نظم کرتا تھا۔ نوجوان شرمیلی لڑکی تو کجا نوجوان

مرد بھی اسے پڑھنے سے شرماتے تھے۔

میں نہیں سمجھتا کہ بدویت، کج خلقی، بدزبانی اور بدطینتی ہی وہ اسباب تھے جنہوں نے اس بازاری اور عریاں ہجونگاری کو رواج دیا۔ حطیئہ اور اس جیسے دیگر لوگ جوان صفات سے متصف تھے وہ ہجونگاری میں اس حد تک نہیں بڑھے یقیناً اس دور کی عراقی معاشرت کا اس عریاں بیانی میں بڑا دخل ہے اس لئے کہ عربوں کے دیہات سے نکل کر شہروں میں آنے اور مختلف قبیلوں کے تسلط اور دینی حمیت کی کمزوری کی وجہ سے دینی بندشیں ڈھیلی پڑ گئی تھیں، جبکہ بصرہ کا سیاسی اقتدار شعراء اور قبائل کے مذاقیہ اور طنزیہ کھیلوں پر آنکھیں بند کئے ہوئے اور جبڑے کھول کھول کر قہقہے مار رہا تھا۔ میں قبائل اس لئے کہہ رہا ہوں کیونکہ ہر قبیلہ اپنے شاعر کے پیچھے ہوتا تھا وہ مال و دولت، جنگ و جدل اور پراپیگنڈے کے ذریعہ اس کی مدد کرنے کی حتی الوسع کوشش کرتا بعض مرتبہ اس کا ہر فرد آ کر دو یا تین شعر کہتا پھر اپنی مدد کیلئے شاعر کو دعوت دیتے جس طرح بنو تیم نے اپنے شاعر عمر بن لجا کے ساتھ کیا جب وہ جریر کی ہجو کا جواب دے رہا تھا۔

فحش ترین ہجو وہ ہے جو فرزدق نے جریر کے بارہ میں کہی ہے۔ اس کی قوم کو حقیر النسب، کمزور، حیلہ ساز، بکریاں پالنے والے اور اونٹوں کے چرواہے کہہ کر طعنہ زنی کی وہ اسے گدھیوں کے ساتھ بدفعلی کا مرتکب ٹھہراتا ہے اور ان مضامین کو عجیب و غریب طریقوں سے طول دیکر فنی مظاہرہ کرتا ہے۔ انہیں ہر قصیدہ میں مختلف شکلوں اور متفرق طریقوں سے دہراتا ہے اور بسا اوقات جس کی وہ ہجو کرتا ہے اسے دکھ دینے اور اس کا پوری طرح مذاق اڑانے کیلئے مضحکہ خیز واقعات گھڑ لینے میں ذرہ برابر جھجک محسوس نہیں کرتا۔ یہ وہ آخری حد ہے جہاں ہجونگار اور قصہ گو خوش حالی اور آسودگی کے دور میں پہنچ جاتے ہیں۔

اس سے زیادہ حیران کن بات تو یہ ہے کہ اپنے حریف کو ایسی گندی قسم کی گالی سے متہم کیا جاتا ہے جسے نہ وہ سمجھ سکے اور نہ لوگ اس کو سچ جانیں اس سے مقصود اس کی انتہائی ذلت ہوتی ہے اور اس کو بدنام اور حقیر کرنا ہوتا ہے جس طرح عام طور پر نچلے طبقہ کے لوگ کرتے ہیں، اس طرح کی ہجو ہمیں اس سے قبل کسی دور میں نہیں ملتی، بلکہ یوں ہوتا تھا کہ شاعر اگر کسی میں خوبیاں دیکھتا تو تعریف کر دیتا اور اگر برائیاں دیکھتا تو مذمت کر دیتا اور وہ دونوں حالتوں میں سچا ہوتا تھا۔

فرزدق، ہجونگاری میں اس حد تک گر گیا کہ کوئی انسان اس قدر پستی میں نہیں جاتا۔ جریر نے اپنی بیوی کی وفات پر جو مرثیہ کہا تھا فرزدق اس کا جواب دیتے ہوئے نہ تو میت کے تقدس کو ملحوظ رکھتا ہے اور نہ ہی عورت کی شرافت کو مدنظر رکھتا ہے بلکہ کہتا ہے:

"وہ زندگی بھر منافق رہی اور اس کی موت تیرے لئے علانیہ رسوائی اور عار ہے۔ اگر تو گدھی کے مرنے پر رو رہا ہے تو اس کی جدائی کے صدمہ سے بہت سے گدھے رو رہے ہیں۔ تو ایک عورت پر رو رہا ہے جبکہ تیرے پاس تنے ہوئے سینے والی ایسی عورت موجود ہے جس کے دوپٹے تک کا تجھ پہ بوجھ نہیں ہے۔ تجھے وہ کافی

ہوں گی جو پست قد اور ستی ہوئی پیٹھوں والی ہیں جنہوں نے تیری بیوی کے بعد تجھ سے شادی کی ہے۔ زیارت تو زندگی میں ہوا کرتی ہے میں نے نہیں دیکھا کہ قبر میں دفن شدہ مردے سے ملاقات کی جاتی ہو۔"

عورت کے متعلق فرزدق کی رائے اس کی درشت طبیعت اور بدحمیتی پر دلالت کرتی ہے، اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے معاشرے میں عورت کا کیا مقام تھا، یہ نتیجہ ہم ان ہجو یہ اشعار سے اخذ نہیں کر رہے، ہو جو اس نے جریر کی فوت شدہ بیوی کے متعلق کہے ہیں کیونکہ اس کے اس گندے انداز میں کسی ذاتی لڑائی کا اثر ہو سکتا ہے، بلکہ اس نے اپنی بیوی کے مرنے کے بعد جو اشعار کہے تھے وہ ہمارے مدعا کو ثابت کرتے ہیں چند اشعار ملاحظہ کیجئے:

"لوگ کہتے ہیں کہ حدراء (اس کی بیوی) سے ملاقات کرو، حالانکہ اب ہمارے درمیان مٹی حائل ہو چکی ہے اور جو چیز منقطع ہو گئی ہو اس سے اتصال کیسے ممکن ہے؟ اگر چہ وہ مجھے بہت پیاری تھی مگر میں اس کی زیارت کرنے کبھی نہیں جاؤں گا، کیونکہ اب تو وہ مردہ کی شکل میں مٹی کے نیچے دب چکی ہے۔ مرد کیلئے فوت ہونے والے ساتھیوں میں سے جن کی موت کا سب سے کم افسوس اور دکھ ہوتا ہے وہ اس کے پردہ نشین (مراد بیوی ہے) ساتھی ہوتے ہیں۔ خنزیر کا بیٹا کہتا ہے کہ تو (اپنی بیوی کے فراق کے غم میں) رویا ہے حالانکہ میرے خیال میں میری آنکھ کسی عورت کے مرنے پر روتی نہیں ہے۔ اگر کوئی (شاعر خود) لاچار و بے کس نہ ہو تو اس کیلئے سب سے آسان صدمہ برداشت کرنا لمبے بالوں والی اور موٹے سرین والی عورت (مراد شاعر کی بیوی) کی موت ہے۔"

جریر کے ساتھ ہجونگاری میں مقابلہ کی عادت، عوام الناس میں شہرت حاصل ہونے کی شدید خواہش اور مذمت کرنے کی وجہ سے عزت نفس اور احساس وقار کا فقدان، یہ وہ اسباب تھے جنہوں نے فرزدق کو بھی رفتہ رفتہ جریر کی طرح آوارہ اور عریاں ہجو گوئی پر مائل کر دیا۔ حتی کہ جوابی ہجو میں عمدہ اور پختہ شاعری کے باوجود عوام الناس میں ان کے اشعار عام معیار سے بھی گر گئے۔ فرزدق تو پھر بھی کبھی کبھی شیعہ ہونے کے ناطے مذہب کا احترام کرتا اور ایسی شاعری سے توبہ کر لیتا، حالانکہ اس کی ہجو یہ شاعری آوارگی و عریانی پر مبنی تھی کبھی وہ اپنے آپ کو قرآن مجید حفظ کرنے کا پابند بنانے کی کوشش کرتا چنانچہ وہ کہتا ہے:

"کیا آپ کو علم نہیں کہ میں نے پھاٹک اور مقام ابراہیم کے درمیان کھڑے ہو کر اپنے رب سے عہد کیا ہے اور قسم اٹھائی ہے کہ زندگی بھر کسی مسلمان کو گالی نہیں دوں گا اور نہ زبان سے گندی گفتگو نکلے گی۔"

یا کبھی وہ خاندانی شرافت اور وقار کو برقرار رکھنے کیلئے جواب دیتا ہے اور ہجو گوئی میں عزت نفس اور خودداری پر مشتمل مضامین کے اشعار کہتا ہے۔ اس وقت اس کی شاعری میں نیرنگی مضامین اور الفاظ کی پاکیزگی ہوتی ہے جس طرح معاویہ کے بارے میں اس کے اشعار ہیں جس نے اس (شاعر) کے کسی چچا کی وفات کے بعد اس کا ترکہ ضبط کر لیا تھا۔

"اے معاویہ! تیرا باپ اور میرا چچا وارثت چھوڑ گئے وراثت کے حقدار اس (مرنے والے) کے قریبی رشتہ دار ہوتے ہیں۔پھر کیا وجہ ہے کہ ثابت (شاعر کا چچا) کا ترکہ بھی تم نے لے لیا ہے اور حرب (معاویہ کا دادا) کا پورا پورا ترکہ بھی تمہارا ہی ہوگیا ہے۔اگر یہ واقعہ زمانہ جاہلیت میں ہوتا تو پھر تجھے پتہ چلتا کہ کس کے حمایتی کم ہیں۔"

پھر کہتا ہے:

"رسولؐ اور آپ کے خاندان کے بعد دنیا میں میرے جیسا پاکیزہ بچہ پیدا نہیں ہوا جسے آپؐ سے زیادہ قربت حاصل ہو۔اے معاویہ میرے خاندان میں کتنے ہی ایسے بہادر سردار گزرے جو بغیر پہلو موڑے ہوا مقابلہ کرتے تھے (یعنی سخی اور بہادر تھے) خاندان مالک کے شرفاء نے ان کی پرورش اور نشوونما کی تھی اور عبد شمس کا فرد تیرا باپ تو ان سے ہم کلام بھی نہیں ہوسکتا تھا۔"

مجلّہ ثقافۃ الاسلامیہ:ش۳۰ص۱۷۶تا۱۹۰،ش۲۹ص۲۳۲ مقالہ نگار ڈاکٹر محمد العبد حمود لکھتے ہیں:

۱۔کہتے ہیں،فرزدق اکثر وبیشتر اپنے حریف جریر اور اس کی جماعت کی ہجوگوئی کرتا تھا حتی کہ اس نے جریر کے ساتھ خاندان کلیب کی بھی ہجو کی۔

۲۔یہ والی،امراء،قائدین اور اشراف کی ہجو کرتا جیسا کہ اس نے فرزندان زبیر،عبداللہ اور مصعب کی ہجو کی تا کہ بنی مروان سے قربت حاصل کرسکے۔

۳۔مہلب بن ابی صفراء،اس کے بیٹے اور ان کی قوم کی بھی ہجو کی۔

۴۔خالد بن عبداللہ اموی،والی بصرہ اور اس کے دونوں بھائیوں کی ہجو کی۔

۵۔حجاج بن یوسف کے مرنے کے بعد اس کی ہجو کی۔

۶۔قتیبہ بن مسلم باہلی اور عمر بن ھبیرہ فزاری،خالد بن عبداللہ قسری والی عراق اور بصرہ کے رئیس شرطہ، مالک بن منذر بن جارود کی بھی ہجو کی تھی۔اس کی دو وجوہات ہوسکتی ہیں:

- انہوں نے اس کی ہجو کی ہوگی۔
- یا ان کی طرف سے اسے کوئی اذیت وتکلیف پہنچی ہوگی۔

۷۔ص۸۰ پر لکھتے ہیں،اس نے ابن اشعث کے قیام کو حق وباطل اور ضلالت وہدایت کا قیام قرار دیا تھا۔

۸۔مجلّہ ہذا میں لکھتے ہیں،اس کے اشعار کے کچھ حصے لہو اور عورتوں سے لگاؤ کے حوالے سے غزل پر مشتمل ہیں۔لذت،عیش اور طرب کے حوالے سے امرالقیس کے نقش قدم پر چلتا تھا،غناپر مشتمل شعر سراہتا اور ادب واخلاق وغیرہ کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتا تھا،یہ صرف اپنی لذت پوری کرنے کا،شہرت حاصل کرنے اور شہوات میں مستغرق رہنے والا انسان تھا۔

۹۔فرزدق نے مدح،تملق وچاپلوسی کو ذریعہ معاش بنایا،چنانچہ ہاشمین کی اس طرح تعریف نہیں کی جس طرح بنی امیہ کی تعریف کی ہے،کیونکہ ہاشمیوں کے پاس انعام کے طور پر دینے کیلئے کچھ نہیں تھا۔

۱۰۔فرزدق نے بنی امیہ کے حق میں مدح سرائی کی تا کہ ان سے کچھ حاصل کرسکے،یہاں تک کہ اپنے مذہب کے خلاف بات کی اور انہیں خلافت کا حقدار قرار دیا،اسی طرح اپنی آبرو کے پانی کو بزل کیا،تا کہ ان سے کچھ حاصل کرے،لالچ یا خاندانی مصلحت میں ان کی تعریف کرتا تھا،بنی امیہ اور زبیر کے بیٹوں کی مدح سرائی کرنے کی برگشت بھی اسی عنصر کی طرف سے بصرہ اور کوفہ میں موجود امراء اور والیوں کی بھی مدح سرائی کی جیسے فرزندان مھلب،حجاج اور قصیری وغیرہ۔اسے کوئی پرواہ نہیں ہوتی تھی کہ پہلے کسی کی ہجو کی ہے،اب اس کی تعریف کیسے کرے یا پہلے تعریف کی ہے تو اب ہجو کیسے کرے،چنانچہ اس نے ہشام بن عبدالملک کی بھی تعریف کی۔

۱۱۔مقالہ نگاران کا کہنا ہے فرزدق کا اہل بیتؑ کی مدح میں امام زین العابدینؑ کیلئے سراہا گیا صرف ایک ہی قصیدہ ہے جو انتہائی جمیل،رقت آور اور اخلاص وصداقت پر مشتمل ہے،اشعار کے مصادر جمع کرنے والے تمام افراد نے اسے نقل کیا ہے۔

۱۲۔فرزدق جن کی تعریف ومدح سرائی کرتا،ان پر تنقید بھی کرتا،نیز ہمیشہ اپنے آباؤاجداد پر فخر کرتا تھا اس کے اشعار میں مرثیے کا کم ہونا اس بات کی دلیل ہے اس میں عاطفہ کم تھا اور لہو ولعب میں مستغرق انسان تھا،اس کا سراہا گیا مرثیہ فقط اپنے باپ اور بیٹوں کے بارے میں ہے یا ارباب اقتدار جیسے سلیمان بن عبدالملک،بشر بن مروان،حجاج،اس کے بھائی،بیٹے اور محمد بن عاص۔

۱۳۔فرزدق اخطل کی بہت تعریف کرتا،یہاں تک اسے اپنا بھائی اور دوست کہتا تھا اور بسا اوقات اس پر فخر کرتے ہوئے اپنے آباؤاجداد پر فخر کرنا بھول جاتا جبکہ اخطل نصرانی تھا۔ایک رات،بے وقت یہ اخطل کے پاس جا پہنچا تو اس نے فرزدق کو نہیں پہچانا وہ اس کیلئے کھانا لایا اور کہا:میں نصرانی ہوں تم حنیف ہو بتاؤ کون سی شراب پیو گے اس نے کہا تمہاری شراب پیوں گا،یہاں تک کہ اخطل نے کچھ نہیں کہا وہیں پر فرزدق نے ایک قصیدہ پڑھا۔اخطل نے کہا آج مجھ پر شر نازل ہوا ہے،تم کون ہو؟تو کہا میں فرزدق بن غالب ہوں۔اس نے میرے لئے سجدہ کیا اور میں نے اس کیلئے سجدہ کیا تو فرزدق نے کہا مجھے ڈر تھا کہ تم مجھ پر برتری پیدا کروگے۔اخطل نے بنی تغلب سے کہا اے بنی تغلب!یہ فرزدق ہے اور اس کیلئے اونٹ تیار کرو۔

۱۴۔فرزدق جن کی ہجونگاری کرتا انہیں شدید گالی بھی دیتا،اسی طرح یہ اور جریر دونوں مل کر شراب پیتے کبھی جریر،فرزدق کے شراب پینے کی مذمت بھی کرتا تھا۔بعض کی رائے ہے فرزدق کی منجملہ تمام برائیاں اہل بیت کی شان میں سراہے گئے قصیدے کے مقابلے میں ناچیز ہیں،لیکن ان کی اس بات کی کیا منطق ہے کہ ہزار میں سے ۹۵۰ برائیاں ۵۰ نیکیوں سے دھل جائیں اور دونوں برابر ٹھہریں۔

مجلّہ الثقافۃ الاسلامیہ:شمارہ۲۸،ص۱۳۸،شمارہ۲۹،ص۲۲۸ رایزنی جمہوری اسلامی دمشق:

اہل بیتؑ کی شان میں قصیدہ سرائی کرنے والوں میں سے ایک معروف شاعر "فرزدق" ہے، جس کا نا ھمام بن غالب بن صعصعہ بن ناجیہ بن عقال بن محمد بن سفیان بن مجاشیع بن دارم، جس کا تعلق عرب کے بادیہ نشین قبیلہ تمیم کے بڑے خاندان سے تھا اور اس کا دادا غالب اپنی قوم کا رئیس تھا۔ یہ بیسویں ہجری کو بصرہ کی تاسیس کے سال میں پیدا ہوا۔ کہتے ہیں فرزدق نے بہت زیادہ شادیاں کیں یہاں تک کہ یہ اور اس کی بیویاں ایک دوسرے کو برداشت نہ کرتے، بیویاں یا تو طلاق لیتی یا اس کے گھر سے فرار ہو جاتی تھیں۔ اس کے اور جریر کے درمیان ایک دوسرے کے خلاف شعر سرا ہنے میں جنگ رہتی۔ فرزدق بھی اپنے دور کے دیگر شعراء کی طرح ان پڑھ تھا لیکن اسے ایام جاہلیت کے بہت سے شعرا سے یاد تھے، جاہلیت کی کہانیوں اور حکایتوں کے ساتھ ساتھ یہ قرآن بھی یاد کرتا تھا۔ کہتے ہیں سریع الجواب اور بدیہی البیان تھا البتہ بزدل ہونے کے ساتھ ساتھ فاسق وشرابی بھی تھا، اس کے حاضر جواب ہونے کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک دن اس نے فعل زنا انجام دینے کا اعلان کیا تو سلیمان بن عبدالملک نے کہا: تم نے اپنی زبان سے زنا کا اقرار کر کے اپنے اوپر حد واجب کر دی ہے، چنانچہ میں تمہارے اوپر حد جاری کروں گا۔ تو فرزدق نے کہا: تمہیں یہ حق کہاں سے ملا ہے، کتاب خدا نے مجھ سے حد اٹھائی ہے یعنی میں نے وہ بات کی ہے جو کی نہیں ہے جیسا کہ سورۂ شعراء میں فرمایا ہے: ﴿وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ﴾ "اور (شاعر) جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔" (شعراء ۲۲۶)

کہتے ہیں فرزدق مقدسات اسلام کو خفیف سمجھتا تھا، کبھی نماز پڑھتا اور توبہ بھی کرتا، لیکن مشہور ہے علیؑ اور اہل بیتؑ کے ساتھ لگاؤ اور دوستی رکھتا تھا۔ ابن خلکان کا کہنا ہے: امید ہے، خدا اسے جنت میں داخل کرے کیونکہ اس نے امام زین العابدینؑ کی شان میں قصیدہ پڑھا ہے۔ بعض کا کہنا ہے، فرزدق، امیر المومنین علیؑ کے برجستہ صحابی صعصعہ بن صوحان کا پوتا تھا۔ اس طرح اس کے سلسلہ نسب کو جلیل القدر صحابی صعصعہ بن صوحان سے ملاتے ہیں اس بنا پر کہ اس کے دادا کا نام صعصعہ تھا، لیکن صحابی امام صعصعہ بن صوحان ہے، جبکہ اس کے دادا کا نام صحصعہ بن ناجیہ ہے۔

معجم قبائل العرب تالیف رضا کحالہ ج ۳ ص ۱۰۳۸ کے تحت فرزدق، مجاشع بن دارم کی نسل سے ہے، یہ قبیلہ حنظلہ کا ایک بطن ہے جو عدنانیہ سے تھے اور مجاشع بن دارم بن حنظلہ بن زید مناہ بن تمیم سے تعلق رکھتے تھے۔

قاموس الرجال تالیف آیت اللہ تستری ج ۵ ص ۵۰۱ پر اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۱ سے نقل کرتے ہیں: صعصعۃ، فرزدق کے دادا نے پیغمبرؐ کے زمانے میں اسلام قبول کیا تھا۔ اس کے بارے میں مشہور ہے کہ اس نے ۳۶۰ لڑکیوں کو زندہ در گور ہونے سے بچایا، اسی کی شان میں فرزدق نے یہ شعر پڑھا ہے:

وجدی الذی منع الوائدات وأحی الوئیدفلم توأد

صاحب الاصابۃ جلد ۲ ص ۱۸۶ پر لکھتے ہیں، صعصعہ بن ناجیہ بن عقال بن محمد بن سفیان بن مجاشع بن دارم تمیمی

دارمی، فرزدق شاعر کے جد ہیں۔ یہ بصرہ میں رہتے تھے اور انہوں نے پیغمبرؐ سے احادیث بھی نقل کی ہیں۔ تاریخ اسلام ذہبی رجال شمارہ ۲۰۷: فرزدق اس روٹی کو کہتے ہیں جو موٹی اور گاڑھی ہو۔ اس کی صفت میں لکھا ہے وہ اپنے پاؤں کو باندھ کر رکھتا تھا، کسی نے پوچھا تم اس طرح کیوں کرتے ہو اس نے کہا اس لئے کہ جب تک قرآن حفظ نہیں ہو گا اپنے جگہ سے نہیں ہٹوں گا۔ تعجب اس بات پر ہے قرآن سے اتنا شغف رکھنے والے سے قرآن سے وابستگی کی کوئی، علامت ونشانی سننے میں نہیں آئی اور نہ ہی انہوں نے ایسے کوئی اشعار چھوڑے ہیں جن میں قرآن کی عظمت یا حقائق پیش کئے گئے ہوں نہ ہی اس نے قرآن پر عمل کر کے ہجو کرنے اور ظالمین کی مدح سرائی سے گریز کیا جبکہ قرآن ان دونوں کی مذمت کرتا ہے۔

امام سجادؑ اور فرزدق

باقر شریف قرشی نے اپنی کتاب "حیات امام زین العابدین" میں لکھتے ہیں:

"آپ کی ولادت ۵ شعبان ۳۷ یا ۳۸ ھ کو ہوئی اور آپ نے ۵۷ سال کی عمر ۹۴ یا ۹۵ ھ میں وفات پائی۔"

مولف ج ۱ ص ۲۲۹ پر مزید لکھتے ہیں:

"ہشام بن عبدالملک نے حج کیا تو اس کے ساتھ محافظین اور دیگر شخصیات بھی موجود تھیں اس نے حجر اسود کا بوسہ کرنا چاہا تو رش کی وجہ سے کامیاب نہ ہوا۔ کسی نے اسے راستہ بھی نہ دیا، کیونکہ وہاں یہ تمیز ختم ہو جاتی ہے اس کیلئے منبر رکھا گیا تا کہ طواف کرنے والوں کا نظارہ کرے، اسی اثنا میں امام وقت امام سجادؑ طواف کرنے کیلئے آئے تو آپ کے بعض جاننے والوں نے دیکھتے ہی ندا دی یہ "بقیۃ اللہ، بقیۃ النبوۃ، امام المتقین، سید العابدین" اس سے حاجیوں پر امام کی ہیبت چھا گئی، تمام کی توجہ آپ کی طرف ہوئی اور ہر طرف سے **اللہ اکبر** کی تکبیر بلند ہوئی، اہل شام خوف زدہ ہوئے، کسی نے ہشام سے پوچھا یہ کون ہیں جس سے لوگ اتنی محبت رکھتے ہیں اس پر ہشام کو غصہ آیا اور اس کے غرور کی رگیں پھوٹنے لگیں اس نے کہا میں نہیں جانتا تا کہ لوگ امام کی طرف متوجہ نہ ہوں، اس وقت فرزدق وہاں موجود تھا اس کا ضمیر زندہ ہوا اور اس نے انتہائی شجاعت سے اہل شام سے کہا، میں انھیں جانتا ہوں اور اس نے امام کی شان میں فی البدیع قصیدہ انشاء کیا۔"

باقر شریف کتاب ہذا ص ۲۳۳ پر لکھتے ہیں:

"ابوالفرج اصفہانی صاحب اغانی نے اس قصیدے کے فرزدق سے منسوب ہونے میں شک کیا ہے۔"

اور ص ۲۳۴ پر لکھتے ہیں:

"ہشام کو غصہ آیا اور اس نے فوراً فرزدق کی گرفتاری کا حکم دیا اور عسفان کے زندان میں قید کر لیا گیا۔

جب امام زین العابدینؑ کو پتہ چلا تو آپ نے فرزدق کیلئے بارہ ہزار درہم بھیجے۔"

❁ صاحب کتاب اقرار کرتے ہیں فرزدق نے آئمہؑ کی شان میں زیادہ شعر انشاء نہیں کئے کیونکہ وہ بنی

امیہ سے ڈرتا تھا۔

قارئین کرام فرزدق کے اہل بیتؑ کے ساتھ ہونے کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔صرف ہشام بن عبدالملک کے ساتھ حج کیلئے آنے اور امام زین العابدینؑ کی شان میں ایک قصیدہ انشاء کرنے کا ذکر کیا جاتا ہے کیا صرف اسی بنا پر اسے شاعر اہل بیت یا شاعر امام زین العابدینؑ کہا جانا درست ہے؟

❁فرزدق کے شاعر اہل بیتؑ ہونے کی ایک شہادت اس کا قصیدہ میمیہ ہے جو ۲۲ تا ۲۳ بیت پر مشتمل ہے۔

قصیدہ میمیہ اپنی جگہ چند زاویوں سے تحقیق طلب ہے، پہلے مرحلے میں ہم ڈاکٹر سید جعفر شہیدی کے قصیدہ میمیہ کے بارے میں تحقیقی احتمالات قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جو مجلّہ مشکوۃ ش ۳ ص ۱۰۰ پر نشر ہوئے ہیں:

۱۔ یہ قصیدہ فرزدق شاعر کا ہے یا کسی اور کا ؟

۲۔ یہ کس کی شان میں سراہا گیا ہے؟ امام سجاد علی ابن الحسینؑ یا امام محمد باقرؑ یا عبدالملک بن مروان کے متعلق کہا گیا ہے؟

۳۔ یہ شعر کس کے مقابلے میں کہا گیا ہے؟ عبدالملک بن مروان یا ہشام بن عبدالملک یا ولید بن عبد الملک کے مقابلے میں؟

کسی کو اہل بیتؑ سے لگاؤ ہے تو وہ ہر اچھے سراہے گئے شعر کے اہل بیتؑ سے منسوب ہونے پر مسرت کا اظہار کرے گا یا اہل بیتؑ سے عداوت رکھنے والا ان سے منسوب اچھے اشعار کو ان سے حذف کرے گا۔آپ بتائیں کیا یہی کسوٹی معیار قرار پائے گی؟

مذکورہ نکات "ڈاکٹر سید جعفر شہیدی" نے اپنے مقالہ نقد میں بیان کئے ہیں اور یہ ان کے وضع کردہ احتمالات ہیں ان احتمالات کو سامنے رکھنے کے بعد اس قصیدے اور اس کی نسبت کے بارے میں چند نکات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ انشاء شعر کی مناسبت: اس شعر کی انشاء کی ضرورت اس وقت پیش آئی جیسا کہ بعض نے کہا ہے، جب ہشام بن عبدالملک کے ساتھ فرزدق بھی حج کیلئے آیا تھا، اسی طرح امام سجادؑ بھی حج کر رہے تھے۔ ہشام لوگوں کے اژدھام کی وجہ سے حجر اسود کا استلام نہیں کر پا رہا تھا، لیکن امام سجادؑ کے آتے ہی لوگ کاہی کی طرح چھٹ گئے، امام کو راستہ دیا اور امام نے نہایت آسانی سے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ یہ منظر دیکھ کر ایک شامی شخص نے ہشام سے دریافت کیا: یہ کون ہے؟ ہشام نے انجان بنتے ہوئے جواب دیا: میں نہیں جانتا۔ یہ دیکھ کر فرزدق نے کہا: لیکن انہیں میں جانتا ہوں اور پھر اس نے امام سجادؑ کی شان میں فی البدیع ایک قصیدہ انشاء کیا۔

۲۔ "شرح قصیدہ فرزدق" میں مولف سلطان علی الصابر شوشتری یہ واقعہ نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں ہشام اپنے باپ عبدالملک یا بھائی ولید کے دور میں حج کیلئے آیا، یہ نقل فرائد السمعطین میں بھی موجود ہے

۔کہتے ہیں، بعض لوگوں نے وقتاً فوقتاً اس شعر کے امام کی شان میں ہونے سے انکار کیا ہے، لیکن مقالہ نگار کا کہنا ہے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ اصفہانی نے اس شعر کو فرزدق کا انشاء کیا ہوا شعر ہونے سے انکار کیا ہے۔

مجلّہ الثقافۃ الاسلامیہ شمارہ ۲۸ ص ۱۴۷ پر عصر حاضر کے مقالہ نگار عمر فروخ کی استناد سے اور انہوں نے بھی مستشرق جوزف سے استناد کرتے ہوئے لکھا ہے تشیع کی بنیاد علی واولاد علی ؑ کا منصب امامت کے حقدار ہونے پر ہے، لیکن فرزدق کی شخصیت میں کسی بھی حوالے سے یہ نشانیاں نہیں پائی جاتیں۔ اس کا خاندان مجاشع عمانی اور اہل بصرہ عثمانی تھا، اس کے اشعار زیادہ تر بنی عثمان اور بن امیہ کے بارے میں سراہے گئے ہیں، لیکن مقالہ نگار نے اس سب باتوں کو رد کر کے اس کی ولایت ثابت کی ہے۔

قصیدہ میمیہ فرزدق

مجلّہ مشکوۃ ش ۳ ص ۱۰۰: دنیائے شعراء میں بھی اشعار کی چوری، جعلیات کو شامل کرنا اور اقوال وگفتار میں تحریف کرنا، احادیث اور روایات کے بارے میں کی جانے والی ردوبدل سے کم نہیں۔ کسی شاعر کے شعر یا خود شاعر اور جس کی شان میں یہ شعر سراہا گیا ہو کی شناخت کا کوئی ذریعہ اصول وپیمانہ یا کسوٹی ہونی چاہیے؟ یا یہاں بھی گالی، تہمت، عداوت ودشمنی یا محبت ومودت جیسی کسوٹیوں کو معیار بنایا جائے گا؟

❁امام سجادؑ نے ۲۵ محرم ۹۴ھ۔۹۵ھ کو ولید کے دور خلافت میں وفات پائی، تاہم اس قصے کے متعلق چند زاویوں سے بحث کرنے کی ضرورت ہے:

۱۔ **حکمرانوں اور ارباب اقتدار:** یہ طبقہ ہمیشہ لوگوں کی رفت وآمد، ہجوم، استقبال اور اپنی توہین واعتنائی کے حوالے سے موقع شناس ہوتا ہے، چنانچہ جس طرح فی زمانہ ہیں، ارباب اقتدار اکثر وبیشتر اپنے محافظوں کے ساتھ طواف کرتے تھے جو آسانی سے ان کیلئے جگہ بناتے۔ ایسے منظر کو دیکھ کر نہ جاننے والے اور جاننے والے دونوں استفسار کرتے ہیں اور نہ جاننے والوں کو ایسی شخصیت سے متعارف کراتے ہیں کہ فلاں شخص طواف کر رہا ہے، لہٰذا ان کیلئے طواف یا حجر اسود کا استلام کرنا مشکل نہیں ہوتا، چنانچہ یہ قصہ اپنی جگہ لمحہ فکریہ ہے اور آسانی سے قابل قبول نہیں۔

۲۔ **امام:** امام چہرے سے پہچانا جاتا ہے یا ہر خوبصورت شخص یوسف نبیؑ یا امام وقت ہو اس کی کوئی منطق و دلیل نہیں۔ اگر لوگوں کے ہجوم میں آئمہ کی پہچان با آسانی ہوتی تو یہ ذوات اپنے دور میں گوشہ نشین نہ ہوتے، جب یہ امتیاز خود رسول اللہؐ کو بھی حاصل نہیں چنانچہ باہر سے مسجد نبوی میں آنے والے نبیؐ کو پہچان نہیں پاتے تھے اور پوچھتے تھے تم میں سے اللہ کے رسول کون ہیں؟ ڈاکٹر حسین حاج حسن اپنی کتاب "الامام السجادؑ": ص ۱۹ پر بحار الانوار ج ۴۶ ص ۱۴۳ سے نقل کرتے ہیں امام سجادؑ نے فرمایا:

"مابمکة والمدینة عشرون رجلایحبنا" "مکہ ومدینہ دونوں میں ہمارے چاہنے والے بیس سے زیادہ

نہیں ہیں۔" جب مکہ ومدینہ میں آپ کے چاہنے والے موجود نہ ہوں تو دنیا کے گوشہ وکنار سے آنے والے آپ کو کیسے پہچانتے ہیں؟

۳۔**طواف:** امام جعفر صادقؑ ایک دفعہ حجر اسود سے دور اسے بوسہ دیئے بغیر طواف کررہے تھے، یہ دیکھ کر کسی نے عرض کیا: یابن رسول اللہ، حضورؑ تو طواف کرتے وقت ہر بار حجر اسود کا بوسہ لیتے تھے آپ ایسا کیوں نہیں کرتے؟ آپ نے فرمایا: رسول اللہؐ لوگ حجر اسود تک جانے کیلئے راستہ دیتے اور وہ کسی کو رنج وزحمت پہنچائے بغیر بوسہ فرماتے تھے، جبکہ میرے لئے لوگ راستہ نہیں بناتے۔

۴۔ **شعر کے مضمون:** شعر میں ہے:

هذاالذی تعرف البطحاء وطاته والبیت یعرفه والحل والحرم

"یہ (امام سجادؑ) وہ ہستی ہیں جن کے قدموں کی نقش سے مکہ کی سرزمین آشنا ہے۔ خدا کا گھر انہیں پہچانتا ہے اور حل وحرم اس کو جانتے ہیں۔"

یہ بات اپنی جگہ شعر وقافیہ سازی تو ہوسکتی ہے، حقیقت نہیں کیونکہ زمین ومکان جامد ہونے کی بنا پر کسی چیز یا کسی کی شناخت نہیں کرتے۔ شناخت کرنے والے زمین ومکان کے اہل ہوتے ہیں! ایسا بھی نہیں کہ مکہ والوں نے ہمیشہ اہل حق کو پہچانا ہو، بلکہ یہاں کے رہنے والے پیغمبر گوشہید کرنے کے درپے ہوئے امام حسینؑ کو پناہ کی پیشکش نہیں کی اور آپ کو مکہ چھوڑنا پڑا، بتائیں یہاں کے رہنے والوں نے کسی امام کو پہچانا یا پناہ دی؟ [آئمہ معصومینؑ کی سیاسی زندگی کا تحقیقی جائزہ: ص ۲۵۴]

۵۔ **سنہ:** واقعہ کے سنہ اور تاریخ کا کوئی ذکر نہیں۔

۶۔ **فرزدق:** اس کا تعارف پہلے بیان کیا جاچکا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فرزدق نے اپنے ان چند اشعار کے علاوہ کتنے شعر آئمہؑ کے بارے میں کہے ہیں؟ اسکے دور میں امام حسینؑ کو شہید اور آپ کے اہل بیتؑ کو اسیر کیا گیا۔ بتائیں اس المناک واقعے پر اس نے کوئی شعر انشاء کیا ہے؟ اسی طرح اس کے دور میں یکے بعد دیگر جاں سوز واقعات رونما ہوئے جیسے توابین کا قتل، کوفہ میں قتل عام، مدینہ کی تاراجی۔ بتایئے اپنے کس شعر میں اس نے مظلوم سے دفاع کیا ہے؟

✿ فرزدق نے منطقہ تنعیم میں امام حسینؑ سے ملاقات کی جہاں یہ حج کی نیت سے مکہ میں داخل ہورہا تھا اور امام مکہ سے نکل رہے تھے، اس نے امام کے خروج کے فیصلہ کو تعجب کی نظر سے دیکھا اور امام سے اس کا سبب پوچھا۔ آپؑ نے اس سے کوفے کے حالات دریافت کئے، اس نے امام کو جواب دیا لیکن آپ کا ساتھ دینے سے گریز کیا، بعض لوگوں نے حج کی ادائیگی کے بعد امام حسینؑ سے ملاقات کی، لیکن فرزدق حج کی ادائیگی کے بعد بھی امام کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا۔ اس نے نوے سال کی عمر میں (۱۱۴) ہجری میں وفات پائی۔

✿ صاحبِ کتاب "شرح قصیدہ فرزدق" نے فرزدق کے امام حسینؑ کی نصرت نہ کرنے کے متعلق چند ین توجیہات پیش کی ہیں:

"امام کے انصار کے اسمائے گرامی عالم ذر میں لکھے ہوئے تھے جس میں اس کا نام نہیں ہوگا یا یہ اس وقت بیمار تھا یا امام کے شہید ہونے کا علم نہیں تھا اور یا پھر امام نے انہیں دعوت نہیں دی۔"

۷۔ **شعروشاعر:** اگر امام کی شان میں فرزدق کا یہ شعر ثابت ہوجائے تو اس سے اس کا مضمون اونچا ہوگا یا شاعر کیا شاعر کی صداقت، حق جوئی یا حق طلبی کا پہلے سے معروف ہونا ضروری ہے اگر ضروری ہے تو اس کے انشاء کردہ شعر کی حقیقت بنتی ہے۔ کیا شاعر اسی حیثیت کا حامل ہوتا ہے کہ جس کے بارے میں لب کشائی کرے، اس کا مقام بن جاتا ہے یا اس کی فضیلت دنیا کیلئے روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے؟

۸۔ کیا یہ انتہائی افسوس کی بات نہیں کہ آئمہ طاہرینؑ کی شخصیت کو ایک مجہول شعر سے لٹکا کر رکھا جائے!

✿ صاحب روضات الجنات ج ۶ ص ۵ پر لکھتے ہیں:

"فرزدق خمیر کے ایک ٹکڑے کو کہتے ہیں ص ۹ پر لکھتے ہیں جس وقت ہشام بن عبدالملک نے فرزدق کو قید کیا اور اسے مارنے کی دھمکی دی، یہ امام سجادؑ سے متوسل ہوا، امام نے اس کیلئے دعا کی جس سے اسے خلاصی ہوئی۔ یہ امام سجادؑ کے پاس آیا اور کہا اس نے میرا نام دیوان سے نکال دیا ہے، امام نے فرمایا تمہیں وہ کیا دیتا تھا، اس نے انداز اً بتایا، امام نے اسے ۴۰ سال کا راتب دیا اور فرمایا اگر تمہیں اس سے زیادہ چاہیے تو بھی ہم دیں گے، فرزدق چالیس سال کے بعد وفات پا گیا۔ صاحب روضات الجنات ص ۱۵ پر لکھتے ہیں، امام سجادؑ کے حق میں سرا ہے گئے فرزدق کے اشعار کے بعد اس کے فاحشہ عورتوں، شراب، بادشاہان، اہل دنیا، حکام اور اہل فسق وفجور کے بارے میں سرا ہے گئے اشعار سے ہمیں گریز کرنا چاہیے، خدا سے امید ہے انہیں ان لوگوں میں قرار دے دے جو اس قصیدہ کی وجہ سے بخشش پانے والے ہیں۔"

✿ صاحب ریاض العلماء ج ۴ ص ۳۱۴ پر لکھتے ہیں:

"جب مروان نے فرزدق کو مدینہ سے نکالا تو یہ امام حسینؑ کے پاس آیا، امام نے اسے چار سو دینار دیئے کسی نے امام سے کہا: یہ شاعر تو فاسق ہے۔ امام نے فرمایا بہترین مال وہ ہے جس سے انسان کی آبرو کو بچائیں، چنانچہ پیغمبرؐ نے فرمایا:

کعب بن زہیر یا عباس بن مرداس کی زبان ہم سے کاٹو یعنی مال دے کر ان کا منہ بند کردو۔

صاحب ریاض فرماتے ہیں: امام کے اس قول سے فرزدق کی مذمت نکلتی ہے۔

صاحب ریاض العلماء رجال نجاشی سے نقل کرتے ہیں: فرزدق نے یہ قصیدہ میمیہ عبدالملک بن مروان کے زمانے میں امام سجادؑ کے حق میں کہا، لیکن مقتل صفی الدین سے ظاہر ہوتا ہے یہ انہوں نے

امام حسینؑ کی مدح میں کہا ہے۔

✿ صاحب مستدرک سفینۃ البحار شیخ علی نمازی شاہرودی جلد ۸ ص ۱۶۷ پر لکھتے ہیں:

"فرزدق کا قصیدہ میمیہ دوسرے قصائد سے بالکل مختلف ہے اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اسے اچانک فی البدیہ کہا گیا ہے اور انہیں روح القدس کی تائید حاصل تھی۔

ص ۱۶۸ پر لکھتے ہیں: سید علی خان نے اپنی کتاب انوار الربیع میں لکھا ہے فرزدق کا باپ اپنی قوم کا سید وسردار اور بزرگ تھا، اس کے بہت سے مناقب ومحامد ہیں ایک دفعہ اہل کوفہ قحط کا شکار ہوئے تو لوگوں نے کوفہ سے دیہاتوں کا رخ کیا۔ اس وقت غالب اپنی قوم کا رئیس تھا جبکہ صعیم بن وثیل بھی اپنی قوم کا سردار تھا، سب مقام صوار پر جمع ہوئے جو سماوا کی طرف اور کوفہ سے ایک دن کی مسافت پر واقع تھا۔ غالب نے اپنی قوم کیلئے ایک اونٹ ذبح کیا اور ایک برتن میں ڈال کر صعیم کیلئے بھی بھیجا، اس نے بھی ایک اونٹ ذبح کیا۔ غالب نے پھر دو اونٹ ذبح کئے تو صعیم نے بھی دو اونٹ ذبح کئے پھر غالب نے تین اونٹ ذبح کئے تو صعیم نے بھی تین اونٹ ذبح کئے اس طرح غالب نے سو اونٹ ذبح کئے لیکن صعیم کے پاس اتنے اونٹ نہیں تھے اس نے اس بات کو دل میں چھپایا جب قحط ختم ہوا اور لوگ کوفہ میں داخل ہوئے تو بنی ریاح نے صعیم سے کہا تم نے زمانے میں ہمارے لئے ننگ وعار کو کھینچا ہے ہم تمہیں ایک اونٹ کی جگہ دو اونٹ دیتے اس نے معذرت کی میرے اس وقت اونٹ نہیں تھے۔ پھر اس نے تین سو اونٹ ذبح کئے اور سب کو دعوت دی۔

کہتے ہیں یہ واقعہ حضرت علیؑ کے زمانے میں پیش آیا، چنانچہ آپؑ سے ان اونٹوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ نے انہیں حرام قرار دیا، کیونکہ یہ اونٹ خدا کیلئے نہیں، بلکہ فخر ومباہات کیلئے ذبح کئے گئے تھے چنانچہ سب نے گوشت کو کچرے کی میں پھینک دیا۔"

خلفائے بنی امیہ اور امارت حج

✿ عبدالملک بن مروان: تاریخ الدولۃ الاسلامیہ ص ۱۱۳ پر لکھتے ہیں عبدالملک ۲۶ھ میں مدینہ میں پیدا ہوا، ۶۵ھ کو خلیفہ بنا، ۸۶ھ میں وفات پائی۔

✿ ولید بن عبدالملک: ص ۱۱۷ پر لکھتے ہیں، ولید ۵۰ھ میں پیدا ہوا، ۸۶ھ میں خلیفہ بنا اور ۹۶ھ کو وفات پائی۔

✿ سلیمان بن عبدالملک: ۵۴ھ میں پیدا ہوا، ۹۹ھ میں وفات پائی۔

✿ عمر بن عبدالعزیز: ۶۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۱ھ میں وفات پائی۔

✿ یزید بن عبدالملک: ۱۰۵ھ میں وفات پائی۔

✿ ہشام بن عبدالملک: تاریخ الدولۃ الاسلامیہ ص ۱۲۶ پر لکھتے ہیں:

"ہشام نے ۱۲۵ھ میں وفات پائی، اس کا شمار بنی امیہ کے لائق، حلیم خلفاء میں ہوتا تھا، حلم وعفت میں

مشہور تھا۔ ایک دفعہ ہشام نے کسی شریف آدمی کو گالی دی، اس نے کہا، آپ کو خلیفہ ہوتے ہوئے گالی دینے سے شرم نہیں آتی، اسے حیا آئی اور اس شخص سے کہا مجھ سے قصاص لے لو۔ اس پر اس نے کہا تب میں بھی تمہارے جیسا احمق ہو جاؤں۔ ہشام نے کہا اس کے عوض مجھ سے مال لے لو۔ پوچھا اس مال کا کیا کروں گا؟ کہا خدا کی راہ میں دے دو۔ اس نے کہا کہ خدا کی راہ میں تمہیں ہبہ کیا۔ ہشام نے شرم سے سر نیچے کر لیا اور کہا کہ میں دوبارہ ایسا نہیں کروں گا۔" [تاریخ الدولۃ الاسلامیہ]

اخبار الدول ج ۴ ص ۴۸ پر لکھتے ہیں:

"ہشام ۷۶ھ میں پیدا ہوا، ۱۰۵ھ یزید بن عبدالملک کی وفات کے موقع پر ۳۰ سال کی عمر میں خلیفہ بنا عبدالملک بن مروان کی وفات کے موقع پر اس کی عمر ۱۰ سال تھی، اس کے بعد ولید بن عبدالملک خلیفہ بنا جس کا دور خلافت ۱۰ سال رہا اس کی وفات کے موقع پر اس کی عمر ۲۰ سال ہوئی۔ لہٰذا ہشام، عبدالملک یا ولید کے دور خلافت میں اتنے دبدبے اور اختیار کا حامل نہیں تھا جیسا کہ فرزدق کے واقعے میں ذکر ہوا ہے۔ ولید کے بعد سلیمان بن عبدالملک اس کے بعد عمر بن عبدالعزیز بن مروان خلیفہ بنا اور پھر ہشام بن عبدالملک خلیفہ بنے۔ اس سے پتہ چلتا ہے، امام سجادؑ کی وفات، دو بھائیوں اور عمر بن عبدالعزیز یعنی تین خلفاء کے درمیان واقع ہوئی ہے۔"

ہشام اور امارت حج

کتاب التاریخ القویم لمکۃ وبیت اللہ تالیف محمد طاہر الکردی المکی ج ۵ ص ۱۱۱ پر دی گئی فہرست سے ظاہر ہوتا ہے، ہشام بن عبدالملک نے ۱۰۶ھ میں حج کیا پیغمبرؐ اور خلفاء کی طرف سے جو افراد امیر حج بنے ان کا ذکر کتاب "الزھور المقتطفۃ" میں بھی موجود ہے۔ کتاب "روض المناظر" تالیف محب الدین (متوفی ۸۱۵ھ) ص ۱۲۶ پر مؤلف نے لکھا ہے، عبدالملک بن مروان نے سنہ ۷۵ھ کو حج کیا۔

۲۔ کثیر عزہ (۱۰۵ھ/۸۲۳م)

کثیر بن عبدالرحمٰن الخزاعی، حجاز کے غزل گو شعراء میں سے تھا، اس کے اکثر شعروں میں عَزَہ نامی عورت سے تشبیب ہے جس کی وجہ سے یہ عزہ کے نام سے معروف ہو گیا۔ کیسانی المذہب تھا، اس کا پورا نام کثیر بن عزۃ بن عبدالرحمٰن بن ابی جمعہ خزاعی تھا۔ [از دائرۃ المعارف الشیعی الاعلمی: ج ۱۵ ص ۵۴]

✿ کُثَیِّرَ بن عبدالرحمان بن اسود خزاعی کنیت ابوالصخر، اہل مدینہ تھا، لیکن زیادہ تر مصر میں قیام کیا انتہائی بدشکل تھا۔ [از معجم مصطلاحات واتراکین والامثال ص ۱۹۳]

✿ اعلام النبلی ج ۵ ص ۱۵۲ پر لکھتے ہیں یہ فاسد عقیدے کا مالک تھا۔

✿ صاحب اعلام لکھتے ہیں: کثیر عبدالملک بن مروان کے پاس پہنچا تو اس نے اس کی شکل دیکھ کر اس سے نفرت کا اظہار کیا، لیکن جب عبدالملک نے اس کا ادب دیکھا تو اسے بلند مقام حاصل ہوا۔ اس

وقت سے یہ بنی مروان کیلئے مختص ہوا، خود عبدالملک اس کی تعظیم وتکریم کرتا تھا، مرزبانی کا بیان ہے، یہ شاعر اسلام تھا۔ مورخین نے لکھا ہے، شیعہ غلاۃ میں سے تھا اور تناسخ کا قائل تھا جیسا کہ یہ خود کو یونس بن متی سمجھتا تھا، عزۃ بن جمیل الضمریہ کے ساتھ اس کے بہت سے قصے مشہور ہیں۔ [اعلام ج۵ ص ۲۱۹]

✿ الفرق بین الفرق (حواشی) ص ۱۱۰: کثیر عہد اموی کا مشہور شاعر تھا، یمنی قبیلہ ازد سے نسبی تعلق رکھتا تھا، تناسخ ارواح کا قائل تھا اور اپنے آئمہ کی رجعت پر ایمان رکھتا تھا۔

✿ **ص ۷۶**: کیسانیہ کے اس گروہ سے تعلق رکھتا تھا جو حیات محمد بن حنفیہ کے قائل تھے اور ان کی موت کو سچ نہیں جانتے تھے، اسی بنا پر اس نے اس قصیدہ میں اظہار کیا ہے: ''آگاہ ہو جاؤ قریش سے آئمہ جو برحق ہیں چار ہیں اور وہ سب کے سب مرتبہ میں یکساں اور برابر ہیں۔ وہ ہیں علی اور ان کے تین بیٹے۔ یہی اسباط ہیں اور ان سے متعلق کوئی ابہام واشکال نہیں۔ سو ان میں سے ایک سبط ایمان ونیکوکاری کے پیکر ہیں اور دوسرے سبط وہ ہیں جنہیں کربلا نے غائب کر دیا اور تیسرے سبط وہ ہیں جنہیں اس وقت تک موت نہ آئے گی جب تک وہ دستہ سواراں کی جن کے آگے پرچم ہوگا قیادت نہ کر لیں گے وہ غائب ہو گئے اور لوگوں میں ایک مدت تک دیکھے نہ جائیں گے وہ جبل رضوی میں روپوش ہیں اور ان کی غذا کیلئے شہد اور پانی موجود ہے۔

کثیر نے اپنے ایک قصیدہ میں کہا ہے:

وصی (محمد بن حنفیہ) سے، جن پر میری جان قربان، ذرا جا کر کہدو کہ آپ نے اس پہاڑ (جبل رضوی) پر اپنے قیام کو بڑا طویل کر دیا ہے یہ امر ہمارے جد کیلئے جنہوں نے آپ سے تولاء کیا، آپ کو خلیفہ اور امام کہا، بڑی تکلیف کا باعث ہے۔ آپ کے حامیوں نے آپ کیلئے تمام اہل زمین سے دشمنی مول لی ان کے عقیدہ کے مطابق آپ کو وہاں (جبل رضوی) میں ساٹھ سال قیام فرمانا تھا۔ خولہ کے بیٹے (محمد بن حنفیہ) نے نہ موت کا مزا چکھا ہے اور نہ ان کی ہڈیوں کو زمین نے ڈھانپ دیا ہے۔ وہ رضوی کی گھاٹی کے گھاٹ پر مقیم ہیں اور فرشتوں سے ان کی بات چیت ہوتی رہتی ہے۔ انہیں ہر روز روزی بہم پہنچائی جاتی ہے اور مشروبات دیئے جاتے ہیں جو وہ کھانے کے دوران بار بار پیتے ہیں۔''

امام محمد باقر، جعفر صادق، موسیٰ کاظم اور امام علی الرضا ؑ سے منسوب شعراء

کمیت اسدی [1]

ابو مستہل کمیت بن زید الاسدی جن کا نسب مضر بن نزار بن عدنان سے ملتا ہے، کوفہ میں اپنے زمانے کے اشہر الشعراء میں سے تھے، عرب کی لغت اور تاریخ سے آشنا تھے۔ کہتے ہیں، آپ ۶۱ھ میں پیدا ہوئے اور اپنے دور میں حامی بنی ہاشم تھے۔ ابوعبیدہ نے ان کے بارے میں کہا ہے، بنی اسد کیلئے کوئی فضیلت نہ ہوتو کمیت کا ان میں سے ہونا کافی ہے۔ ابوعکرمہ ضبی کہتے ہیں، اگر اشعر کمیت نہ ہوتے تو عرب کی زبان کیلئے

کوئی ترجمان نہ ہوتا۔ ابو معاذ ھوآء سے پوچھا گیا اشعر شعراء کون ہے۔ کہا: شعراء جاہلیت میں سے یا شعراء اسلام میں سے، شعرائے جاہلیت میں سے امراء القیس، زہیر، عبید بن عبرص ہیں۔ پوچھا گیا: اسلام کے شاعر کون ہیں۔ تو کہا: فرزدق، جریر، اخطل اور رعی۔ کہا گیا: تم نے کمیت کا نام کیوں نہیں لیا جس پر کہا، یہ اولین وآخرین کے شاعر ہیں۔

اخلاق کمیت

ایک دن کمیت نے فرزدق کو شعر کہتے ہوئے پوچھا، کیا تمہیں پسند ہے کہ میں تمہارا باپ ہو جاؤں؟ فرزدق نے کہا نہیں میں اپنے باپ کے بدلے میں کسی کو نہیں لوں گا۔ کہتے ہیں عرب کے علم اور فضائل وانساب کو کمیت سے زیادہ کسی نے جمع نہیں کیا۔ کہتے ہیں، کمیت میں موجود دس خصلتیں کسی اور میں نہیں تھیں:

✿ خطیب بنی اسد ✿ فقیہ شیعہ ✿ حافظ قرآن ✿ عارف خطا
✿ اپنے دور کے نساب ✿ تیر باز وشہسوار ✿ مرد میدان ✿ شجاع
✿ دین دار۔ ✿ تشیع میں اپنے موقف کے بارے میں مناظرہ کرنے والے۔

کمیت نے عراق کے والی خالد بن عبداللہ قصری کی ہجو کی تو اس نے انتقام لینا چاہا، ایک عورت نے ان کے اشعارِ ہاشمیات اور ان کے بارے میں معلومات کو لکھ کر ہشام کے پاس بھیجا جو زید بن علی اور ان کے فرزند حسین بن زید کے بارے میں کہے گئے، ان میں مرثیے بھی تھے، جس میں بنی ہاشم کی مدح و بنی امیہ کی مذمت کی گئی تھی، جس پر ہشام کو بہت غصہ آیا، اس نے حکم دیا ان کی زبان اور ہاتھ کاٹ دیئے جائیں، چنانچہ فوراً ان کو گرفتار کیا گیا، ابان بن ولید بجلی جو عراق کے علاقہ، واسط میں والی تھے انہوں نے اپنا غلام کو ان کی طرف یہ پیغام رازداری سے پہنچانے کا کہا اور اسے آزاد کرنے کا کہا، تاہم یہ کمیت کو فرار کرانے میں کامیاب ہو گیا۔ کمیت ایک عرصے تک فرار رہے پھر شام جا کر ہشام سے معذرت کرتے ہوئے امان طلب کی جس پر ہشام نے انہیں بخش دیا، کہتے ہیں کمیت نے ایک شخص کو امام محمد باقرؑ کے پاس بھیجا اور اپنے ساتھ گذرنے والے حالات بیان کرنے کو کہا اور ساتھ میں امام سے یہ اجازت طلب کی کہ امام انہیں بنی امیہ کی مدح کرنے کی اجازت دیں۔ امام نے اسے اجازت دی اور کہا تم جو کچھ کرو ہماری طرف سے آزاد ہو۔ کمیت جب دربار میں گیا تو اس نے سلام کیا اور کہا یا امیر المومنین! (مزنب نائب) غیب ہونے والا آ گیا ہے اور توبہ سے گناہ بخشے جاتے ہیں، صدق سے جھوٹ بخشا جاتا ہے، توبہ گناہ کو کھاتی ہے، آپ مجرمین کو بخشتے ہیں اور مشکوک انسان سے صرف نظر کرتے ہیں۔

ہشام نے کہا کس نے تم کو خالد قصری سے نجات دی اس نے کہا، توبہ صدق نیت ہے، چنانچہ اس نے ان کے حق میں شعر پڑھے۔ ہشام نے کہا میں تم سے راضی ہو گیا ہوں، کمیت نے کہا اگر آپ راضی ہیں تو مجھے خالد کی امارت میں نہ رکھیں ہشام نے اسے جائزے اور بخشش سے نوازا اور خالد کو لکھا ان کی بیوی کو آزاد کرے

اورانہیں نوازے، کمیت سے کہا تم نے جو کچھ بنی ہاشم کے بارے میں کہا ہے، اچھا کہا ہے اور جو کچھ بنی امیہ کے بارے میں ہے وہ افضل ہے۔

کمیت اہل بیتؑ کے مخلص ومحبّ تھے، وہ منیٰ میں ایام تشریق کے دوران امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا میں نے آپ کے حق میں شعر کہے ہیں، چاہتا ہوں آپ کو سناؤں امام نے فرمایا ان دنوں میں "ذکر یاد خدا کرو" کمیت نے دوبارہ خواہش کی تو امام ان کیلئے نرم ہوئے اور کہا سناؤ، انہوں نے شعر پڑھے امام نے اپنے اہل بیت کو کہا ان کے اشعار سنیں، امام نے فرمایا: خداوندا! انہیں ہمارے لئے بخش دے۔ کمیت امام باقرؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو امام نے انھیں ایک ہزار دینار اور لباس دیا، انہوں نے کہا میں نے ان چیزوں کیلئے اشعار انشا نہیں کئے۔ یہ دروازہ تو میرے لئے کھلا تھا، جانتا ہوں دنیا کس کے ہاتھ میں ہے، جبکہ میں نے یہ سب کچھ آخرت کیلئے کیا ہے آپ نے جو لباس زیب تن کر رکھا ہے وہ مجھے دے دیں۔

ان کے غلام کا کہنا تھا، یہ ایک دفعہ امام سجادؑ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا میں چاہتا ہوں پیغمبرؐ کے حضور میرے پاس کوئی وسیلہ ہو۔ پھر شعر پڑھا تو امام نے فرمایا: ہم تمہیں اس کا صلہ دینے سے عاجز ہیں، لیکن جس چیز سے ہم عاجز ہیں اس سے خدا عاجز نہیں۔ کمیت نے کہا اگر آپ ہمیشہ کا احسان کرنا چاہتے ہیں تو مجھے اپنے جسم سے مس شدہ لباس عنایت کریں، امام نے اپنا پہنا ہوا لباس انھیں دیا اور فرمایا خداوند! کمیت نے تیرے پیغمبرؐ کی ذریہ کے حق میں نیکی کی ہے، جب لوگ بخل کر رہے تھے، خداوندا! اسے سعادت مند زندگی اور نیک جزا دے، ہم اس کا صلہ دینے سے عاجز ہیں۔

کہتے ہیں، کمیت نے مروان بن محمد کی خلافت کے دوران ۱۲۶ھ میں وفات پائی۔ اسباب موت کے بارے میں کہا جاتا ہے خالد قصری کے عراق سے معزول ہونے کے بعد انہوں نے یوسف بن عمر کے حق میں شعر پڑھا اس پر وہاں موجود خالد کو چاہنے والے سپاہیوں نے نیزے کے وار سے آپ کو شہید کر دیا۔

سید حمیری

حمیری، تشیع سے تعلق رکھنے والی مشہور ومعروف شخصیات میں سے ایک ہیں، ان کا ذکر کتاب اعیان الشیعہ جلد ۳ ص ۴۰۵ اور قاموس الرجال تالیف آیت اللہ شیخ محمد تقی تستری جلد ۲ ص ۱۰۷ میں آیا ہے۔

۞ مولفِ موسوعہ امام علیؑ جلد ۹ ص ۱۶۱ پر لکھتے ہیں: اسماعیل بن محمد بن یزید بن ربیعہ حمیری ۱۰۵ ہجری میں پیدا ہوئے، مورخین کا اتفاق ہے وہ پہلے کیسانی تھا بعد میں امام صادقؑ سے ملنے سے امامی ہوا اس نے ۱۷۳ھ میں وفات پائی۔

۞ الغدیر جلد ۲ ص ۲۴۴ میں لکھتے ہیں: یہ ایک عرصہ تک کیسانی مذہب پر رہا۔ رجال کشی اور فصل بن حزم میں ہے محمد بن حنفیہ کی امامت اور رجعت کا قائل تھا، جب امام صادقؑ سے ملا اور آپ کے قوی دلائل سننے کے بعد اس نے کیسانیہ کی غلطیوں اور برائیوں کو چھوڑ دیا۔ کہتے ہیں، یہ واقعہ امام کی کوفہ میں منصور

دوانقی سے ملاقات یا حج کے موقع پر پیش آیا۔

۞ عبداللہ بن معتز متوفی ۲۹۶ھ، شیخ الطائفہ الصدوق متوفی ۳۸۱ھ، حافظ المرزبانی متوفی ۳۸۴ھ، شیخ مفید متوفی ۴۱۲ھ، ابوعمرو الکشی، ہروی متوفی ۵۸۸ھ اور اربلی متوفی ۶۹۲ھ تمام نے کہا ہے کہ اس نے مذہب بدل لیا تھا، معتز نے طبقات الشعراء صفحہ ۷ پر لکھا ہے سید پہلے کیسانی تھا اور محمد بن حنفیہ کی امامت کا قائل تھا۔

۞ محمد بن حنفیہ کی رجعت کے بارے میں سید حمیری اپنے شعر میں کہتا ہے:

حتی متی؟ والی متی؟ وحتی المدی بابن الوصیّ وَانت حیی ترزق؟!

۞ کہتے ہیں، حمیری ایام حج میں امام صادقؑ سے ملا اور مناظرہ کیا، امام نے اس پر حجت تمام کی پھر اس نے کیسانیہ سے رجوع کیا اور یہ شعر پڑھا:

تجعفرت باسم اللہ واللہ اکبر وأیقنت ان اللہ یعفو ویغفر

ویثبت مهما شاه ربی بامره ویمحو ویقضی فی الامور ویقدر

۞ شیخ الطائفہ نے لکھا ہے، سید گمراہ اور محمد بن حنفیہ کی رجعت کا قائل تھا، یہاں تک کہ اس نے امام صادقؑ سے غیبت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا، یہ بارہ کے بعد ہوگی نیز آپ نے محمد بن حنفیہ کی موت کی خبر سنائی۔

۞ الفرق بین الفرق ص ۹۷: سید حمیری، فرقہ کیسانیہ کے اس گروہ کا ہم مذہب تھا جو محمد بن حنفیہ (کی رجعت) کے منتظر ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ "جبل رضوی" میں اس وقت تک قید ہیں جب تک انہیں وہاں سے نکلنے کی اجازت نہ ملے گی اسی لئے وہ اپنے شعر میں لکھتا ہے:

"لیکن وہ تمام لوگ جو زمین پر ہیں مٹ جانے والے ہیں، جس ذات نے اس دنیا کو پیدا کیا ہے اس نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے۔"

حمیری اور اس کے اشعار

مجلّہ آئینہ پژوھش شمارہ چہارم ص ۸۶: ابو ہاشم سید اسماعیل حمیری ۱۰۵ھ کو رملہ، بغداد میں پیدا اور ۱۷۱ھ میں وفات پائی، اپنے دور کے مشہور ومعروف شاعروں میں سے تھا، اسے آئمہ طاہرینؑ کی لطف اور عنایات حاصل تھی۔ اس کے نام کے ساتھ سید کا اضافہ امام صادقؑ نے کیا اور فرمایا تمہاری ماں نے تمہیں سید کہا ہے، خدا تمہیں اس کی توفیق دے کہ تم شعراء کے سید بنو۔ حمیری کے والدین خارجی تھے، ان کے بارے میں کہتے ہیں یہ اس آیت کا مصداق ہیں کہ خدا زندہ سے مردے کو پیدا کرتا ہے۔ [غدیر ج ۲ ص ۲۳۲]

کہتے ہیں، حمیری ہمیشہ تولیٰ وتبرا کا داعی رہا جیسا کہ اس کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے، اسے دنیا سے گزرے ہوئے ۱۳۰۰ سال بیت چکے ہیں لیکن اس کے اشعار میں کشش اور جاذبیت آج بھی باقی ہے، ایسی کتابیں کم ہوں گی جن میں عقیدہ اور امامت وولایت کے بارے میں سید حمیری کا کوئی شعر نہ ہو، اسے ناظم الاخبار

والحدیث اور شاعر العقیدہ کے لقب سے پکارا گیا ہے۔اس کی حیات پر لکھی گئی کتابوں کی تعداد تیرہ ہے جن میں زیادہ تر سید حمیری کے جمع کردہ اقوال ہیں۔بعض کتب اس کے اشعار سے مربوط ہیں جو تقریباً ۴۰ سے زیادہ ہیں جیسے دیوان سید قصیدہ یای وغیرہ۔محمد ہادی امین نے ۳۸۵ھ قمری میں اس کی حیات پر تحقیق کی:

۱۔نام اسماعیل بن محمد بن یزید بن ربیعہ،کنیت ابو ہاشم یا بعض کے مطابق ابو عامر تھی۔

۲۔تاریخ منتظم اور لسان المیز ان میں آیا ہے حمیری ۱۰۵ھ میں عمان میں پیدا ہوا،بصرے میں پرورش پائی اور ۱۷۹ھ میں وفات پائی۔یمن کے ایک قبیلے حمیر سے منسوب تھا،سید اس کا لقب تھا یہ علوی یا ہاشمی نہیں تھا۔

✿ حمیری کے متعلق لکھنے والوں نے لکھا ہے اسکے والدین علیؑ کے دشمن تھے۔[غدیر ج۲ص۳۳۳]

✿ حمیری کے والدین نے اسے گھر سے نکالا تو یہ مسجد میں بھوکا رہتا تھا،تمام شیعوں نے اس کی عظمت و بزرگی اور بلند مقام کے بارے میں لکھا ہے۔

✿ عقد فرید ج۲ص۲۸۹ میں آیا ہے سید حمیری شیعوں کا سر برآوردہ شخص تھا،اس کی تعظیم کرتے اور مسجد کوفہ میں اس کیلئے مسند رکھتے تھے،کیسانی المذہب تھا،لیکن جب امام صادقؑ نے دلائل امامت پیش کئے اور اس نے آپ کی کرامت سے شراب کو لسی بنتے ہوئے دیکھا تو امامی ہوگیا،امام صادقؑ نے اس کے حق میں ترحم کیا اور دعا کی نیز اس کی مساعی کا شکریہ ادا کیا۔کہتے ہیں فضیل الرساں اور ابو ہارون مکفوف سب سید کے شعر پڑھتے تھے۔

✿ کہتے ہیں،حمیری کا لقب امام نے مرحمت فرمایا جبکہ دوسری جگہ کہتے ہیں،اس کی ماں نے اس کا یہ نام رکھا تھا۔

سید حمیری کی شخصیت کے بارے میں ان کتابوں میں جو کچھ آیا ہے:

✿ اعیان الشیعہ جلد۳ص۴۰۶ پر ان کے بارے میں علماء کے نظریات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں،شیخ طوسی نے انہیں امام صادقؑ کے شاگردوں میں گنا ہے،ابن شہر آشوب نے انہیں شعرائے اہل بیتؑ میں شمار کیا ہے،علاوہ ازیں علماء نے اس کی حیات کے بارے میں کئی کتابیں لکھی ہیں۔

✿ ابن شہر آشوب نقل کرتے ہیں،اس نے کھل کر اہل بیتؑ کی شان میں اشعار پڑھے اور یہ امام صادق اور امام موسی کاظم☆ کے اصحاب میں سے تھا۔

✿ حمیری کے مسلک کے بارے میں کتاب اعیان الشیعہ جلد۳ص۴۰۶ پر لکھا ہے یہ پہلے خارجی تھا،بعد میں کیسانی ہوا۔شراب پیتا تھا،اس کے چار سو سے زائد قصیدوں کو ہمیمات کہتے ہیں۔

✿ اس سے پوچھا گیا آپ شیعہ کیسے ہوئے کیونکہ آپ بنی امیہ سے تعلق رکھتے تھے؟اس نے جواب دیا خدا نے اپنی رحمت کو میرے اوپر برسایا،میں مومن آل فرعون جیسا ہوں۔

✿ قاموس الرجال ج۲ص۱۰۹ پر لکھتے ہیں امام صادقؑ سے حمیری کے شراب پینے کا ذکر کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا اس کا ایک قدم گرا ہے تو دوسرا ثابت ہے۔حمیری پہلے خارجی تھا بعد میں کیسانی ہوا پھر امامی ہوگیا۔

✿ کسی نے امام صادقؑ سے کہا حمیری نبیذ پیتا ہے تو آپ نے جواب دیا وہ توبہ کرے گا اور خدا کے ہاں گناہ کی بخشش کی کوئی کمی نہیں،کیونکہ خدا ہماری مدح کرنے والے دوستداروں کو بخش دے گا۔کہتے ہیں حمیری کی وفات کے موقع پر اس کیلئے ۹۰ کفن لائے گئے۔

✿ کتاب عیون الرضا میں ہے امام رضاؑ نے پیغمبرؐ کو خواب میں دیکھا آپؐ کے پاس حضرت علیؑ حضرت زہرا اور حضرات حسنین ؑ بیٹھے تھے اور ایک شخص شعر پڑھ رہا تھا پیغمبرؐ نے امام رضاؑ کو مرحبا کہا،پھر فرمایا:ان پر سلام کریں یعنی علی ،زہرا اور حسنین ؑ پر،جب امام نے ان پر سلام کیا تو پیغمبرؐ نے فرمایا: ہمارے شاعر سید اسماعیل کو بھی سلام کرو پھر پیغمبرؐ نے علیؑ سے فرمایا،یہ قصیدہ یاد کریں اور میری امت کو بتائیں جو اس قصدیے کو یاد کرے گا،میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔لیکن کتاب بحار الانوار جلد ۴۷ص۳۴۸ پر لکھا ہے یہ حدیث عیون اخبار میں نہیں ہے۔

رہبران دین اور دین کی سند کیلئے قرآن کی آیات یا نبی کریمؐ کی سنت وسیرت سے استناد کیا جاتا ہے،دین کا مصدر شعراء کے شعر نہیں،کیونکہ قرآن نے شعروشعراء کی مذمت کی ہے،اس کے علاوہ اگر شاعروں کے اشعار سے آئمہ طاہرینؑ کا مقام ومنزلت بڑھانا مقصود ہے تو کسی صاحب دین ودیانت اور چہرہ وجیہ شاعر کے اشعار سے بڑھائیں نہ کہ ایسے شعراء کو سامنے لائیں جن کے چہرے اگر مکروہ نہیں تو کم سے کم مشکوک فی التاریخ ضرور ہیں۔

✿ حمیری کا دعویٰ تھا میں نوحؑ کی صورت میں واپس آیا ہوں،یہ اپنے مذہبی وسیاسی عقائد کی بنیاد پر کوفہ سے نکل کر بصرہ گیا۔جب بنی عباس اقتدار پر آئے تو اس نے منصور دوانقی،سوار بن عبداللہ عنبری جو کہ قاضی بصرہ حاضر تھے کی مدح سرائی کی۔

✿ سید حمیری کے بارے میں اعیان الشیعہ ج۳ص۴۰۵ پر ذکر ہے،جہاں علماء کے آراء ونظریات بیان کرنے کے بعد صفحہ۴۱۲ پر لکھتے ہیں:سید حمیری خلفائے بنی عباس کے چار خلفاء:سفاح،منصور،مہدی بن منصور،ہادی بن منصور اور ہارون رشید بن مہدی کے معاصر تھے۔سید نے ہر ایک کی مدح میں شعر پڑھے ہیں:

۱۔سفاح کے بارے میں شعر: ۲

۲۔منصور کے بارے میں شعر: ۳

۳۔مہدی کے بارے میں شعر: ۴

۴۔ہارون رشید کے بارے میں شعر: ۵

❁ سید کا دادا یزید کی ہجو کرتا تھا لوگ اس سے ڈرتے تھے۔ اس وقت اس کے اشعار کا کوئی دیوان نہیں صرف ایک قصیدہ مذہبیہ ہے جو خاندان نبوت کے بارے میں ہے جس کی مختلف شرحیں ہیں۔

❁ دائرۃ المعارف علمی ج۸ ص ۴۹۷، اعلام زرکلی ج۱ ص ۳۲۲: اسماعیل بن محمد بن یزید بن ربیعہ بن مفرغ حمیری، کنیت: ابو ہاشم یا ابو عامر، امامی شاعر تھے۔ اغانی میں میں آیا ہے جاہلیت اور اسلام دونوں ادوار میں سب سے زیادہ شاعری کرنے والے تین افراد بشار، العتاہیہ اور سید ہیں۔

❁ ابوعبیدہ نے لکھا ہے، محدثین میں سب سے زیادہ شعر پڑھنے والے سید حمیری اور بشار ہیں، لیکن حمیری کا ذکر خاموش ہوگیا۔ ان کے اشعار نقل کرنے سے لوگ گریز کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے بعض صحابہ اور ازواج نبی کی شان میں جسارت اور گستاخی کی ہے اور بنی ہاشم کی مدح اور ان کے مخالفین کی مذمت کی ہے۔

❁ سید حمیری، منصور دوانقی اور مہدی عباسی کے مقربین میں سے تھے۔ بہت سے لوگوں نے ان کے اشعار کو جمع کیا ہے، ان میں فرانسی مستشرق باربیی دی مینارڈ (BarbierMeynard) بھی شامل ہے۔

❁ سید حمیری کا ذکر روضات الجنات ج۱ ص ۲۸، سفینۃ البحار ج۱ ص ۶۳۳ میں آیا ہے۔ سید حمیری محمد بن حنفیہ کے امامت کے قائل تھے۔ [ہدایہ ونہایہ ج۱۰ ص ۱۷۳]

❁ صاحب قاموس رجال نے ج۲ ص ۱۰۶ پر سید حمیری کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے سید کیسانی تھا اور شراب پیتا تھا، ایک دن وہ ہاتھ میں طبریل جس میں شراب تھی لے کر مدینے کی گلی سے گزر رہا تھا کہ امام صادقؑ سے ملاقات ہوگئی امام صادق نے پوچھا: ہاتھ میں کیا ہے تو اس نے کہا لسی ہے امام نے فرمایا: میرے ہاتھ میں ڈالو جب اس نے امام کے ہاتھ میں ڈالی تو وہ لسی ہی تھی۔ جب اس سے پوچھا گیا تمہارا امام کون ہے؟ تو اس نے کہا جو شراب کو لسی بناتا ہے۔

❁ ابن شہر آشوب نے لکھا ہے: سید حمیری پہلے خارجی تھا پھر کیسانی ہوا اور پھر امام صادق و امام کاظم کے اصحاب میں شامل ہوگیا۔

❁ اصمعی نے لکھا ہے: یہ اپنے اشعار میں خلفاء کو سبّ کرتا اگر ایسا نہ کرتا تو یہ سید الشعراء ہوتا۔

❁ معجم رجال حدیث ج۳ ص ۱۹۷ پر آیت اللہ خوئیؒ لکھتے ہیں:

اگر ہم سید حمیری کے بارے میں علمائے متاخرین کی مدح وستائش توصیف پر اعتماد کریں تو ہم ان کو ثقہ معتبر گردان سکتے ہیں، لیکن ہم ان پر اعتماد نہیں کر سکتے کیونکہ یہ ان کا ذاتی اجتہاد ہے جو کسی سند پر قائم نہیں، لہٰذا ہمارے لئے حجت نہیں ہے۔ لیکن جو کچھ رجال کشی نے ان کی مدح میں روایات نقل کی ہیں وہ ضعیف السند ہیں ہاں! یہ کہہ سکتے ہیں یہ اہل بیتؑ کے کھلے فضائل بیان کرنے والے اور ان کے دشمنوں کی کھلی برائی کرنے والا تھا۔

❁ ابن حجر نے لسان المیزان ج۱ ص ۴۳۶ میں سید کو رافضی کہا ہے، اس کے شہرت نہ پانی کی وجہ یہ تھی کہ یہ اصحاب کے حق میں سب اور فحش گوئی کرتا۔ حمیری، عمان میں پیدا ہوا۔ ۱۷۸ھ میں وفات پائی ہارون رشید نے کفن دیا اور مہدی عباسی نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی۔

❁ صاحب الکنٰی والالقاب سید حمیری کی عظمت وجلالت کے بارے میں کہتے ہیں، یہ امام صادقؑ سے ملے تو آپ نے فرمایا، تمہاری ماں نے تمہارا سید نام رکھا ہے اور تم اس میں ہمیشہ موفق اور شعراء کے سید ہو۔ علامہ نے ان کے حق میں کہا ہے یہ جلیل القدر اور عظیم المرتبت تھے، ان کی تمام ہمت فضائل امیر المومنینؑ کے بارے میں شعر سروتنے اور نشر کرنے سے تھی۔

❁ صاحب اغانی نے مدائنی سے نقل کیا ہے، سید حمیری کوفہ کے بازار میں کھڑے ہو کر کہتا تھا جو کوئی علیؑ کی ایسی فضیلت لائے جس کے متعلق میں نے شعر نہ کہا ہو تو میں اسے یہ گھوڑا دوں گا۔ لوگوں نے فضائل شروع کیے، آخر میں ایک آدمی آیا اس نے کہا میرے باپ نے کہا وہ امیر المومنینؑ کے پاس آیا آپ جوتے اتار کر وضو کر رہے تھے کہ اس میں ایک سانپ گھس گیا جب دوبارہ پہننا چاہا تو ایک کوے نے اسے اٹھایا جس سے وہ سانپ نیچے گر گیا، اس شخص نے یہ فضیلت نقل کی تو سید نے اپنا وعدہ پورا کیا۔

❁ شیخ مفید نے لکھا ہے سید حمیری نے منصور دوانقی کے بارے میں یہ شعر پڑھا:

ان الاله الذی لا یشی یشبهه　　أتاكم للدنيا و للدين

اس مجلس میں سوار بھی موجود تھا تو اس نے کہا: یا امیر المومنین! یہ شخص آپ کی ایسی تعریف کر رہا ہے جو اس کے دل میں نہیں ہے، ان کے دلوں میں کسی اور سے لگاؤ ہے اور یہ اندر سے آپ کے ساتھ عداوت رکھتے ہیں۔ سید نے کہا: یہ جھوٹ بولتا ہے اور حسد کی وجہ سے ایسی بات کرتا ہے میں آپ کی محبت میں سچا ہوں اور اہل بیتؑ سے محبت مجھے والدین سے ورثے میں ملی ہے۔ یہ اور اس کی قوم دور جاہلیت اور اسلام دونوں میں آپ کی دشمن تھی، حالانکہ خداوند متعال نے اپنے پیغمبرؐ کے بارے میں یہ آیت نازل کی ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾ ''درحقیقت وہ لوگ جو آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے عقل ہیں۔'' (حجرات ۴)

منصور نے سید حمیری کی تصدیق کی تو سوار نے کہا: یا امیر المومنین یہ رجعت کے قائل ہیں اور شیخین کو سب وشتم کرتے ہیں۔

سید حمیری نے کہا: جہاں تک میں رجعت کا قائل ہوں تو اس لئے خداوند متعال نے ان آیات میں رجعت کا ذکر کیا ہے، چنانچہ جس رجعت کا میں قائل ہوں اس کا قرآن نے ذکر کیا ہے اور سنت نے بھی، میرا اعتقاد ہے خداوند متعال سوار کو کتا، بندر یا خنزیر بنا کر واپس لوٹائے گا تو اس پر منصور ہنسنے لگا۔

اس نے ۱۷۹ھ کو بغداد میں وفات پائی۔

❁ صاحب روضات الجنات جلد ا ص ۱۰۳ پر لکھتے ہیں:

۱۔ یہ پہلے علیؑ کے دشمنوں اور معاویہ کے انصار میں سے تھا پھر یہ کیسانی المذہب ہوا اور محمد بن حنفیہ کی امامت کا قائل ہوگیا۔

۲۔ کہتے ہیں یہ شراب پینے میں پرواہ نہیں کرتا تھا۔

۳۔ ص ۱۰۵: اس کا محمد بن حنفیہ کے بارے میں اعتقاد تھا وہ جبل رضوی میں ہیں اور ان کے آس پاس دو چیتے ہیں، انہیں صبح شام رزق آتا ہے۔ امام صادق نے ان سے پوچھا: پیغمبر وعلی اور حسن وحسین ؑ سب محمد بن حنفیہ سے افضل تھے اور وفات پا گئے تو کیونکر محمد بن حنفیہ نے وفات نہیں پائی۔ حمیری نے کہا: آپ کے پاس ان کی موت کی کیا دلیل ہے؟ امام نے فرمایا: مجھے میرے والد نے خبر دی ہے کہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے بقیع میں انہیں دفن کیا ہے، پھر امام اٹھے اور سید کا ہاتھ پکڑ کر بقیع تشریف لے گئے ایک قبر پر کھڑے ہوئے اور اس پر اپنا ہاتھ مار کر دعا کی تو قبر شگاف ہوگئی تو ایک سفید ریش انسان قبر سے اٹھا اور کہا:

یا اباہاشم! کیا جانتے ہو میں ابن حنفیہ ہوں حسین ابن علیؑ کے بعد، زین العابدینؑ امام ہوئے اور ان کے بعد محمد بن علی الباقر امام ہوئے پھر ان کے بعد یہ مرد امام ہے۔ امام صادقؑ کی طرف اشارہ کیا۔ پھر وہ اپنی قبر میں گئے اور مٹی مل گئی اس پر سید نے توبہ کی اور کہا: میں خدا کے نام سے جعفری ہوا۔

❁ خداوند متعال نے اگر کسی نبی کو کوئی معجزہ دیا ہے تو ضروری نہیں ہر نبی کیلئے معجزات ہوں بلکہ قرآن کریم میں خداوند فرماتا ہے ہم نے ایسے معجزات دینا بند کئے کیونکہ اس سے پہلے والوں نے معجزات کو جھٹلایا ہے۔

❁ اس کے علاوہ معجزہ وہاں دیا جاتا ہے جہاں ان کا مقام نقل سے ثابت کرنا ممکن نہ ہو، آئمہ کی جانشینی کا ثبوت صرف نقل سے ممکن ہے نہ کہ معجزے سے۔ یہ منطق بنیاد سے ہی باطل ہے کہ جو معجزے خدا نے سابقہ انبیاء کو دیئے ان کا ہمارے نبی اور ان کے وصی کیلئے ہونا ضروری ہے۔

اس سلسلے میں چند نکات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ حمیری کیسانی المذہب تھا چنانچہ محمد بن حنفیہ کی غیبت اور ان کی رجعت کا قائل تھا۔

۲۔ حمیری کی امام جعفر صادقؑ سے اس وقت ہوئی جب آپ منصور دوانقی کے دربار سے واپسی پر کوفہ آئے اس موقع پر حمیری نے امام جعفر صادقؑ سے مناظرہ ومجادلہ کیا اور مطمئن ہونے کے بعد کیسانی مذہب سے دستبردار ہوگیا۔ اس مناظرہ ومجادلہ کا موضوع یہ تھا کہ محمد بن حنفیہ نے وفات پائی ہے یا زندہ ہے تو امام حمیری کا ہاتھ پکڑ کر بقیع کے قبرستان لے گئے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے وہ کیسانیہ سے نکل کر امام صادقؑ کی امامت کے قائل ہوئے۔ سید حمیری کی کیسانیہ سے امامیہ کی طرف برگشت ہونے پر باندھی گئی تمہید پر چند ملاحظات غور طلب ہیں:

۱)۔ امام جعفر صادقؑ کی کوفہ میں آمد کا تاریخی ثبوت ملنا ضروری ہے، لیکن ہمیں ابن شہر آشوب اور ابونعیم اصفہانی کی نقل کے علاوہ کہیں بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

۲)۔ لکھتے ہیں یہ ملاقات کوفہ میں ہوئی جبکہ ان کا قبر سے محمد حنفیہ کو زندہ کرنا معجزے سے ہے جبکہ معجزہ ضرورت اور ناگزیر موقع پر انبیاء کو دیا جاتا تھا جو ان کی نبوت کی دلیل بنتا جبکہ آئمہ کی امامت بالاتفاق امامیہ نص رسول سے ہے جو اپنی جگہ نقل سے ہے اسی طرح قبر مدینہ میں ہے اور امام معجزہ دکھانے کیلئے قبرستان بقیع لے گئے، مدعی اور دلیل میں طفرہ ہے۔ یہ ایک معجزانہ عمل تھا۔

۳)۔ محمد بن حنفیہ کا قبر سے باہر نکل آنا۔

۴)۔ محمد بن حنفیہ اگر کچھ نہیں تھے تو انہیں کہاں سے پتہ چلا کہ یہ اباہاشم سید حمیری ہے نیز جعفر صادقؑ امام ہیں۔

۵)۔ امام صادق کی حقانیت ثابت ہونے کے بعد سید حمیری کتنے عرصے تک امام کے ساتھ رہے اور کہاں کہاں آپ سے دفاع کیا۔

❁ دائرۃ المعارف شیعی اعلمی ج ۳ ص ۲۰۷ لکھتے ہیں جمیری، کا نام اسماعیل بن محمد بن یزید بن ربیعہ کنیت ابوہاشم اور لقب سید تھا۔

❁ معجم قبائل العرب ج ۱ ص ۳۰۵ پر لکھتے ہیں حمیر قبیلہ قحطان میں تین قبیلوں اکبر، اصغر اور ادنی کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ قبیلہ حمیر یمن میں رہتا تھا جبکہ ان میں سے بعض حیرہ میں رہتے تھے۔ یہ لوگ مذحج حمدان، ربیعہ اور مضر میں بٹے ہوئے تھے اور سب یمنی تھے۔ قبیلہ حمیر کے بعض لوگ یہودی، بعض سورج کی پوجا کرنے والے اور بعض کے صنعا میں بت خانے تھے جس کی یہ پوجا کرتے اور اس پر نذریں چڑھاتے تھے۔

❁ سفینۃ البحار ج ۲ ص ۲۴۷: صاحب کتاب شیخ مفیدؒ سے نقل کرتے ہیں: ابوہاشم بن اسماعیل حمیری کیسانی المذہب تھے، سید حمیری کے دو ہزار تین سو قصیدے ہیں۔ اس کے اپنے مذہب کے بارے میں بہت سے اشعار ہیں: "ألا حي المقيم بشعب رضوى وأهلله بمنزله اسلاما وماذاق ابن خوله طعم موت ولا وارت له أرض عظاما."

شیخ الطائفہ نے بھی ان کے اشعار نقل کئے ہیں:

أیاشعب رضوی مالمن بک لایری — فحتی متی تخفی وأنت قریب

❁ ادب الطف ج ۱ ص ۲۰۳: ابوالعیناء نامی نے سید حمیری سے کہا: سنا ہے آپ رجعت کے قائل ہیں؟ تو سید نے کہا: ہاں یہی بات ہے۔ ابوالعیناء نے کہا: تم مجھے رجعت تک کیلئے ایک دینار دے دو۔ حمیری نے کہا: مجھے کوئی ضمانت دے دو کہ تم انسان کی شکل میں رجعت کرو گے، کیونکہ مجھے ڈر ہے تم بندریا کی

شکل میں لوٹو اور میرا مال ضائع ہو جائے۔

✿ کہتے ہیں، دو آدمیوں میں یہ اختلاف ہوا کہ پیغمبرؐ کے بعد ابو بکرؓ افضل تھے یا علیؑ تو ایک نے کہا: ابو بکر اور دوسرے نے کہا: علیؑ۔ دونوں میں اتفاق ہوا اب سے پہلے ہمیں جو ملا اس سے دریافت کریں اتفاق سے اس کی ملاقات حمیری سے ہوئی۔ جس شخص نے حضرت علیؑ کے افضل ہونے کی بات کی تھی اس نے کہا میرے اور ان کے درمیان پیغمبرؐ کے بعد افضل ہونے کے بارے میں اختلاف ہوا ہے، میں نے کہا علیؑ افضل ہیں تو سید نے کہا اس فرزند زانیہ نے کیا کہا ہے تو اس شخص نے ڈر کر کہا میں نے کچھ نہیں کہا ہے۔

منطق فحش

اہل بیت اطہارؑ کو جنہیں ترجمان قرآن کہا جاتا ہے ان سے بعید ہے کیونکہ قرآن کا حکم ہے:

﴿ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا ﴾ "اور جب ان کا گزر لغو سے ہوتا ہے تو کرام بن کر گزر جاتے ہیں۔"

﴿ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ﴾ "اور وہ لوگ جو لغو سے منہ موڑنے والے ہیں۔" (فرقان ۷۲۔ مومنون ۳)

سید حمیری کی حیات میں مکرر ذکر ہوا ہے کہ وہ فحش گو تھا، جبکہ اہل بیت اطہارؑ کا شیوہ رہا ہے وہ فحش کا ارتکاب کرنے والے مخالفین سے بھی پیار ومحبت سے پیش آتے تھے ان کے دشمن ان کے بارے میں کہتے تھے خدا اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں کہ اپنی رسالت کو کہاں رکھیں۔ قرآن اور پیغمبرؐ کے خلق عظیم سے منور یہ ذوات کیوں فحش سے گریز فرماتے؟ اس لئے کہ قرآن نے اپنے نبی، نبی کے پیروکاروں اور نبی کے جانشینوں کو دشمن کے سامنے دلیل پیش کرنا سکھایا ہے، تا کہ دشمن کو دلیل سے قانع کرنے کی دعوت دی جائے۔ لیکن جہاں دلیل کا فقدان ہو وہاں ڈنڈا، مکہ، گالم گلوچ اور کم سے کم فحش ناگزیر ہو جاتا ہے، لہٰذا اپنے مذہب کے بارے میں فقر دلیل رکھنے والے فحش سے کام لیتے ہیں۔ آپ نے اس شاعر کے بارے میں پڑھا کہ یہ شخص بار بار اپنے مخالفین کو زنا زادہ کہتا تھا، یہاں سے آپ فیصلہ کر سکتے ہیں جس کے پاس دلیل نہیں ہوتی اور وہ ہمیشہ ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ عصر حاضر میں ہمارے ہاں بھی تشہد میں شہادت ثالثہ داخل کرنے کی تحریک چلائی جا رہی ہے اور یہ لوگ بھی اپنی سند میں کہتے ہیں جو شخص تشہد میں شہادت ثالثہ نہیں پڑھتا وہ (نعوذ باللہ) ولد حرام ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے ان کی سند بھی ایسے لوگوں کے اشعار ہوں گے یا وہ روایات ہیں جنہیں صاحب نور الثقلین نے ج ۳ ص ۵۷۶ پر نقل کیا ہے:

قال رسول الله :من لم تحب عترتي فهو الاحدى ثلاث :اما منافق،و اما الزينة،و اما امرء حملت به امه في غير طهر [میزان الحکمہ: ج ۲ ص ۲۳۷ ش ۶۸۷]

سید حمیری کی حالت احتضار میں علیؑ کی فضیلت میں شعر گوئی

۱۔ حسین بن عون سے نقل ہے وہ سید حمیری کی بیماری کے موقع پر ان کی عیادت کیلئے گئے اس وقت وہ حالت احتضار میں تھے اور ان کے گرد کچھ لوگ بھی بیٹھے تھے۔ سید حمیری بہت خوبصورت انسان تھے

لیکن ان کے چہرے پر ایک داغ ابھرا اور وہ بڑھتا گیا، یہاں تک کہ ان کا پورا چہرہ سیاہ ہو گیا اس پر وہاں موجود شیعہ پریشان ہو گئے اور ناصبیوں کی طرف سے خوشی اور شماطت کا آغاز ہوا تھوڑی دیر بعد ان کا چہرہ پھر سرخ اور روشن ہو گیا اور انہوں نے یہ شعر پڑھا: كذب الزاعمون انّ علياً لم ينجي محبه من هنات ... اس کے بعد انہوں نے کلمہ پڑھا اور ان کی روح نکل گئی اس قصہ میں جو فقرات مفقود ہیں یا اضافہ ہوئے ہیں۔ ہم اس سے صرف نظر کرتے ہوئے ان کے انشاء کردہ شعر کی تحلیل کی طرف توجہ کرتے ہیں، ان کے اس شعر میں دو مطالب بیان ہوئے ہیں جن کے تحت ان کا کہنا ہے:

۱۔ امام علیؑ کا اپنے دوستداروں کو ان کی لغزشوں اور غلطیوں پر نجات نہ دلانے کی بات جھوٹ ہے، گویا اس شعر میں سید حمیری نے حضرت علیؑ کو مسیح نصاریٰ پیش کیا ہے اور کہا ہے وہ گنہگار امت کو بخشوانے کیلئے عالی اختیارات رکھتے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کے تحت یہ اختیار صرف ذات باری تعالیٰ کیلئے مخصوص ہے اور گناہوں کو بخشنے والی صرف ذات الٰہی ہے۔ [الفصول المائة: ج ۴ ص ۲۷۵]

۲۔ اس شعر میں انہوں نے کہا میرے رب نے مجھے جنت عدل میں داخل کیا ہے، حالانکہ جنت عدل سے مراد وہ جنت ہے جس میں انسان صرف قیامت برپا ہونے کے بعد ہی داخل ہو سکتا ہے۔ عالم برزخ میں ملنے والی نعمتوں کو جنت عدل نہیں کہا جاتا۔

ابو نواس (۱۴۵۔۱۹۸ھ/۷۶۲۔۸۱۳م)

ابو نواس اہواز خوزستان میں پیدا ہوا۔ ۷۹۵ھ مایوسی کی حالت میں بغداد منتقل ہوا اور شراب نوشی میں مستغرق ہوا۔ اسی اثناء اسکا برامکہ سے رابطہ ہوا اور یہ ان کی مدح سرائی کرنے لگا لیکن اچانک ان سے کٹ کر آل ربیع کی طرف گیا اور ان کی مدح کرنا شروع کی، اس طرح وہ بار بار قصر خلافت کے گرد گھومتا رہا، لیکن قصر سے قریب ہونے کی جرأت نہیں کر پاتا کیونکہ یہ اپنی شراب نوشی اور بے حیائی سے پہچانا جاتا تھا، یہاں تک کہ اس کی ایک دفعہ ہارون الرشید سے ملاقات ہوئی اور اس نے اس کی تعریف کی اور اس سے جائزہ دیا۔ جس سے اس کی حالت بہتر ہوئی اور یہ دوبارہ لہو ولعب، شراب نوشی، فحاشی اور اسراف وتبذیر میں کود پڑا، یہاں تک کہ ہارون الرشید کے جائزے وعطایا اس کے اخراجات کیلئے ناکافی ہوئے تو یہ اسے چھوڑ کر مصر کے امیر سے جا ملا اور ان کی مدح کر کے جائزہ لینے لگا، لیکن یہ جائزہ اس کے مسرفانہ اخراجات کیلئے کافی ثابت نہ ہوا جس کی وجہ سے یہ مایوسی کے عالم میں بغداد آیا، جہاں اپنی جوانی کے دوست امین سے ملا جبکہ وہ اس وقت خلیفہ بن چکا تھا۔ یہ اس کے ساتھ رہا اور اس کی مدح سرائی کرتا اور اس سے جائزے لیتا لیکن امین نے مجبور ہو کر اپنے سے تہمت رفع کرنے کیلئے اسے زندان میں ڈال دیا تا کہ اس کے برے سلوک اور شراب سے کی وجہ سے اس اظہار ناراضگی کرے، ابو نواس عیاش ونواش، لہو ولعب اور شراب ومجنون میں مستغرق انسان تھا اس نے ۱۹۸ھ میں وفات پائی۔ [تاریخ ادب عربی ۳۷۶]

ابونواس کی حالاتِ زندگی

حسن بن ہانی بن عبدالاول حکمی اور کنیت ابونواس تھی۔ابونواس کنیت رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ خلف الاحمر جس کو یمن سے ولاء کی نسبت تھی یہ ابونواس کو بہت چاہتا تھا وہ اسے کہنے لگا آپ یمن کے اشراف میں سے ہیں آپ اپنے نام کے شروع میں ذولگائیں کیوں کہ یہ لوگ ایسے نام کو پسند کرتے ہیں جیسے ذوجدن، ذویزن اور ذونواس، اسے ذونواس والی کنیت پسند آئی اس کی پہلی کنیت ابوعلی تھی لیکن ابونواس اس پر غالب آ گئی۔ اہواز کی ایک بستی میں پیدا ہوا اور وہاں سے بصرہ منتقل ہوا اور وہیں نشو ونما پائی۔اس کے بعد اس نے بغداد کا رخ کیا اور یہیں پر فوت ہوا،اس کا باپ بنوامیہ کے آخری خلیفہ مروان بن محمد کی فوج میں ملازم تھا،اس کی وفات کے بعد ابونواس روزگار کے ہاتھوں مجبور ہوا اور اس نے ایک عطار کے پاس کام کرنا شروع کر دیا لیکن اسے علم سیکھنے،شعروشاعری اور اخبار وواقعات کا بہت شوق تھا۔ یہ اکثر علماء کی مجلسوں میں شامل ہوتا اور مشاعروں میں جاتا اور نظمیں سناتا۔

اس نے والبہ بن حباب کی شاعری کا چرچا سنا تو اس کے دل میں یہ اشتیاق پیدا ہوا کہ اس کی شاگردی اختیار کی جائے اتفاقاً اسی عطار کی دکان سے جہاں یہ کام کرتا تھا والبہ بن حباب شاعر کا گزر ہوا۔اس نے ابونواس میں ذہانت وفطانت کے آثار دیکھے تو کہنے لگا مجھے تمہارے اندر کچھ جوہر نظر آتے ہیں میرے خیال میں انہیں ضائع نہ کرو،میرے ساتھ آؤ میں تمہیں اس فن میں نکھار دوں گا،ابونواس کہنے لگا آپ کون ہیں؟اس نے کہا میرا نام والبہ بن حباب ہے،ابونواس کہنے لگا خدا کی قسم!میں تو آپکی تلاش میں ہی تھا،میں نے پہلے ہی کوفہ جا کر آپ سے کچھ سیکھنے کا پروگرام بنایا تھا،چنانچہ ابونواس اس کے ساتھ چل دیا اور بغداد آ گیا اس وقت اس کی عمر تیس سال سے زیادہ تھی،وہاں یہ شعراء کی مصاحبت اور علماء کی مجالس میں حاضر رہتا اور ایک دن اپنے دور کا بہترین،مضبوط علم والا اور مشہور ترین شاعر بن گیا،اس کی شہرت ہارون الرشید تک پہنچ گئی تو اس نے اسے اپنی مدح کی اجازت دے دی،چنانچہ اس نے اس کی مدح میں اشعار کہے اس کے ساتھ رہنے لگا اور اس کا مقرب بن گیا۔

ابونواس کو شاہی تقریب پر اس حد تک ناز تھا کہ اس کے پاس سے بنوہاشم،فوجی افسر اور انشاء پرداز گزرتے ہوئے اسے سلام کہتے تو یہ ٹیک لگائے ٹانگیں پھیلائے رکھتا اور کسی کے احترام کی خاطر اپنی جگہ سے ذرا بھر جنبش نہ کرتا۔وہ صوبوں کے گورنروں کے پاس جا کر ان کی مدح کہتا،ان ممدوحوں میں بصرہ کا گورنر خصیب بھی ہے،ابونواس نے اس کی مدح میں بہت سے قصیدے کہے جنہیں اہل عراق نے تو نہیں البتہ مصری راویوں نے بیان کیا ہے،پھر یہ وہاں سے محمد امین کے پاس چلا گیا اس کی مدح کی،پھر اس کا ہو رہا تا آنکہ اس سے کوئی جرم سرزد ہو گیا اور محمد امین کے پاس اس کے جرم کا ثبوت پیش کیا گیا تو اس نے سزا کے طور پر اسے جیل میں قید کر دیا۔ایک عرصہ تک یہ قید میں رہا پھر رہائی کے کچھ ہی عرصہ بعد یہ ۱۹۹ھ میں بغداد میں فوت ہو گیا۔

ابونواس کا حلیہ اور اخلاق

ابونواس خوبصورت،تیز دماغ،شیریں بیان،برجستہ گو،فصیح اللسان،شراب کا عادی،بہت مسخرا اور مزاحیہ مزاج کا حامل تھا۔اس میں وہ تمام اوصاف پائے جاتے تھے جو ایک بادشاہ کا مقرب ومصاحب بننے کیلئے ہونے چاہئیں،لیکن یہ دینی امور کے متعلق استخفاف برتتا،شعراء کے ساتھ اس کے بہت سے مقابلے ہوئے اس کے مزاحیہ اشعار،اس کے دیوان کے علاوہ الگ کتاب کی شکل میں بھی شائع ہو چکے ہیں،اور اس کا پہلا حصہ قاہرہ میں چھپ چکا ہے لیکن ان اشعار کا بیشتر حصہ من گھڑت اور بناوٹی ہے،کیونکہ اس کی شاعری کا اکثر حصہ کھیل،تفریح،شراب کی تعریف اور اس جیسے دیگر موضوعات پر مشتمل ہے،جبکہ اس کے دیگر ہم عصر اور متاخرین شعراء میں ایسے موضوعات دکھائی نہیں دیتے۔اس لئے لوگوں نے جہاں بھی اس قسم کے ایسے اشعار دیکھے جن کے کہنے والے کے نام کا پتہ نہیں چلتا،اس شاعری کو اس کے نام سے منسوب کر دیا۔جنان نامی کنیز کے ساتھ اس کے عشق ومحبت کے بہت سے قصے لوگوں کی زبانوں پر مشہور تھے۔

شاعری میں ابونواس کا مقام

ابونواس لغت کا ماہر،عربی اشعار واخبار کا بہت بڑا راوی تھا حتی اس کے متعلق کہا جاتا ہے اس نے اس وقت شعر کہنے شروع کئے جب اسے مرد شاعروں کے علاوہ ساٹھ شاعرہ عورتوں کا شعری کلام حفظ ہو چکا تھا۔ جاحظ نے اس کے متعلق کہا ہے ”میں نے ابونواس سے بڑھ کر لغت کا عالم اور فصیح لہجہ والا نہیں پایا۔اس کے کلام میں شیرینی اور وہ آورد سے خالی ہے۔“اس نے شاعری کی تمام اصناف میں طبع آزمائی کی ہے،لیکن وہ فحش مزاح گوئی،صراحت الفاظ اور اپنے ماحول کی عکاسی اور ترجمانی کرنے میں دیگر شعراء سے ممتاز تھا۔ شراب کے اوصاف تو وہ اس قدر احسن انداز میں بیان کرتا تھا کہ اگر اسے حسنین (حسن بصری اور ابن سیرین) سن لیتے تو وہ بھی زہد وتقویٰ چھوڑ کر شراب نوشی کر دیتے۔اس کے مدحیہ اشعار بہت کم ہیں اور ان میں سے اکثر ہارون رشید اور اس کے بیٹے امین کی مدح میں ہیں۔ابونواس کو لفظی اور معنوی اسلوب میں بشار ثانی شمار کیا جاتا ہے۔اکثر جگہ پر یہ اسی کے نقش قدم پر چلا ہے۔حتیٰ کہ جاحظ نے ایسی طبیعت پائی کہ نہ تو اسے شعر کہنے میں دقت ہوتی ہے اور نہ ہی تھکن اور ابونواس نے ایسی طبیعت پائی تھی کہ اس کی شاعری بلا اجازت دل تک اترتی جاتی ہے۔

ابونواس شاعری کی کانٹ چھانٹ میں بہت مشہور تھا۔وہ قصیدہ کہہ کر رات بھر اسے چھوڑ دیتا،دن کو اس پر نظر ثانی کرتا اور اس قصیدے کا اکثر حصہ حذف کر دیتا اور ان میں سے عمدہ اشعار پر اکتفا کرتا۔اسی بنا پر اس کے اکثر قصیدے چھوٹے ہیں۔باوجود رقت آمیزی اور مزاح کے،اس کے الفاظ وزنی اور ان کا اسلوب پرشوکت ہے اور اس میں مشکل الفاظ کی کثرت ہے اور اس نے شاعری میں بہت سی ایسی جدتیں پیدا کی ہیں جنہیں عقل مندوں نے تو ناپسند کیا ہے البتہ شعراء نے لے لیا ہے۔مثلاً آزادانہ فحش بیانی،بے قید مزاح،غزل

میں محبوبہ مونث کے اوصاف کوبھی مذکراوصاف کی شکل میں بیان کرنا۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس شاعر نے جو یہ نیا انداز اپنایا ہے یہ ادب کی دنیا میں جرم ہے اور عربی شاعری کی تاریخ کے ماتھے پر کلنگ کا ٹیکہ ہے۔

دعبل خزاعی (۱۴۸۔۲۴۶ھ/۷۵۶۔۸۶۰م)

دعبل بن علی بن رزین خزاعی ازدی، کنیت ابوعلی، کوفہ میں پیدا ہوا۔آئمہ طاہرینؑ کے حق میں شعر انشاء کرکے ان ذوات کی نصرت کرنے والے معروف اور برجستہ شعراء میں سے ایک دعبل بن علی خزاعی ہیں۔

آیت اللہ سید محسن امین اپنی کتاب اعیان الشیعہ ج۶ص ۴۰۰ پر لکھتے ہیں:

"ان کا نام دعبل بن علی بن رزین بن سلیمان بن تمیم بن نہشل بن خداش بن خالد بن عبد بن دعبل بن انس بن حزیمہ بن سلامان بن اسلم بن اقصی بن حارثہ بن عمرو بن عامر بن مزیقیا ہے۔۱۴۲ یا ۱۴۸ ہجری میں عراق کے شہر واسط اور دورا ہواز کے درمیان طیب نامی جگہ پر پیدا ہوئے، ۵۷ سال چند ماہ کی عمر میں ۲۴۴ھ یا ۲۴۶ھ کو وفات پا گئے۔

دعبل فصیح و بلیغ شاعر تھے اور ان کی فصل کے مشہور و معروف شعراء نے ان کے اشعار کی تعریف کی ہے۔فقیر و گمنامی کے بعد سرمایہ دار اور معروف شخصیت بنے۔دعبل، خلیفہ ہارون رشید کے ہمراز و ہم نشین تھے، شعر میں تملق و چاپلوسی اور بدگوئی کرنے کی مہارت رکھتے تھے، خلفاء و بادشاہان اور امراء کی تعریف کے ساتھ بدگوئی بھی کرتے۔جری، قوی النفس اور ذہین انسان تھے، اہل بیتؑ سے دفاع بھی کرتے تھے، چنانچہ اس سلسلے میں ان کے اشعار بہت مشہور ہیں۔ان کا اصل وطن کوفہ تھا اور بغداد میں سکونت پذیر ہوئے، انہوں نے شام، خراسان، مصر اور مغرب سب جگہوں کی سیر و سیاحت کی اور بادشاہوں کی مدح کرکے بہت پیسہ کمایا۔دعبل ملوک اور امراء کی تعریف کرکے ان سے جائزہ لیتے تھے جیسا کہ ابن طاہر کے کلام سے ظاہر ہے۔تاریخ دمشق میں ہے یہ جائزہ لینے کے بعد ان کی مذمت بھی کرتے تھے۔"

دعبل کی کنیت ابوعلی تھی، علمائے شیعہ کے بقول مشہور و معروف شخصیت اور مقام و منزلت کے حامل تھے امام رضاؑ کے اصحاب میں سے تھے اور عباسی خلفاء منصور، موسی، مہدی اور ہارون رشید کے دور یعنی ۲۴۵ھ تک رہے۔بعض کا کہنا ہے، دعبل امام رضاؑ کے ساتھ خراسان گئے۔لیکن بعض کا کہنا ہے انہوں نے پہلے شعر سرا پھر خراسان گئے۔ابن خلقان نے لکھا ہے دعبل اپنے سے کم درجہ والوں کی بہت بدگوئی کرتے تھے ان کا کہنا تھا، میں تیس سال سے اس صلیب کو اٹھائے ہوئے ہوں جس پر مجھے سولی دی جائے گی۔ابن زہاد سے کہا گیا وہ دعبل کی ہجو کا جواب کیوں نہیں دیتے تو اس نے کہا جو سولی اپنے ساتھ رکھتا ہو اسے کون جواب دے۔کتاب اغانی میں ہے ان کی بدزبانی سے خلفاء، روساء، ان کے بچے اور محسنین میں سے کوئی نہیں بچ سکا بلکہ انہوں نے سب کی بدگوئی کی۔کتاب لسان المیزان میں لکھا ہے ان کی بدزبانی سے کوئی محفوظ نہیں رہا۔

کتاب تاریخ دمشق میں عبداللہ طاہر سے منقول ہے، یہ گمنام و بے حیثیت انسان تھا۔دعبل اور ان کے استاد مسلم بن ولید کی ملکیت میں صرف ایک چادر تھی، دعبل باہر جاتا تو مسلم گھر میں رہتا، اسی طرح جب مسلم باہر جاتا تو دعبل کو گھر میں رہنا پڑتا، استاد شاگرد دونوں شعر گوئی کرتے تھے۔کہتے ہیں، ہارون رشید وہ پہلا شخص ہے جس نے جائزہ دے کر اسے شعر گوئی کی شہرت دی اور یوں یہ ہارون رشید کی موت تک اس کے ساتھ رہا۔

- دعبل ابن علی ابن زریں، کنیت ابوعلی اور تخلص خزاعی، ۱۴۸ھ میں پیدا ہوئے، ۲۴۶ھ میں طیب نامی شہر میں جو واسط اور خوزستان کے درمیان واقع ہے، وفات پائی۔خاندان طاہر ذوالیمن سے تعلق رکھتے تھے۔
- صاحب لغت نامہ دہخدا لکھتے ہیں: یہ شیعہ اہل بیت تھے۔امام رضاؑ کے شاعر و مداح تھے اور ان کے امام رضاؑ کے شان میں کہے گئے اشعار جملہ: مدارس آیات خلت من تلاوۃ ومنزل وحی مقفر العرصات سے شروع ہوتے ہیں۔ابن ندیم کے مطابق ان کے اشعار تین سو صفحات پر مشتمل ہیں۔کہتے ہیں امام رضاؑ نے انھیں اپنا ایک لباس، دس ہزار درہم کے ساتھ عنایت کیا، آئمہ طاہرینؑ کے شعراء گنتی کے چند شاعر پاک دامن تھے جن میں سرفہرست ان کا نام آتا ہے۔[دائرۃ المعارف الشیعہ العالمۃ ج۹ص ۴۳۸،۴۴۳]
- صاحب روضات الجنات لکھتے ہیں دعبل کی زبان گندی تھی، خلفاء اور دیگر لوگوں کی ہجو اور توہین و تذلیل کرتا، لکھتے ہیں، جب انہوں نے اپنا قصیدہ امام رضاؑ کی خدمت میں پڑھا تو امام نے انہیں ایک تھیلا جس میں چھ سو دینار تھے کنیز کے ذریعے دیا اور اس سے کہا ان سے کہنا یہ آپ کے سفر کا خرچہ ہے۔انہوں نے امام سے ایک جبہ لیا جس کی اہل قم نے ہزار دینار قیمت دینا چاہی، لیکن انھوں نے اسے نہ بیچا، کہتے ہیں امام نے ابریشم کی ایک سبز رنگ کی قمیض، ایک عقیق کی انگوٹھی اور اپنے نام کے مہر شدہ کچھ سکے ان کو عنایت کئے۔

دیوان دعبل خزاعی

- الذریعہ ج۱/۹ص ۳۲۶: دعبل کنیت ابی علی یا ابی جعفر، نام محمد بن علی بن رزین، ان کا نسب بدید بن ورقہ سعدی پر منتہی ہوتا ہے۔ابن ندیم نے اپنی کتاب ص ۲۲۹ پر لکھا ہے، ان کے اشعار ۱۳۰۰ اوراق پر مشتمل ہیں، ان کی کتاب طبقات الشعراء کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔
- معجم الادباء ج۱۱ص ۹۹ سے ۱۱۲ تک ان کا ذکر ملتا ہے۔ان کی ایک کتاب "طبقات شعراء" اور ایک دیوان بھی ہے، ۲۴۶ھ کو وفائے پائی، نجاشی نے دعبل کے بھائی کے بارے میں لکھا ہے کہ نام ابوالحسن علی بن علی بن زرین، یہ منصور دوانقی کے دور میں پیدا ہوا اور امام موسی بن جعفر اور امام رضا سے ملے اور انھوں نے ۲۴۵ھ کو متوکل کے دور میں وفات پائی۔شیخ محمد سماوی متوفی ۱۳۷۰ھ نے ایک ہزار اشعار کو دو حصوں میں چھاپا ہے، ایک حصہ آئمہ کی مدح میں ہے جبکہ دوسرا حصہ دوسروں کے بارے میں ہے۔

امام محمد تقیؑ کے شاعر

حماد

❁ دائرۃ المعارف الشیعی الاعلمی ج۸ص۴۴۳: نام ابن ابی لیلیٰ سابور بن مبارک ابوالقاسم دیلمی ہے، بنی امیہ کے دور میں شعروں کا سبعہ طوال جمع کیا، ایک دن ولید بن یزید بن عبدالملک اموی نے اس سے پوچھا تم نے کتنے شعر یاد کئے ہیں اس نے کہا ہر حرف معجم کیلئے ۱۰۰ قصیدے جمع کئے ہیں، اسی طرح شعراء جاہلیت کے دو ہزار نوسو اشعار جمع کئے ہیں۔ اس پر ولید نے اسے ایک لاکھ درہم جائزے کے طور پر دیئے۔ اس کی وفات ۱۵۵ یا ۱۶۴ ہجری میں ہوئی۔ اس کا ذکر روضات الجنات ج۱ص۲۶۱، ابن خلکان ج۱ص۲۳۱ اور دائرۃ المعارف وجدی ج۳ص۵۸۰ میں آیا ہے۔

❁ دائرۃ المعارف الشیعی الاعلمی ج۸ص۴۴۶ پر الشیخ محمد حسین الاعلمی آملی لکھتے ہیں، حماد بن عمر بن یونس بن کلیف شاعر کوفی واسطی، زندیق وشرابی اور اپنے دور میں فعل شنیع میں مشہور تھا، مہدی عباسی کے زمانے میں بغداد میں آیا اور ۱۶۸ھ میں فوت ہوا۔ [تاریخ بغداد ج۸ص۱۴۸، وفیات الاعیان ج۱ص۲۳۳]

داؤد بن قاسم

دائرۃ المعارف الشیعی الاعلمی ج۹ص۳۴۳: ان کا پورا نام داؤد بن قاسم بن اسحاق بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب ابوہاشم جعفری ہے، یہ امام رضا، امام جواد اور امام حسن عسکری ؑ کے زمانے میں تھے، اس کے بھی کچھ اشعار ہیں لیکن کس بارے میں تھے؟ یہ ذکر نہیں ہوا ہے۔

امام حسن عسکریؑ کے شاعر:

ابن رومی (۲۲۱۔۲۸۳ھ/۸۳۵۔۸۹۶م)

❁ ابوالحسن علی بن عباس بن جریج، معروف بہ ابن الرومی۔ بغداد میں پیدا ہوا ناحیہ والد کی طرف سے رومی الاصل تھا اور پارسی ناحیہ ماں کی طرف سے تھا۔

❁ موسوعہ امام علیؑ جلد۹ص۲۵: ابوالحسن علی بن عباس بن جریج مشہور بہ ابن رومی ۲۲۱ھ کو بغداد میں پیدا ہوا فن شعر کوئی، تخیل، الفاظ سے کھیلنے میں بہت مہارت رکھتا تھا، اس کی پوری زندگی بغداد میں گزری اور ۲۸۳ھ کو وفات پائی، غدیر ج۳ص۵۱ میں اس کا ذکر ہوا ہے۔

شعروشاعری کی قدر و قیمت

شعر سازان ونوازگان کا کہنا ہے، شعر کو اپنی اثر پذیری اور عوام میں مقبولیت کی وجہ سے فضیلت وبرتری حاصل ہے۔ علمائے ادب نے شعر کی تعریف میں لکھا ہے، شعر میں سحر ہے یعنی شعر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے جس طرح آج کل یہ باور کروانے کی کوشش کی جارہی ہے کہ دین اسلام کو صوفیاء کے طفیل فروغ ملا۔ یہ لوگ

جس اسلام کی بات کرنے یا اسے اپنانے سے نازاں وخوش نظر آتے ہیں وہ دراصل قرآن وسنت کے منافی اعمال وافکار کا ایک مجموعہ اور مسخ شدہ اسلام ہے جسے حقیقی اسلام کو پس پشت ڈالنے کیلئے مقابلتاً متعارف کروایا جارہا ہے۔

سید عبدالرزاق موسوی مقرم اپنی کتاب "مقتل الحسینؑ" کے ص۱۱۹ پر لکھتے ہیں:

"بہت واضح وروشن ہے کسی شخص کی تعریف میں اشعار کہنا، اس شخص کی عظمت اور اس کے نام کا احترام کرنے کا اظہار ہے۔ یہ اس لئے بھی ہے کہ اس ممدوح کے مقصود کو معاشرہ میں زندہ رکھا جائے، کیونکہ جتنا کسی کے آثار معاشرے کے افراد کے دلوں میں باقی رہتے ہیں اتنی ہی اس کی عظمت وبزرگی زندہ ہوتی ہے۔ گردش زمانہ اور وقت کی تیز رفتاری ہر شے کو بھلا دیتی ہے حتی کہ حیرت انگیز حادثات کو بھی لوگ بھول جاتے ہیں اور اس کا اثر ختم ہوجاتا ہے، لیکن گفتار منظوم یعنی اشعار کانوں پر عجیب اثر چھوڑتے ہیں۔ سلیم طبیعتیں اشعار کی طرف رغبت رکھتی ہیں۔ یہ اقوال منظوم ایک زبان سے دوسری زبان، ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک دل سے دوسرے دل کی طرف منتقل ہوتے ہیں اور اس طرح اپنے اثر کو باقی رکھتے ہوئے بعد کے طبقات میں منتقل ہوجاتے ہیں۔ اسی بنا پر عظیم موضوعات اور حوادث کو شعر کے قالب میں ڈھال دیا جاتا ہے تاکہ وہ اپنی اہمیت کو باقی رکھ سکیں۔"

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کیا شعروشعراء تعریف وستائش کے لائق ہیں؟ شعراء کن اہداف ومقاصد کیلئے شعر کہتے ہیں؟ ان کے اشعار کن اہداف ومقاصد کو پروان چڑھا رہے ہیں؟ بعض افراد نے شعروشاعری کی تعریف میں کہا ہے شعروں میں حکمت ہوتی ہے کہ مومن اپنی زبان سے جہاد کرتا ہے جس طرح مجاہد تلوار سے جنگ کرتا ہے، لیکن ہمیں یہ چیز ذہن میں رکھنی چاہیے کہ کسی چیز کی قدر و قیمت اس کے ہدف ومقصد سے ہی معلوم ہوتی ہے۔

شعر کی محبوبیت کا راز اس کی اثر پذیری ہے، وہ سامع کو جلدی متاثر کرتا ہے۔ شعراء اور ان کے حامیوں کا یہ دعویٰ اپنی جگہ ان کی تصریحات سے متصادم ہے:

۱۔ شعر، اہل تصوف وعرفان صلبی ہے۔ اہل تصوف وعرفان کا دعویٰ ہے ان کی باتیں ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آتیں، انھیں سمجھنے کیلئے خاص ذوق درکار ہے، لہٰذا ان کی پیداوار یعنی شعر کیسے ہر سامع پر اثر گزاری کرسکتا ہے؟

۲۔ شاعر اپنے شعر سازی کے اصول وضوابط کے تحت کسی بھی کلمے کو ضرورت کے تحت استعمال کرسکتے ہیں یہاں تک کہ کلمہ کے قافیہ سازی درست کرنے کی خاطر کلمے میں بھی ہیر پھیر کرسکتا ہے۔ اگر کسی کلمے کی شکل بدل دیں تو سامعین کیسے جلدی سمجھیں گے؟ اگر کسی نے اپنا حلیہ بدل لیا تو کیا لوگ اسے جلدی پہچان لیں گے؟

ان دومدعا کے ثبوت کے طور پر ہم ذیل میں بعض اصطلاحات شعراء بھی پیش کریں گے۔قارئین کرام خود انصاف کریں ان کلمات سے شعراء کے مرام ومقصود کو کیسے ہر شخص درک کرسکتا ہے اور متاثر ہوسکتا ہے۔ہاں یہ بات اپنی جگہ حقیقت رکھتی ہے کہ شعراء کو سننے والے یا ان کے بعض گماشتہ افراد کی تحریک پر انجانے میں بعض لوگ بہت چیخ وپکار کرتے ہیں۔یہ اس حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں جس کی خبر خدا نے سورۂ شعراء کی آیت ۲۲۴ میں فرمایا ہے:"گمراہ لوگ ہی ان کی پیروی کرتے ہیں۔"لہٰذا گمراہ لوگ بغیر اثر ہوئے اثر پذیری کا اظہار کرتے ہیں جیسا کہ قرآن میں فرمایا ہے:

﴿یَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَیْسَ فِی قُلُوبِهِمْ﴾ "وہ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں۔"(آل عمران ۱۶۷)

اگر اثر انداز ہو بھی جائے تو خود شعراء کے بارے میں ہے وہ لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں جس پر وہ خود عمل نہیں کرتے تو ان کے سننے والے سننے کے بعد کیسے ان کی بات پر عمل کریں گے؟

شعرگوئی کی فضیلت

قرآن کریم کی صریح آیات اور بعض روایات میں شعرگوئی کی مذمت کی گئی ہے،اس کے بعد آئمہ طاہرینؑ سے منسوب شعراء کی فضیلت اور حوصلہ افزائی اپنی جگہ غور طلب ہے۔اگر آواز حق بلند کرنا اور دشمنانِ اسلام سے بےزاری کا اعلان کرنا مقصود ہے تو وہ نثر میں بطریق احسن ادا ہوسکتا ہے،اس کے باوجود شعر کو فضیلت وترجیح دینے کی کوئی منطق نہیں رہتی اس کی مثال یہ ہے کہ بعض جگہوں پر علماء وخطباء فارسی یا عربی زبان میں دعا کراتے ہیں گویا فارسی یا عربی دونوں زبانوں کے علاوہ کوئی اور زبان نہیں یا خدا کو یہ زبانیں زیادہ پسند ہیں یا روایات میں فارسی یا عربی میں دعا کرنے کی فضیلت آئی ہے۔اعلان حق شعر میں کرنے کی کوئی مزیت نہیں۔یہ شاعر کا ہنر تو ہوسکتا ہے لیکن اسے ادائے حق نہیں کہہ سکتے۔

اہل بیتؑ کے فضائل ومناقب میں شعراء کرام کا کردار:

شعراور شعراء کے بارے میں وارد فضائل وبرتری کی واحد توجیہ یہ پیش کی جاتی ہے کہ شعر سے لوگ زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔شیعوں کا تصور ہے،اہل بیتؑ کے فضائل ومناقب بیان کرنے اور لوگوں کو اہل بیتؑ سے وابستہ رکھنے میں شعراء کا بہت کردار رہا ہے۔

شعراور شعراء کے معیار ومیزان:

قرآن کریم اور سنت نبویؐ کے تحت شعروشعراء کو درج ذیل مقائیس سے گزرنا ضروری ہے:

۱۔شاعر اپنی جگہ حقیقت وصداقت گو اور جھوٹ بولنے سے پرہیز کرتا ہو۔

۲۔شاعر اپنی جگہ فاسق وفاجر اور لاابالی کرنے والا نہ ہو۔

۳۔ہر آئے دن کروٹ بدلنے والا نہ ہو۔

۴۔سابق اور موجودہ زمانے میں منحرف ہونا ثابت نہ ہو اگر سابق زمانے میں منحرف تھا تو توبہ انابہ کرنے کی نقل اپنی جگہ ثابت ہونا ضروری ہے،چند شعر پڑھنا دلیل نہیں بنتا کیونکہ یہ تو شاعروں کا وطیرہ،امتیاز وپہچان ہے۔

۵۔حکام وقت کی کاسہ لیسی کرنے والا نہ ہو۔

۶۔پیسے کی خاطر باطل طاقت کا نمک خوار نہ ہو۔

اس سلسلے میں ہمیں دو مرحلے میں بات کرنے کی ضرورت ہے:

۱)۔آیا شعروشاعری سے دین کو فروغ ملا ہے یا اس کی وجہ سے دین کنارے پر لگا ہے؟چشم حقیقت اور قضاوت عادلہ رکھنے والے اس حقیقت کو آشکار کرسکتے ہیں۔

۲)۔سوال یہ ہے کہ نبی کریمؐ کی تیرہ سال دعوت مکہ اور دس سال جنگ وغزوات میں کون سے موقع ومحل پر شجاعت ومردانگی،بازو مردانگی کی جگہ شعر نے لی ہے؟

۳)۔شاعری نے امیر المومنینؑ کی تین جنگوں میں کتنے دشمنوں کو شرمسار ولاجواب کرکے میدان جنگ سے بھگایا،کتنے لوگ شعروشاعر کی وجہ سے باطل کو چھوڑ کر آئمہ کی طرف آئے۔

شعراء کا دین وایمان

اگر شعراء کی سوانح حیات کا دین وایمان کے حوالے سے جائزہ لینے کی کوشش کی جائے تو ہم دیکھیں گے ارباب اقتدار کے دروازوں پر دستک دینا،ان کے صدقات اور احسانات کیلئے تملق وچاپلوسی کرنا،چند پیسوں اور خلعت کیلئے سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ کرکے بیان کرنا،سنگریزے کو ستارہ قرار دینا اور غصہ کے وقت اپنے مخالفین پر کینہ وحسد کی وجہ سے دشنام وتحقیر پر مشتمل اشعار پڑھنا ان کی سیرت ووطیرہ رہا ہے۔

بعض کا کہنا ہے،"شاعری سے دین کو فروغ ملا ہے۔"یہ بات ایسے ہی بے بنیاد ہے جیسے کہا جائے اس ملک میں علماء نے جاہلوں سے علم سیکھا ہے یا صداقت جھوٹوں سے سیکھی جاتی ہے یا بقول بعض ادیبوں نے "ادب کو بے ادبوں سے سیکھا ہے۔"یہ باتیں ان لوگوں کی باتیں ہیں جو الٰہی دستور قرآن کریم اور سنتِ رسول کریمؐ کو پس پشت ڈال کر اقوال زریں کی بات کرتے ہیں۔اقوال زریں درحقیقت مجہول القائل اقوال ہیں،ان اقوال کے یا تو ناقل معلوم نہیں یا کسی شخص نے امام یا دانشور کے قول کو اپنا قول قرار دیتے ہوئے اسے اقوال زریں میں قرار دیا ہے،لیکن ان کا نام لینے سے گریز کیا ہے۔جو لوگ خدا کے حاضر وناظر ہونے اور قیامت کے روز عدالتِ خدا میں پیش ہونے پر ایمان رکھتے ہیں انہیں چاہیے وہ محافل ومجالس سے شعرو شاعری کو بے دخل کرکے اس کی جگہ پر آیاتِ قرآن کریم اور احادیث نبی کریمؐ کو جاگزیں کریں،کیونکہ دین میں خرافات نے اس وقت سرایت کرنا شروع کیا جب مجالس ومحافل کی مرکزیت وصدارت شعراء اور شاعری کو حاصل ہوئی۔آج اہل بیتؑ کی حقانیت پر مبنی چہرہ اشعار کی وہمی وخیالی دھند میں ڈوبا ہوا ہے،کسی کے بس

کی بات نہیں کہ وہ اجتماع میں اہل بیتؑ کے طیب و طاہر چہرے کی اصلی صورت پیش کرے۔

امام حسینؑ نے دین کی بقاء کیلئے قربانی دی جبکہ شعراء اور ذاکرین کے بقول آپ امت کے گناہ گاروں کو بخشوانے کیلئے شہید ہوئے۔ گویا امام حسینؑ مجرمین، امت کے گناہ گاروں اور فاسقوں پر قربان ہوئے ہیں! یہ افراد ایک طرف سے بقائے دین کی بجائے اس کی تنسیخ و تعطیل کا مژدہ سناتے ہیں تو دوسری جانب اہل بیتؑ کی عظمت و بزرگی بیان کرنے کی بجائے اپنے مقام کو بلند کرتے ہیں جیسا کہ ان کا کہنا ہے حضرت زہرا مرضیہ = عزاداروں کے جوتوں کی جگہ پر ان کے آنسوؤں کو جمع کرنے کیلئے رومال لے کر بیٹھتی ہیں۔

شیعہ اور دوست دار اہل بیتؑ

دنیا میں اپنے مافی الضمیر یا خطورات ذہنی کو ظاہر کرنے کی تین طریقے ہیں:

۱۔ بے ہودہ و بے سند معانی کو الفاظ کی سجاوٹ و زیبائی کے ساتھ پیش کرنے کا طریقہ ہے۔

۲۔ معانی اعلیٰ الفاظ اپنی جگہ قاصر ہے، چنانچہ بہت سے علماء اپنا مافی الضمیر ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں کیونکہ انہوں نے علم سیکھنے کے بعد تعلیم و بیان کے طریقے نہیں سیکھے، بلکہ اسے بلکل نظر انداز کرتے ہیں۔

۳۔ لفظ اور معانی، متوازن انداز میں پیش کئے جائیں جیسے انسان کے نفس اور جسد میں توازن پایا جاتا ہے۔ اس قسم کے اظہار خطور کو حقیقت گوئی کہا جائے گا۔

۞ الفاظ سے کھیلنا اور ان لفظوں کی مراد ٹھونسنے میں دھوکہ بازی اور اغراب جہل اپنانا بھی دنیا کا ایک طریقہ کار ہے۔

لیکن صرف انہی بنیاد پر شعر کو نثر پر فضیلت دینا عقل و منطق سے خارج ہے، کیونکہ خود شعراء کا کہنا ہے شعر کے معانی زیادہ تر بطن شاعر میں ہوتے ہیں۔ شعر میں رمز گوئی و خلاصہ گوئی اور قافیہ سازی ہوتی ہے، جبکہ نثر ان چیزوں سے آزاد ہو کر حقائق کو واضح و روشن کرنے کے درپے رہتی ہے، لہٰذا خطیب کہتا ہے: "آپ نے سمجھا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں سمجھا ہے تو دوبارہ وضاحت کرتا ہوں۔" جبکہ شاعر کہتا ہے: "آپ نے شعر کو سمجھا ہی نہیں۔" اکثر شعراء کے بارے میں آیا ہے وہ عام طور پر ہجو یعنی بدزبانی کرتے تھے جس سے صاحبان مقام و منصب اور صاحبان مروت ان سے کتراتے تھے۔ حکمران جب تک اقتدار کے نشے میں نہ ہوتے یا یہ ان کیلئے باعث خطرہ نہ ہوتے تو وہ انھیں کچھ دے کر خاموش کراتے بصورت دیگر انھیں سزا دیتے تھے۔ آئمہؑ کی سیرت میں ہجو فعلِ قبیح ہے یہ ذوات اسے پسند نہیں فرماتی تھیں۔ خداوند متعال نے اپنی کتاب میں مخاطبین کو جن اصولوں کی پاسداری کا حکم دیا ہے آئمہؑ ان ہی کا پاس رکھتے تھے۔

اہل بیتؑ کی مدح میں شعر گوئی

ادبیات عرب میں ہمیں دلیری و بہادری کے متعلق رزمیہ اشعار بہت ملتے ہیں، عربوں نے جاہلیت کے دور اور پھر اسلام کے بعد بھی اس صنف کی طرف بہت زیادہ توجہ دی ہے اور بہت سے واقعات اور جنگوں کو منظوم

صورت میں محفوظ رکھا ہے۔ اہل اسلام کے نزدیک عظمت اہل بیتؑ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ یہ اسلامی معاشرے کی روح و جسم کو اصلاح اور حیات دینے والے ہیں، ان کی تعلیمات کو اشعار میں بیان کرنے کا مقصد یہی ہے کہ ہر زمانے میں افراد ان تعلیمات کی اہمیت کو جان لیں اور ان سے درس و اصلاح حاصل کریں۔

اسی بنا پر آئمہ اطہارؑ نے اپنے دوستوں کو اشعار کہنے پر ترغیب دی تا کہ وہ ان کے فضائل و مناقب اور مصائب کو شعر کی صورت میں منتشر کریں، کیونکہ ان کے ادوار حق و حقائق ان کے مصائب اور ان پر سختیوں کا اظہار شعر گوئی کے علاوہ کسی اور راہ سے ممکن نہ تھا، چنانچہ اشعار کے ذریعے حقیقت بیان کرنے کا حکم ہوا ان کے مقدس اہداف کو زندہ رکھنے کا امکان، بذریعہ شعر ہی تھا۔ خداوند کریم ان لوگوں پر رحمت نازل کرے جو ان کے اہداف کی ترویج کرتے ہیں اور لوگوں کو حق کی طرف بلاتے ہیں۔

آئمہ اطہارؑ نے لوگوں کو اس انداز سے شعر گوئی اور مرثیہ گوئی پر ترغیب و تحریص فرمائی کہ یہ عمل ایک بہترین اطاعت شمار ہوا۔ اسی سلسلے میں امام معصومؑ نے فرمایا:

"جو کوئی بھی ہمارے حق میں کوئی شعر کہے یا سخن سرائی کرے خدا اس کیلئے جنت میں ایک گھر بنا دے گا۔"

دوسری حدیث میں ہے:

"روح القدس اس شاعر کی تائید کریں گے۔" ایک اور حدیث میں یوں بیان ہوا:

"اس کیلئے خدا بہشت میں ایک شہر بنا دے گا اور اس کے فرشتے اور انبیاءؑ اس شہر میں اس شاعر کو دیکھنے کیلئے آئیں گے۔" (عیون اخبار الرضا ص ۵)

امام محمد باقرؑ کے سامنے جب کمیت نے آنحضرت کیلئے قصیدہ پڑھا، آپؑ نے فرمایا:

"ہمیشہ روح القدس کی تائید کے ساتھ باقی رہو۔" (رجال کشی ص ۱۳۶)

ایام تشریق میں کمیت امام صادقؑ کے حضور آیا اور آپؑ سے چند اشعار پڑھنے کی اجازت چاہی۔ امام ان مبارک ایام میں اشعار سننا نہیں چاہتے تھے۔ کمیت نے عرض کی مولا میں جو اشعار سنانا چاہتا ہوں آپؑ کے بارے میں کہے ہیں۔ امام نے اُسے قریب بلایا اور محبت فرمائی۔ پس جب کمیت نے اشعار پڑھنے شروع کیے جو کہ اہل بیتؑ کی سیرت اور اوامر کے احیاء و ترویج کے بارے میں تھے امام نے فرمایا: میرے رشتہ داروں کو بلاؤ تا کہ وہ بھی کمیت کے اشعار کو سنیں، پس کمیت نے اشعار پڑھے تو لوگ بہت روئے اور جب کمیت اس شعر پر پہنچا: یصیب به الرامون عن قوس غیرهم قیا آخراً اسدی له الغیّ اوّل

تو امام نے اپنے دست مبارک بلند کیے اور فرمایا:

"خداوندا! کمیت کے گذشتہ و آئندہ، مخفی و اعلانیہ گناہوں کو بخش دے اور اس کو اتنا عطا فرما یہ راضی ہو جائے۔" (الاغانی ج ۱۵ ص ۱۸)

ابوجعفر جوادؑ نے عبداللہ بن الصلت کو اجازت دی کہ وہ آپ کے والد اور آپ کیلئے ندبہ ونوحہ کہے۔عبداللہ نے حضرتؑ کیلئے چند ابیات روانہ کئے اور چند ابیات جو آپؑ کے والد کے بارے میں کہے گئے مرثیہ کو ایک خط میں لکھ کر بھیجا اور اجازت چاہی انھیں مجالس میں پڑھے۔امام نے خط میں لکھے ان اشعار کو پھاڑ کر اپنے پاس رکھ لیا اور اسے لکھ بھیجا بہت خوب،خدا تمہیں اس عمل نیک کی جزائے خیر عطا کرے۔

جعفر بن عفان امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں پہنچا تو امام نے پوچھا:تم نے امام حسینؑ کی شان میں کچھ اچھے اشعار کہے ہیں؟اس نے عرض کی جی ہاں! امام نے فرمایا:انھیں پڑھو۔جب جعفر نے ان اشعار کو پڑھا،امام اتنا روئے کہ آنسو رخساروں اور ریش مبارک تک بہہ نکلے۔آپؑ نے فرمایا:

"خدا کے مقرب فرشتے امام حسینؑ پر تیرے اشعار کے گواہ ہیں،انھوں نے بھی اس طرح گریہ کیا جیسے ہم روئے۔خدا نے تم پر بہشت واجب کردی ہے۔"

اس کے بعد آپؑ نے فرمایا:

"جو بھی امام حسینؑ کیلئے شعر کہے اور روئے یا لوگوں کو رُلائے،خدا اس پر رحمت نازل کرتا ہے اور اسے جنت میں داخل کرے گا۔" [رجال الکشی ص ۱۸۷ الاغانی ج ۷ ص ۸]

امام حسینؑ کی تعریف اور عزاداری شعراء کی نظر میں

عزاداری کے دوران پڑھے جانے والے اکثر وبیشتر مرثیے اور نوحے اسلام سے ناآشنا یا مشکوک الایمان شعراء کے انشاء کردہ ہیں،کیونکہ جہلا یا منافقین کے قلب وذہن سے معصوم معارف وحقائق کا نکلنا ممکن نہیں دوسری طرف اسی کو عزاداری قرار دینا معصوم کی اہانت ہے۔

ان کے بُرے عزائم اس وقت کامیاب ہوسکتے ہیں جب دین کے اصلی چہرے اور اس کی حقانیت کو پوشیدہ رکھیں اور بھرپور انداز سے شعروشاعری کا شور وغل برپا کریں اور ساتھ ہی دین ودیانت کے بارے میں تھوڑی بہت گفتگو کریں۔اسی خواب کو عملی جامہ پہنانے کیلئے ہر سال روز افزوں بے ہودہ شعروشاعری میں اضافہ ہوتا جارہا ہے جو قابل تشویش ہے،یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اگر شعروشاعری پر اسلام کا لبادہ اوڑھایا جائے تو اس کی مثال چار پہیوں والی گاڑی جیسی ہے جس کے تین پہیے انحراف گوئی کی پٹڑی پر رواں ہیں جبکہ چوتھے کے بارے میں ممکن ہے کہا جاسکے وہ دین ودیانت کی پٹڑی پر ہے،نیز اہل ادب بھی شعر کی تصریح کرتے ہوئے کہتے ہیں: "بہترین شعر وہ ہے جس میں جھوٹ زیادہ ہو۔"

جہاں تک شاعروں کا تعلق ہے تو ان کی تاریخ گواہ ہے وہ دین ودنیا کے کسی ایک پہلو پر مسلسل نہیں سوچتے بلکہ ان کی سوچ ایک رات میں کئی بار کروٹ بدلتی ہے۔یہ اپنے تصورات میں کبھی دین اور آئمہؑ کے دروازے پر اور کبھی کمائی وجائزے کیلئے ظالمین وجابرین کی محفلوں کی رونق بنتے چلے آرہے ہیں،اس

سلسلے میں کسی ایک ملک وقوم کے شعراء دوسروں سے مختلف یا پیچھے نہیں،ان کا پورا سرمایہ قافیہ وردیف کی صورت میں استعمال ہونے والے کلمات ہیں،جبکہ علم وایمان ہمیشہ ان میں کم یاب ونایاب ہوتا ہے،ایسی شعروشاعری سے دین کا تعارف کروانا غلط گوئی اور غلط بیانی پر مبنی نہیں تو اور کیا ہے؟

شعر کے چند مراحل

۱۔شعر کو پہلے مرحلے میں نثر گوئی پر ترجیح دی گئی۔

۲۔دوسرے مرحلے میں قرآن وسنت کو پس پشت ڈالا گیا۔

۳۔تیسرے مرحلے پر اسے غلو سے بھر دیا گیا۔

۴۔چوتھے مرحلے پر قرآن وسنت شناس علماء کو کنارے پر لگایا گیا۔

شعر اور علیؑ

خطباء اور شعراء حضرت علیؑ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

۱۔"علیؑ،آدمؑ سے پہلے بلکہ خلقت کائنات سے پہلے موجود تھے۔"اس عقیدے کے داعیوں سے سوال ہے تو پھر وہ اس عالم میں پیدا ہوتے وقت کس طرح ظہور وبُروز ہوئے،اگر ماں کی شکم سے ظہور ہوئے تو یہ عقیدہ مسیح ہوگا اگر انسانوں کی طرح باپ کے صلب اور ماں کے شکم سے ہوتے ہوئے ظاہر ہوئے تو اس سے تناسخ لازم آتا ہے۔

۲۔"معراج کے موقع پر آپ پیغمبرؐ کے میزبان تھے۔"اس طرح تو نبی کا درجہ علیؑ سے کمتر ہوگیا،لہٰذا ان کے نبیؐ پر ایمان لانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۳۔"سب کی مشکلات حل کرتے تھے اور اب بھی کرسکتے ہیں۔"لیکن ہم دیکھتے ہیں وہ خود پریشان حال تھے اور اپنے دور میں اسلام کیلئے لوگوں سے مدد کے خواہاں تھے نیز آج مسلمان پریشان ہیں اور ان کا کوئی دادرس نہیں جیسا کہ امام حسینؑ کی "ھل من ناصر ینصرنا" سے واضح ہے۔

آل محمدؐ کو ازلیت سے قریب دکھانا

قدیم وجدید زمانے کے اشعار کے ایک حصہ میں پیغمبرؐ اور آپ کی اہل بیتؑ کو خدا کی ازلیت سے قریب تر دکھانے کی کوشش کی جاتی ہے،لیکن یہ کہنا ناانصافی ہوگی کہ یہ ابتکار شعراء کا ہے،کیونکہ اس حوالے سے شعراء ان روایات سے استناد کرتے ہیں جو انہوں نے پڑھی یا سنی ہوں،چنانچہ ایک حوالے سے شعراء کو بے قصور گردانا جاسکتا ہے،کیونکہ عام طور شعراء ان پڑھ ہوتے ہیں جیسا کہ فرزدق اور دیگر کئی شعراء تھے،لیکن پڑھے لکھے بھی دین شناسی میں ان پڑھ ہی ہوتے ہیں۔یہ لوگ کہہ سکتے ہیں ہم نے بزرگ علماء سے سنا ہے،جبکہ بزرگ علماء کی سند وہ روایات ہیں جو ہماری روایات کی کتابوں میں درج ہیں۔

ہم قارئین کرام کی خدمت میں دائرۃ المعارف الشیعی الاعلمی تالیف اعلمی حائری ج ۵ ص ۳۰ سے چند روایات

نقل کرتے ہیں جوانہوں نے کتاب بحار جلد ۴۱ص ۷،۴ سے نقل کی ہیں:

۱۔ابن عباسؓ سے مروی ہے،انہوں نے پیغمبرؐ سے پوچھا آپ کی خلقت کب ہوئی تو آپ نے فرمایا:

"خدا نے جب ہمیں خلق کرنا چاہا،ایک کلمے سے تکلم کیااور اس سے ایک نور نکلا پھر دوسرا کلمہ تکلم کیا اس سے روح نکلی پھر روح اور نور دونوں کوملایا تو اس سے میں،علی،فاطمہ،حسن وحسین ☆خلق ہوئے ہم خدا کی تسبیح بیان کرتے تھے،جب کوئی تسبیح کرنے والا نہیں تھا،ہم اس کی تقدیس کر رہے تھے جب کوئی اس کی تقدیس کرنے والا نہیں تھا،اس طرح میرے نور سے عرش،علیؑ کے نور سے ملائکہ،فاطمہؑ کے نور سے آسمان وزمین،حسنؑ کے نور سے سورج وچاند اور حسینؑ کے نور سے جنت وحورین خلق ہوئے۔

۲۔"خدا نے محمدؐ اوران کی پوری عترت کو پیدا کیا۔ہم خدا کے سامنے نور کی اشباح یعنی نور کے ابدان تھے جن میں روح نہیں تھی۔"

۳۔"خدا نے جب ہمیں خلق کیا،اس وقت نہ عرش تھا اور نہ ہی جنت ودوزخ۔"

۴۔"خدا تھا اور کوئی چیز نہیں تھی،سب سے پہلے محمدؐ اور ہم اہل بیتؑ خدا کے نور سے خلق ہوئے اور اس نے ہمیں اپنے سایہ خضراء میں رکھا،جبکہ اس وقت آسمان تھا نہ زمین،نہ قمر۔"

اس وقت علمائے اعلام اپنی صنف ونوع کے بارے میں کسی قسم کی بات سننے کیلئے تیار نہیں،کیونکہ ان کے بقول ایسا کرنے سے روحانیت کی تذلیل اور بزرگان کو زِک پہنچے گی جس سے کل دین ختم ہوگا،لیکن ان کے نزدیک اگر خدا کی الوہیت وازلیت اور وحدانیت،مخدوش ومشکوک قرار پائے تو کہتے ہیں،فضیلت اہل بیتؑ ہے۔دعویٰ کرتے وقت کہتے ہیں ہم محقق ہیں،لیکن اعتراض کا جواب دیتے وقت کہتے ہیں،ہم ذمہ دار نہیں ہیں۔جہاں کسی امام یا پیغمبر سے نقل کرنا مشکل ہو تو ایک نا قابل تردید مصدر،حدیث قدسی کے نام سے متعارف کروایا جاتا ہے۔جب حدیث کی سند تلاش کی جاتی ہے تو اس کا سلسلہ خدا،پیغمبر سے نہیں بلکہ کسی صوفی پر جا کر رکتا ہے،چنانچہ یہ دو مشہور احادیث قدسی صوفیوں سے ہی ملتی ہے:

۱۔"عبدی اطعنی اجعلک مثلی" "بندہ میری اطاعت کرے،میں تمہیں اپنا مثل بناؤں گا۔"

۲۔"آدم کی سرشت کو میں نے بنایا۔" اسے امام علیؑ سے منسوب کرتے ہیں۔

پہلی حدیث قرآن کریم میں موجود مکرر آیات:﴿لیس کمثله شيء﴾ "اس کیلئے کوئی شریک نہیں" کو جھوٹ ثابت کرنے کی کوشش ہے۔جبکہ ہزاروں صوفی اس کی مثل بنے ہوئے ہیں اور الفاظ کی صنعت بافی کے صنعت گر کہتے ہیں،"جاہل،بے وقوف تمہیں مِثل اور مَثل میں فرق معلوم نہیں ہے۔" لیکن ہم ایسی لفاظی کی صنعت رکھنے والے کو جاہل نہیں کہہ سکتے،بلکہ انہیں دھوکہ باز کہیں گے۔دیکھیں میم پر کسرہ،فتحہ یا پیش ڈالنے سے معنی میں کتنا فرق آجاتا ہے۔دوسری حدیث سے ایک مسلم باطل ثبوت تناسخ لازم آتا ہے کہ آدم کے خمیر کو بنانے کے بعد وہ کہاں تشریف فرما تھے؟جب دنیا میں تشریف لانا چاہا تو بطور مستقیم مثل عیسیٰ

ماں کی شکم سے آئے یا تمام انسانوں کی طرح باپ کی صلب اور ماں کی شکم دونوں مرحلوں سے گزرے؟

کبھی یہ علیؑ کو نور محمدؐ کہتے ہیں اور کبھی دونوں ذوات کو ملا کے نور خدا کہتے ہیں،زمانے کے حوالے سے ان ذوات کو کبھی انبیاءؑ اور آدمؑ،کبھی خلقت آسمان وزمین سے پہلے اور کبھی خلقت کائنات سے پہلے بتاتے ہیں۔اس سے آگے نہیں جاسکتے اگر جاسکتے تو ضرور کہتے،کیونکہ ان کے علم میں نہیں کہ خداوند متعال نے کتنی کائنات پیدا کیں اور کتنی گزر چکی ہیں۔یہ سمجھتے ہیں خداوند متعال نے کائنات کے آخر میں محمد وآل محمد ﷺ کو لایا ہے اور ان کے بعد خدا کی الوہیت کا دور ختم ہوگیا ہے۔کبھی زمان ازلی کی بات کرتے ہیں کہ خدا کب سے تھا اور کبھی خدا کو تخلیق کائنات سے چھٹی دے کر معطل رکھتے ہیں،حتیٰ اس کے اختیار کو بھی ان ذوات کے سپرد کرتے ہیں۔اپنے اس پیغام وفکر کو احادیث کے ذریعے رواج دینے کی بجائے شعر کو اپنانا مناسب سمجھا کیونکہ شعر کے ذریعے رواج دینا،ان کے خیال میں دو فوائد کا حامل ہے:

۱۔ان کے بقول شعر جلدی اثر گزار ہوتا ہے اور ذوق شعر سے جلدی مانوس ہو جاتا ہے۔

۲۔شاعر جھوٹ بولے یا غلط گوئی کرے تو اس کا مواخذہ نہیں ہوسکتا کیونکہ کہا جاتا ہے شاعر نے جس لطافت سے بیان کیا ہے آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا جیسا کہ مقولہ ہے:"المعنی فی بطن الشاعر" "شعر کا معنی شاعر کے پیٹ میں ہوتا ہے۔" اگر سمجھ بھی آجائے تو کہتے ہیں:"اس کی کیا حیثیت ہے" چنانچہ دین میں جو کوئی غلط گوئی کرے یا دین کے نام پر کیچڑ پھینکے اس کی کوئی حیثیت نہیں،لیکن اگر کوئی معاشرے کے رسوم ورواج کے خلاف بات کرے تو اس کی حیثیت بنتی ہے۔

اس وقت اہل بیتؑ کے فضائل ومناقب کے زیادہ تر مصادر اشعار اور شعراء کی پیداوار ہیں۔شعراء کو شعر وشاعری کے ذریعے مجالس ومحافل موالید سے قرآن فرمان رسول اللہؐ اور سیرت آئمہ طاہرینؑ کو نکال پھینکنے کے صلے میں آج یہ مقام ملا ہے۔بے چارے عبا،قبا اور عمامہ سے مرصع حوزات ومدارس دینی کے فارغ التحصیل افراد کی کیا مجال کہ وہ ان اشعار کے مقابل میں اظہار نظر کریں۔قول اور قائل دیکھا جائے تو گمراہی اور حقیقی غلو کا مصدر وماٰخذ یہی ہیں،لہٰذا بعض نے واضح طور پر کہا:"اب آپ کی خدمت میں غالیوں اور نصیریوں کے کچھ اشعار پیش کئے جاتے ہیں۔" چنانچہ شعر وشاعری سے نہ تنہا غلو اور الحاد پھیلا بلکہ ہمیشہ کیلئے مجالس ومحافل سے قرآن،سنت رسولؐ اور سیرت اہل بیت ﷺ رخصت ہوگئی ہیں۔اب مجالس ومحافل مشاعرہ کے نام سے منعقد ہوتی ہیں جن میں صرف شعراء کو ہی اظہار خیال کا حق حاصل ہوتا ہے،لیکن یہ جاننا اتنا آسان نہیں کہ عوام الناس اس کا اتنا زیادہ استقبال کیوں کرتے ہیں اور اس کے کیا اسباب وعوامل ہیں خاص کر ہم جیسے سادہ لوح اور سطحی ذہن رکھنے والوں کیلئے یہ سمجھنا ممکن نہیں۔نابینا،دھندلا یا ٹیڑھا دیکھنے والوں کے راد وشور سے تمام سامعین کو پردے میں رکھنے کا ایک نیرنگ ہے۔سامعین کو غفلت میں رکھ کر ان کے اندر نفوذ کرنے کے ذرائع ہیں:

۱۔شعر کا معنی ومفہوم ہمیشہ شاعر کے پیٹ میں ہونے کی تعبیر شاعر کی غلطیوں پر پردہ پوشی اوراشکال کرنے والوں سے جان چھڑانے کاایک ذریعہ ہے، یہ تعبیر جس نے بھی بنائی اور جس مقصد کیلئے بنائی ایک علیحدہ بات ہے، لیکن آج کل جو بھی معنی لیا جاتا ہے وہ صرف شاعر ہی جانتا ہے، گویا شاعر کوئی انسان نہیں بلکہ ایک جن ہے، کوئی اس کی زبان نہیں سمجھ سکتا۔شعر کا معنی شاعر کے پیٹ میں ہے کے حوالے سے ہم کسی اور موقعہ پر بات کریں گے۔

۲۔اشعار وشاعری کے الفاظ وکلمات کی ترکیب کسی قانون ،ارادہ اور معنی کے تحت نہیں ہوتی شاعر اپنے عزائم کو فاش کرنے کیلئے شعر استعمال کرتے ہیں اور شعر کو ہر قسم کے اصول وضوابط اور تکلم وتخاطب سے آزاد کرتے ہیں:

۱) اجنبی کلمات استعمال کرتے ہیں۔

۲) شاذونادر کلمات استعمال کرتے ہیں۔

۳) قافیہ کے نام سے کسی بھی کلمے میں حروف کم یا زیادہ کرواتے ہیں۔

۴) نئے جدید قانون ازخود وضع کرتے ہیں گویا ہر دور کے شاعر اپنے دور کے مبتکر ہونے کی حیثیت سے زمانے کے خلیل احمد فراہیدی ہے۔

۵) اگر تمام ذرائع سے اپنے عزائم بیان کرنے میں ہیں عاجز وناتواں رہے تو آزاد شاعر کے نام سے شعر انشاء کرتے ہیں، اس کیلئے کسی قسم کے اصول کی پابندی ضروری نہیں۔ یہ مادرزاد ہیں یہ جائز وناجائز کہنے والوں کیلئے علاقہ ممنوعہ ہے یا یوں کہیں قدیم جاہلیت کے بوسیدہ وفرسودہ پوتے ہیں جسے جاہلیت جدید کی ماں نے جنم دیا ہے۔

۳۔دیوان، گلدستہ اور مخزن البکاء، مراثی کے مصادر ہیں جنہیں ہمیشہ سے جاہل اور صوفی مشرب شعراء نوابوں، راجوں اور ملوک وسلاطین کی ثقافت وآداب کی روشنی میں سراہتے رہے ہیں، کیونکہ یہ لوگ قرآن وسنت سے ناآشنا تھے جہاں تک ان کے دینی علوم کی تحصیل کا تعلق ہے تو وہ صرف ونحو، فارسی ادب اور سعدی وحافظ وغیرہ سے اقتباس کرتے ہیں۔

❁ آیت اللہ سید محمد حسین حسینی طہرانی نے انوار ملکوت ص ۲۸۸ میں کتاب "کلمۃ اللہ" تالیف آیت اللہ شہید حسن شیرازی ص ۱۴۰ش ۱۵۴ "کتاب عدۃ الداعی" تالیف احمد بن فہد حلی" اور کتاب "مشارق انوار الیقین" تالیف حافظ رجب برسی ص ۵۳۶ کعب احبار سے نقل کی ہے:

عَبدی أطعنی، أجعَلُکَ مِثلی ٥أنَا حَیٌّ لا أموتُ، أجعَلُکَ حَیًّا لا تَموت ٥أنا غَنیٌّ لا أفتَقِرُ، أجعَلُکَ غَنِیًّا لا تَفتَقِرُ ٥أنا مَهمَا أشاءُ یَکونُ، أجعَلُکَ مَها تَشَاءُ یَکُون ٥وروی کعب الأخبارُ هذا الحدیث بالالفاظ التالیة:یابن آدم، أنا غَنیٌّ لا أفتَقِرُ أطِعنی فیما أمَرتُکَ أجعَلکَ غَنیاً لا تَفتَقِرُ، یابن آدم،انا حَیٌّ

لا أموت أطِعنی فیما أمَرتُکَ أجعَلکَ حیاً لا تموتُ، أنا أقولُ لِلشَّیءِ کُن فَیَکونَ أطِعنی أمرتُکَ تَقُولُ لِلشَّیءِ کُن فیکون.

اشعار یا خرافات کا دروازہ

آئمہ طاہرینؑ کے فضائل ومناقب اور مصائب میں خاص طور پر حضرت امام حسینؑ کے قیام وشہادت میں خرافات وجعلیات، افسانوں اور کہانیوں کے داخل ہونے کا دروازہ تلاش کیا جائے تو یہ ہمیں اشعار کی صورت میں ملتا ہے، جبکہ شعر وشاعری حسب تصریح قرآن کریم، باطل وگمراہی کے کوب پر سوار ہے۔عربی ضرب المثل ہے: "بہترین شعر وہ ہے جو سب سے زیادہ جھوٹ پر مبنی ہو۔" قرآن کریم کی ان آیات میں شاعری کی مذمت کی گئی ہے:

﴿وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ اَلَمْ تَرَى اَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ وَاَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لاَيَفْعَلُونَ﴾ "اور رہے شعراء تو ان کے پیچھے بہکے ہوئے لوگ چلا کرتے ہیں کیا تم نہیں دیکھتے ہو تم کہ وہ ہر وادی میں بھٹکے ہیں اور بلاشبہ وہ ایسی باتیں کہتے ہیں ایسی باتیں جو کرتے نہیں۔" (شعراء ۲۲۴، ۲۲۶) ﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ﴾ "اور ہم نے اس نبی کو شاعری نہیں سکھائی اور نہیں تھی اس کے شایان شان یہ چیز۔" (یٰسین ۶۹) نحل ۸۰، الحاقۃ ۴۱۔

اہل بیتؑ کے فضائل نبی کریمؐ کے ارشادات میں بیان ہوئے آپ کی پاک سیرت جو تاریخی صفحات میں نمایاں ہے وہ بھی اس بات کی شاہد وگواہ ہے۔آپ کے فضائل کو سرد خانے میں ڈالنے، ائمہ کو عنقاء بنانے اور ان کی تاریخ کو افسانہ گردانے کیلئے شعر وشاعری کا باب کھولا گیا اس کی واضح مثال واقعہ کربلا ہے جس پر افسانوں اور کہانیوں کا رنگ چھا گیا ہے۔[شکووں کے جواب: مؤلف]

شعراء کی سوانح کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے ان کے اوقات کا بڑا حصہ صاحبانِ دولت اور اربابِ اقتدار کی خدمت وثنا خوانی میں بسر ہوتا تھا یا اربابِ اقتدار کے گناہوں، بے پرواہی اور دین ودیانت سے بے رخی کو ان کی مدح سرائی اور ثنا خوانی کے طور پر پیش کرتے تھے، ان کی اکثریت قرآن وسنت اور سیرت آئمہؑ وصلحاء سے بے بہرہ ہوتی تھی، چنانچہ یہ آئمہؑ کی مدح، بادشاہان اور اربابِ اقتدار سے شباہت دیتے ہوئے بیان کرتے گویا اصل تعریف بادشاہان اور اربابِ اقتدار کی جاتی ہے ۔اسی طرح آئمہ کے مصائب بیان کرتے وقت معاشرے میں گرے ہوئے انپڑھ ونادان لوگوں کے مصائب اور ان کی دوسری جانب بے صبری، واویلا سے تشبیہ دی جاتی تھی۔

ان کے بیان کردہ مصائب قرآن کریم کی آیات، سنت رسولؐ اور نہ ہی آئمہ طاہرینؑ کی سیرت سے مطابقت رکھتے ہیں، بلکہ بدقسمتی سے میلاد وشہادت کے نام سے برپا کی جانے والی تمام مجالس ومحافل سے قرآن، سنت، تاریخ اسلام کی ہمیشہ کیلئے چھٹی کردی گئی ہے اور یہ صاحب منبر کیلئے شجرہ ممنوعہ ہیں، اب یہاں

شعروشاعری کے علاوہ کچھ نہیں۔ہمیں ان محافل میں آیاتِ قرآن اور سنت وسیرت نامی کوئی چیز نظر نہیں آتی،اگر کوئی خطیب خطبہ دیتا ہے یا نثر پڑھتا ہے تو اس کا مصدر ومآخذ بھی ملک میں رائج اشعار پر ہی مشتمل ہوتا ہے۔

شعر میں فلسفہ: شعراء نے اپنے عزائم کی فروخت کیلئے فلسفہ جدل اور موسیقی سے مدد لی ہے۔

اہل بیت اطہارؑ کی شان میں سرا ہے گئے اشعار

اہل بیت اطہارؑ کی شان میں سرا ہے گئے اشعار اور شعراء کو تین آزمائش گاہوں سے گزارنے کی ضرورت ہے:

۱۔خود شعر کا مضمون، اپنی جگہ حقیقت پر مشتمل ہے یا ایک وہم وخیال ہے؟اسی طرح اس کا سہارا باطل اور مسخ ومکفی کلمات تو نہیں؟

۲۔شعراء، اپنی جگہ دین ودیانت اور ضمیر وجدان کا پاس رکھنے والے ہیں یا لامذہب، دنیا پرست اور شعر کو ذریعہ معاش بنانے والے ہیں، جہاں سے انھیں کچھ ملے اس کی شان میں شعر انشاء کرتے ہیں؟۔

۳۔جن ذوات کی شان میں شعر سرا ہے گئے ہیں وہ اشعار ان کی ذات سے مطابقت رکھتے ہیں یا اس میں غلو گرائی پائی جاتی ہے؟تاہم شعر کے ذریعے غلو گرائی کرنے کے بھی تین مراتب ہیں:

۱)۔انہیں خدا کی عبدیت وبندگی سے نکال کر الوہیت تک پہنچاتے ہیں۔

۲)۔ان کی استطاعت وقدرت سے باہر کی بات کرتے ہیں جیسے کہتے ہیں، کون ومکان، زمین وآسمان اور عرش معلیٰ تک کوئی چیز ان کیلئے پوشیدہ نہیں، وہ قطار کی قطار کسی فقیر کو بخشتے ہیں، جبکہ ان کی مالیت میں اتنا مال نہیں ہوتا تھا اگر مان لیں ان کے پاس اسقدر مال موجود تھا تو بھی ایسا کرنا قرآن کی رو سے ممنوع ہے، کیونکہ خدا قرآن میں فرماتا ہے ہاتھ کو کھلا رکھو نہ بند:

﴿وَلاتَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُنُقِكَ وَلاتَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾ "نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو۔"(اسراء۲۹)

۳)۔کسی ہستی کی تعریف کرتے وقت اس سے مافوق ہستی کا خیال رکھا جائے ورنہ غلو ہوگا، جیسے کوئی ابوالفضل العباسؑ کی شان میں اشعار لکھتے وقت امام حسینؑ کا خیال نہ رکھے یا علیؑ کی صفت بیان کرتے وقت نبی کیلئے کوئی جگہ نہ رکھے چنانچہ ایسے اشعار غلو پر مشتمل ہوں گے۔

رابطہ شعر با شریعت

یہ عنوان شعر کے بارے میں ایک قسم کی عدالت اور انصاف نمائی ہے آیا اسلامی نکتہ نظر سے شعر ایک پسندیدہ عمل ہے یا مذموم؟اس موضوع کے نگارندہ لغت نامہ دہخدا کے موسسہ کے سرپرست محترم "ڈاکٹر سید جعفر شہیدی" ہیں۔آپ اپنی جگہ علم وادب میں والا مقام رکھنے والی ہستی ہیں، آپ اپنے مقالے میں پہلے مرحلے میں اس عنوان پر قلم اٹھانے اور زبان کھولنے کی ضرورت واہمیت کے متعلق فرماتے ہیں:

"یہ عنوان عرصے سے مسلمانوں کے درمیان موضوع گفتگو رہا ہے، چنانچہ الجزائر میں منعقد ہونے والی فکری واسلامی کانفرنس کا ایک موضوع شعر تھا اور مسلمان دانشوروں، خاص کر علماء سے تقاضا کیا گیا تھا وہ شعر کے بارے میں صحیح فتوی دیں آیا شعر اجتماع کو ترقی وتمدن کی طرف لے کر جارہا ہے یا انحطاط وپستی کی طرف؟ کہتے ہیں اس سلسلے میں بہت سے مقالات لکھے گئے، ہر ایک نے اپنا نکتہ نظر پیش کیا ہے، لیکن اس کے باوجود بہت سے نکات رہ گئے ہیں جن کو اٹھانے کی ضرورت ہے۔

اس کے بعد شعر کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں بعض نے شعر کو مذموم قرار دیا ہے، جبکہ بعض نے شعر کی مدح وتعریف کی ہے۔"

ہم یہاں پر یہ کہنا چاہیں گے کہ ڈاکٹر شہیدی ایسے حساس ومتنازعہ مسائل کے بارے میں عدل وانصاف کی بنیاد پر نوک قلم کھینچنے کی جرأت کیسے کریں گے، جبکہ ایران جہاں ہزاروں شعراء ان کی ہجو کرنے پر آمادہ ہوں۔ قارئین یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ ہماری پستی وتنزلی اس میں نہیں کہ شعر کو رواج دیا جائے یا ہٹایا جائے بلکہ ہماری پستی وتنزلی اس میں ہے کہ دین وشریعت کے مفسرین وشارحین صحیح فیصلہ سنانے کے موقع پر باریک ودقیق اور ماہرانہ طریقے سے فرار کی راہ اپناتے ہوئے کہتے ہیں، یہ بھی غلط کہتا ہے اور وہ بھی یوں یہ بیچ کا راستہ نکالتے ہیں نہ غلطی کرنے والوں کو دلائل سے غلط ٹھہراتے ہیں اور نہ ہی اپنے بیچ کے راستے کی کوئی توجیہ پیش کرتے ہیں۔یہ ہماری قضاوت کی صورتحال ہے جہاں قاضی مدعی اور مدعا علیہ دونوں کو بٹھا کر وہاں سے نکل جانے کا راستہ تلاش کرے ایسی صورت میں عدالت کہاں سے میسر ہوگی۔ [۲]

اشعار آئمہ طاہرینؑ

الذریعہ ج۱/۹ص۱۰۱پر آیت اللہ بزرگ طہرانی فرماتے ہیں:

"ہم نے کتاب خانہ دانشگاہ تہران ج۲ص۱۱۶تا۱۲۵تک سترہ جامع دیوان امیر المومنین علیؑ کو دیکھا جسے مختلف ناموں سے عنوان بنایا گیا ہے۔ایک دیوان جسے "تاج الاشعار" کہتے ہیں، ابی الحسن فتح گردی متوفی ۵۱۳ھ کا جمع کردہ ہے۔بعض نے محمد بن اسحاق متوفی ۱۰۱ھ کی کتاب سے اسے جمع کیا ہے۔ایک دیوان صاحب اعیان الشیعہ سید محسن امین نے جمع کیا اور انہوں نے اس میں بعض جگہوں پر اشارہ کیا ہے یہ اشعار حضرت کے نہیں بلکہ کسی اور کے انشاء کردہ ہیں۔"

صاحب ریاض ج۳ص۳۵۲پر فرماتے ہیں:

"ابوالحسن علی بن احمد بن محمد فتح گردی کی حیات میں لکھا ہے، بعض کا کہنا ہے ثابت نہیں یہ دیوان حضرت علیؑ کا ہے۔علامہ مجلسی سے نقل کرکے کہتے ہیں مشہور یہی ہے یہ حضرت علیؑ کا دیوان ہے، لیکن تمام اشعار کی حضرت کی طرف نسبت دینا مشکل ہے۔ابن شہر آشوب نے اپنی کتاب معالم العلماء میں اشارہ کیا ہے کہ یہ علی بن احمد، ادیب نیشاپوری کے اشعار ہیں۔نجاشی نے اسے عبدالعزیز بن یحییٰ

سے نسبت دی ہے، کہتے ہیں یہ خود بھی شاعر تھے اور آئمہ کی شان میں شعر انشاء کرتے تھے۔"

شعروشاعری سے علم وصنعت کا فروغ

شعر، خدام آوارہ گان و رقاص ہے۔علماء نے انسانوں کی حرکات وسکنات اور سرگرمیاں چاہے انفرادی ہو یا اجتماعی انھیں بامقصد یا عبث میں تقسیم کیا ہے۔انسان کا فعل فعلِ عبث ہے یا بامقصد اس کی پہچان اس کے مشتریوں اور خریداروں سے ہوتی ہے۔اس زاویہ نگاہ سے دیکھیں تو شعروشعراء کی محافل کا خریدار، اس کے زینت بننے اور سرگرم کرنے والے آوارہ گروہ ہیں۔شعر، اگر چہ حقائق گوئی یا علمی نقطہ کو اجاگر کرنے کیلئے کیوں نہ ہو، اس میں یہ گنجائش نہیں کہ وہ اہل فکر و دانش میں اضافہ کرے۔اس کی وضاحت اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ تاریخ میں بہت سے علماء گزرے ہیں جو اپنی جگہ علمی نبوغت رکھتے، انہوں نے اپنے علم کو شعر میں پیش کرنے کا ہنر اپنایا، لیکن علم اپنی جگہ مطلوب ہونے کے باوجود خریدار کو جلب کرنے سے رہ گیا اور کارخانہ سے نکلنے کے بعد انبار کی صورت میں جم گیا۔اس سلسلے میں ہم چند نمونے پیش کرتے ہیں۔

۱۔ابن مالک

کتاب ابجد العلوم ج ۳ص ۷۲ پر لکھا ہے، محمد بن عبداللہ بن مالک لقب جمال الدین کنیت ابوعبداللہ شافعی مذہب، اصل اندلسی جیانی مقیم دمشق ہیں۔ذہبی نے لکھا ہے آپ ۶۰۰ھ یا ۶۰۱ھ میں پیدا ہوئے۔علوم عربیہ کو بہت سے لوگوں سے حاصل کیا اور اپنے دور کے جید عالم بنے۔زبان عرب میں جس مقام پر وہ پہنچے وہاں بہت کم لوگ پہنچے ہیں، لغت اور نحو میں عرب شعر سے استناد کرتے، لوگ ان کے ہر میدان میں حافظہ شعری سے انگشت بہ دندان ہوتے۔یہاں تک کہ شعر گوئی ان کا معمول بن گئی، ان کے کسی خاص استاد کا ذکر نہیں جیسے ہم یہاں ذکر کریں۔ان کے بعض شاگردوں نے ذکر کیا ہے وہ چند دن ثابت بن حیان اور ابی علی بن شاوین کے پاس بیٹھے ہیں، کہا جاتا ہے تقریباً پندرہ دن ان کے پاس رہے، ثابت بن حیان بھی بڑے علماء میں سے نہیں تھے، انہوں نے علم نحو پر ایک شعر پڑھا جو ہزار بیت پر مشتمل ہے۔

۲۔منظومات فلسفی حاج مولا محمد باقر سبزواری

مجلّہ کیہان اندیشہ شمارہ ۷۲ صفحہ ۹۵ پر محقق سبزواری کی حیات اور ان کی صفوی حکومت میں دینی وسیاسی منصب کا ذکر کرتے ہوئے مقالہ نگار لکھتے ہیں:

"مولا محمد باقر بن مولا محمد مومن ۱۰۱۷ ہجری قمری خراسان کے قریہ سبزوار میں پیدا ہوئے، بعد میں مشہد ہجرت کی اور مدرسہ سمیعیہ کے متولی بنے، آپ صفوی حکومت میں منصب شیخ الاسلام جو اعلیٰ منصب قضاوت تھا پر فائز رہے، بعد میں آپ کا خاندان اسی منصب سے پہچانا جاتا تھا، اس کے علاوہ آپ امام جمعہ و جماعت بھی تھے، ۷ ربیع الاوّل ۱۰۹۰ھ مشہد مقدس میں وفات پائی اور مدرسہ مرزا جعفر میں

مرقد شیخ محمد عاملی اور ملا مرزا شیروانی کے ساتھ مدفون ہیں۔"

۳۔آیت اللہ شیخ محمد حسین اصفہانی

۴۔ابن عربی

محمد محی الدین، کنیت ابوبکر، فرزند علی بن محمد ولادت مرسیہ ۵۶۰ھ، علم تصوف وعرفان کے امام، صاحب "فصوص الحکم" انھوں نے فتوحات مکیہ شعر میں لکھی پھر خود اس کی شرح لکھی۔

ان میں سے ہر ایک نے اپنے علم و دانش کو علم کی فروغ کے قصد کے بجائے مہارت کے طور پر روشن کیا، جس کی وجہ سے ان کے یہ اشاعر کسادِ بازاری کا شکار ہو کر خاموشی کے انبار خانہ میں چلے گئے، انہیں اس پر حیرت وافسوس ہوا چنانچہ انھوں نے اسے دوبارہ نثر میں تبدیل کیا جس سے واضح ہوا انسانی مسائل چاہے اجتماعی، سیاسی، ثقافتی، علمی یا مذہبی ہوں انھیں شعر سے حل نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس کا واحد ذریعہ نثر گوئی ہی ہے۔

شعرائے غلات کے مصادر

دین میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو الوہیت سے تنزل اور بندوں میں حلول دینے، خلقِ کائنات میں اسے معطل کر کے اس کی جگہ بندوں کو خالق کہنے کی فکر اور خلفائے اسلام کو لعن وسب کرنے کی رسم ورواج کی بنیاد شعرائے غلات نے قائم کی ہے۔یہاں ہم ان کی بعض سربرآوردہ شخصیات اور کی تالیفات کا تعارف پیش کرتے ہیں:

۱۔ابن ابی الحدید ۲۔شیخ احمد احسائی ۳۔شیخ محمد حسین اصفہانی ۴۔دربندی

۱۔صاحب "علویات سبع" ابن ابی الحدید معتزلی (۰۰۰۔۶۵۵ھ)

شرح نہج البلاغہ ج ۱ص ۱۳: عزالدین ابو حامد بن ھبۃ اللہ بن محمد بن محمد بن الحسین بن ابی الحدید المدائنی، مورخین کے مطابق دورِ ثانی عباسی میں طلوع ہونے والی شخصیت ہیں۔اس دور کو دورِ تصنیف وتالیف اور دور ادباء ومورخین سمجھا جاتا ہے۔عزالدین اپنی جگہ فقیہ واصولی، ادیب وناقد اور صاحب نظر ہونے کے ساتھ صاحب مجادلہ ومناظرہ بھی تھے۔عربی علوم، اخبار اور لغت عرب پر انتہائی عبور رکھتے تھے یکم ذوالحجہ ۵۸۶ھ میں مدائن میں پیدا ہوئے اور یہیں پرورش وتعلیم حاصل کی۔مدائن میں شیعہ، اہل طریقت اور غالی تینوں غالب تھے۔وہاں زیادہ تر لوگ صوفی ازم پر گامزن تھے اس لئے یہ بھی ان ہی کے راستے پر چلے اور ان کے مذہب کو اپنایا۔انہوں نے علیؑ کی شان میں ایسے شعر کہے جو غلو سے پر ہیں، جب ان کی جوانی کی رداسمٹ گئی یہ بغداد گئے، اس وقت بغداد مرکز خلافت اور علماء کی پناہ گاہ تھا، یہاں پر یہ کتب سے مانوس ہوئے، علم وادب کی محافل میں گئے، بہت سی کتابیں پڑھیں اور بحث میں ڈوب گئے، مسائل کو درک کیا علماء اور اصحاب سے ملے تو معتزلہ کی طرف مائل ہوئے، انہوں نے بغداد میں خلفائے عباسی کی مدح سرائی کی، ان سے جائزہ اور مقام ومنصب حاصل کیا اور ان کے کاتب مقرر ہوئے۔آخر میں بغداد کا کتب خانہ ان کے سپرد کر دیا گیا اور

ہر جگہ ان کو بلند مقام ومنصب ملا، انہوں نے تصنیف وتالیف اور شعر کو جاری رکھا۔

✿ صاحب "نسمته السحر" نے شیعہ شعراء کا ذکر کرتے وقت ان کا بھی ذکر کیا ہے۔

✿ ان کے اشعار مختلف انواع ہیں انھوں نے مزاح، مرثیہ، غزل اور مناجات بھی بیان کیں انھوں نے محرم ۶۵۶ ھ میں وفات پائی۔ تاتاریوں کے بغداد میں آنے سے دو دن پہلے وفات پائی جبکہ وہ ۲۰ محرم ۶۵۶ ھ کو بغداد میں آئے۔

✿ ذہبی نے سیر النبلاء ج ۱۳ ص ۳۶۶ پر لکھا ہے انھوں نے ۵ جمادی الآخر ۶۵۶ ھ میں وفات پائی، ابن الفوطی نے کتاب مجمع الالقاب میں لکھا ہے، بغداد پر مغلوں کے حملے کو انہوں نے خود دیکھا اور یہ اس قتل وغارت سے نجات پانے والوں میں سے تھے، کیونکہ یہ بغداد میں مؤید الدین العلقمی کے گھر میں تھے، اسی دوران مؤید الدین العلقمی جمادی الآخر میں وفات پائی، قاضی موفق الدین ابوالمعالی القاسم بن ابی الحدید المدائنی نے بھی جمادی الآخر میں وفات پائی۔

علمائے فریقین کا اتفاق ہے ابن ابی الحدید سنی المسلک معتزلی تھے۔ شیعہ علماء انہیں دو وجوہات کی بنا پر پسند کرتے ہیں ایک یہ کہ انہوں نے حضرت علیؑ کی مدح میں اشعار وکلمات کہے دوسرا وہ اشعری مسلک کے خلاف تھے، گویا ہمارے پاس اہل بیتؑ کی حقانیت کی ایک کسوٹی مخالف فرقے سے عداوت ودشمنی ہے، جبکہ اہل حق کے پاس ایسا معیار کوئی معنی نہیں رکھتا بلکہ ان کی حق شناسی ہے، حق شناسی کے بعد حق کے راستے پر آنا ہے ان کے مخالفین کی مخالفت کوئی کسوٹی نہیں۔ علاوہ ازیں اشعری اور معتزلی آج کل کی اصطلاح کے مطابق انتہاء پسندی وترقی پسندی اور روشن خیالی یا اعتدال پسندی کی مانند ہیں۔ جس طرح روشن خیال افراد انتہاء پسندوں کو یہ کہہ کر مسترد کرتے ہیں کہ یہ ہمیں پتھر کے دور میں لے جانا چاہتے ہیں ان کی باتوں میں نہ آنا اسی طرح جب انتہاء پسند سے کہا جائے آپ اتنے انتہاء پسند کیوں ہیں، یہ صحیح نہیں تو کہتے ہیں، چونکہ دوسرا گروہ روشن خیالی کے نام پر دین کے تمام اصولوں کو مسترد کر رہا ہے، لہٰذا ہمیں اپنے دین کو بچانے کیلئے انتہاء پسندی اپنانے کے علاوہ کوئی چارہ نظر نہیں آتا، اس طرح ہم کم سے کم اپنے دین پر تو قائم رہ سکیں گے۔ اگر حقیقت کی کسوٹی سے دیکھا جائے تو نہ انتہاء پسندی درست ہے اور نہ ہی روشن خیالی، کیونکہ انتہاپسندی سے دین لنگڑا ہوتا ہے اور روشن خیالی سے دین کو طلاق بائن ہوتی ہے۔ دیندار انسان کو چاہیے وہ دیکھے دنیا کہاں ہے اور دین کہاں ہے؟ ہمیں دین کو قرآن وسنت دونوں کسوٹیوں سے گزارنا ہوگا۔ انسان کو کوئی ترقی نہ ملے تو کوئی بات نہیں لیکن دین ہاتھ جانے کے بعد نہ دنیا میں سکون ملے گا نہ ہی آخرت میں نجات۔ اگر دین ترقی کی اجازت دیتا ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں۔ آپ کو بتاتے چلیں اشعریوں نے سنت کا جبکہ معتزلیوں نے عقل اور آزادی خیال کا نعرہ بلند کیا، دونوں کے نزدیک قرآن جو ثقل اکبر ہے یہ فکر بعد میں مہجور ہے۔ اصولی اور اخباری تحریک کے نام سے چلی، آج کل انتہاء پسندی اور روشن خیالی دونوں دودھاروالی

تلوار جیسی ہے جو دین کو کاٹ ڈالتی ہے۔

✿ أدب الطف ج ۴۔ ش ۵۵ اور صاحب روضات الجنات: سید محمد باقر خوانساری، ابن ابی الحدید کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ان کا نام عزالدین عبدالحمید بن ابی الحسین محمد بن محمد بن حسین بن ابی الحدید المدائنی ہے، یہ حکیم، اصولی ومعتزلی تھے اور ابن الحدید کے نام سے معروف ہوئے، انھوں نے نہج البلاغہ کی شرح لکھی ہے، ان کا شمار اپنے دور کی بڑی اور بزرگ شخصیات میں سے ہوتا ہے۔ اہل بیت عصمت و طہارتؑ سے ولایت رکھتے گرچہ ظاہری طور پر اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے، لیکن فریقین کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے اور اعتراف کرتے کہ حق علیؑ کے ساتھ ہے۔ کہتے ہیں انھیں اس وقت کے علماء میں وہی مقام حاصل تھا جو عمر بن عبدالعزیز کو خلفائے بنی امیہ میں تھا۔ صاحب کتاب کہتے ہیں ان کیلئے علیؑ کی محبت کافی ہے انہوں نے مولا امیر المومنینؑ کے کلمات کی شرح لکھی اور قصائد سبعہ، اہل بیتؑ کی فضیلت ومدح میں انشاء کئے ہیں۔ بعض علمائے متاخرین کے بقول ابن ابی الحدید کے مزاج کا کچھ حصہ تصوف سے اور کچھ حصہ حکمت سے ملا ہوا تھا۔ ان کی شرح سے اندازہ ہوتا ہے یہ شیعہ تھے، جبکہ دوسری جانب بعض اہل سنت ان کے اہل سنت ہونے کے منکر ہیں، کیونکہ انہوں نے اہل سنت کو خاموش کرنے کیلئے بہت سے کلمات لکھ کر بہت حقائق سے پردہ اٹھایا ہے۔

بہرحال وہ ظاہراً مذہب معتزلہ کو اپنائے ہوئے اور حکومت بنی عباس اور وقت کے سلاطین کے خدمت گزار تھے۔ یہ ۵۸۶ ھ میں پیدا ہوئے ان کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں سے ایک شرح نہج البلاغہ ہے جو ۲۰ جلدوں پر مشتمل ہے، اسے وزیر مؤید الدین بن محمد بن علقمی کے خزانے کیلئے لکھا۔ جب شرح مکمل ہوئی تو اسے اپنے بھائی موفق الدین ابی المعالی کے ہمراہ بھیجا اس پر انہوں نے ان کیلئے ایک لاکھ دینار اور کچھ قیمتی لباس بھیجے، اس پر ابن ابی الحدید نے ان کو خط لکھا جس میں یہ شعر لکھے:

یارب العباد رفعت صنیفی وعلت عبنکی وبللت ریقی ... ادام اللہ دولتھم وأنحی علی أعدائھم بالحنقنیق۔"

✿ صاحب روضات الجنات اپنے آخری کلمات میں ان کے متعلق اظہار خیال فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: بعض شیعوں کا کہنا ہے وہ اہل تشیع سے تعلق رکھتے تھے یا بعض سنیوں نے ان کے سنی ہونے سے انکار کیا ہے، یہ دونوں باتیں ان کے اس جملے کے منافی ہیں جو انہوں نے اپنی کتاب کے آغاز میں لکھا:

"حمد اس ذات کیلئے لائق وسزاوار ہے جس نے وقت اور حالات کی مصلحت کے پیش نظر مفضول کو افضل پر مقدم کیا۔"

صاحب روضات الجنات کا کہنا ہے، یہ انتہائی غلط جملہ ہے جوایک عالم ومحقق کیلئے مناسب نہیں، کیونکہ انسان کامل وفاضل پر مفضول کوترجیح دینا عقل اور نقل دونوں حوالے سے باطل ہے، چاہے ہم اس عمل تقدیم کوخدا کی طرف نسبت دیں یا امت کی طرف۔ظاہر عبارت سے واضح ہے کہ اس نے خدا کی طرف نسبت دی ہے اور یہ زیادہ قبیح ہے کیونکہ فعل کوخدا کی طرف نسبت نہیں دی جاسکتی ہے۔

ابن ابی الحدید کے اس فعل قبیح کے مرتکب ہونے کے معتقد اس جملے کوچند ذوات کی طرف نسبت دی جاسکتی ہیں:

۱۔ذات خداوند متعال کی طرف یعنی اس نے انجام دیا ہے یقیناً اسے کوئی قبول نہیں کرتا۔

۲۔امت کی طرف نسبت دیں کہ امت میں مفضول کوفاضل پر کسی مصلحت کے تحت مقدم رکھنا، ایک سادہ اور معمولی عمل ہے جس میں ابھی تک سنی اور شیعہ برابر ہیں۔

۳۔خود حضرت علیؑ کی طرف نسبت دیں جنھوں نے اسلام اور مسلمین کی مصلحت کی خاطر پہلے کی بجائے چوتھے مرحلے پر خلیفہ بننا قبول کیا، لہٰذا اسلام کی خاطر یہ عمل علیؑ کوتو گوارا ہوا لیکن صاحب روضات الجنات کو گوارا نہیں، لیکن انھیں ایک غلو شعر کہنے پر اس کو شیعہ علیؑ کہنا گوارا ہے۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ ان کے ذہن، فکر، دل اور قول میں دیگر شعراء کی مانند توازن نہیں تھا، لیکن ایسے لوگوں کے سراہے گئے اشعار سے اہل بیت اطہارؑ کی فضیلت ثابت کرنے کی کیا منطق ہے؟ جیسے:

یاقالع الباب الذی عن هزه عجزت اکف اربعون واربع... ماالدهر الاعبدک القُن الذی ...

مذکورہ بالا گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے، ابن ابی الحدید بھی دیگر شعراء کی طرح دورخی ودوزبانی سے کام لیتے تھے جیسا کہ ایک طرف سے خلفاء کومفضول وناقص تصور کرنا، دوسری طرف ان کے خلیفہ ہونے پر اعتقاد رکھنا خلفاء کی مذمت کرنا اور ان کی خلافت کو اپنی جگہ صحیح گرداننا اسی طرح ایک طرف سے خلفائے بنی عباس کی مذمت کرنا اور ان کے وزیروں کی تعریف وتمجید کرنا، اپنے کرم فرماؤں کوخوش کرنے اور خود کوغالی کہلوانے سے بچانے کیلئے علی اور خدا کے درمیان میں فرق صرف علی کا حادث ہونا جبکہ دیگر صفات میں یکساں ہونا بتایا۔لیکن ان اقدام سے وہ خود کوغلو سے نہیں بچا سکتے۔فرض کریں یہ اپنے فن شعری سے علیؑ کی خدائی کے قائل تو نہیں ہوئے لیکن علیؑ کوخدا کے ساتھ قرین قرار دینے کے بعد انھوں نے نبی کیلئے کوئی مقام نہیں رکھا چنانچہ اس سے بڑا غلو کیا ہوسکتا ہے۔

۲۔صاحب "شرح زیارتِ جامعہ" شیخ احمد احسائی

آیت اللہ اکبر ہاشمی رفسنجانی، شیخ احمد احسائی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ان کے متعلق یہ کہنا درست ہے کہ معلوم نہیں کہاں سے آئے اور کہاں چلے گئے؟ یہ ایک دفعہ حوزہ علمیہ نجف اشرف میں نمودار ہوئے تھوڑا عرصہ تحصیل علم کے بعد سیر وسیاحت پر روانہ ہوئے

اور ایران اور خلیج فارس کے دیگر علاقوں کا دورہ کرنے کے بعد دوبارہ نجف گئے، جہاں اپنے گرد کچھ شاگردوں کو جمع کیا، رفتہ رفتہ انہوں نے اپنے لئے بلند اور عالی مقام کا دعوی کیا جیسا کہ اکثر ایسے گروہ خود کو پیغمبرؐ اور آئمہؑ سے بھی اونچا دکھاتے ہیں۔ان کے اس اقدام سے علمائے نجف میں اختلاف پیدا ہوا، انہوں نے ان کے خلاف تکفیر کا فتوی دیا۔انہوں نے زیارت جامعہ پر ایک شرح لکھی جس میں خلفائے راشدینؓ کی اہانت وجسارت کرنے کے ساتھ انہیں حقیر گردانا گیا ہے۔ان کا یہ اقدام اس بات کا سبب بنا کہ بغداد کے بادشاہ داؤد ایک لشکر کربلا بھیجے جس نے کربلا کا محاصرہ کیا، بعض کوقتل کیا امام حسین اور ابوالفضل العباس+ کے روضوں کونقصان پہنچایا اور شیعہ سنی کے درمیان جنگ برپا کی۔ ان کے اقدام میں وہی عزائم کارفرما تھے جن کی تکمیل کیلئے استعمار گر ہمیشہ سے کوشاں ہیں، اس دفعہ بھی انہوں نے اس فتنے کی آگ کو ان کے ذریعے روشن کیا اور ان کا پیدا کردہ فتنہ ان کے مرنے پر بھی ختم نہ ہوا، بلکہ ان کی اس فکر سے استعمار نے فائدہ اٹھانا شروع کیا، کیونکہ ان کے شاگردان کے شوم و سیاہ اہداف کوعملی جامہ پہنانے کیلئے آمادہ تھے۔اس سے بہائی وشیخی گری کوفروغ ملنے کے ساتھ دیگر بدعات وانحرافات کوتقویت ملی۔ان کے بعد ان کے شاگرد سید کاظم رشتی تھے جوان سے زیادہ خطرناک نکلا۔وہ بھی مجہول الحال تھا اس نے شیعوں میں غلو کوفروغ دیا اور خلفاء کی اہانت کی، اسی طرح بہت سی خرافات کوفروغ دیا۔انہی سے سید علی محمد باب، حاج محمد کریم خان اور میرزا طاہر اصفہانی وغیرہ پیدا ہوئے۔[امیر کبیر، تالیف حجۃ الاسلام والمسلمین اکبر ہاشمی رفسنجانی ص ۲۰۷]

بعض علماء شناس شخصیات نے شیخ احمد احسائی اور بعض دیگر علماء کی تعظیم وتکریم، مقام وشہرت میں وقت کے ارباب اقتدار سے قرب اور ان کی الطاف وعنایات کومحل توجہ ہونا گردانا ہے۔اس بارے میں اگر سطحی اور سرسری نگاہ سے دیکھیں تو حدیث شریف سے واضح ہوتا ہے علماء کا دربار سلاطین میں ہونا ان کی تعریف وتمجید نہیں بلکہ ان کی مذمت وتنقیص ہے۔لیکن اس کے جواب میں کہا جاتا ہے، آخر کیوں حکام اور ارباب اقتدار کے ساتھ رہنا قابل مذمت ہے؟ مزید کہتے ہیں، انسان کو دین کی خدمت کیلئے وسائل چاہیں جو ارباب اقتدار کے پاس ہیں، لیکن تجربے سے ثابت ہوا ہے جتنے علماء نے حکمرانوں کے دربار میں اپنے لئے جگہ بنائی انہوں نے دین وملت کی خدمت کی بجائے علم کے نام سے دین میں خرافات اور ملت میں مذہب کے نام سے افتراق وانتشار پھیلایا، چنانچہ یہ حکمرانوں کی وارداتوں میں سے ایک واردات شمار ہوتی ہے۔جس جس نے ارباب اقتدار سے کوئی منصب لیا اس نے امت کومنتشر کیا اور "آپس میں لڑاؤ اور حکومت کرو"، "اختلاف وانتشار پھیلاؤ اور حکومت کرو" کی اصطلاح وسیاست کا عملی مظاہرہ اور تائید کیا۔

اسلام شناس ودین شناس، محقق ومدقق، تحلیل وتجزیہ نگار اور نقلاب اسلامی کی ایک سربرآوردہ شخصیت آیت اللہ اکبر ہاشمی رفسنجانی اپنی گراں قدر تصنیف "امیر کبیر" میں لکھتے ہیں:

"جن علماء نے سلاطینِ ایران، قاچاری وصفوی کے ہاں مقام حاصل کیا انہوں نے ملت میں انتشار پھیلایا انہیں میں سے ایک احسائی تھے جنہوں نے ایسی کتابیں لکھیں جن میں خلفائے مسلمین کی شان میں اہانت وجسارت کی گئی، جس کے نتیجے میں امام حسینؑ کا روضہ محاصرے میں آیا اور وہاں قتل و غارت گری ہوئی یہ انہیں سلاطین کے اشاروں پر ہوا جو خلفاء کو تو نشانہ بناتے لیکن برطانیہ اور دیگر کافر و مشرک حکمرانوں کو ہم کاری کا وعدہ دیتے تا کہ متحد ہو کر خلافتِ اسلامی کا تختہ الٹیں۔"

✿ ادب الطف ج۶ص۲۶۷: شیخ احمد بن زین الدین احسائی، احساء میں پیدا ہوئے، اپنے دور میں فلسفہ، حکمت اور عرفان پر عبور رکھتے تھے، ۱۴۰ کتابیں اور رسالے لکھے، انہوں نے ۲۰ سال کی عمر میں کربلا ہجرت کی اور وحید بہبانی، سید مرزا، سید علی طباطبائی صاحب ریاض اور شیخ جعفر کاشف الغطاء سے تلمذ کیا، پھر بحرین گئے اور ۱۲۱۲ھ کو دوبارہ عراق آئے، بصرے میں سکونت اختیار کی پھر ایران گئے وہاں سے حج کا ارادہ کیا اور مدینہ پہنچنے سے تین منزل پہلے ۱۲۴۱ھ میں انتقال کر گئے اور بقیع میں دفن ہیں۔

✿ معجم فرق اسلامی ص۱۴۹: مولف کلمہ شیخیہ کے بارے میں لکھتے ہیں: شیعہ غالیوں کا احمد بن زین الدین احسائی سے منسوب ایک فرقہ ہے۔ احسائی ۱۱۶۶ھ میں پیدا ہوا اور ۱۲۴۱ھ میں وفات پائی، انہوں نے اس فرقے کی بنیاد رکھی، ان کے پیروکار بصرہ، حلہ، عراق، قطیف، بحرین وغیرہ میں کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں، انہوں نے غلو کو فرائض، مستحبات کے انجام اور ترک محرمات کے ساتھ فروغ دیا علماء نے ان کی بہت مذمت کی ہے بعض نے تو انھیں کافر گردانا ہے، کیونکہ یہ معادِ جسمانی کا منکر تھا۔ اس فرقے میں مزید فساد، خرابی اس کے شاگرد سید کاظم رشتی نے پھیلائی اس کے بعد علی محمد شیرازی معروف بہ باب جو فرقہ بابیہ کا موسس اور ان کے شاگردوں میں سے تھا جو اپنے طریقے میں زیادہ تر دعویٰ الہام نفثِ روح سے استناد کرتا یا خاص قسم کے کشف کا دعویٰ کرتا جو عام انسانوں کیلئے میسر نہیں۔

✿ دائرۃ المعارف الشیعہ العامۃ ج۳ص۴۶۷ پر اعلمی لکھتے ہیں: یہ سلطان فتح علی قاچار کے قریبی لوگوں میں سے تھا۔

✿ الذریعہ ج۱۳ص۳۰۵ش۱۱۱۶: میں آغا بزرگ تہرانی فرماتے ہیں: احمد بن زین الدین بن ابراہیم بن صفر بن ابراہیم بن داغر احسائی کی طرف طائفہ شیخیہ اور کشفیہ منسوب ہیں۔

✿ بعض نے کہا ہے وہ اصل احسائی نہیں، بلکہ انڈونیشی تھے، شیخ احمد بن زین الدین (۱۱۶۶ھ-۱۲۴۱ھ) ہے، بعض کا کہنا ہے یہ سعودی عرب کے علاقہ احساء میں پیدا ہوا اس حوالے سے عربی تھا۔ ۱۲۲۱ھ کو قاچاری بادشاہ فتح علی شاہ کے دور میں ایران آیا، کرمان شاہ میں اس کا شمار فتح علی شاہ کے مقربین اور احترام یافتہ علماء میں ہوتا تھا، پھر وہاں سے شام، عراق اور حجاز گیا۔ کہتے ہیں یہ حج پر جاتے وقت راستے میں وفات پا گیا اور مدینے میں دفن ہے۔

✿ موسوعہ میسرہ ج۲ص۱۰۹۳: شیخیہ، شیعہ اثنا عشری سے الگ ہونے والا ایک فرقہ ہے جو مسلمانوں میں افتراق پھیلانے کے ایک خاص منصوبے کے تحت شیعہ بنا۔ وہ ۴۰ سال کی عمر میں کربلا و نجف گئے جہاں بحرالعلوم اور کاشف الغطاء وغیرہ سے تلمذ کیا، اس کے پیروکاروں میں سید کاظم رشتی شامل ہے غرض اس وقت شیعوں کے درمیان شیخیہ ایک فرقہ ہے جن کا اعتقاد ہے خدا نے علیؑ میں حلول کیا اور آئمہؑ صفات الٰہی کا مظہر ہیں، ان کا کہنا ہے حقیقت محمدیؐ نے ضعیف انداز میں آپ کی پیدائش سے پہلے انبیاءؑ میں تجلی کی بعد میں خود پیغمبرؐ میں اور آئمہ اثنا عشریؑ میں اور ان کے بعد شیخ احمد میں پھر ان کے شاگردوں میں تجلی کی۔ ان کا عقیدہ ہے رجعت ہوگی۔ اس کے علاوہ یہ معاد جسمانی کے منکر اور تناسخ ارواح کے قائل ہیں۔ ان کا کہنا ہے پیغمبرؐ اور آئمہؑ ظاہری طور پر مختلف ہیں، لیکن حقیقت میں ایک ہیں کیونکہ سب میں خدا متجلی ہے۔ اس فرقے کا آغاز عراق سے ہوا پھر یہ ایران، سعودی عرب آذربائیجان اور کویت میں سرایت کر گیا، پاکستان اور ہندوستان میں موجود شیعہ انہیں کے معتقد ہیں۔

✿ شیخیہ: امامیہ اثنا عشری سے الگ ہونے والے ایک فرقے کا نام ہے جس کا بانی شیخ احمد بن زین الدین احسائی ہے اس نے فلسفی، کلامی، فقہی اور تفسیری کتب تحریر کیں، اس کے بعد اس کے شاگرد سید کاظم بن قاسم حسینی رشتی حائری (۱۲۲۱ھ-۱۲۵۹ھ) ساکن کربلا نے اس کی فکر کو فروغ دیا۔ سید کاظم مدینہ کے سادات سے تعلق رکھتا تھا، اس کے بعد اس کا شاگرد حاج محمد کریم خان قاچاری متولد ۱۲۲۵ھ اپنے دور میں سرگرم رہا، کہتے ہیں، اس نے کرمان میں شیخیہ فرقے کی بنیاد رکھی۔

✿ شیخیہ کے نزدیک اصول دین چار ہیں: توحید، نبوت، امامت اور شیعیت کی کامل شناخت۔ شیخیہ اصول دین میں معاد اور عدل کے منکر ہیں۔ ان کا کہنا ہے توحید و نبوت پر ایمان لانے کا مطلب قرآن اور جو کچھ قرآن میں ہے اس پر ایمان لانا ہے۔ قرآن میں عدل و معاد کا ذکر ہے، لہٰذا اسے مستقل طور پر عقیدے میں گننا ایک فالتو عمل ہے، شناختِ شیعہ کامل کی بنیاد حاج محمد کریم خان قاچاری نے ڈالی، شیخیہ معاد جسمانی کے بھی قائل نہیں۔ ان کا کہنا ہے، انسان کے پاس دو اجسام ہیں ایک یہی جسم عنصری ہے جو روح نکلنے کے بعد بوسیدہ اور ناپید ہو جاتا ہے دوسرا جسم لطیف ہے جسے شیخ احمد نے حور قلیائی کہا ہے جو انسان کے مرنے کے بعد اس کے ساتھ قیامت تک رہتا ہے۔

✿ بعض مستشرقین کا کہنا ہے، شیخ احمد احسائی کو انڈونیشیا سے مشرق کی طرف بھیجا گیا، وہ ایک مسیحی عالم دین تھا جسے مسلمانوں کا عقیدہ خراب کرنے پر مامور کیا گیا۔ اس نے اپنے منصوبے کی تکمیل کیلئے شیعوں میں سازگار ماحول دیکھا تو شیعیت کا لبادہ اوڑھ لیا۔ کہتے ہیں اس نے سید بحرالعلوم اور شیخ کاشف الغطاءؒ سے پڑھ کر سند حاصل کی اس کا عقیدہ تھا خدا نے علیؑ میں حلول کیا ہے جس طرح ہمارے پیغمبر اسلامؐ نے دیگر انبیاءؑ میں حلول کیا، ان کے عقیدے کے مطابق شیخ احمد مؤمن کامل اور امام و امت

کے درمیان رابطہ ہے۔اس کا شاگرد کاظم رشتی اور اس کا شاگرد مرزا علی محمد ہیں جو فرقہ بابیہ کے بانی ہیں، یہ عقیدہ تناسخ کے بھی قائل ہیں اس فرقے نے عراق' ایران' کویت اور پاک و ہند میں نفوذ کیا۔اس وقت ان کے مراکز پاکستان کے اندر ملتان اور کراچی میں ہیں، بابی اور بہائی ان کی ترقی یافتہ شکل ہیں۔

❁ روضات الجنات ج ۱ ص ۸۸ ش ۲۲: مولف نے تین صفحے شیخ احمد کے فضائل ومناقب، ادب، فصاحت تحریر وتقریر، لوگوں سے مدارت اور تصنیفات وتالیفات کے بارے میں رقم طراز کئے ہیں اور اس کی تعریف میں یوں رقمطراز ہیں اُن میں موجود فضائل کسی ہستی میں نہیں پائے گئے، اسی طرح ان کے شاگرد برجستہ اور نائب خاص سید کاظم رشتی کا بھی ذکر کیا ہے۔

انسان حیران وسرگرداں ہوتا ہے کہ صاحب روضات الجنات جیسے محقق ومدقق اور بے باک نقاد نے ایسی ہستیوں کے بارے میں جن کے متعلق اکثریت کو شکوک وشبہات، تشویش لاحق ہے یا ان کی کتابوں اور ان کی فکر سے نیا مذہب وجود میں آیا ہے جو مسلمہ اصول اسلام کے خلاف ہے، ان کی کتابیں اب بھی موجود ہیں جو ان کے افکار کی ترجمان بھی ہیں اتنا تک اشارہ نہیں کیا کہ بعض علماء نے ان کی فکر کو انحراف گردانا ہے بلکہ انھوں نے تو انھیں شیعہ مذہب کا حقیقی ترجمان قرار دیا ہے۔

❁ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۱ ص ۸۷۲: مذہب شیخیہ کو حاجی محمد کلیم خان کرمانی اور ملا محمد مامقانی دونوں نے فروغ دیا۔شیخیہ نے اصول مذہب کے نئے اندازے اختیار کئے ہیں ان کی رائے میں تخلیق کائنات کا اصل باعث آئمہ اثناعشر تھے، یہی ذوات مشیت الٰہی کا مظہر اور منشا تھیں، اگر ان کا وجود نہ ہوتا تو خدا کسی چیز کو پیدا نہ کرتا، لہذا وہ تخلیق کائنات کی علت اولیٰ ہیں، خود اللہ کے تمام کام انہیں کے وسیلے سے صادر ہوتے ہیں۔

اہل بیتؑ کے مقام ومنزلت کے بارے میں لوگ مختلف عقائد ونظریات رکھتے ہیں:

۱۔ اکثر وبیشتر کا کہنا ہے، انہیں یہ مقام اس لئے ملا ہے کہ وہ صحیح معنوں میں دین اسلام پر قاعن، عملی حوالے سے پابند اور فکری ونظریاتی حوالے سے اس کے صحیح ترجمان تھے، دین اور پیغمبرؐ سے وابستگی رکھنے والوں کو چاہیے کہ وہ ان کی تعظیم وتکریم کریں۔ان ذوات کو یہ مقام محمد مصطفیؐ کے طفیل اور اسلام کا شیدا ہونے اور اس سے وابستگی کے صلے میں ملا۔اگر ایسا ہے تو ان کے مناقب وفضائل بیان کرنے والوں کو ان کی سیرت پر پورا اترنا چاہیے اور اپنے زمان ومکان میں ان کے عمل کا نمونہ اور ترجمان بننا چاہیے، چنانچہ بعض روایات میں آیا ہے: ""تم ہمارے لئے باعث زینت بنو اور لوگ تمہیں دیکھ کر ہماری طرف رغبت کریں۔""

۲۔ بعض کا کہنا ہے، انہیں یہ مقام صرف اور صرف اہل بیت پیغمبرؐ ہونے کی وجہ سے ملا ہے جیسا دنیا میں ہر بادشاہ کی رعیت پر واجب ہے کہ اس کے اہل بیتؑ کی تعظیم وتکریم کرے، چنانچہ بہت سے مداحانِ

اہل بیتؑ نے اسی کو بنیاد بنا کر بعضوں پر طنز کیا ہے اور اہل بیتؑ سے وابستگی کو محمدؐ پر احسان گردانا ہے۔ اگر یہ منطق اپنی جگہ درست ہے تو معاذ اللہ محمد مصطفیؐ اور اہل بیت محمدؐ برسر اقتدار آنے والے حکمرانوں نوابان اور بادشاہان سے مختلف نہیں ہوں گے، پھر یہ کہنا بھی درست نہیں ہوگا کہ دین اسلام عالمی و آفاقی دین ہے، اس میں عرب وعجم اور سیاہ وسفید کی کوئی تخصیص نہیں۔مذکورہ گروہ کا نظریہ اس بات کا عکاس ہے کہ دین صرف محمدؐ اور آپ کے اہل بیتؑ کی تعریف وستائش کا نام ہے۔

۳۔ ایک گروہ کا کہنا ہے، اہل بیتؑ کو یہ مقام کسی کے توسط یا کسی کام کے صلے میں نہیں ملا ہے، بلکہ خود ان کی ذات اس مقام کی مستحق تھی، وہ خود قابل ستائش وتعریف ہیں، ان کی تعریف کرنے سے ہمیں مقام ملتا ہے انھیں نہیں۔اس منطق کے تحت کائنات میں اہل بیتؑ وہ ذوات ہیں جنھیں مقام ومنزلت کسی کی عنایت والطاف سے نہیں ملا، اگر خدا اور نبیؐ نے ان کی شان میں کوئی فضیلت بیان کی ہے تو وہ خود اس کی مستحق تھے، جن کے مقابل میں خدا، انبیاءؑ اور خود محمدؐ کا کوئی مقام نہیں، ان کی تعریف کرنے والوں کی کوئی حیثیت نہیں، لہذا حق وباطل کا معیار محمدؐ سے وابستگی میں نہیں بلکہ اہل بیتؑ سے وابستگی میں ہے۔

۴۔ اہل بیتؑ سے مراد صرف علیؑ ہیں یا بعض مخصوص ومحدود ذوات یعنی آئمہ طاہرینؑ ہیں۔اگر صرف علیؑ ہے تو یہ منطق از خود غلط ہو جائے گی کیونکہ امامت تسلسل کا نام ہے اور علیؑ کے بعد تسلسل میں دیگر ذوات بھی شامل ہیں۔بعض نے کیسانیہ کی بنیاد ڈالی اور امامت کو حضرت علیؑ کے بعد ان کے فرزند محمد بن حنفیہ میں پلٹایا، کسی نے امامت کو زید بن علی میں قرار دیا اور بعض نصِ جلی کے ہی منکر ہو گئے۔

آپ کی شان میں قصیدہ سرا ہنے والے، جن جن شعراء، مداحان ومرثیہ خوانوں اور نوحہ خوانوں کی تعریف کتب متعلقہ میں آئی ہے ان میں سے اکثر وبیشتر کی سوانح حیات میں ان کا تعارف یوں ہوا ہے:

۱۔ وہ علیؑ کے بعد محمد بن حنفیہ کی امامت کے معتقد تھے اور انہی کو مہدی موعود سمجھتے نیز ان کے منتظر بھی تھے۔

۲۔ بعض فرقہ زیدی سے ٹوٹے ہوئے گروہ ہیں جو امامت میں نصِ خاص کے منکر ہیں۔

۳۔ بعض کے دیوان میں دوسروں کے اشعار ہیں جن کا ان سے منسوب ہونا مشکوک ہے۔

۴۔ بعض غنا اور غزل کے حوالے سے نامحرموں سے عشق میں پیش پیش تھے، انھیں صرف ایک دو اشعار کی بنیاد پر مداحان اہل بیت میں گنا گیا ہے۔

۵۔ بعضوں کی سنت وسیرت اور شیوہ تھا کہ وہ حکمرانوں، امراء اور رقیبوں کی ہجو کرتے، چنانچہ کوئی بھی ان کی ہجو سے محفوظ نہیں رہا۔لوگ ان کی تعریف کرتے تھے تا کہ ان کی ہجو سے محفوظ رہیں۔

۶۔ بعض دین اسلام پر ہی نہیں تھے بلکہ وہ دین براہمہ کے قائل تھے، بعض نے از خود نبوت کا دعویٰ کیا لیکن چند اشعار اہل بیتؑ کی شان میں سراہے جانے کی وجہ سے انہیں شاعر اہل بیت کا خطاب دیا گیا ہے۔

۷۔ بعض نے جہاں وقت کے حکمرانوں سے کثیر انعامات حاصل کئے وہاں اہل بیتؑ سے بھی ان کے

بقول کثیر انعامات حاصل کئے، گویا آئمہ طاہرینؑ کے انہیں اپنی طرف کھینچنے کی تگ ودو میں تھے۔لمحہ فکریہ ہے ان شاعروں کی سنت وسیرت اوران کے کردار ورفتار سے اہل بیتؑ کے تعارف پر کیا اثر پڑا ہے؟یا کون سی ذوات ہیں جن کی حیات وممات میں ان کی مدح سرائی کرنے والوں کی ہر مشکل آسان ہے؟ کیا ثروت ودولت ان کی دہلیز چومتی ہے اور مشکلات ان کے سامنے سے شرمندہ ہوکر پیچھے ہٹتی ہیں؟ کیا انہوں نے آئمہ طاہرینؑ کا اس طریقے سے تعارف کرایا ہے کہ یہ ذوات دین اسلام کا عملی پیکر اوراس کی تفسیر وتوضیح کے ترجمان تھے؟علاوہ ازیں کیا ان کی تمام تر توجہ لوگوں کو دین کی طرف رغبت دلانے پر تھی یا ان کا مدعا یہ تھا کہ دین جہاں بھی جائے ہمیں اپنا مقام بنانا ہے؟ آپ خود سوچیں شعراء نے کس قسم کا کردار ادا کیا ہے؟

۳۔صاحب ''انوار قدسیہ'' آیت اللہ محمد حسین عزودی اصفہانی

مجلّہ نورالعلم درشمارہ چہارم صفحہ ۳۸ پر لکھتے ہیں:

''آپ ایک صاحب ثروت ودولت گھرانے میں پیدا ہوئے،ابتدائی تعلیم کاظمین میں حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کیلئے نجف اشرف منتقل ہوئے۔آپ نے بڑے آیات عظام کے دروس میں شرکت کی آپ آیت اللہ آخوند خراسانی جیسی ہستی کے برجستہ شاگردوں میں شمار ہوتے ہیں،انھوں نے آیت اللہ خراسانی کی کتاب کفایت اصول پر اپنے نظریات درج کئے ہیں۔ایرانی ہونے کے باوجود فصیح عربی زبان پر عبور رکھتے جیسا کہ مجلّہ حوزہ شمارہ ۳۰ صفحہ ۳۷ پر آیا ہے،آپ تاریخ،علوم فقہ واصول کے ساتھ ساتھ تفسیر،کلام،حکمت اور عرفان میں بھی اچھا خاصا عبور رکھتے،سیر وسلوک میں مقام شہود پر پہنچے تھے۔مجلّہ لکھتا ہے ایسی ہستیاں بہت کم پیدا ہوتی ہیں،ایسی مائیں کم ہی ہوتی ہیں جو ایسے نابغہ روزگار جنم دیں۔فقہ واصول اور فلسفہ میں تبحر رکھنے کے ساتھ برجستہ شاعر ہونے والے مجتہدین میں سے ایک آیت اللہ شیخ محمد حسین اصفہانی ہیں۔ان کے والد ایک معروف تاجر بنام حاجی محمد حسن جو عراق کے شہر کاظمین میں سکونت اختیار کیے ہوئے تھے۔آپ کی ولادت ۱۲۹۶ھ میں نجف اشرف میں ہوئی اور یہیں سے آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز کیا،۶۵ سال کی عمر میں آپ نے نجف اشرف میں وفات پائی اور حرم امام علیؑ میں مدفون ہیں۔

آپ اپنے دور کے فیلسوف وفقیہ تھے،آپ کے حلقہ درس اور تلمذ سے بہت سے علماء وادیب پیدا ہوئے ہیں،آپ نے فقہ،اصول اور لغت میں بہت سی تالیفات وتصنیفات چھوڑی ہیں۔کہتے ہیں آپ کی تیس سے زائد کتابیں ہیں ان میں سے ایک دیوان ہے جو اہل بیت اطہارؑ کی مداحی ومراثی پر مشتمل ہے،آپ کی انشاء کردہ مدح ومراثی زیادہ تر فلسفہ،عرفان اور حکمت سے مملوح ہے جیسا کہ ''انوار قدسیہ'' کے نام سے ایک مشہور دیوان ہے اس میں پیغمبرؐ اور آئمہ طاہرینؑ کی شان میں بیس سے

زیادہ قصیدے ہیں،آپ نے ۱۳۶۱ھ میں ۶۶ سال کی عمر میں وفات پائی اس طرح آپ کی ولادت ۱۲۹۶ھ بنتی ہے۔

آپ کے برجستہ شاگردوں میں آیت اللہ حسینی ہمدانی اور آیت اللہ شیخ محمد رضا مظفر شامل ہیں،آپ نے اصول فلسفہ میں متعدد تصانیف چھوڑیں،آپ کے شاگردوں میں سے آیت اللہ شیخ محمد علی عراقی ہیں جو آپ کے داماد بھی تھے،اسی طرح آیت اللہ علامہ امینی،آیت اللہ محمد تقی بہجت،آیت اللہ خوئی اور آیت اللہ طباطبائی (صاحب المیزان) وغیرہ شامل تھے،آپ کے متذکرہ شاگرد علوم اسلامی میں نبوغت اور قدرت تدریس وصنعت رکھتے تھے۔''

لیکن آپ کے ان چند اشعار پر تعجب وحیرت ہے،کیونکہ ایک شخص فقیہ جو قوانین اسلامی کے استاد متون ومحتوا کے ماہر اور فروعات کو اصول پر منطبق کرنے کی قدرت رکھنے کے ساتھ حقیقت جو اور حقیقت بینی میں فیلسوف وحکیم ہو،انہیں اشعار انشاء کرتے وقت یہ احساس کیوں نہیں ہوا کہ انسان حق بین وحق جو کیلئے نص قرآن کے تحت شعر گوئی سزاوار نہیں،کیونکہ شعر گوئی انسان کو جادۂ مستقیم سے نکالتی ہے اور صفت صدق سے اٹھا کر وادیٔ کذب میں پھینکتی ہے،کیونکہ شعر کی عمود فقری کذب پر قائم ہوتی ہے۔

جس طرح طعام میں نمک کے بغیر لذت نہیں آتی،اسی طرح شعر میں دروغ گوئی کے بغیر ترنم وتغنی نہیں آتی۔لہٰذا علماء ادب نے شعر کی تعریف میں کہا ہے:''بہترین شعر وہ ہے جس میں جھوٹ زیادہ ہو''علوم اسلامی پر عبور رکھنے والی ایسی ہستی کو شعر گوئی سے گریز کرنا چاہیے تھا،کیونکہ جو چیز اس کے نبی مکرمؐ کیلئے سزاوار نہ ہو وہ اس کی امت یا نائب کیلئے کیسے سزاوار ہوسکتی ہے۔

حق شناس انسان جو علم حدیث اور تاریخ میں اسناد کو ہزار سال پیچھے جا کر صحیح سند سے وصول کئے بغیر آگے نہیں بڑھتا اسے یہ شوق کیسے لاحق ہوا کہ وہ ان گمنام ومشکوک اور مجہول الحال کتب جن کی اصل کتاب کا انتساب مؤلف سے منسوب ہونا ثابت نہیں جس کے مندرجات کے بارے میں تحقیق نہیں ہوئی جیسے احتجاج طبرسی،سلیم بن قیس ہلالی کی کتاب یا جیسے امامہ وسیاسہ ان کتب کو سند بنا کر شعر سرائی کرے،ان جیسی بزرگ ہستیوں سے یہ سوال بھی ہوگا جب ان کے اشعار حدیث وتاریخ کا متن بنتے ہیں تو اسلام کی اس بربادی پر وہ کیا جواب دیں گے کیونکہ انہوں نے اپنے اشعار بے سند متون سے اخذ کئے ہیں۔

یہ اشعار اور نثر ہر سال ہر ماہ ہر ہفتے کسی نہ کسی مسلمان نشین علاقے میں تباہی وبربادی اور جلاؤ گھیراؤ کا سبب بنتی ہے انہیں اشعار کے ذریعے مسلمانوں کے دلوں میں نفرت وکدورت کی داغ بیل ڈالی گئی ہے،انہی اشعار کی وجہ سے استعمار اور دیگر اسلام دشمنی اور سیکولر افراد لومڑی کی مانند مقدرات اسلامی پر دونوں ہاتھوں سے عیش ونوش کررہے ہیں،ان اشعار کی وجہ سے اسلام عزیز اور شریعت پیغمبر اسلامؐ مفلوج ومعطل پڑی ہوئی ہے شعر گوئی کرنے والے علماء وشعراء اور ہر ذی عقل سے سوال ہوگا کیا زہراء مرضیہ کو اپنے والد گرامی

نبی ختمی مرتبتؐ کی مفارقت کی مصیبت زیادہ گراں گزرے گی یا دین اسلام کا تعطیل وزمین بوس ہونا؟

❁ کیا علی وحسنین پر زہراء ؑ کی مصیبت زیادہ گراں گزرے گی یا شریعت اسلام کو کہنہ اور اساطیر اولین قرار دینے کی باتیں؟۔

❁ کیا پیغمبر اسلامؐ پر ان لوگوں کے زعم کے مطابق گرنے والی دیوار یا شکستہ پہلو زیادہ گراں گزرے گی یا آپؐ کے تئیس سالہ قیام حکومت اسلامی کو معطل کر کے امت اسلامی پر تفرقہ بازی کی وجہ سے کفر کی بالادستی؟۔

اگر یہ واقعات تاریخ کی مستند کتابوں میں نہیں تو تاریخ کے نام سے شعر سازی کر کے یا خاردار راستوں پر پا برہنہ چلنے سے تاریخ ثابت نہیں ہوتی، تاریخ کا ثبوت متون اصلیہ سے ہی اخذ ہوتا ہے۔ تاریخ کبھی بھی شور شرابہ، کفر وارتداد، ڈنڈا چلانے اور ضلالت وگمراہی کے راستے پر چلنے سے ثابت نہیں ہوتی۔

آپ کی علمی حیات کے بارے میں آپ کے ایک شاگرد برجستہ جو اپنے دور میں فقیہ ومجتہد ہونے کے ساتھ مصلح نظام حوزہ بھی تھے۔ "آیت اللہ شیخ محمد رضا مظفر" ہیں، جنھوں نے فلسفہ سے متعلق "صحیفہ حکیم" کے نام سے آپ کے انشاء کردہ منظومہ پر یہ تمہید لکھی ہے۔ آیت شیخ محمد رضا مظفرؒ کی رائے تھی:

"فلسفہ اپنی جگہ مبہم وغامد ہے اسے اگر شعر میں انشاء کریں گے تو فائدہ سے خالی ہوگا، جس طرح آیت اللہ ہادی سبزواری ان سے پہلے اس میدان میں سبقت لے جا چکے ہیں، جنھیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہیں اپنے منظوم فلسفہ کو نثر میں شرح کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی، انھوں نے اپنی حیات میں اپنے منظوم فلسفہ کی نثر میں شرح کی، لیکن ہمارے مرحوم آیت اللہ اصفہانی اپنے منظوم فلسفہ کی شرح کرنے سے پہلے ہی وصال حق ہو گئے۔ لہٰذا امید ہے کوئی ہستی ایسی آئے جو اس کی شرح لکھے۔"

آیت اللہ کی اس حسرت وافسوس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ میدان فروغ علم میں شاعر کے پاؤں لنگ ہیں، چنانچہ ابن مالک نے علم نحو کو شعر میں انشاء کیا جو کسی کی سمجھ میں نہ آیا اور یہ کتاب اپنی جگہ معمار ہی۔

علمائے رجال روایت شناسی کی تقسیم کے بارے میں لکھتے ہیں مردود روایات میں سے ایک "روایت مرسلہ" ہے، روایت مرسلہ اس روایت کو کہتے ہیں جہاں ردیف کا سلسلہ سند آخر میں، وسط میں یا ابتداء ہی سے فاقد ہو، اسی لئے کہتے ہیں روایتِ مرسلہ نا قابل عمل ہے۔ اس سلسلے میں علماء نے ایک دو ہستیوں کے مراسل کو غیر مخدوش قرار دیا ہے:

۱۔ امام جعفر صادقؑ کے ایک صحابی ہیں اگر وہ بغیر سند نقل کریں تو اسے قبول کیا جائے گا۔

۲۔ شیخ صدوقؒ کی مرسلہ روایت بھی قابل قبول ہوگی لیکن اس کی دلیل ومنطق موضوع بحث ہے ان کے مراسل کو کس نے حجب قرار دیا ہے۔

اگر امام صادقؑ کی صحابی کو کسی امام نے حجت قرار دیا ہے تو شیخ صدوقؒ کے مراسل کو کس نے حجت قرار دیا ہے

اور جن علماء نے ان کی کتابوں کے مندرجات کو من وعن قبول کرنے سے انکار کیا ہے جیسے آیت اللہ خوئیؒ اور ان سے پہلے شیخ مفیدؒ کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟ یہ بات اپنی جگہ موضوع بحث ہے، تاہم حقیر اس جگہ ایک دو اور مراسل کی طرف قارئین کرام کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں:

۱)۔ مرحوم علامہ مجلسیؒ کی کتابیں خاص کر بحار جس کے بارے میں غیر مستند اور نادر چیزوں کے متلاشی بڑے اطمینان سے رقم طراز ہوتے ہیں سرکار علامہ مجلسی نے بحار میں فرمایا ہے۔ گویا علامہ مجلسی کی مرسلہ بھی اپنی جگہ حجت ہے۔

۲)۔ شعراء کے اشعار جنہیں وہ وہم وخیال میں انشاء کرتے ہیں یا ان کے منظومہ غیر مستند تاریخ کو بھی قابل قبول بناتے ہیں۔

کوئی استفسار نہیں کرتا فلان شعر کے مفہوم کی کیا سند ہے؟ یہ کس چیز سے ملتا ہے؟ اگر شعر انشاء کرنے والا کوئی فقیہ یا مجتہد ہو تو انسان کو سر دیوار سے مارنی پڑے گی کیونکہ وہ ان کے شعر پر تنقید نہیں کر سکتا چاہے اسے زہر کا گھونٹ پی کر مرنا ہی کیوں نہ پڑے۔

انہیں میں سے ایک موصوف شیخ محمد حسین اصفہانی ہیں، ان کے سراہے گئے اشعار میں سے ایک "زہراؑ در و دیوار میں آئیں اور میخ آپ کے پہلو میں پیوست ہوگئی یا کربلا میں اہل بیت اطہارؑ کے سروں سے چادریں چھین لی گئیں" ہے۔ ان کی سند بھی علامہ مجلسی کی مرسلہ روایات یا ابن قتیبہ سے منسوب گمنام کتاب ہے۔ اسی طرح ان کے امام حسینؑ کے بارے میں انشاء کردہ اشعار ومراثی ہیں۔

فقہ میں نظم سازی

مجلّہ آئینہ پژوھش ش ۳۸ ص ۸۹: مجلّہ میں ایک عنوان منظومہ فقہی ہے جسے صادق حسینی نے نگارش کی ہے جس میں ابواب فقہ کو منظوم پیش کرنے والوں کی ایک فہرست پیش کیا ہے، بعض نے تمام ابواب اور بعض نے ایک باب کو منظوم کیا ہے، سب سے معروف "فقہ منظوم" درنجفی ہے جسے سید محمد بحرالعلوم (متوفی ۱۲۱۲ھ) نے انشاء کی ہے، کل ۱۰۸ ابیت منظوم کئے ہیں، بعد میں دوسروں نے اس پر شرح لکھی ہے۔

۱۔ محی الدین عربی۔

۲۔ ابن مالک، ابن مالک کی شعری کاوش کو فروغ دینے کیلئے دو اطراف سے قربانیاں دینا پڑیں۔

۳۔ جلال الدین سیوطی جنہوں نے اس منظومہ کو شرح کر کے پیش کیا تا کہ اس کے مجملات ومبہمات واضح ہوں۔

اصحاب حوزات ومدارس کی انتظامیہ نے اسے جبراً نصاب میں داخل کیا اور طلبہ کی گردن گھسیٹ کر انھیں اسے پڑھنے پر مجبور کیا، اس وجہ سے اتنے عرصے سے اس کو فروغ مل رہا ہے۔ ہمارے حوزات کی قوت تحلیل کا کیا کہنا؟ وہ کتابوں کو کبھی ٹھونستے ہیں اور کبھی اس کے بارے میں دھواں دار تبلیغ کرتے ہوئے کہتے ہیں یہ مولف

کے اخلاص کا نتیجہ ہے کہ اسے اس حد تک فروغ ملا، لیکن دنیا جانتی ہے یہ بعض کی مجبوری ہے اور بعض کی بیوقوفی۔
ان کے چند اشعار جوان کی مثنوی ''الانوار القدسیہ'' میں مختلف عنوان سے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔!

۴۔صاحب ''اکسیر العبادات فی اسرار الشہادت'' ملا آقا دربندی

الذریعہ ج۲ص۲۷۹ش۱۱۳۴: یہ کتاب شیخ، عالم اور مخلص مولا آقا بن عابد بن رمضان بن زاہد الشیر وانی دربندی حائری متوفی ۱۲۸۶ھ کی ہے، اس کتاب میں ۴۴ مجالس اور ۱۲ مقدمات ہیں۔اسی طرح ایک ذیلی مجلس ہے جسے ۱۸ مہینے میں تالیف کیا گیا، یہ ''اسرار الشہادۃ'' کے نام سے معروف ہے، خود مرحوم نے اس کو فارسی میں ''سعادت ناصری'' کے نام سے سلطان ناصر الدین شاہ کیلئے ترجمہ کیا۔مولف نے اپنے اخلاص اور صفائے نفس کی وجہ سے اس کتاب میں ایسے امور نقل کئے ہیں جو کسی معتبر کتاب میں نہیں ملتے اور انہوں نے بعض مجہول الحال کتابوں پر بھروسہ کیا ہے جس کی سند میں ان کے پاس ادلہ سنن میں تسامح کا قاعدہ ہے اور یہ قاعدہ وہاں صدق نہیں آتا جہاں انسان کو کوئی چیز مجہول مکتوب سے ملی ہو۔یہ قاعدہ تسامح در ادلہ سنن پر چلا ہے جس سے انسان تنہا قصد قربت حاصل کی جاسکتی ہے۔علامہ بزرگ تہرانی کہتے ہیں، ہمارے شیخ بزرگ نے ''لولو والمرجان'' میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

شہید مطہریؒ نے حماسہ حسینی جلد اول دوم ص ۲۶: کتاب اسرار الشہادۃ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''کربلا میں عمر بن سعد کے لشکر کی تعداد سولہ لاکھ افراد پر مشتمل تھی۔یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اتنی تعداد کہاں سے میسر آگئی؟ آیا یہ سب کوفے میں تھے کیا ایسا ممکن ہے؟ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ امام حسینؑ نے عاشور کے دن تین لاکھ دشمن اپنے ہاتھ سے قتل کئے تھے... اگر ہم یہ مان لیں کہ تلوار کھچا کھچ چلتی رہے اور ہر سیکنڈ میں ایک آدمی قتل ہوتا رہا تو تین لاکھ دشمنوں کو قتل کرنے کیلئے تراسی گھنٹے اور بیس منٹ کا وقت درکار ہوگا۔اسی طرح حضرت ابوالفضل العباسؑ کے بارے میں لکھا ہے آپ نے پچیس ہزار آدمی قتل کئے... اگر ہر سیکنڈ میں ایک آدمی قتل ہوتا رہے تو اس تعداد کے قتل ہونے کیلئے چھ گھنٹے چھپن منٹ اور چالیس سیکنڈ درکار ہوں گے، چونکہ یہ بات عقل اور مشاہدے کے خلاف تھی چنانچہ انھوں نے کہا روزِ عاشور بھی ستر گھنٹے کا تھا۔

اسی طرح ملا آقا دربندی نے اسرار الشہادۃ میں لکھا ہے عمر سعد کی گھوڑسوار فوج میں چھ لاکھ اور پیدل فوج میں دو کروڑ سپاہی تھے، اس طرح لشکریوں کی کل تعداد دو کروڑ چھ لاکھ تھی اور وہ سب کے سب کوفہ کے رہنے والے تھے، کیا اس وقت کوفہ اتنا بڑا شہر تھا؟ جبکہ کوفہ ایک نو آباد شہر تھا جسے بسے ہوئے اس وقت تک پینتیس سال بھی نہیں گزرے تھے، کیونکہ کوفہ عمرؓ بن خطاب کے زمانے میں بسایا گیا اس کے بسانے کا حکم حضرت عمرؓ نے دیا تھا، تاکہ ایران کے قریب اسلامی فوج کا ایک مرکز قائم ہوجائے اس وقت کوفہ کی کل آبادی ایک لاکھ آدمیوں پر بھی مشتمل تھی یا نہیں معلوم نہیں۔یہ بات عقل میں نہیں

آتی عاشور کے دن کربلا میں دو کروڑ سپاہی جمع ہوجائیں اور ان میں سے تین لاکھ کو حسین بن علیؑ تلوار سے موت کے گھاٹ اتار دیں۔یہ بات حادثہ کربلا کی ساکھ کو بالکل ختم کردیتی ہے۔[ایضاً ص۳۹]

اسی طرح ملا آقا دربندی کے بارے میں لوگوں کا اتفاق ہے وہ اچھے آدمی گزرے ہیں۔حاجی نوری مرحوم بھی جوان کی کتاب پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور نکتہ چینی بھی صحیح کرتے ہیں وہ اچھے آدمی گزرے ہیں وہ امام حسینؑ کے بارے میں واقعی مخلص تھے۔انہوں نے لکھا ہے یہ جب امام حسینؑ کا نام سنتے تو ان کے آنسو جاری ہوجاتے تھے، فقہ اور اصول سے بھی اچھی طرح واقف تھے، اپنے آپ کو اول درجے کے فقیہوں میں شمار کرتے تھے، لیکن ایسا نہیں تھا! ان کا شمار کم سے کم درجہ دوم اور سوم کے فقہاء میں ہوتا ہے۔انہوں نے ''خزائن'' کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے جو فقہ کے ایک دورے پر مشتمل ہے جو چھپ بھی چکی ہے۔آپ صاحب جواہرؒ کے ہم عصر تھے، انہوں نے صاحب جواہر سے پوچھا تمہاری کتاب کا کیا نام ہے؟ انہوں نے جواب دیا: جواہر تو بولے تمہارا جواہر جیسے تو میرے خزائن میں بہت ہیں، لیکن کتاب جواہر اب تک دس بار چھپ چکی ہے اور کوئی فقیہ ایسا نہیں ہوگا جس نے اس سے کام نہ لیا ہو، کوئی فقیہ ایسا نہیں ہے جو اپنے آپ کو اس کتاب کا محتاج نہ پاتا ہو، لیکن کتاب خزائن جو ایک بار چھپی تھی اس کے بعد اس کی کسی ایک چھاپ کا بھی سراغ نہیں مل سکا۔اس کی قیمت ایک ہزار صفحات کی ضخامت کے باوجود اس کے کاغذ کی قیمت سے زیادہ نہیں۔مؤلف اگرچہ عالم ہیں، لیکن انہوں نے اسرار الشہادہ لکھ کر کربلا کے سانحے کو بالکل بدل ڈالا اور اسے بے اثر کردیا۔ان کی کتاب میں جھوٹ کی بھرمار ہے کیا اب ہمیں صرف ان کی مخلص ہونے کی وجہ سے سکوت اختیار کرلینا چاہیے تو دنیا کے دیگر اداروں، دانشگاہوں، صحت عامہ سے متعلق اداروں میں مخلصین پر چھوڑنا چاہیے۔[ایضاً ص۹۴]

الکنی والالقاب ج۲ص۲۲۸ میں محقق قمی لکھتے ہیں:

''شیخ الطائفہ، متکلم ومحقق اور مدقق جامع ماقول ومنقود ہیں۔عارف بہ فقہ واصول اور شریف العلماء کے شاگردوں میں سے اور اہل بیتؑ خاص کر سید الشہداءؑ کیلئے مقام رفیع رکھتے تھے۔ایام عاشورا میں سینہ زنی اور رونے وغیرہ کے مناظر دیکھ کر ان کے حالات دگرگوں ہوجاتے آپ کتب خاص کر کتب احادیث کی تعظیم کرتے کتاب تہذیب شیخ کو بوسہ دیتے اور سر پر رکھتے ہوئے کہتے کتب احادیث مثل قرآن کریم واجب الاحترام ہیں، لیکن ہمارے استاد بزرگ صاحب مستدرک نے ''لولو والمرجان'' میں اسرار الشہادۃ کے مندرجات پر عدم اعتماد کا اعلان کیا ہے۔دربندی دربند سے منسوب ہے اور یہ شیروان کے نزدیک ایک جگہ کا نام ہے۔''

۵۔''خطبۃ البیان''

الذریعہ ص۹۸۸: حسب تصریح آیت اللہ طہرانیؒ حضرت علیؑ سے منسوب ہے جس کے مختلف نسخے ہیں جو کی

بیشی میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں سب سے بڑی پانچ سو، ابیات پر مشتمل ہے جسے "شریف رضی" نے نقل کیا ہے، کتاب کی ابتداء تعریف وتمجید حق سبحانہ تعالیٰ اور بعد میں "انا، انا" شروع ہوتا ہے "میں ہی اول ہوں اور میں ہی آخر ہوں وغیرہ..." جسے تمام غلو پسند لوگ نے نقل کیا ہے، "قاضی سعید" نے تین ہزار ابیات نقل کیا ہے۔

۶۔"خطبة المنبریه"

صاحب الذریعہ آیت اللہ طہرانی میں لکھتے ہیں: ابن جوزی نے اس کتاب کو حضرت علیؑ سے نسبت دی ہے، صاحب بحار نے جلد ۷ اصفحہ ۱۱۱ میں ذکر کیا، یہ نہج البلاغہ میں نہیں ہے۔

۷۔مقتل قمقام

الذریعہ ج ۷ ص ۱۷۱: یہ فارسی زبان میں ایک مقتل ہے جو معتمد الدولہ حاج فرہاد مرزا بن ولی عہد عباس مرزا بن فتح علی قاچار کی تالیف ہے۔ آغا بزرگ تہرانی فرماتے ہیں: اسے قدیم وجدید کتب سے جمع کیا گیا ہے اور اس جمع بندی میں کسی اصول کو مدنظر نہیں رکھا گیا۔ ان کی ایک کتاب فرہنگ جغرافیہ بھی ہے۔

۸۔محمد محمدی مازندرانی

شیخ محمد مہدی بن شیخ عبدالہادی بن شیخ ابوالحسن بن شاہ محمد بن عبدالہادی، ہزار جریبی مازندرانی حائری سنہ ۱۳۹۳ھ میں کربلا میں پیدا ہوئے، انہوں نے مقدمات علوم عربی اور اصول فقہ، عبدالہادی مازندرانی کے پاس پڑھا، فن خطابت میں داخل ہوئے اور مصائب امام حسینؑ پڑھنے میں ذاکرین کی صف اول میں قرار پائے شیخ الخطباء کا لقب حاصل کیا، انہوں نے سیرت حضرت پیغمبرؐ و فاطمہ اور امام حسن وامام حسین ؑ پر درج ذیل کتب لکھیں: شجر الطّوبیہ، لوکب دری، نور الابصار فی احوال ائمۃ الاطہار، فوائد روحانیہ، عوائد رحمانیہ اور معالی السبطین فی الاحوال سید الحسنؑ والحسینؑ۔

ان کی کتابوں کے مصادر و مآخذ زیادہ تر ضعیف السند کتابیں جیسے: معالی السبطین، اسرار الشہادۃ، روضۃ الشہداء، قمقام، کبریت احمر وغیرہ ہیں۔ وہ اپنی بات کو کبھی بغیر کسی سند کے اور کبھی کسی مخصوص کتاب کو سند بنا کر پیش کرتے، نہ صرف یہ بلکہ ان کی اس کتاب میں موجود ایک مجلس دوسری مجلس سے تضاد رکھتی ہے۔

ایک قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ مرحوم مازندرانی جنہوں نے اپنی کتاب میں انتہائی گریہ آور مصائب بیان کئے ہیں، قطع نظر اس بات سے کہ ان کا مآخذ ضعیف یا بے سند ہی کیوں نہ ہو، وہ بھی حضرت سکینہؑ کی وفات شام میں نہیں، بلکہ آپ کا مدینہ میں فوت ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔

۹۔ملا کاشفی

حسین بن علی بیہقی سبزواری ان کا نام اور کاشفی تخلص ہے، واعظ کے نام سے مشہور ہوئے اور کمال الدین لقب ہے۔ نوویں صدی ہجری کے ایک معروف ومشہور عالم دین ہیں، سبزوار کے بیہق نامی قصبہ میں پیدا

ہوئے۔ اکثر علماء کرام، جنہوں نے ان کی زندگی کے بارے میں قلم اٹھایا ہے، ان کی ولادت کی نشاندہی نہیں کر سکے، تاہم بعض نے ان کی تاریخ ولادت سنہ ۸۳۵ اور ۸۴۰ ہجری قمری کے درمیان بتایا ہے۔

ملا حسین واعظ کاشفی علم تفسیر، حدیث، فقہ، ریاضیات، فلکیات کے علاوہ فن خطابت اور انشاء پردازی میں بھی لیاقت وشہرت کے حامل تھے، آپ سبزوار، نیشاپور اور ہرات میں وعظ وتبلیغ اور معارف دین مکارم اخلاق میں مصروف رہتے۔ صاحب "روضۃ الصفا" نے ان کے بارے میں لکھا ہے:

"آپ خوش لحن تھے، آیات قرآنی کی تفسیر اور حدیث کے اسرار ورموز زیادہ بیان کرتے۔ سنہ ۸۶۰ ہجری میں سعد الدین کاشغری کی تلاش میں ہرات، مشہد آئے تو اس وقت سعد الدین کاشغری وفات پا چکے تھے، علماء ومحققین ان کے مذہب کے بارے میں اختلاف رکھتے ہیں۔

بعض کا خیال ہے ملا حسین جماعت اہل سنت سے تعلق رکھتے تھے۔ اس کی دلیل میں کہتے ہیں:

۱۔ فخر الدین علی (کاشفی کے بیٹے) نے اپنی معتبر اور معروف کتاب "رشحات عین الحیات" میں لکھا ہے ان کے والد ملا حسین کاشفی، جامی کے کہنے پر نقشبندی سلسلہ میں داخل ہوئے جو کہ فرقہ صوفیہ اہل سنت ہے۔

۲۔ روحانی اور باطنی طور پر طریقہ نقشبندی پر کاربند تھے۔ نقشبندی سعد الدین کاشغری کی تلاش میں نکلنا اور عبدالرحمن جامی کے راستے پر چلنا جو نقشبندیوں کے بزرگوں میں سے تھے، اس بات کی دلیل ہے آپ اہل سنت تھے۔

۳۔ اگرچہ وہ سبزوار میں پیدا ہوئے لیکن ان کی عمر ہرات میں گزری اہل ہرات زیادہ تر اہل سنت ہیں۔

۴۔ ان کی بیشتر تالیفات اہل سنت کی تالیفات کے طریقہ پر لکھی گئی ہیں۔

۵۔ ان کے شاگرد زین الدین محمود واصفی اپنی کتاب "بدایع الوقایع" میں جامی کے بارے میں لکھتا ہے جامی شیعوں کا مخالف تھا، جامی نے اپنی زیادہ تر کتابوں میں واصفی کی نسبت کاشفی کی تعریف کی ہے۔

بعض علماء جو ان کو شیعہ سمجھتے ہیں۔ اس کی دلیل میں کہتے ہیں:

۱۔ ان کا نام حسین اور جائے پیدائش سبزوار ہے اور یہاں کے رہنے والے اکثر شیعہ ہیں۔

۲۔ ان کا حضرت علیؑ کی تعریف میں قصیدہ لکھنا ان کے عقیدے کی وضاحت کرتا ہے۔

۳۔ ان کی کتاب "روضۃ الشہداء" فضائل ومناقب اہل بیت پر مشتمل ہے۔

۴۔ ان کی تالیف "فتوت نامہ" میں خلفاء کا ذکر ایک دفعہ، جبکہ آئمہ کا ذکر بارہا آیا ہے۔

۵۔ شیعوں کی تین صفات ہیں۔ قرآن کی پیروی، شریعت مصطفیٰ پر عمل اور ولایت علیؑ پر اعتقاد، یہ تینوں ان میں موجود تھیں۔

۶۔ "فتوت نامہ" امام رضاؑ کے نام لکھا جو شیعوں کے امام ہیں۔

ملا کاشفی کی وجہ شہرت ان کی کتاب "روضۃ الشہداء" ہے جو انہوں نے سنہ ۹۰۸ ہجری میں لکھی۔ معروف

ہے ملا حسین کاشفی جب ہرات میں ہوتے تو خود کو سنی العقیدہ ظاہر کرتے اور فقہ حنفی پر عمل کرتے اس لئے وہاں وہ حنفی المذہب کے حوالے سے معروف تھے، انہوں نے فقہ حنفی پر کتاب بھی لکھی لیکن جب ایران آتے تو خود کو شیعہ ظاہر کرتے انہوں نے اپنی کتاب ''روضۃ الشہداء'' چہاردہ معصومین کے متعلق لکھی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں بہت سے علماء، فقہ حنفی پر کاربند ہونے کے باوجود آئمہ طاہرینؑ کے عقیدتمند و معتقد ہوا کرتے تھے چنانچہ فضل بن روزبہان جو سنی المذہب تھے ''وسیلۃ الخادم الی المخدومؑ'' نامی کتاب میں چہاردہ معصومین پر صلوات کی شرح میں لکھی ہے۔

مذہب وفرق کے ماہرین و محققین لکھتے ہیں ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے آخر میں سنی العقیدہ علماء فقہ کے اعتبار سے حنفی اور امام حنیفہ کی پیروی کرتے تھے، لیکن عقیدت واحترام میں پہلے رسول خداؐ، پھر خلفائے راشدینؓ اور اس کے بعد بارہ اماموں کا ذکر کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کے شیعہ ہونے کا شک ہوتا۔

کسی شخص یا گروہ کے مذہب پر صحیح معنوں میں تحقیق کرنا اور اسے کسی خاص فکر و مذہب کا معتقد گردانا ایک سطحی اور سادہ کام نہیں۔ اہل بیتؑ کے فضائل بیان کرنا یا ان کی عظمت کا اعتراف کرنا علامت تشیع ہے، ایک غلط تصور ہے، چنانچہ زیدی مذہب یا اسماعیلی مذہب کے پیروکاروں کو شیعہ کہنا یا جیسے موجودہ فروغ دین سے عاری اور فقط صلوات پڑھنے والوں اور مجالس عزا منعقد کرنے والوں کو شیعہ گردانا جاتا ہے یہ سب اسی غلط تصور کی کڑیاں ہیں۔ شیعہ بفقط فضائل اہل بیتؑ ذکر کرنے والے کا نام نہیں بلکہ شیعہ، آئمہ طاہرینؑ کی اجتماعی وسیاسی قیادت اور زندگی کے دیگر تمام شعبوں میں ان کی پیروی کرنے والے کو کہتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں اعتقاد اور عمل دونوں میں آئمہ اطہارؑ کی پیروی کرنے والے شیعہ کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔

ملا حسین کاشفی کے شیعہ ہونے کی ایک دلیل ان کی کتاب روضۃ الشہداء ہے جس کا نواں تا بارہواں باب امام حسینؑ اور آپ کی عترت پاک کی شہادت کے بیان پر مشتمل ہے۔ بہر کیف، وہ چاہے شیعہ مسلک سے تعلق رکھتے ہوں یا سنی المذہب ان کی اس کتاب نے عزاداران امام حسینؑ کو اس وقت سے لے کر آج تک عزاداری کے جادۂ مستقیم سے نکال کر بے راہ کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ انہوں نے اپنی اس کتاب میں من گھڑت اور خود ساختہ قصے کہانیاں شامل کرکے جہل سے کام لیا۔

فارسی زبان میں ہونے اور ادبی لحاظ سے بلند پایہ ہونے کی بنا پر اس کتاب نے عوام میں بہت زیادہ فروغ پایا۔ اس مقبولیت نے دوسروں کو بھی اسی نہج پر تالیف کی جرأت دلائی، چنانچہ اسرار الشہادۃ، ریاض الحزن ریاض القدس، مخزن القلوب، طریق البکاء، معالی السطین وغیرہ وجود میں آئیں۔ ان کتابوں میں امام حسینؑ اور آپ کے اہل بیت واصحاب سے منسوب غلط، بیہودہ اور بے بنیاد باتیں بیان کی گئی ہیں، چنانچہ چودہویں صدی ہجری میں مرزا حسین نوریؒ نے کاشفی کی روضۃ الشہداء اور دربندی کی اسرار الشہادۃ میں لکھی گئی غلط داستانوں کے خلاف ''لولو والمرجان'' تالیف کی۔ اس بر وقت اقدام کی شہید مرتضٰی مطہریؒ نے

''حماسہ حسینی'' ص ۴۵،۶۵ پر تعریف کی ہے۔

مخلص اور اخلاص کی چھت

دیندار، اجتماعی سیاسی امور میں بعض اوقات نا اہل افراد کو اخلاص کا لباس پہن کر اعلیٰ ارفع مقامات کی کرسی پر بٹھاتے ہیں جس سے نا قابل تلافی جبران کا سامنا ہوتا ہے، اس کی مثال حساس اداروں میں انتظامیہ کے لباس میں داخل ہو کر تخریب کاری کرنے کی مانند ہے جو انتہائی خطرناک نتائج کا باعث بنتا ہے۔ ایسے افراد سے احتیاط برتنے کی ضرورت ہے یہ عمل اگر علمی او تحقیقات میں داخل ہو تو بہت سے خطرات کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ خوش قسمتی سے ان میدانوں میں ان کا نفوذ کم ہوتا ہے ہم اس کی ایک مثال پیش کرتے ہیں ہمارے ہاں تین قسم کے ڈاکٹر موجود ہیں:

۱۔ مریض کے ساتھ مخلص اور دردمند ڈاکٹر جو مریضوں کا خاص خیال رکھتا ہے لیکن مرض کی تشخیص کی کم صلاحیت رکھتا ہے۔

۲۔ مخلص ہے مرض اور دوا دونوں کی تشخیص کرتا ہے۔

۳۔ مخلص نہیں ڈاکٹری کو اپنا پیشہ سمجھتا ہے لیکن مرض اور دوا کی صحیح تشخیص کرتا ہے۔

انسان کو تینوں میں سے کس طبیب سے علاج کروانا چاہیے؟ علمائے بزرگ رجالی جو ہمیں شخصیات کا تعارف کراتے ہیں ہمیشہ ادھورے اور ناقص انداز میں یہ تعارف پیش کرتے ہیں، ان کے خیال میں انجام وظیفہ کے ساتھ خود کو بھی بچانا ضروری ہے کبھی کسی کی علمی نبوغت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں ''کیا کہنا علوم عربیہ میں اپنے وقت کے یگانہ تھے۔'' ''کبھی فلسفہ وحکمت اور کبھی ریاضیات کے ماہر تھے۔'' کبھی حدیث، کبھی زہد و پارسائی اور اخلاص کا طمغہ دیکر پیش کرتے ہیں کبھی کہتے ہیں ان کی نیت صرف جمع حدیث تھی۔ ان تمام عوامل کو دین کی بربادی کیلئے اہمیت دی جاتی ہے۔

شعرائے ملحدین

جن شعراء نے کھلے عام کفر والحاد، دین ومذہب کی اہانت اور دعویٰ نبوت کی ہے وہ یہ شعراء ہیں:

۱۔ بشار بن برد ۲۔ متنبّی ۳۔ ابی العلاء معری

۱۔ بشار بن برد (۹۶۔۱۶۸ھ/۷۱۴۔۷۸۴م)

الفرق بین الفرق ص ۹۱: بشار بن برد بنو عقیل کی ایک خاتون کا غلام اور عجمی النسل تھا، عہد اموی کے اواخر اور عہد عباسی کے اوائل کا شاعر اور ان دونوں ادوار کا جامع تھا، مذہبی عقائد میں متشکک تھا ابتداً معتزلہ سے متاثر ہوا اور پھر ایرانی دیانات کی صداقت کا قائل ہوا شیعوں کا ہم خیال بنا، بہت بڑا شاعر تھا ہجو نگاری میں اسے ایک مقام حاصل تھا۔ اپنے فاسد عقائد اور فحش کلامی کے باعث تیسرے عباسی خلیفہ المہدی (۱۵۸ھ۔۱۶۹ھ) کے حکم سے بشار کو ۱۶۷ھ میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

بشار بن برد نے بصرہ کے گرے ہوئے نہایت پست گھرانے میں آنکھ کھولی یہ بچپن سے نابینا تھا،اس نے جسمانی نقص کے ساتھ خاندانی ذلت کی حالت زار میں نشو ونما پائی،ابتداء ہی سے عار ونگ کی زندگی سے نکلنے کی تگ ودو میں رہا،وہ چاہتا تھا اس ذلت وعار کی زندگی کے بدل میں ایک ذہانت اپنے لئے حاصل کی جائے،اس کے باپ اور موالی نے اس کی تربیت اور نشو ونما پر توجہ دی اور جلد ہی اس نے علم وثقافت کے دروازے کو کھٹکھٹانا شروع کر دیا اور عرب کے فصحا سے کلماتِ شعر جمع کرنا شروع کئے۔

ابوعبیدہ سے نقل ہے:بشار بن برد نے دس سال کی عمر میں شعر کہنا شروع کیا،اس کے شعر کا رُخ پہلے دن سے ہی ہجو کی طرف تھا،کیونکہ اس کے دور میں شعرائے نابغہ جریر فرزدق اور اخطل کا پسندیدہ مشغلہ اور بہترین درآمد کا ذریعہ ہجو کرنا تھا خاص کر ان لوگوں کیلئے جو احساس کمتری میں مبتلا اور لوگوں کی نظر میں ناپسندیدہ ہوں،ایسے عالم میں بشار نے اپنے لئے ہجو یہ شعر کوئی کے ذریعے ایک طاقت وقدرت حاصل کی اور اس کو اپنے دفاع میں بہترین اور موثر وسلاح پایا۔

بشار کا حلیہ اور مزاج

۱۔بشار جسمانی حوالے سے بلند قد،کشادہ چہرہ اور دونوں آنکھوں سے محروم ایک بدشکل انسان تھا جس سے لوگ نفرت کرتے تھے۔

۲۔اخلاقی طور پر نہایت بداخلاق تھا،جلدی غصہ آنا،جلدی ہجو کرنا اور جلدی اپنے جسمانی اور نفسیاتی برائیوں پر پردہ ڈالنے اور خود کو بڑا دکھانے کی کوشش کرتا تھا۔

۳۔شراب خوری میں مشغول،اعمالِ فسق وفجور سے فخر کرنا،دین وشریعت سے آزاد رہنا،زندگی میں ہر قسم کے قید وبند کے خلاف تھا،کسی قسم کے دین،ضمیر کی بندش کو تسلیم نہیں کرتا تھا،اجتماعی اخلاق،دینی پابند یوں سے خود کو آزاد سمجھتا،غرض عیش ونوش میں مستغرق تھا۔

۴۔انانیت اور ذاتیات میں آکر ہر قسم کی روک تھام یا نصیحت کو مسترد کرتا اور حد سے زیادہ غلط گوئی کرتا تھا۔

۵۔خود کو شجاعت مند،خطرات سے بے پروا،اپنی رائے میں استقامت،گناہ میں بے پروا سمجھتا تھا۔

۶۔ہر خواہشات اور مذہب کی تعریف کرتا پھر اس کی ہجو گوئی کرتا جیسے اموی کی تعریف کرتا پھر ہجو گوئی کرتا اسی طرح بنی عباس کی ہجو گوئی کرتا پھر تعریف کرتا۔

۷۔اپنے اصل فارسی ہونے پر فخر کرتا تھا جس کی بنیاد پر وہ دیگر موالیانِ عرب کو عربوں سے دشمنی کرنے کی ترغیب دیتا،یہاں تک اسے زندیق اور الحاد کے الزام میں ستر برس کی عمر ۱۶۷ ہجری کو قتل کر دیا گیا۔

بشار بن برد بصرہ کے علماء اور بزرگان کے محافل میں شریک ہوتا،خاص کر واصل بن عطا کی مجلس میں علمی اور فکری مسائل پر مناقشہ ومناظرہ کرتا تھا،جس کا انجام ایک دوسرے سے نفرت ودشمنی پر منتہی ہوتا یہاں تک واصل کو بھی بشار نے ہجو کا نشانہ بنایا اور اس کے خلاف فحش کاری شروع کی جو بشار کی درآمد کا

ذریعہ بنی،واصل بن عطا نے لوگوں کو بشار کے خلاف ابھارا۔

معتزلہ نے بشار کے خلاف مزاحمت ومقابلہ کا اعلان کیا،جس کی وجہ سے بشار بصرہ چھوڑ کر شام سلیمان بن ہشام بن عبدالملک کے پاس گیا اور ان کی مدح سرائی کی لیکن جب انھوں نے اس کی کوئی قدر نہ کی تو واصل کے مرنے کے بعد دوبارہ بصرہ آگیا۔اس کے کچھ عرصہ بعد بنی اُمیہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور بنی عباس کی حکومت قائم ہوئی تو بشار نے منصور دوانیقی کی ہجو کی،جب بنی عباس کی حکومت کو تقویت ملی تو اس نے دوبارہ ان کے پاس جانے کی کوشش کی لیکن اس کا خلفاء سے رابطہ نہ ہو سکا چنانچہ اس کا ان کے والیوں عقبہ بن سلم بن قطیبہ اور خالد برمکی سے ملنے کا ذکر ملتا ہے۔

بشار نے عباسی خلیفہ مہدی سے رابطہ کیا اور ان کے پاس چلا گیا جہاں اسے اپنا حسد اور کینہ نکالنے کا موقع میسر ہوا خلیفہ کے وزیر یعقوب بن داؤد نے خلیفہ کو بشار کے خلاف اکسایا یہاں تک بشار کو بغداد چھوڑ کر دوبارہ بصرہ واپس جانا پڑا جہاں اس کا حماد بن عود سے ہجو گوئی میں مقابلہ ہوا۔اس نے وہاں دوبارہ یعقوب بن داؤد کے خلاف ہجو گوئی کی۔

بشار بن برد فرقہ کامیہ سے تھا اور اس کا عقیدہ تھا جیسے صحابہ،حضرت علیؑ کی بیعت نہ کر کے کافر ہوئے،اسی طرح حضرت علیؑ نے ان لوگوں سے جنگ نہ کر کے کفر کا ارتکاب کیا،ان سے قتال کرنا اسی طرح ضروری تھا جیسے اہل صفین سے قتال کیا۔روایت ہے،بشار سے دریافت کیا گیا صحابہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟اس نے جواب دیا وہ سب کے سب کافر ہو گئے ہیں۔پھر اس سے پوچھا گیا علیؑ کے متعلق کیا کہتے ہو؟اس نے شاعر (عمرو بن کلثوم تغلبی) کا یہ شعر اس کے جواب میں پڑھا: "اے ام عمرو (محبوبہ) تیرا ساتھی جسے تو جام نہیں دے رہی تینوں میں سب سے برا نہیں ہے۔"

عقائد پر لکھنے والے مصنفین نے بشار کے متعلق لکھا ہے اس نے صحابہ اور حضرت علیؑ کی تکفیر پر دو دوسری گمراہیوں کا بھی اضافہ کیا ہے۔ایک تو یہ کہ وہ خود روز قیامت سے پہلے دنیا میں واپس آئے گا۔دوسری بات یہ کہ وہ ابلیس کی اس بات کو کہ آگ مٹی سے افضل ہے درست اور صحیح سمجھتا تھا۔بشار کے اس شعر سے اس کی اس گمراہی پر مصنفین عقائد نے استدلال کیا ہے:"مٹی تیرہ وتار ہے جبکہ آگ درخشان وتاباں ہے آگ جب پیدا ہوئی تو معبود ہے اور اسے پوجا جاتا ہے۔"صفوان انصاری نے بشار کی تردید میں ایک قصیدہ کہا ہے،اسی طرح حماد عجرد نے بشار بن برد کی ہجو کہی ہے۔جس میں یہ شعر بھی ہے:"اے بندر سے بھی زیادہ بدصورت اور وہ بھی اس وقت جب وہ بندر آنکھوں سے اندھا ہو۔"

بیان کیا جاتا ہے،بشار کو حماد عجرد کے کسی شعر سے اتنی تکلیف نہ پہنچی جتنی اس شعر سے ہوئی،بشار نے کہا وہ مجھے دیکھتا ہے سو میری شکل اور میرے سراپا بیان کرتا ہے،لیکن میں اسے دیکھ نہیں سکتا کہ اس کی تصویر کشی کروں۔

متنبّی (۳۰۳۔۳۵۴ھ/۹۵۱۔۹۶۵م)

اعیان الشیعہ ج۲ص۵۳۱: ابوطیب احمد بن حسین بن حسن بن عبدالصمد جعفی کندی کوفی معروف بہ متنبّی، شہر کوفہ کے محلّہ کندہ میں ۳۰۳ھ میں پیدا ہوا اور ۳۵۴ھ کو دیر عاقول نعمانیہ کے قریب قتل ہوا، کوفے میں اس کے گھرانے شمار میں ہوتا تھا۔

روضۃ الجنات ج۱ص۲۲۱ش۶۵: ابوطیب احمد بن حسین بن حسن بن عبدالصمد جعفی کندی کوفی معروف بہ متنبّی مشہور ومعروف شعراء اور ادباء میں سے تھے، عجیب وغریب کلمات ادا کرتے، بہت سے لوگوں پر انہوں نے غلبہ حاصل کیا، انہوں نے لوگوں کو اشعار سے ان کا مقابلہ کرنے کی دعوت دی، ہر کلام کیلئے عرب کے شعر ونظم کو بطور شاہد مثال لاتے۔ ایک دفعہ ابوعلی فارسی نے ان سے کہا فعل کے وزن پر کتنے صیغے ہیں تو متنبّی نے بہت سے الفاظ گنوا دیئے، آپ نحوی ہونے کے ساتھ اہل لغت اور ادیب بھی تھے، آپ شوال ۳۵۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۴۲ھ میں قرطبہ اندلس میں وفات پائی۔ انہوں نے ''دیوان متنبّی'' کے علاوہ کوئی کتاب تصنیف نہیں کی، بعض نے کہا کہ وہ کوفہ میں ۳۰۳ھ میں محلّہ کندہ میں ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئے وہیں تعلیم حاصل کی اور پھر وہاں سے ہجرت کی، انہوں نے مبرد، ابواسحاق زجاج، ابوبکر بن سراج، ابوالحسن اخفش ثعلب اور ابوموسیٰ اور ابوعلی فارسی سے ملاقاتیں کیں، انہیں متنبّی کہنے کی توجیہہ میں کہا جاتا ہے کہ وہ بنی کلب کی طرف گئے اور ان سے کہا ہم علوی وحسنی ہیں اور پھر ''سماوہ'' نامی جگہ پر نبوت کا دعویٰ کر دیا چنانچہ بنی کلب کے بعض افراد نے ان کی دعوت کو بھی قبول کیا تو ''لولو امیر حمص'' ان کو قتل کرنے نکلا اور متنبّی کو گرفتار کر کے شام لے گیا اس نے ان سے توبہ کروائی یہ پھر سیف الدولہ بن حمدان سے ملے اور ان کے شعرا میں شامل ہو گئے پھر اس سے الگ ہو کر ۳۴۶ھ مصر گئے اور کافور اخشیدی کی تعریف کی، پھر ایران آئے اور عضدو الدولہ بن بویہ کی تعریف کی اس نے اسے جائزے اور انعامات سے نوازا، لیکن جب وہاں سے نکلے تو بن ابی جعل اپنے لشکر کے ساتھ اس کے مقابل آیا اس جنگ میں متنبّی اور اس کے دونوں بیٹے قتل ہو گئے، یہ رمضان ۳۵۴ھ کی بات ہے۔ [تاریخ ادب عربی ص۴۰۵تا۴۱۰]

متنبّی کی حالاتِ زندگی

ابوطیب احمد بن حسین متنبّی کوفہ میں ایک غریب گھرانے میں پیدا ہوا، اس کا باپ ماشکی تھا، بچپن میں ہی اس کا باپ اسے شہری زندگی گزارنے کیلئے گاؤں سے لیکر شام میں منتقل ہو گیا۔ وہ اپنے بچے کو مختلف درس گاہوں میں بھیجتا رہا اور مختلف قبائل میں اس کی آمد ورفت جاری رہی۔ قرائن بتا رہے تھے یہ بچہ فاضل بنے گا اور کامیابی کی منازل طے کرے گا۔ اس کا باپ فوت ہو گیا، لیکن اس وقت یہ جوان ہو گیا تھا اور لغت و ادب کے علوم سے کافی لگاؤ پیدا کر چکا تھا چنانچہ اس نے مجد وسروری کی تلاش اور روزی کے حصول کیلئے مختلف علاقوں کے سفر شروع کر دیئے۔

متنبّی بچپن سے ہی عجب پسند، عالی ہمت اور مجد وسروری کا مشتاق تھا۔ اسی بڑا بننے کے شوق کے ہاتھوں یہ لوگوں کو اپنی خلافت کی بیعت کی طرف بلانے لگا اس وقت ابھی اس کی عمر نا پختہ تھی ہوسکتا ہے اس کی خواہش پوری ہو جاتی لیکن گورنر کو اس کی سرگرمیوں کی اطلاع مل گئی اس نے اسے جیل میں قید کر دیا۔ اس نے جیل سے ایک قصیدہ اس کی طرف لکھا جس کے چند اشعار ہیں:

''اے میرے آقا! جس کا کام ہی دولت لٹانا اور غلاموں کو آزاد کرنا ہے۔ میں نے آپ سے اس وقت مدد کی درخواست کی ہے جب موت میری شہ رگ کے قریب پہنچ چکی ہے۔ اور اس وقت مدد طلب کی ہے جب میری حالت خستہ ہو چکی ہے اور میری ٹانگوں کو بیڑیوں کے بوجھ نے لاغر کر دیا ہے۔ آپ نے مجھ پر حدود قائم کرنے میں اتنی جلدی کی ہے حالانکہ ابھی تو مجھ پر نماز بھی فرض نہیں ہوئی۔''

اس پر گورنر نے اسے آزاد کر دیا لیکن سرداری کا شوق ہمیشہ اس کے دل میں جاگزیں رہا حتی اس کی جوانی ختم ہو گی اس نے ۳۲۳ھ میں شام میں نبوت کا دعویٰ کیا اور اپنی ادبی قوت اور سحر بیانی سے کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ بھی ملا لیا جب اسے آنحضرتؐ کے متعلق پوچھا گیا تو اس نے کہا آپؐ نے ہی تو میرے آنے کی خوشخبری سنائی اور میری نبوت کی خبر دی تھی کیونکہ آپؐ نے فرمایا تھا۔ لا نبی بعدی کہ میرے بعد لانامی شخص نبی ہو گا اور میرا آسمانی نام لا ہے۔ اس نے قرآن کے مقابلہ میں کچھ کلام بھی گھڑا جب اس کی کاستانیاں مشہور ہوئیں تو جو اخشید یہ کے نائب امیر حمص نے اسے گرفتار کر کے قید کر دیا اور اس وقت تک رہا نہ کیا جب تک اس نے نبوت سے توبہ نہ کی اس کے بعد اس کا حلقہ اثر ٹوٹ گیا۔ یہ اپنی آرزوؤں سے بلند سفر کرنے لگا ان سفروں میں اس کے پاس صبر وثبات اور عزم وہمت کے سوا اور کوئی زاد راہ نہ تھی اس کے متعدد اشعار سے معلوم ہوتا ہے مثلاً:

''وہ تن تنہا دوستوں سے الگ تھلک ہر شہر میں سفر کرتا ہے جب مقصد بڑا ہوتا ہے تو مددگار کم ہو جاتے ہیں نیز اس نے کہا: اب میں دل برداشتہ ہو چکا ہوں۔ روزی کی تلاش میں پھرتا رہتا ہوں اور مجھے بہت کم سکون میسر آتا ہے۔ سدا ایک ملک سے دوسرے ملک کا قصد کرتا رہتا ہوں میرا ستارہ نحوست میں ہوتا ہے لیکن میری ہمت سعادت میں رہتی ہے۔''

متنبی اسی طرح گردش میں رہا تا آنکہ سیف الدولہ کی جانب سے مقرر کردہ انطاکیہ کے گورنر ابوالعشائر سے اس کی ملاقات ہوئی اور اس نے اس کی مدح کی۔ اس نے اس کی عزت وتکریم کی اور اسے سیف الدولہ کے ہاں بھیج دیا اور اس کا تعارف کروایا اور شعروادب میں اس کی قدر ومنزلت سے آگاہ کیا، چنانچہ امیر نے اسے اپنے مقربین میں شامل کر لیا اور اپنے ہاں اسے خاص مقام دیا اور اسے جنگ اور شہواری کی تربیت کیلئے متعلقہ ماہرین کے سپرد کر دیا، تا کہ وہ اسے جنگ اور امن میں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھے اور اس کی خوب آؤ بھگت کی اور دنیا کی دولت سے مالا مال کر دیا حتی کہ یہ خود اس بارے میں کہتا ہے:

”میں نے راتوں کو سفر کرنا اپنے پچھلے لوگوں کیلئے چھوڑ دیا ہے جن کے پاس مال و دولت کم ہے میں نے تو تیرے انعامات و احسانات کی وجہ سے اپنے گھوڑے کے نعل سونے کے لگا لئے ہیں اور میں نے اپنے آپ کو تیری محبت میں قید کر دیا ہے اور جس کو احسان کی قید مل جائے وہ اپنے آپ کو خوشی سے قیدی بنا دیتا ہے۔“

متنبّی اس کے ہاں آسودہ زندگی بسر کرتا رہا تا آنکہ ان کے درمیان کسی وجہ سے رنجش پیدا ہوگئی جس پر یہ اسے چھوڑ کر ۳۴۶ھ میں مصر چلا گیا وہاں یہ فور آخشیدی اور ابوشجاع کی مدح کرتا رہا اور ایک زمانہ تک کافور کی نظر عنایت کا انتظار کرتا رہا تا کہ وہ اسے کسی بڑے منصب پر فائز کریں لیکن یہ سب کچھ بے سود رہا حتیٰ کہ اس نے کہہ دیا۔

”ابوالمسک (کافور کی کنیت) کیا جام میں میرے لئے بھی کچھ بچا ہے میں مدتوں سے گا رہا ہوں اور آپ پی رہے ہیں؟ ایک اور موقع پر اس نے کہا تھا۔ کیا ہمارے درمیان حجاب دور ہونے کا مجھے بھی کوئی فائدہ پہنچے گا جبکہ وہ امید جو میں آپ سے لگائے بیٹھا ہوا ہوں وہ ابھی تک پردہ میں ہے۔ میرے دل میں بھی کچھ ارمان ہیں آپ ان سے خوب واقف ہیں کیونکہ آپ کو دلی حالات بھانپنے کی صلاحیت حاصل ہے، خود میری خاموشی زبان حال سے میری قلبی کیفیت کو کھول کر بیان کر رہی ہے۔“

حتیٰ کہ کافور کو اس کی شاعرانہ تعلّی اور شوق امارت سے خطرہ محسوس ہوا۔ اس نے اس سے روگردانی کی، چنانچہ متنبّی نے اس کی ہجو کہہ ڈالی اور وہاں سے بغداد آ گیا چونکہ متنبّی بادشاہوں سے کم کسی کی مدح نہیں کہتا تھا۔ اس لئے اس نے وزیر صلبی کی مدح نہ کی وزیر صلبی کو اس سے رنج پہنچا چنانچہ اس نے بغداد کے شعراء کو اس کے پیچھے لگا دیا۔ انہوں نے اس کی اور اس کی شاعری کی خوب گت بنائی لیکن متنبّی نے کسی کا جواب نہ دیا اور ارجان میں فضل بن عمید کی ملاقات کا قصد کیا وزیر صاحب بن عباد نے اسے پیغام بھیجا وہ اصفہان آ جائے کیونکہ صاحب کی خواہش تھی وہ اس کی مدح کہے گا لیکن متنبّی نے اسے کوئی اہمیت نہ دی بلکہ شیراز میں عضد الدولہ کا قصد کیا۔ صاحب کو اس سے دلی کوفت ہوئی اور وہ اس کے کلام کی خامیاں تلاش کرنے لگا، حالانکہ یہی اس کے سب سے زیادہ محاسن سے واقف تھا پھر اس نے اور اس کے ساتھیوں نے اس پر قلمی محاذ جنگ کھول دیا اور اس کی تنقید میں کتابیں لکھ ڈالیں اور اس پر مضامین چوری کرنے اور اسالیب عرب سے بغاوت کرنے کے الزامات لگائے لیکن متنبّی اپنی خود اعتمادی، عجب پسندی اور شاعری پر ناز ہونے کی وجہ سے کسی چیز کو خاطر میں نہ لایا۔ عضد الدولہ نے دربار میں اسے بہت سے انعامات و کرامات سے نوازا اسے تین ہزار دینار، گھوڑے اور پوشاکیں دیں اس نے کسی کے ذریعہ اس سے دریافت کیا کہ یہ انعامات گراں ہیں یا سیف الدولہ کی عطایات۔ اس نے جواب دیا ان عطیات میں کچھ تکلف ہے جبکہ سیف الدولہ کی عنایت طبعی تھی عضد الدولہ کو اس جواب سے سخت برہمی ہوئی کہتے ہیں اس نے بنو ضبہ کے کچھ لوگوں کو فاتک اسدی کی قیادت میں بھیجا جو کہ صافیہ کے مقام پر اس کے بالمقابل ہوئے اور ان کے مابین خوب لڑائی ہوئی متنبّی کو

جب اپنی شکست معلوم ہوئی تو اس نے بھاگنے کا ارادہ کیا تو اس کا غلام کہنے لگا کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ آپ کو بھگوڑا کہہ دیں حالانکہ تم نے خود ہی یہ شعر کہا ہے:

”گھوڑوں کے دستے رات لق ودق صحرا تلوار، نیزہ کاغذ اور قلم سبھی مجھے جانتے ہیں چنانچہ وہ جنگ کرتا رہا تا آنکہ وہ اس کا بیٹا اور اس کا غلام ۳۵۴ھ رمضان میں قتل کر دیئے گئے۔“

متنبّی کی شاعری

متنبّی معنوی حسن کے شیدائی شعراء میں سے ہے۔ اس نے شاعری اور فلسفہ کو یکجا کیا اس نے معنی پر بھرپور توجہ دی اور شاعری کو ان بندشوں سے آزاد کر دیا جن میں ابوتمام اور اس کے ساتھیوں نے اسے قید کر دیا تھا اس نے شاعری کو عرب کے قدیم تقلیدی انداز سے نکالا۔ متنبی عربی شاعری میں جدت طرازی کا امام ہے۔ اس نے حکم اور امثال کو شاعری میں نمایاں جگہ دی ہے۔ جنگ کا وصف بیان کرنے میں جدت طرازی، دیہاتی عورتوں سے تشبیب، عمدہ تشبیہات، ایک شعر میں دو مثالیں لانا، حسن گریز، تقسیم کی درستگی، مدح کا انوکھا انداز چھبتی ہوئی ہجو اس کی شعری کی نمایاں خصوصیات ہیں، خاص طور پر متنبّی کی شاعری میں اس کی شخصیت، اور اس کی رائے کی پختگی، اس کی خودی اور خود اعتمادی، اس کی نفسیات کا اظہار، لوگوں کے مشاغل، قلبی رجحانات حقائق کائنات اور مقاصد حیات کی صحیح عکاسی اور بھرپور ترجمانی یہ وہ چیزیں ہیں جن کی وجہ سے اس کی شاعری ہر زمانہ میں ہر انشاء پردازی کیلئے معاون اور ہر خطیب کیلئے ایک نمونہ بنی ہوئی ہے۔

متنبّی کی شاعری کے عیوب

کبھی کبھی متنبّی کی شاعری میں معنی کی تنگی ہوتی ہے جس کی بناء پر شعر کا سمجھنا مشکل اور اس کا مقصد بعید اور اس کا جاننا معدوم ہو جاتا ہے۔ الفاظ سے بے توجہی کی بناء پر بعض دفعہ وہ بھونڈے الفاظ، غیر مانوس کلمات، معنوی تعقید، غریب الفاظ، مطلع بے ڈول، قیاس کی مخالفت اور شاعری کے مضمون میں تفاوت اور مبالغہ آمیزی میں حدود سے تجاوز کر جاتا ہے۔ مثلاً: ولا الضعف حتی یبلغ الضعف ضعفه... یا جیسے یہ شعر ہے:

انی یکون ابا البرایا آدم، وابوک محمد وانت الثقلان

”یعنی آدم کیسے انسانوں کا جد اعلیٰ ہو سکتا ہے حالانکہ آپ کا باپ محمد اور ثقلان ہیں۔“

یا جیسے ایک جگہ کہتا ہے:

”اے ممدوح اس دنیا میں جس کا وجود ہی تیری ذات سے ہے اگر تو نہ ہوتا تو اماں جو بانجھ ہو جاتیں اور ان سے کوئی اولاد نہ ہوتی۔“

اس قسم کی تعقید کی مثالیں ہمارے موضوع سے ہمیں دور لے جائیں گی، اگر آپ نے مزید ایسی مثالیں دیکھنا درکار ہوں تو ثعالبی کی کتاب ”یتیمۃ الدہر“ کا مطالعہ کریں۔

❁ موسوعہ امام علیؑ جلد ۹ ص ۳۷: احمد بن حسین ابن حسن جعفی کوفی معروف بہ متنبی، اہل کوفہ کا ایک شاعر

تھا ادب میں مشغول ہوا۔ اس کے دیوان کی چالیس شرحیں لکھی گئی ہیں جو کسی شاعر کو نصیب نہیں ہوئیں۔
۳۰۳ھ پیدا اور ۳۵۴ھ کو بغداد میں قتل ہوا۔ موسوعہ میں اس کے دو شعر لکھے ہیں:

وتركت مدحي للوصيي تعمداً — اذ كان نوراً مستطيلاً شاملاً
واذا استقل الشيىء قام بذاتة — وكذا ضياء الشمس يذهب باطلاً

یہ شعر بعض جدید طباعات سے حذف کر دیئے گئے ہیں۔ [وفیات الاعیان جلد ۱ ص ۱۲۰، الانصاب جلد ۵ ص ۱۹۱]
علماء اس کے بارے میں مختلف اقوال رکھتے ہیں، متنبّی نظم ونثر عرب میں مہارت رکھتا تھا۔ اس کی شام میں پرورش ہوئی اسے متنبّی کہنے کے بارے میں لکھا ہے کہ اس نے دعوی کیا کہ میرے اوپر وحی نازل ہوتی ہے میرے پاس معجزہ ہے، میں بادلوں کو روک سکتا ہوں۔ اس نے لوگوں سے اپنے لئے بیعت لی، اس نے دعوی کیا میرے اوپر قرآن نازل ہوا ہے اور زمین میرے لئے سمٹ جاتی ہے۔

❁ ابن خلکان نے لکھا ہے، اس نے اپنے علاقے شہر سماوہ میں نبوت کا دعوی کیا اور بہت سے لوگوں نے اس کی بیعت کی، یہ اپنی جگہ ملحد تھا۔

❁ قاضی نور اللہ شوشتری نے اپنی کتاب مجالس المومنین میں اس کے شیعہ ہونے کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے ابا طیب، امیر المومنین علیؑ سے ولایت رکھتا تھا۔ اس کے علویات کے نام سے قصائد بھی ہیں۔

❁ فرانسیسی مستشرق ماسینیون نے بھی اس کے شیعہ ہونے کا یقین کیا ہے۔

❁ علامہ محسن امینؒ فرماتے ہیں، ہم بھی اس کے اظہار تشیع پر اتفاق کرتے ہیں، اس کے شیعہ ہونے کیلئے چند امور سے استدلال کیا جا سکتا ہے:

۱۔ اہل کوفہ شیعہ ہونے میں مشہور ہیں جس طرح اہل بصرہ، شیعہ دشمنی میں مشہور ہیں۔
۲۔ متنبّی قبیلہ جعفی سے تھا جس سے شیعہ شخصیات پیدا ہوئی ہیں جیسے جابر جعفی، مفضل بن عمر جعفی۔ اس کے والد بھی انہیں میں سے ایک تھے۔
۳۔ ابو طیب محلّہ کندہ میں پیدا ہوئے، یہ شیعوں کا محلّہ تھا، اسکی ماں ہمدانی تھی جو صالح تھے، انکے پانچ قصائد تھے جو ان کی دیوان سے ہٹائے گئے ہیں۔

متنبّی، اپنے اشعار کی رو سے

❁ کتاب مقالات فی الادب میں لکھتے ہیں: متنبّی اپنی نوع میں ایک ممتاز شخصیت تھی۔ اس کے اندر پوشیدہ اسباب محرکات میں بلندی کی طرف پرواز، عروج اور غرور بچپن ہی شامل تھا۔ جن کی جسامت وعقلانیت کا اندازہ ان چار کلمات سے ہوتا ہے۔ یہاں تک اس نے یہ شعر پڑھا:

أي محل أرتقي أي عظيم أتقي؟ — محتقر في كشعره في مفرقي

اگر ہم ایک محقق ومدقق انسان کے اندر پائے جانے والے ان افکار اور نباغت کے اسباب وعوامل کو جاننا

چاہیں جو اس کی ذات کی تقدیس، تعظیم وتکریم اور بلند پروازی میں حد سے گزرے ہوئے ہیں تو اس کی تفسیر میں علمائے ادب اور شخصیات شناسوں نے بہت سے اسباب بیان کئے ہیں۔ جس جس نے اس کے دیوان کو پڑھا ہے اس نے اس سے اخذ شدہ اسباب کی طرف حدث واحتمال دیا ہے اور ہر ایک نے ایک نئے احتمال کو ترجیح دی ہے۔

❁ ڈاکٹر طہ حسین نے کہا، بنیادی سبب ان کے نسب میں پستی اور اس حوالے سے پیدا ہونے والی احساس کمتری بتایا ہے۔

❁ بعض نے اس کو فطری وطبیعی غریزہ بتایا ہے، جو وہ پہلے سے بلند پروازی اور خود اعزازی رکھتے تھے۔

❁ استاذ انعام جندی نے اپنی کتاب دراسات فی الادب العربی میں کہا ہے: اس کا سبب وہ مظالم ہیں جو اس کے زمانے میں رواج پا چکے تھے، انعام کہتے ہیں بڑی شخصیات ایسے ماحول میں غیرت اور شجاعت وجرأت کا مظاہرہ کرتی ہیں اور معاشرے کو اس غربت سے نکالنے کیلئے کوئی حل تلاش کرتے ہیں، تا کہ پھیلے ہوئے ظلم کے خیمے کو سمیٹا جائے، اس لئے وہ اپنے نفس سے شروع کرتے ہیں جس سے غرور پیدا ہوتا ہے کیونکہ انہیں اس میدان میں کوئی ساتھ دینے والا نہیں ملتا ہے۔

❁ صاحب مقالہ لکھتے ہیں: یہ تمام اسباب اپنی جگہ متنبّی کی شخصیت کے حوالے سے درست ہیں، لہٰذا یہ شخص اپنے غرور اور عروج میں شجاعت وجواں مردی اور طاقت وقدرت کا احساس کرتا تھا۔

متنبّی کا منتخب کلام

فالخيل والليل والبيداء تعرفني — والسيف والرمح والقرطاس والقلم۔ [تفسیر شعراوی ج ۷ ص ۱۴۰۷۱]

ایک دفعہ متنبّی مصر گیا تو لالچ میں آ کر وہاں کے حاکم کی مدح کی، اس کا رنگ کالا تھا تو اسے ابو المسک کہہ کر پکارا یعنی کستوری کا باپ: ابا كل طيب لا ابا المسك وحده جب متنبّی کا حاکم سے اختلاف ہوا تو اس کی ہجو کی: اريك الرضا لو اخلا فاوغدرا وخسة وجبنا وما انا عن نفسي....

ابو العلاء المعری (۳۶۳-۴۴۹/۹۷۳-۱۰۵۸م)

احمد بن عبداللہ بن سلیمان بن محمد تنوخی معروف بہ ابو العلاء۔ حمص وحلب کے درمیان معرۃ نعمان نامی جگہ پر پیدا ہوا۔ تنوخی (تنوخ، ایک یمنی قبیلہ) یہ حکیم فلسفی نجیب الطرفین معرہ میں پیدا ہو، باپ عظیم فاضل اور دادا معرہ کا قاضی تھا، چار سال کی عمر میں اس پر چیچک کا حملہ ہوا، جس سے اس کی بائیں آنکھ ضائع ہوگئی اور دائیں آنکھ میں سفید جالا پڑ گیا، چنانچہ اس نے اندھے پن کی حالت میں پرورش پائی۔ وہ رنگوں میں سے صرف سرخ رنگ کو پہچانتا تھا کیونکہ اسے بیماری کی حالت میں سرخ لباس پہنایا گیا تھا اور یہی وہ رنگ ہے جسے اس نے سب سے پہلے اور آخر میں دیکھا۔ جب وہ تعلیم حاصل کرنے کی عمر کو پہنچا تو اس کے باپ نے اسے عربی زبان سکھانی شروع کی۔ عربی زبان سیکھنے کے بعد اس نے اپنے شہر کے علماء کی شاگردی اختیار کی۔

اس نے وہاں کے علماء کا تمام علم اپنے سینے میں محفوظ کرلیا پھر اسے وہاں کوئی ایسا عالم نظر نہیں آیا جو علم میں اس سے بڑھ کر ہو یا فہم میں اس سے زیادہ ہو۔ چنانچہ یہ اپنے گھر واپس آ گیا ابھی یہ تقریباً بیس برس کا تھا کہ اس نے لغت اور ادب کی تدریس شروع کردی اور یہ زبان کی باریکیاں اور تراکیب کے خواص کی تحقیق کرنے لگا۔ حتی کہ اس موضوع پر وہ سب سے سبقت لے گیا اور کوئی بھی اس کا حریف نہ بن سکا۔

۳۹۲ھ میں اس نے معرہ چھوڑ کر شام کا سفر کیا اور مکتبہ طرابلس دیکھا اور لاذقیہ کا قصد کیا، جہاں اس نے زاہدوں کے گرجا میں قیام کیا حتی کہ عہدنامہ قدیم وجدید پڑھا، پھر ملک شام کا دورہ کرنے کے بعد یہ عازم بغداد ہوا جو ان دنوں علم کا مرکز اور علماء کا ٹھکانا تھا تاکہ وہاں یونانی حکمت اور ہندوستانی فلسفہ پڑھ سکے، لیکن جب اہل بغداد کو اس کی آمد کی خبر ملی تو وہ اس سے علمی وادبی استفادہ کیلئے ٹوٹ پڑے، چنانچہ یہ جتنی دیر تک بغداد میں مقیم رہا اہل بغداد کے تشنگان علم وادب اس سے اپنی علمی پیاس بجھاتے رہے۔ ابوالعلاء علوم فلسفہ کی تحقیق میں کوشاں رہا تا، آنکہ اس نے فلسفہ میں کمال حاصل کرلیا۔

اس نے بغداد میں موزوں ماحول اور زرخیز زمین پائی جس میں اس نے اہم مسائل کی بحث وتحقیق اور اپنی فکری محنت کو پروان چڑھایا اب یہاں اس کے افکار وآراء کا چرچا ہونے لگا۔ اس کا تعلق آزاد فلسفیوں کی ایک جماعت کے ساتھ ہوگیا جو ہر جمعہ کے دن اپنے ایک ساتھی ابواحمد عبدالسلام بن حسن بصری کے گھر جمع ہوتے جس سے اس کی عقل وادبی صلاحیتوں میں مزید نکھار پیدا ہوا۔ ابھی اہل بغداد کے ساتھ اس کا تعلق و ناطہ پوری طرح مضبوط بھی نہیں ہوا تھا کہ اسے اپنی والدہ کے انتقال کی جانکاہ خبر پہنچی اس کا والد تو پہلے ہی فوت ہو چکا تھا اسے اس دردناک خبر سے بہت صدمہ پہنچا اور وہ بہت کبیدہ خاطر رہنے لگا۔ حکام اور لوگوں کا ایک طبقہ اس کے عقیدہ اور نظریہ کے متعلق شاکی تھا، چنانچہ اس کی زندگی بے چین اور اس کے حالات ناقابل اطمینان ہوگئے اور اسے مشفق اور مددگار نہ مل سکے اور وہ اس دنیا کو سیاہ آنکھ سے دیکھنے پر مجبور ہوگیا، اس نے سمجھ لیا اس دنیا میں مصائب ہی مصائب ہیں، چنانچہ اس نے گوشہ نشینی اور ترک دنیا کی حالت اپنالی اور ۴۰۰ھ میں وہ معرہ واپس آ گیا اس نے اپنے تلامذہ کے سوا تمام لوگوں سے اجتناب کیا اور اپنے آپ کو "دو قیدیوں میں محبوس" کا لقب دے دیا ایک اندھا پن اور دوسرا خانہ نشینی، پھر وہ دنیاوی لذتوں سے قطع تعلقی کر کے تصنیف وتالیف کیلئے گوشہ نشین ہوگیا، نہ گوشت کھاتا اور نہ جانوروں سے پیدا ہونے والی چیزیں استعمال کرتا کھانے میں مسور کی دال اور مٹھائی کے طور پر انجیر کو استعمال کرتا، اسے سالانہ تیس دینار وظیفہ ملتا اور یہ اسی پر گزارہ کرتا، وہ کھدر کا لباس پہنتا اور چٹائی بچھالیتا، اپنی اولاد کو لوگوں کی ملامت اور زندگی کی مصیبتوں سے محفوظ رکھنے کیلئے اس نے شادی کو اپنے اوپر حرام کیا یہ اسی حالت پر برقرار رہا، تا آنکہ ۴۴۹ھ میں وہ انتقال کر گیا۔

اس نے اپنی قبر پر یہ شعر لکھنے کی وصیت کی تھی:

"یہ میرے باپ نے میرے اوپر جرم کیا ہے، لیکن میں نے کسی پر جرم نہیں کیا۔"

جب وہ فوت ہوا تو اس کی قبر پر ایک سو اسی شعراء موجود تھے جن میں محدثین فقہاء اور صوفیاء شامل تھے۔

ابوالعلاء کے اعترافات

ابوالعلاء نے اپنے متعلق وضاحت کرتے ہوئے کہتا ہے: "میں انسانوں میں پیدا ہوا ہوں لیکن انسان سے بیزار ہوں۔" وہ نرم دل، سخی، وفادار، اپنی خواہشات نفس کو مارنے والا، لوگوں سے بدظن ان سے نہایت محتاط قوی یادداشت والا اور سریع الحافظہ تھا۔ اس کے متعلق عجیب وغریب واقعات منسوب ہیں کہتے ہیں وہ زبان جانتا یا نہ جانتا بہر حال اسے حفظ کرلیتا تھا۔ اس نے گیارہ سال کی عمر میں شعر کہنا شروع کیا، اس کا اندھا پن اس کی عمدہ تشبیہ دینے اور آنکھوں والوں کے ساتھ کھیلوں میں شریک ہونے میں رکاوٹ نہیں تھا وہ شطرنج اور نرد کا بہترین کھلاڑی تھا، سنجیدہ اور مزاحیہ ہر دو موضوعات پر اس نے طبع آزمائی کی ہے۔

اس کے عقیدہ کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے:

- بعض کہتے ہیں وہ برہمن تھا اس لئے ملحد ہے۔
- دیگر کچھ لوگ کہتے ہیں، اس کی شاعری میں صوفیاء کے کلام کی مانند ظاہری اور باطنی رخ پایا جاتا ہے۔
- بعض کہتے ہیں گمراہ کن اشعار اس کے دشمنوں نے اس کی شاعری میں ملا دیئے ہیں۔
- اکثر لوگوں کا رجحان ہے وہ شکی مزاج تھا کبھی ایک چیز کا اقرار کرتا تو کبھی اس کا انکار کر دیتا تھا، یہی وجہ ہے اس کی شاعری میں تضاد پایا جاتا ہے۔

ابوالعلاء کی شاعری

ابوالعلاء کی شاعری دو حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہے۔ اس کی جوانی کی شاعری جو "سقط الزند" میں جمع کر دی گئی ہے اور اس کی بڑھاپے کی شاعر جو "لزومیات" میں یکجا ہے اس کی جوانی کی شاعری میں مبالغہ کی کثرت ہے، تقلیدی طرز اپناتے ہوئے واضح تکلف ہے، اس میں اس نے متنبّی کی تقلید کی ہے اور اکثر معانی اسی سے اخذ کردہ ہیں، جس میں اس نے زبان کے اصول وقواعد کو بھی پس پشت ڈال دیا ہے اور بدیع میں اپنے ہم عصر کا مقابلہ کیا ہے، لیکن ان میں غریب الفاظ کا استعمال ہے اور اس کی شاعری میں علمی اصطلاحات کی کثرت ہے، اس نے شاعری کے بیشتر اصناف میں طبع آزمائی کی ہے، مگر اس کی شاعری خمریات، عشقیات شکاریات اور ہجو سے خالی ہے۔ اس کے پسندیدہ قصائد، مرثیہ مدح اور فخر پر مبنی ہیں۔

اس کے دور کہولت کی شاعری تو اس میں مبالغہ اور تکلف کم ہے جس میں اس نے متقدمین عرب کا انداز اپنایا ہے۔ اس میں پرشوکت الفاظ، بدویانہ اسلوب، مشکل قافیہ بندی، غیر ضروری پابندیوں کا التزام ہے، قیاس کے اصولوں کی سختی سے پابندی، بدیع اور تجنیس کا اکثر استعمال ہے۔ اس عہد کی شاعری میں اس نے اپنے فلسفیانہ خیالات وآراء کو بھی جگہ دی ہے، لیکن اس انداز کی وجہ سے اس کی شاعری میں غریب الفاظ اور مشکل تراکیب کی بھرمار ہے اسے اپنے فکری نتائج کا سرعام اظہار کرنے میں لوگوں کے شر سے خطرہ محسوس ہو رہا

تھا،لہٰذااس نے ان افکار کوالفاظ کے کانٹوں سے گھیر دیا تا کہ آسانی سے ہرکس وناکس کی وہاں تک رسائی نہ ہوسکےاور نہ ہی وہ زبانوں پر جاری ہوسکے۔اس نے اپنی شاعری میں جانوروں کے مکالمہ کی جدت بھی پیدا کی مثلاً مرغ اور کبوتر کی گفتگو،بھیڑیئے اور بکری کا مناظرہ،ابوطیب متنبّی کے بعد سب سے بڑا حکیم شاعر ہے،بلکہ دقت خیال میں اس سے بھی بڑھ کر ہے نیز فلسفہ اجتماعیات،انسانی اخلاق،نظامہائے حکومت قوانین اورادیان کوشاعری میں جگہ دینے کی وجہ سے وہ متنبّی سے بھی ممتاز اور اس راہ میں اپنی طرز کا پہلا شاعر ہے۔

✿ ادب الطف ج۲ص ۲۹۸:شعرائے اہل بیتؑ میں سے ایک احمد بن عبداللہ کنیت ابوالعلاء معری منسوب بہ تنوخی ہیں،نعمان میں ۳۶۳ھ میں پیدا ہوئے اور یہیں پر ۴۴۹ھ میں ۸۶ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

✿ صاحب معجم البلدان ج۵ص ۱۵۶ پر لکھتے ہیں: معرہ نعمان حمص اور حلب کے درمیان ایک شہر ہے۔

✿ ابوالعلاء کی وفات کے بعدان کی قبر پر ۸۶ شعراء نے شعر پڑھے،ان کی شخصیت کے بارے میں صاحب ادب الطف لکھتے ہیں ان کے متعلق علماء میں مختلف نظریات پائے جاتے ہیں بعض کا کہنا ہے،یہ مسلم وموحد تھے،بعض انہیں ملحد سمجھتے ہیں،جبکہ بعض انہیں مومن وشیعہ سمجھتے ہیں۔

✿ سید محسن امین نے اعیان الشیعہ میں لکھا ہے،قبیلہ تنوخ،قضاعہ کے بطن سے ہے،ابوالعلاء تین سال کے تھے کہ چیچک کی وجہ سے آنکھوں سے محروم ہوگئے،انہوں نے اپنے والد اور دیگر علماء سے تعلیم حاصل کی،جو چیز ایک دفعہ سنتے،حفظ ہوجاتی۔گیارہ سال کی عمر میں شعر کہنا شروع کیا آخر میں وہ گھر سے نہیں نکلتے تھے یہ متنبّی کے بہت عاشق ودلداہ تھے۔محسن امین کے مطابق لوگ ان کے بارے میں اختلاف رکھتے تھے بعض نے انہیں ملحد اور تعطیل شریعت کرنے والوں میں گنا ہے اور بعض نے موحد کہا ہے۔

✿ صاحب معجم الادباء کا کہنا ہے،اس کا دین مشکوک ہے اور یہ براہمہ جیسے نظریات کا حامل تھا یہ پیغمبرؐ کی بعثت اور حشر ونشر پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔۴۵ سال اس نے گوشت اور انڈہ نہیں کھایا،ظاہری طور پر کہتا تھا حیوان پر رحم آتا ہے،پوچھا گیا وہ جانور کیا کریں گے جن کی غذا ہی دوسرے حیوان ہیں جیسا کہ درندے وغیرہ ہم خدا سے زیادہ رحم دل نہیں ہوسکتے،ٹھیک ہے خود ذبح کر کے نہ کھاؤ لیکن دوسرا ذبح کرے تو کھانے میں کیا حرج ہے۔

دارالروایہ

✿ موسوعہ عرب ج۱ص ۳۷۷: حماد الروایہ ابن ابی لیلی کا دورانیہ ۷۷ھ کا ادیب وشاعر ہے،کوفہ میں پیدا ہوا اور بغداد میں وفات پائی۔اصل میں دیلمی ہے،اپنے دور میں ایام،اخبار واشعار عرب میں سب سے اعلم تھا،وسیع حفظ رکھتا تھا اور قدیم وجدید سے آشنا تھا،قصائد معلقات سبعہ کا حافظ تھا،خلفائے اموی اس سے محبت کرتے اور اسے پیش پیش رکھتے تھے،زیادہ تصحیف یعنی کلمات شعراء میں ردوبدل کرنے کے بارے میں متہم تھے اور نحو سے آشنا تھا۔شعر نظم کرتے اور قدیم شعراء سے منسوب کرتے تھے۔

✿ لغت دہخدا: ج۶ ص ۸۰۷۳: میں لکھا ہے حماد الروایہ فرزند میسرہ شیبانی ہے،کنیت ابوالقاسم اور اپنے دور کے مشہور ادیب تھے،اشعار عرب کے حافظ تھے اسی وجہ سے اسے لقب روایہ ملا،عصر اموی اور عباسی کے دوران تھے،۱۶۵ھ میں وفات پائی۔

✿ معجم ادباء:،ہیثم بن عدی نے کہا تھا میں نے کلام عرب میں حماد سے زیادہ عالم نہیں دیکھا ہے۔

✿ اصمعی: حماد اپنے دور میں سب سے دانا انسان تھے اگر وہ شعروں میں اضافہ یا کمی نہ کرتے اور شعرائے عرب کی طرف نسبت نہ دیتے۔

✿ ابوجعفر احمد بن نحاس:،حماد وہ ہے جس نے معلقات سبعہ کو یاد کیا ہے جس کے بارے میں کہتے ہیں،انھیں کعبے سے لٹکایا گیا تھا حالانکہ یہ ثابت نہیں ہے۔

✿ ابن خلکان ج۲ص ۲۰۶ش ۲۰۵:،حماد بن ابی لیلی صابور بعض نے کہا ہے میسرہ بن مبارک بن ابی دیلمی کوفی مولی بنی بکر بن وائل معروف بہ ابن الروایہ ہے۔

✿ ابن قتیبہ نے معارف اور طبقات الشعراء میں لکھا ہے،یہ موالی مقنف بن زید خلیل طاعی صحابی تھے اپنے دور میں ایام،اخبار،انساب،لغات،اشعار عرب کے عالم تھے جس نے سبعہ طوال کو جمع کیا ہے بنی امیہ انہی کو مقدم رکھتے اور نوازتے تھے۔ایک دن ولید بن یزید اموی نے کہا تمہیں یہ بلغہ نام کہاں سے ملا ہے یہاں تک کہ تمہیں روایہ کہتے ہیں۔اس نے کہا،میں ہر شاعر کو جسے آپ جانتے ہیں اس سے نقل کرتا ہوں یا سناتا ہوں،جن کو آپ جانتے ہیں یا ان کے بارے میں آپ نے صرف سنا ہے اور ان لوگوں کے اشعار نقل کرتا ہوں جن کے بارے میں آپ جانتے ہیں یا نہیں سنا ہوا،کوئی شعر پڑھے تو میں جانتا ہوں کہ یہ قدیم ہے یا جدید۔ان سے پوچھا گیا کتنے شعر یاد ہیں تو کہا بہت زیادہ۔پھر اس نے کہا کہ میں آپ کو ہر حرف معجم پر سو قصیدے صرف شعرائے جاہلیت کے پیش کروں گا۔اس نے کہا کہ ہم اس میں آپ کا امتحان لیں گے۔ولید تنگ آ گیا پھر کسی اور کو موکل کیا،یہاں تک کہ اس نے ۲۹۰۰ جاہلی قصیدے پڑھے۔یہ خبر ولید کو دی گئی تو اس نے ایک لاکھ درہم اسے انعام دیا،ابوالعلاء یزید بن عبدالملک بن مروان کے ساتھ ہوتا،یوسف بن عمر ثقفی والی عراق کے ساتھ رہا وہ ۹۵ھ میں پیدا ہوا ۱۵۵ھ میں دور خلافت اموی میں وفات پائی۔

روایت وروات

قدیم زمانہ عرب میں لکھنے پڑھنے کا چندان رواج نہیں تھا،لکھنے پڑھنے والے افراد اگر ناممکن نہیں تو نایاب ضرور تھے،لہٰذا خود اقوال وامثال،خطابت،اشعار،لغات دوسروں تک پہنچنے کا واحد ذریعہ روایت تھی روایہ اس اونٹ کو کہتے ہیں جو پانی اٹھاتا ہے،اسی سے نقل اقوال کے عمل کو روایت اور ناقل کو راوی کہتے تھے۔یہ سلسلہ نقل جاہلیت سے لے کر ابتداء اسلام اور دور بنی امیہ تک جاری رہا،اس لئے امراء،خطباء اور شعراء اپنے

لئے کوئی شخص بطور ناقل ضرور رکھتے تھے تا کہ وہ یاد رکھے اور دوسروں کو نقل کرے۔ رفتہ رفتہ یہ ناقل اپنی جگہ خود اس میدان میں ایک بڑے نامور خطیب وشاعر لغوی بن گئے، چنانچہ بعض شعراء کی سوانح حیات میں آیا ہے، بطور مثال زہیر بن ابی سلمی پہلے اپنے مسر اوس بن حجر کا راوی تھا آگے چل کر خود ایک بڑا راوی بن گیا۔ اسی طرح اخطل فرزدق اور جریر اپنے سے پہلے کسی بڑے شاعر کے راوی رہے، لہٰذا وہ راویان ادب کے نام سے مشہور ہو گئے، بڑے شعراء کے راویوں کے توسط سے آج ہمارے پاس اس سے پہلے شعراء کے خطاب شعر اور کتب موجود ہیں ان کی تعداد پانچ ہے: حماد الروایہ، خلف الاحمر، اصمعی، ابوعبیدہ، معمر بن مثنی اور ابو زید الانصاری۔

حماد الروایہ

۞ دیلمی تھا، جاہلی اور اسلامی عہد کے بہت سے شعرا سے یاد تھے۔ اگر کسی شعر یا شاعر کو کوئی مقام ومرتبہ دینا ہوتا تو حماد کی طرف رجوع کرتے تھے۔

۞ المزھر ج ۲ ص ۴۰۶ کہتے ہیں، سب سے زیادہ روایت، لغت اور شعر نقل کرنے والوں میں حماد الروایہ ہیں کثرت روایت سے ان کا لقب ہی روایت ہو گیا ہے، اہل بصرہ کوفہ دونوں نے ان سے روایات نقل کی ہیں۔ کہتے ہیں، اصمعی نے کہا ہے، جو ہمارے پاس امراء القیس کے تمام اشعار حماد الروایہ سے منقول ہیں سوائے چند محدود کے۔ ابوطیب نے کہا ہے، کثرت نقل لغت واشعار کے باوجود اہل بصرہ کے نزدیک حماد غیر موثق ہیں اور امین نہیں۔

ابراہیم بن حمید نے ابوحاتم سے نقل کیا ہے کوفہ میں ایک گروہ شعر نقل کرتا تھا جیسے حماد الروایہ، یہ لوگ شعر جعل کرتے اور پھر اسے کسی اور کی طرف نسبت دیتے تھے۔ سعید بن ابراھیم برجمی نے نقل کیا ہے مجھے ایک ایسے انسان نے بتایا ہے جس پر مجھے اعتماد ہے، حماد کے پاس ایک اعرابی نے آکر قصیدہ پڑھا ہم اس شخص کو جانتے تھے نہ اس شعر کو، اس پر حماد نے کہا اسے لکھواؤ لکھنے کے بعد اعرابی چلا گیا تو انہوں نے کہا اسے کس سے منسوب کیا جائے ہر ایک نے ایک بات کی تو حماد نے کہا یہ طرفہ کے نام پر لکھو۔ حافظ نے اصمعی، ابوعبیدہ، ابوزید سے نقل ہے اس نے کہا مجھے تعجب ہے لوگوں نے حماد سے لغت کیسے لی ہے جبکہ وہ لغت کو غلط اور شعر میں تبدیلی لاتے اور جھوٹ بولتے ہیں۔ یہ حماد بن ہرمز دیلمی کی شخصیت ہے۔

الروایہ والروات

عرب ایک انپڑھ قوم تھی، وہ کوئی چیز لکھ پڑھ نہیں سکتے تھے وہ صرف طبیعت کو ہی درک کرتے تھے اور اسی سے اپنا مافی الضمیر ادا کرتے تھے، زبان کی قلم سے لوح حافظہ پر لکھتے۔ ہر عربی اپنے انداز سوچ، حفظ کے اندازے میں ایک یا چند کتاب تھا، ہر قبیلہ اپنی جگہ ایک زمانے کا دفتر تھا جس میں ان کے اخبار وآثار لکھے ہوتے۔ ہم نے بہت سے علماء اور بحث کرنے والوں کو دیکھا ہے کہ اصل عربیت کا تحفظ اس میں ہے کہ ان

کی زندگی کی مصروفیات اور سرگرمیاں کم تھیں لہٰذا ان کا حافظہ زیادہ تھا حفظ جلدی کرتے اور تمرین بھی کرتے تھے۔ کہتے ہیں یہ بات منطقی نہیں کیونکہ غیر عرب انپڑھ تھے کم مصروفیات والے تھے لیکن ان کے حفظ میں کوئی چیز نہیں تھی وہ گزشت زمان کے ساتھ تباہ ہو گئے لیکن ان سے کوئی حافظے میں نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ عرب ایک قوم ہے اور ان کی اصل طبیعت میں حافظہ زیادہ تھا۔ [تاریخ آداب العرب: ج ۱ ص ۲۱۳]

شعراء کی تحریک تجدید

شعراء کی ایک شناخت یا شعراء کے عزائم میں سے زمان اور اہل زمان کی مذمت تحریک تجدید، مال واموال پرستی وتحریص اور لالچ دیلانا ہے، تا کہ ان کے مذموم عزائم کو معاشرے میں داخل کرنے کیلئے فضا وحالات ساز گار ہو، مبانع ومشکلات رفع ہو۔ لہٰذا وہ ہمیشہ وقت کے حکمران کے خلاف بولتے ہیں اور لوگوں کو ہر قسم کی عادات، روایات سے آزاد ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ شعراء میں ان برے عزائم کا آغاز بنی عباس کے ابتدائی دور سے شروع ہوا جہاں انہوں نے کبھی اسلام اور کبھی بنی امیہ کی نقد وتنقید کا نشانہ بنایا اور قدامت پرست اور جدت پسندوں کے درمیان جنگ کا اعلان کیا۔ ابتدائی دور میں ان کیلئے یہ بہت مشکل تھا، کیونکہ بنی عباس اگر چہ بنی امیہ کے سخت مخالف تھے لیکن ان کی بدگوئی ان کیلئے شہد سے زیادہ میٹھی تھی لیکن وہ اسلام سے بھی اتنی نفرت نہیں رکھتے تھے کیونکہ وہ خود مسلمانوں کا خلیفہ اسلام کے علمبردار حاکم سمجھتے تھے۔

یہ سلسلہ آگے بڑھتا گیا اور انھوں نے اپنے اہداف میں بہت کچھ کامیابیاں حاصل کیں یہاں تک کہ رفتہ رفتہ انہوں نے غیر عرب نژاد شعراء، شعر کوئی میں مقام حاصل کیا۔ انہوں نے بنی امیہ واسلام حتی کہ عربوں کی نفرت میں بھی شعر انشاء کئے۔ کہا جاتا ہے شعراء کے اس قافلے کے پرچمدار میں بشار بن برق، ابونواس ابوعقاہیہ اور وب ابن معتز ہیں۔

شعراء کا مزاج

سب سے پہلی خصوصیت جو شاعری میں نظر آتی ہے وہ شعراء کا مخصوص مذاج ہے جسے ان کی نسلی روایات بھی تقویت پہنچاتی ہیں۔ بعض شعراء خوش ہوتے ہیں یا غمگین، محبت کرتے ہیں یا نفرت، امید رکھتے ہیں یا مایوسی کا شکار ہوتے ہیں غرض ہر طرح کے جذبات کا اظہار کرتے ہیں، چنانچہ بعض اظہار جذبات میں انتہا پسند واقع ہوئے ہیں اسی لئے وہ قصیدہ، مرثیہ یا ہجو میں کامیاب ثابت ہوتے ہیں، کیونکہ قصیدہ کسی سے خوش ہو کر یا انعام کی امید رکھ کر ہی کہا جاتا ہے۔ مرثیے کیلئے پوری طرح غمگین ہونا ضروری ہے اور ہجو انتہائی نفرت کا تقاضا کرتی ہے۔ اسی طرح غزل میں محبت اور معاملات محبت میں یاس کا عنصر لازمی جز ہے۔

شعراء کا ماحول

شعراء کے دو جدا جدا ماحول رہے ہیں، ایک درباری، دوسرا عوامی۔

درباری ماحول سے مراد وہ محفلیں ہیں جو بادشاہوں کے حضور میں منعقد ہوتی تھیں۔ ایسے ماحول میں رہتے

ہوئے زندگی کی تلخیوں اور ناکامیوں سے بہت کم واسطہ پڑتا ہے اور مزاج میں حاکمانہ طنطنہ آجاتا ہے جو حکم چلانے اور مخالفت برداشت نہ کرنے کی حد تک پہنچ جاتا ہے۔ دوسرا ماحول عوامی ہے، جو عام ماحول ہے شعراء کیلئے اس ماحول سے اثر قبول نہ کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ آباءپرستی اور وطن پرستی بھی اسی کی وجہ سے کارفرما ہوتی ہے۔

انسابِ شعراء

دنیا میں ہر چیز کیلئے ایک سلسلہ نسب ہوتا ہے جس چیز کا نسب نہ ہو اسے ابتر یعنی مقطوع النسل کہتے ہیں یعنی اس کا سلسلہ آگے جا کر رک جاتا ہے اگر کوئی انسانوں میں مقطوع النسل ہو تو اسے ولد حرام کہتے ہیں مسلمان معاشرہ ایسے انسان سے بہت نفرت رکھتا ہے اگر کسی کے افکار ونظریات مقطوع النسل ہیں یعنی ان کا رابطہ ٹوٹا ہوا ہے تو اسے خرافات کہتے ہیں۔ دین واسلام جس پر مسلمان قائم ہیں اس کے افکار ونظریات قرآن وسنت سے ملتے ہیں سنت پیغمبر کی برگشت قرآن کی طرف ہے جو صادر از خدا ہے۔ اس مسلمہ حقیقت کے پیش نظر اگر ہم شعراء کے اشعار کا سلسلہ نسب پیش کرنا چاہیں تو معلوم ہوگا شعراء کے اشعار کا سلسلہ نسب عشق سے ملتا ہے۔

عشق، اشعار کا نسب

عشق ہی شعراء کے شعروں کو وزن، قافیہ، جذب وکشش اور رنگ ورونق دیتا ہے۔ اگر آپ عشق کے نسب کو تلاش کریں گے تو معلوم ہوگا عشق صوفیائے کرام کا فرزند ہے کیونکہ انہوں نے ہی عشق کو جنم دیا ہے۔ صوفیائے کرام کے عشق کو جنم دینے سے پہلے اس کلمہ کا کوئی نام ونشان نہیں ملتا۔ اگر آپ قدیم ترین تحقیقاتی درس گاہوں میں جا کر ورق گردانی کریں تو عشق کا ذکر فلاسفہ حکماء یونان کے ہاں بھی نہیں ملے گا صوفیاء معترف ہیں کہ عشق عقل سے ماوراء چیز ہے، لہٰذا عشق اور عقل دونوں کی آپس میں ایک دوسرے سے نہیں بنتی، کیونکہ عقل عشق سے کہتی ہے تمہارے وجود کی دلیل کیا ہے جبکہ عشق عقل سے کہتا ہے تم چلنے پھرنے میں لنگڑی ہو اور پرواز کے قابل نہیں جس طرح عشق کا وجود عقل فلسفی سے نہیں ملتا اسی طرح وحی میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، لہٰذا صوفیاء، شعراء اور ان کے پیروکار وپرستار جس لفظ کو بہت اہمیت کا حامل گردانتے ہیں، اس کی اہمیت اتنی ہی ہے کہ خالق کائنات نے قرآن کریم میں لفظ "عشق" کا ایک دفعہ بھی ذکر نہیں کیا، بلکہ قرآن اس لفظ کے خلاف نظر آتا ہے، کیونکہ قرآن کریم نے ہمیشہ مطالبہ دلیل کیا ہے، جبکہ مطالبہ دلیل سے صوفیائے کرام کو بہت چڑ ہے، لہٰذا ماننا پڑے گا عشق حقیقت میں مولود صوفیائے کرام ہے، لیکن حقیقت یہاں نہیں رکتی بلکہ ایک اور سوال اٹھتا ہے آخر صوفیاء بھی عام انسانوں کی طرح ہیں، کیا عشق نے ان کے شکم میں پرورش پائی یا انہوں نے اسے جنم دیا اور دوسروں نے ایسا نہیں کیا اس کی کیا منطق ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب تک آپ کچھ حدود وقیود میں رہیں گے، خود کو امر ونہی کے اندر رکھیں گے یا یوں کہیں جب تک آپ احکام وتعلیمات قرآن وسنت کے پابند رہیں گے، اس وقت تک آپ میں عشق نہیں

آسکتا۔ عشق کے معنی یہ ہیں کہ ہر وہ چیز جو انسان کو پسند آئے وہ اس سے لگاؤ کرے، اسے حاصل کر سکے اس تک پہنچے کا راستہ اس کیلئے کھلا ہو یعنی عشق امر ونہی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا، چنانچہ قرآن حکیم نے ہر وہ چیز جو شہوت انگیزی کیلئے مؤثر ہو اس سے منع کیا ہے۔ قرآن کریم نے کہا ہے، شہوت انگیز اور جائے گاہ تزئین و آرائش کو چھپا کر رکھو ورنہ فساد پھیلے گا، جبکہ صوفیائے کرام کا مطمع نظر لب وخال، ابرو، پستان، قد وقامت نازک، سیاہ بال ہے۔ رقص وسرور، رعنائی اور جام جم عاشق کے معشوق ہیں۔ انھیں شامل کئے بغیر عشق گوئی نہیں کر سکتے، جب ان سے پوچھا جاتا ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کی طرف کیوں نظر دوڑاتے ہو اور ایسی جگہوں اور ایسی چیزوں کا کیوں ذکر کرتے ہو جو اشاعت فحشاء ہیں تو کہتے ہیں ہم نے ان سے عشق نہیں کیا بلکہ ہماری مراد وہ خالق ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے گویا ان کے کہنے کے مطابق وہ ان چیزوں، اندازوں اور کاسۂ شراب میں خدا کو دیکھتے ہیں ان کا معشوق حقیقی ان کے اندر چھپا ہوا ہے، یہاں سے معلوم ہوتا ہے دورخی، دوگوئی، دوزبانی شعراء کی شاعری کا سلسلہ نسب ہے۔

شعر میں جعلیات

جیسے ہر علم اور فن کے ماہرین اپنے علم وفن کی قدر وقیمت کی برتری، بہتری کی خبر دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ اس میں موجود جعلیات کی شناخت سے بھی متعارف کرواتے ہیں، جس طرح دینار ودرہم کے اصلی اور نقلی کی شناخت ہے اسی طرح شعر کی شناخت کروانے والے بھی تاریخ میں موجود ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ وہ کسی مصلحت کے تحت حقائق سے چشم پوشی کریں۔ ایسے ماہرین قدیم زمانے سے عصر حاضر تک موجود ہیں۔

شاعر کتنا بڑا نابغہ روزگار کیوں نہ ہو، اس کی طرف ماہرین شعر سازنے بہت سے اشعار کی نسبت دی یا بعض نے نادانی میں ایسا کیا۔ شعر میں جعلیات زیادہ ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگوں نے شعر سے نفرت کی جبکہ زیادہ نے اسے غیر شرعی عمل قرار دیا ہے، شعر کے خلاف یا شعر سے نفرت کرنے والوں میں سے ایک محمد بن اسحاق بن یسار ہیں، جو آل مخرمۃ بن عبدالمطلب بن عبدالمناف سے تھے۔ کتاب المزھر پر جلال الدین سیوطی ص ۷۳ لکھتے ہیں محمد بن اسحاق عالم بہ سیرۃ ومغازی تھے، لوگ ان کی باتیں سنتے آپ شعر گوئی سے معذرت کرتے تھے اور کہتے مجھے شعر کے بارے میں علم نہیں میں صرف نقل کرتا ہوں جو دوسرے کہتے ہیں۔

سیرت کے بارے میں کچھ اشعار لوگوں سے منسوب لکھے ہیں جو لوگوں نے نہیں کہے ہیں۔ یہاں تک کہ عورتوں کی طرف بھی شعر نسبت دی ہے، اس سے بڑھ کر بھی ہے کہ عاد وثمود کی طرف بھی شعر نسبت دی ہے، جبکہ وہ شعر نہیں تھے بلکہ کلام مشجوع تھا۔ ہر کلام کو اس کی حقیقت پر باقی رکھنا چاہیے۔ ان کی کوئی نقل نہیں ہے، وہ ہم سے منقطع ہیں اور ان کا کوئی آثار نہیں ہیں۔ جیسا کہ قرآن کی آیات میں آیا ہے۔

یونس بن حبیب نے کہتا ہے، عربی میں سب سے پہلے تکلم کرنے والا اسماعیل ابن ابراہیم ہیں۔ ابوعمرو بن

العلاء نے کہا ہے حمیر ویمن والوں کی زبان ہماری زبان نہیں ہے نہ ان کی بولی ہماری بولی ہے، ہم ان کو عربی نہیں سمجھتے، چہ جائیکہ ابن عاد وثمود کے شعر نقل کریں، جس طرح محمد بن اسحاق کی طرف شعر نسبت دیتے ہیں۔ جب مسلمان کی تاریخ جنگ و جہاد کی طرف رجوع کرتے ہیں تو ان میں کوئی شعر نظر نہیں آتا، انہوں نے یہ دیکھ کر اپنا شعر ان کے نام سے جعل کیا اور پھر اس مین اضافہ کرتے گئے، اس کے بعد مولدون نے اس میں اضافہ کیا، سب سے پہلے عربی اشعار جمع کرنے والا احماد الروایۃ ہے، اس پر کوئی اعتماد نہیں کہ وہ شعر جعل کرتے اور دوسرے کی طرف نسبت دیتے تھے۔

المـذهر ج ا ص ۱۷۱: نے خلیل سے نقل کیا ہے، علماء نے لوگوں کیلئے ایسے کلام پیش کئے جو عربوں سے نہیں تھے، یہ عمل صرف لوگوں کو پریشان کرنے اور مشتبہ رکھنے کیلئے کیا گیا۔ محمد بن سلام جمی نے طبقات الشعراء کی ابتداء میں لکھا ہے شعر میں جعلیات کا ہونا ایک حقیقت ہے اس میں کسی قسم کی کوئی خیر ہے اور نہ ہی عربی ہونے کی کوئی سند بنتی ہے۔

شعر میں جعل سازی

کسی کی نقل اتارنا اور کسی کی طرف کوئی قول وفعل نسبت دینا ہمیشہ سے انسان کی طبیعت ثانوی رہی ہے جب تک انسان پر عقل وشرح کی مہار نہ لگ جائے وہ غلط گوئی، جھوٹے نسبت دینا، جعل سازی سے باز نہیں آئے گا حقیقت گوئی کے اسباب وعلل سب کیلئے واضح وعیان ہونے کے ساتھ طبیعی ہوتے ہیں جس میں کوئی جھجک نہیں ہوتی ان کے بارے میں سوال واستفسار انسان کو پریشان نہیں کرتا لیکن جعل، تہمت، غلط نسبت کیلئے بھی اسباب وعلل کی ضرورت رکھتا دنیا میں صدق وصداقت کے ساتھ کذب اور جعل بھی ہمیشہ ساتھ ساتھ چلے آئے ہیں ظہور اسلام سے مسلمان معاشرے سے جھوٹ، تہمت، الزام تراشی سب ناپید ہوا کیونکہ اسلام نے ان پر سخت سے سخت پابندی لگائی۔

لہٰذا دس سال جنگ کے دور میں آپ کو کوئی شعر رجز نامی چیز نہیں ملے گی، چنانچہ اس سلسلے میں کسی عرب قبیلے نے خلیفہ دوم عمرؓ بن الخطاب سے اچھے شعراء کے کچھ نمونے بھیجنے کیلئے کہا تو آپ نے قرآن کی کچھ آیات لکھ کر بھیجیں اور لکھا ہمارے نبی کریمؐ نے ہمیں شعر کی بجائے یہ چیز دی ہیں لیکن پیغمبر اسلامؑ کی وفات کے کچھ عرصہ گزرنے کے بعد جب اصحاب برجستہ جو پیغمبر سفر وحضر میں آپ کے ساتھ رہتے تھے موجود نہ رہے تو روایات میں جعل نے رواج پایا اسی طرح زندگی کے دیگر شعبوں میں بھی رفتہ رفتہ جعل سازی نے جگہ بنالی جونہی ضرورت بڑھتی گئی جھوٹوں کی تعداد بھی بڑھتی گئی جب یہ عمل شعر میں جاگزیں ہوا تو دوسری صدی سے شعر وشاعری نے روایت کی جگہ لی۔

علمی تاریخ شواہد آیات غریبہ احادیث نبی کریم اور بعد میں علوم، علم نحو کیلئے شعراء جاہلیت اور محضرمین کے اشعار کو ضروری گردانا گیا یہاں سے شعراء نے جعل سازی کی ابتداء کی جو نزاع کا سبب بنی۔ محدثین مولدین

جیسے جریر، فرزدق کے اشعار سے استشہاد کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اثبات ونفی دونوں رائے پائی جاتی ہیں ابو عمرو بن العلاء عبداللہ بن اسحاق، حسن بصری، عبداللہ بن اسحاق، حسن بصری، عبداللہ بن شبرمہ کا کہنا تھا ان کے اشعار سے استناد نہیں کر سکتے۔ ان کا کہنا ہے صرف دور جاہلیت گزارنے والوں سے استناد کر سکتے ہیں۔

شعر میں جعلیات

کتاب تاریخ ادب اردو ج ۳ ص ۳۴۴ پر ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

"بادشاہ بیگم نے نصیر الدین حیدر کی پہلی مسند نشینی کے موقع پر حکم دیا کہ تمام ساکنانِ سلطنت سیاہ پوشی و عزاداری کی رسم عمل میں لایا کریں اور چہلم تک بیاہ ونکاح اور دیگر لوازم شادی کو ترک کریں بصورت دیگر وہ سزا کے مستحق ہوں گے۔ ریزیڈنٹ نے اس حکم کے نفاذ کی ممانعت کی لیکن بادشاہ بیگم نے کہا میں نے قید کے ایام میں اس امر کی نذر مانی تھی۔ اب میں کس طرح اس کے خلاف عمل میں لاؤں۔ آخر الامر بادشاہ نے قرار دیا کہ میں وفائے نذر کیلئے خود چہلم تک عزاداری کرتا رہوں گا۔"

مزید تفصیلات کیلئے کتاب کی طرف رجوع کریں۔ ارباب فکر ونظر از خود غور کریں عزداری کی جو شکل ہمارے ہاں موجود ہے وہ ایک نواب کی بیگم کی نذر ہے۔

۱۔ اشعار جعلیات کے جمع کرنے والے حماد روایہ ہیں وہ جعل اشعار عرب میں اپنے دور کے نابغہ روزگار ہیں۔

۲۔ مولا امیر المومنین علیؑ کے نام گرامی سے منسوب ایک دیوان ہے جس میں ہر حرف تہجی کے مطابق اشعار جعل کر کے انہیں امیر المومنین علیؑ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ ان اشعار کے مشکوک ومطعون اور جھوٹا ہونے کے باوجود انہیں بڑے اہتمام، قدر وقیمت اور تجدید ومزین انداز سے پیش کیا گیا ہے۔

۳۔ سانحہ کربلا کے بارے میں امام حسینؑ اور آپ کے اہل بیت اطہار سے منسوب خاندان صداقت و طہارت سے نسبت دے کر کتنے اشعار سراہے گئے ہیں۔

۴۔ شاعر مشرق علامہ اقبال کے اشعار پر تحقیق کرنے والوں نے علامہ اقبال سے منسوب ایسے بہت سے اشعار پیش کئے ہیں جو ان کے نہیں یا تو انہیں کسی اور شاعر نے انشاء کیا ہے یا وہ کسی گمنام شاعر کے ہیں معلوم نہیں انہیں کس نے انشاء کیا ہے۔

۵۔ فصل نامہ دانش صادرہ از رائے زنی فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی ایران شمارہ... میں ایسی مثنوی کا ذکر ہے جو کتاب خانے میں موجود ہے اور اس کے انشاء کرنے والے کا نام نہیں ہے۔

۶۔ تاریخ ادب اردو میں دانشور جمیل جالبی نے لکھا ہے، شعر میں جعل سازی ایک معمول کا عمل ہے۔

شعرائے فارسی

شعرائے فارسی سے ہماری مراد وہ شعراء ہیں جو اصل فارسی ادب اور فکر وتمدن کو اپنی قوم کیلئے افتخار سمجھتے ہیں۔ان کا کہنا ہے، دنیا میں اگر کوئی ادب ،فکر اور تمدن ہے تو وہ ایرانی ہے، اگر ایرانی کوئی تمدن حاصل بھی نہ کرسکیں تو بھی حافظ شناسی ،فردوسی شناسی ہمارے لئے باعث افتخار اور اپنی جگہ فضیلت کا حامل ہے، جس طرح اہل یورپ دوسری اقوام کیلئے انگریزی کو باعث فضیلت وافتخار کی تلقین کرتے ہیں گرچہ انہیں یہ اجازت حاصل نہیں وہ ان جیسی ترقی کریں۔ یہ وہ شعراء ہیں جن کے اشعار کو اپنے ملک سے باہر تشہیر کیلئے وہ کثیر بجٹ بھی مختص کرتے ہیں۔ہم یہاں پر ان شعراء کے علاوہ ایک دوسرے گروہ کا بھی ذکر کریں گے جو فارسی ادب کے حوالے سے نہیں بلکہ مرثیہ گوئی کے حوالے سے متعارف ہے جس طرح شعراء عرب نے اپنی شعر گوئی سے اسلام کو نقصان پہنچایا بعینہ اسی طرح ان شعرائے نے قیام امام حسینؑ کے اہداف ومقاصد کو مولانا رومی کی ایجاد کردہ موسیقی کی شکل دے کر نقصان پہنچایا۔

شمس تبریزی

فرہنگ بزرگان ص۵۴۶: محمد بن علی بن ملک داد ملقب بہ شمس تبریزی متولی ۵۸۲ھ متوفی ۶۴۵ھ ہیں، انہیں کبھی شمس الحق اور کبھی شمس الدین سے یاد کیا جاتا ہے، عارف وصوفی تھے، مولانا جلال الدین میں مجذوب ہوئے جلال الدین نے اپنی بہت سی غزلیات کو شمس سے منسوب کیا ہے، ان کی زندگی کے بارے میں معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں، وہ اپنے دور کے بڑے صوفی تھے، انہوں نے رکن الدین عباسی بابا کمال خجندی، ابوبکر سلاباب سے تربیت حاصل کی۔ بغداد میں اوحدالا دین کرمانی فخر الدین عراقی سے ملاقات کی، وہ پیر طریقت ضیاءالدین ابو نجیب سہروردی تھے۔سیر وسیاحت کے شوقین تھے، ان کی موت کے بارے میں اختلاف ہے۔اکثر وبیشر کا کہنا ہے۔انھیں مولانا جلال الدین کے مریدوں نے قتل کیا۔[لغت نامہ دہخدا ۵۸۶۱]

دیوان شمس تبریزی

الذریعہ ج۹ص۵۳۹: حقیقت میں یہ دیوان شمس تبریزی نہیں، بلکہ دیوان جلال الدین معروف بہ مولانا رومی ہے جس کا ذکر الذریعہ ج۶ص۱۹۱ میں بیان ہوا ہے۔جلال الدین نے یہ دیوان اپنے مرشد کے نام کیا ہے یہ قونیہ میں ۶۴۲ھ کو پہنچے تو ۶۴۵ھ کو عوام نے انھیں قتل کردیا۔ دیوان شمس تبریزی کے نام سے ایک دیوان موجود ہے جس میں تمام صفات ذاتیہ اللہ سبحانہ علیم وقدیر خالقیت، رازقیت، ابدیت اپنی طرف نسبت دی ہے بعد میں اسے بعض نے حضرت علیؑ کی طرف نسبت دی ہے۔

مولانا رومی

مجلّہ دانش ش۶ص۴۸: جلال الدین معروف بہ مولانا رومی، ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ شہر بلخ میں پیدا ہوئے، چونکہ

انہوں نے اپنی آخری زندگی ترکیہ کے شہر قونیہ میں گزاری اور وہیں وفات پائی۔اس لحاظ سے وہ رومی کے نام سے مشہور ہوئے وہ ۵ جمادالثانی ۶۷۲ھ میں دنیا سے رخصت ہوئے۔

آثار مولانا رومی

ان کے آثار غزلیات معروف بہ کلیات یا دیوان شمسی کے نام سے موجود ہیں انہوں نے اپنے اشعار کو اپنے تخلص میں پیش کرنے کی بجائے اپنے مرید شمس تبریزی کے نام سے منسوب کیا، کیونکہ شمس تبریزی بھی غزل سرائی کرتے تھے، ان کی دوسری کتاب "مثنوی معنوی" ہے، جب بھی مثنوی کا ذکر آئے تو اس سے مراد مولانا رومی کی رباعیات ہیں۔

مثنوی

فرہنگ بزرگ سخن ج۷ص۲۶۹۰: یہ کلمہ عربی الاصل ہے، مثنوی مثنا سے بنا ہے، مثنوی اس شعر کو کہتے ہیں جس کے دو مصرعوں میں سے ہر ایک کا قافیہ ایک جیسا ہو، لیکن دیگر بیتوں سے متفاوت ہو جیسا کہ اس شعر میں آیا ہے:

به نام خدای که جان آفرید — سخن گفتن اندر زبان آفرید

مثنوی جلال الدین رومی

علامہ محمد تقی جعفریؒ مثنوی پر لکھی گئی تفسیر ونقد وتحلیل کی پہلی جلد کی ابتداء میں کتاب کے متعلق لکھتے ہیں :

"ان کے اشعار کی بنیاد ان کی ہیجان روحی وانقلابی ہے، وہ ایک عالم روحانیت میں غوطہ زن ہوتے ہیں، اور اپنے اشعار میں اپنی انتہا کو پہنچے ہیں، یہ کتاب ایک آثار گرانقدر عرفانی ہے، جس پر نہ عرفان شرق پہنچے ہیں نہ عرفان غرب۔جلال الدین کے اشعار میں نہ ترکِ شریعت، نہ تسلیم طامات صوفیہ اور نہ ہی آپ فقر وعزلت ورہبانیت کے مبلغ ہیں، آپ انسان کامل اسے جانتے ہیں جو جامع صورت و معنی سے آشنا ہو، آپ بیوی اولاد کو اپنے راہ میں حجاب نہیں جانتے۔وہ قیاساتِ تمثیلی، تشبیہات شاعری سے اپنے عقائد کی اثبات وتائید اور قرآنی معانی پر توجہ دیتے ہیں، اس کے باوجود لب ومغزِ شریعت کو عشق سمجھتے ہیں۔وہ ظاہری طور پر مذہب کے خلاف نظر نہیں آتے بلکہ کہتے ہیں مذہب حقیقت میں عالی اور منحصر ترین راہ ملاقات خداوندی ہے۔

جلال الدین ذرہ برابر دین کے بارے میں بے اعتنائی نہیں رکھتے۔البتہ وہ بعض مفاہیم کے بارے میں کچھ تغیرات وتاویلات رکھتے ہیں جو دوسروں کیلئے قابل قبول نہیں۔لیکن یہ اس بات کا سبب نہیں بنتا کہ ہم یہ فرہنگ عالمی پر نمودار اس ثقافت کو جو میراث عام مسلمان ہے، نظر انداز کریں بلکہ یہ ایک بزرگ ترین آثارِ فرہنگ اسلامی ہے۔جلال الدین انتہائی واقع بینی پر اعتقاد رکھتے ہوئے کہتے ہیں تمام شناسائی دنیائے عالم ایک شخص کے امتیاز میں نہیں آئی۔ممکن نہیں جلال الدین جیسی ہستی یہ کہے

جو کچھ میں نے کہا ہے وہ واقع بینی ہے اور اس میں ذرہ برابر خطا نہیں ہے، ہم یہ بھی جانتے ہیں جلال الدین اس دنیا میں تحقیق کرتے ہوئے بہت سے حقائق تک پہنچ چکے ہیں۔ بعض مسائل الٰہیات اور انسان کے مقام ربوبیت سے نزدیک ہونے کی بات کرتے ہیں یہ سب دل ہیجان کی باتیں ہیں۔ جب وہ عمق وتہہ ہستی کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو حقیقت کو بیان کرتے ہیں۔ پھر اس کی توضیح و تفسیر پیش کرتے ہیں۔ ہمیں مثنوی میں جو مطالب علمی وفلسفی نظر آتے ہیں وہ خود آگاہی پر مشتمل ہیں۔ جلال الدین ایک ہستی سے بات کرتے ہیں، لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں جو کچھ کتاب مثنوی میں ہے وہ سو فیصد حقیقت پر مبنی ہے، اس میں ذرہ برابر خلاف واقع نہیں۔ لیکن اس قسم کی باتیں کرنا افراط ہے اس کا ضرر تفریط سے کم نہیں۔"

جلال الدین اور موسیقی

موسیقی کی ایجاد کو جلال الدین رومی کے امتیازات میں سمجھا جاتا ہے، لیکن ان کا یہ عمل اہل دین و دیانت کیلئے کتنی قدر و قیمت کا حامل ہے یہ مسئلہ بحث طلب ہے؟

جلال الدین رومی نے نقادوں سے بچنے کیلئے موسیقی کی تقسیم بندی کی ہے، لہٰذا علمائے اعلام نے ضرورت محسوس کی کلمہ موسیقی کو لغت اور عرف کی رو سے واضح کیا جائے پھر اس کے بارے میں قرآن وسنت کا حکم معلوم کریں۔

- کہتے ہیں، موسیقی عربی نہیں بلکہ یونانی، سریانی اور فرانسیسی ہے۔
- صاحب المنجد نے کہا ہے، موسیقی ایک فن طرب اور غنا ہے۔
- کتاب کشف الظنون میں آیا ہے، موسیقی لفظ یونانی ہے، یہ "موسی" اور "قی" سے مرکب ہے۔

"موسی" کے معنی "نغمات" اور "قی" سے مراد لذت موزوں ہے۔

- عبدالقادر کے نزدیک یہ ابہام ہے۔ یعنی لحن شناسی۔
- کتاب برہان قاطع میں کہا ہے یہ فرانسیسی زبان سے ہے اور فنون جمیلہ میں سے ہے۔

کہتے ہیں، انسان اور حیوانات دونوں پر آواز کے اثرات پڑتے ہیں جو ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، اس ضمن میں حضرت داؤدؑ کی مثال دی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے، ان کی آواز سے پرندے، حیوان وحشی بھی لوگوں کے درمیان گھل مل جاتے تھے۔ اسی کو بنیاد بنا کر بعض نے غناء، رقص، ضرب بہ دف ہر قسم کی رقاصی، سرود کو مباح اور جائز گردانا ہے۔ البتہ بعض نے اس کو خاص مواقع سے مربوط کیا ہے، یہاں اس موضوع کو کھولنے اور اس کی تشریح وتفسیر کرنے کی گنجائش نہیں، چنانچہ یہاں ہم صرف لمحات اور اشارات سے گزر جاتے ہیں، کیونکہ یہ لفظ قرآن وسنت، حتی کہ عربی میں بھی نہیں، یہ فکر وثقافت اسلامی سے اجنبی ہے۔ لہٰذا ہمیں اس مفہوم کو خلاصہ کرنے کے بعد قرآن وسنت کے سامنے رکھنا ہے۔ قرآن وسنت میں یا تو ہمیں اس بارے

میں واضح حکم ملے گا کہ یہ عمل جائز ہے، کراہت ہے، حرام ہے، اگر حکم صریح نہ ملے تو ہم اس حکم کو احکام کلی، مافوق کی طرف لے جائیں گے، جہاں علماء نے مقاصد شرع بیان کئے ہیں، اور دیکھیں کیا یہ مقاصد شرع کے مطابق ہے یا نہیں؟

غناء

غناء وموسیقی شعراء کیلئے روح وجان، روح پرور اور جان آفرین کا مقام وحیثیت رکھتی ہے۔ شعراء اپنے فن میں عروس قافیہ سازی کے کارخانے سے نکلنے کے بعد اس کی طرف رجوع کرتے ہیں اصحاب حلقوم یعنی (گلہ مارنے والے) جو ان الفاظ وکلمات کو ساز وسرور طرب والحان میں پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، یہ افراد بیش بہا کسب مقام اور مال حاصل کرتے ہیں۔ جاہل ونادان، دین ودیانت کی قید وبند سے آزاد، آزادی کے خواہان ومتلاشی ان کی محفل کے خریدار بنتے ہیں، شعر میں جب غناء وموسیقی کو شامل کیا جاتا ہے تو اس کی حیثیت اور بڑھ جاتی ہے۔

اور اگر شعر سے غناء اور موسیقی کو نکال دیا جائے تو یہ گلے سڑے جسم بلا جان کی مانند ہو جاتا ہے۔ کبھی یہ صلاحیتیں ایک ہی شخص میں یکجا ہوتیں ہیں جیسے صوفی شعراء، حافظ ورومی وغیرہ، اسی ضرورت کے تحت بعض نے غناء اور موسیقی کی حرمت میں ترمیم کی ہے۔ آیئے سب سے پہلے غناء کی تعریف کرتے ہیں۔

غناء، جس میں طرب ہو۔ یہ آلات صناعی سے نکالی جاتی ہے، ہر وہ آواز جو یکے بعد دیگرے تسلسل سے نکلتی ہو۔ غناء وہ آواز ہے جو زمانہ جاہلیت میں اونٹ چرانے والے اپنی سواری کو چلانے کیلئے نکالتے تھے۔ دور جاہلیت میں عرب غناء وموسیقی بلاد روم وفارس سے کسب کرتے تھے، لیکن پیغمبر اسلامؐ کے بیس سال کے دور حضر وسفر میں ہمیں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، کیونکہ آپ ہمیشہ اعلائے کلمہ اسلام کی خاطر جدوجہد یعنی جہاد و مبارزہ اور ارادت وبندگی میں مستغرق رہتے تھے، اسی طرح خلفاء راشدینؓ کے دور میں بھی موسیقی کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

غناء وموسیقی کی محافل بنی امیہ کی دور حکومت میں قیس بن ذریح، قیس بن الملوح، جمیل بن معمر جیسے شعراء کی طرف سے غناء وموسیقی کو فروغ دینے سے رواج پائی ہے۔ ابتداء زمانہ میں ان محافل میں شریک ہونے والے افراد اتنے پست نہیں تھے، وہ اسلام ومسلمین سے شرماتے اور اس محفل کو پوشیدہ انجام دیتے تھے خلفاء بنی امیہ ان محافل میں پس پردہ شریک ہوتے فقہاء وعلماء نے اس عمل غناء کو حرام قرار دیا ہے۔ بعض فقہاء نے اس کا سننا اور بولنا اور اس سے کسب مال کرنے کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ [تاریخ ادب عربی حنا الفاخوری ج ا ص ۲۴۰]

فردوسی

- ابی القاسم حسن بن اسحاق بن شرفشاہ الوزانی الطوسی فردوسی۔ ؎
- صاحب موسوعۃ میسرۃ عربیہ صفحہ ۱۲۷۶ پر لکھتے ہیں:

سلطان محمود سبکتگین غزنوی کے دور حکومت میں فردوسی سب سے بڑے شاعر تھے۔ان کے دیوان کو ''شاہنامہ'' کہتے ہیں جس میں ساٹھ ہزار بیت تھے، جو بہت سے خرافاتی قصص پر مشتمل ہیں، کچھ حصہ ساسانی حکومت کے بارے میں ہے، اس میں عربی کلمات استعمال کرنے سے گریز کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے، انھوں نے اپنا منظومہ سلطان محمود غزنوی کے دور میں مکمل کیا اور اس امید کے ساتھ بادشاہ کو پیش کیا کہ انھیں انعام ملے گا، لیکن چونکہ بادشاہ کے نزدیک وہ متہم بہ شیعہ تھے جس کی وجہ سے اس نے انھیں معمولی انعام دینے پر اکتفاء کیا گیا، جس پر وہ ناراض ہوکر وہاں سے سیدھے ایک حمام میں گئے اور وہاں فقاع (جوکی شراب) پی۔اور فرار ہوکر شہر طبرستان کے حاکم کے ہاں پناہ لی انھیں اپنا شاہنامہ پیش کیا اور محمود غزنوی کی ہجو گوئی کی، لیکن طبرستان کے حاکم نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے صبر کی تلقین کی اور ساتھ میں محمود غزنوی سے انہیں معقول جائزہ دلانے کی امید دلائی، چنانچہ سلطان محمود غزنوی نے انہیں جائزہ ارسال کیا، لیکن جس شہر کے دروازے سے ان کیلئے جائزہ داخل ہوا اسی شہر کے دوسرے دروازے سے ان کا جنازہ نکل رہا تھا۔

✿ فردوسی نے یوسف وزلیخا کے نام سے شعر نظم کرکے موافق ابی الحسن علی بن محمد بن اسماعیل اسکافی، بہاء الدولہ دیلمی کے وزیر کو پیش کیا۔

✿ ایران میں اسلامی انقلاب آنے کے بعد فردوسی کے احترام میں تقریبات رکھنا خاص کر کے مسئولین کا اہتمام کرنا، پاکستان میں گاندھی کی تکریم کے حوالے سے تقریبات رکھنے کی مانند ہے جسے کوئی بھی پاکستانی قبول نہیں کرسکتا۔

✿ فردوسی کی حیات پر لکھے گئے تمام مصادر سے آسانی سے یہ نتائج اخذ کیا جاسکتا ہے:

۱۔فردوسی کے اشعار اقتدار وفضیلت کی خاطر نہیں، بلکہ ارباب اقتدار سے وابستگی کا مظہر ہیں۔

۲۔فردوسی کا کوئی خاص مذہب نہیں تھا جس کا واضح ثبوت یہ ہے اگر وہ حکمرانِ شیعہ آل بویہ کے ساتھ رہے تو وہاں متعصب سنی سلطان محمود غزنوی کے پاس بھی رہے۔

۳۔انھوں نے شعر، کسی اعلیٰ وارفع مقصد کیلئے انشاء نہیں کئے، بلکہ طمع ولالچ اور مالِ دنیا کا حصول ان کا ہدف تھا، چنانچہ ان کی یہ خواہش ان کی حیات میں پوری نہ ہوسکی۔

۴۔خود کو محروم رکھنے والوں کے حق میں ہجو گو اور اپنے سلف کیلئے خلف صالح تھے۔

۵۔مسلمان ہونے کے باوجود عربی کلمات سے نفرت رکھتے تھے، عربوں سے اگر بحیثیت نژاد نفرت کرتے تو یہ الگ بات تھی، کیونکہ وہ ان پر حملہ آور ہوئے، لیکن ایک مسلمان کیلئے عربی زبان سے نفرت کوئی معنی نہیں رکھتا، چنانچہ اس نے اپنے اشعار میں اس کا اظہار کیا ہے۔

۶۔وہ حد سے زیادہ ایرانیت پرستی کے قائل تھے چنانچہ بعض اہل فارس قوم پرستوں کو ان پر فخر وناز ہے۔

✿ از روح اسلام ص۱۳۶: ایران کے شاہ نامہ کا مصنف فردوسی عربوں کا ذکر جس حقارت سے کرتا ہے اسے سمجھنے کیلئے چند اشعار کافی ہیں:

زشیرشتر خوردن سوسمار	عرب رابجائی رسیداست کار
که ملک کیاں را کنند آرزو	تفو برتوای چرخ گردان تفو
همه سربسرتن بکشتن دهیم	ازان همه که کشور جلشمن وهیم
دریغ است ایران که ویران شود	کنام پلنگان وشیران شود

''اونٹنیوں کا دودھ پینے اور گرگٹ کھانے والے عربوں کو کس طرح سوجھی کہ ہمارے ملک کیاں کو فتح کرلیں۔اے فلک گرداں تجھ پر تھو کے۔اپنا ملک دشمنوں کے حوالے کردینے سے یہ بہتر تھا کہ ہم اپنے بدن کا ایک ایک عضو کٹوا لیتے۔افسوس کہ ایران ویران ہوگیا اور درندوں کی چراگاہ بن گیا۔''

شاہنامہ فردوسی

مجلّہ دانش ش۳۳ ص۱۱۰: شاہنامہ فردوسی ملت ایران کے شہنشاہان وبزرگان کے کارناموں اور ان پر گزرنے والے تلخ وناگوار حالات کی داستان ہے۔اسے ملت ایران کو خواب غفلت سے بیدار کرنے والی گھنٹی سمجھا جاتا ہے۔اس کا دنیا کی دیگر زبانوں میں بھی ترجمہ ہوا ہے۔برصغیر پاک وہند میں بھی اس کا اردو ترجمہ کیا گیا ہے، اس کی مختلف جگہوں پر سینکڑوں بار طباعت ہوئی ہے۔اس کا تنہا اردو نہیں بلکہ گجراتی وغیرہ میں بھی ترجمہ ہورہا ہے۔اس کا پشتو زبان میں بھی ترجمہ ہوا ہے لیکن انسانِ متلاشی حق کے ذہن میں یہ سوال ضرور آتا ہے کہ فردوسی جو کہ خالص ایرانی قوم پرست، شاہان ایران کا ثناء خواں اور ایرانیوں کی بیداری کا خواہاں تھا تو لامحالہ اس کی افادیت کی حدود ایران تک محدود رہنی چاہیے تھی لیکن کیونکر دیگر زبانوں میں اس کا ترجمہ ہورہا ہے۔اگر یہ دیگر زبانوں میں تراجم ہوجائے تو کیا اس سے وہاں کے لوگوں میں بھی شاہان جیسی سوچ پیدا ہوگی اور انہیں بھی ان کے مال وذخائر اور معدنیات ملیں گی یا ایسا نہیں بلکہ یہ ایک افیون ہے جو بعض قوتوں کی خواہش وایماء پر دنیا کی تمام اقوام کو پلائی جارہی ہے تاکہ سب میں قوم پرستی غالب ہو اور یوں قوم پرستوں کے اتحاد سے اسلام کا مقابلہ کیا جائے۔

✿ حماسہ سرائی کے حوالے سے تاریخ ایران کے برجستہ ترین شعراء میں ان کا شمار ہوتا ہے، ایران کے شہر ''بازطوس'' کے کسی قریہ میں پیدا ہوئے، انھوں حسب تاریخ شاہنامہ لکھی، ۴۰۰ ہجری کو ان کی عمر ۷۱ سال بتائی گئی ہے، پیدائش ۳۲۹ اور وفات ۴۱۶ بتائی گئی ہے، وہ کس دین ومذہب پر تھے یہ واضح نہیں ہے۔

✿ مجلّہ دانش ش ۲۸-۲۷: فردوسی بزرگ ترین حماسہ سرائے ایران ہیں اور ان کی شاہنامہ شاہکار ہائے ادب دنیا ہے موضوع شاہنامہ تاریخ قدیم ایران ہے۔ایران کا ابتدائی عہد کیومرث سے شروع ہوتا ہے اور حکومت ساسانی کے خاتمے پر اپنے اختتام کو پہنچتا ہے۔فردوسی نے اپنے اس شاہنامے میں

پسندیدہ واقعات اور تاریخ کا ذکر کیا ہے جس میں اس نے ایران قدیم کے سیاسی، اجتماعی اور ثقافتی پہلو پر توجہ دی ہے یہ شاہنامہ صرف تاریخ ایران نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ہے لہٰذا موضوع شاہنامہ بنیادی طور پر ایران اور ایرانیوں سے وابستہ ہے یہ شاہنامہ منظومہ حماسہ معروف میں سے ہے اور دقائع عہد کیومرث سے یزدگرد ساسانی تک محیط ہے۔ فردوسی نے اس میں اس طویل عرصے میں تاریخ ایران میں گزرنے والی بہت سے شخصیات کا ذکر کیا ہے یہ تاریخ بادشاہان، شہزادوں، پہلوانوں اور مرد وزنان کے واقعات سے پر ہے جس میں سے بعض تو افسانوی ہیں جبکہ بعض حقیقت میں تاریخ میں ہوگزرے ہیں، لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ سب رستم کے درجے کے حامل تھے، رستم قہرمان بے ہمتا شاہنامہ ہے وہ جب ذکر رستم سے نکل جاتا ہے تو اپنا تمام جذب وجوش اور روح وحیات کھو بیٹھتا ہے اس میں بازار دشیر شاپور، بہرام کور، بہراچوبینہ، رستم اور فرخزاد کی زیادہ اہمیت ہے۔

مجلّہ دانش ش ۳۲: شاہنامہ کو دی جانے والی اہمیت کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس میں فردوسی نے لکھتے وقت لوگوں کے نظریہ ونظر کا خیال رکھا ہے گزشتہ زمانے میں ایرانی جن چیزوں کو بہت اہمیت دیتے مثلاً سیاسی واجتماعی اور جنگی حالات جیسے جنگ قادسیہ اور نہاوند جن میں عرب مسلمانوں کی پے در پے فتوحات اور ان کے غرور کا شکست خوردہ ہونا ایرانیوں کے ساتھ حقارت بینی وغیرہ کا۔ اس نے ذکر کیا ہے خلفاء اموی کے دور میں عرب ایران نژاد لوگوں کے ساتھ آقا وغلام جیسا سلوک رکھتے تھے۔ اس شاہنامہ میں فردوسی نے ذکر کیا ہے کہ عرب خود کو اہل فارس کا محسن گردانتے ہوئے کہتے انہوں نے انہیں کفر وگمراہی سے نجات دلائی ہے۔ ان کے ساتھ عرب ایک صف میں نہیں بیٹھتے جب کوئی موالی ہوتا تو اس موالی کو ایک پاؤں پر کھڑا رہنا پڑتا تھا۔ جنگوں میں موالیوں کو پیادہ فوج کے طور پر شریک کرتے تھے لیکن انہیں جنگی غنائم کا حق دار نہیں سمجھتے یہ بات ایرانیوں کے مزاج اور حس عالی پر بہت گراں گزرتی تھی ایرانی وطن دوستی اور سابقہ درخشان تاریخ کے حوالے سے خود کو دوسروں سے بہتر سمجھتے تھے اور عربوں کی یہ تحقیر واہانت اپنے لئے ناگوار تصور کرتے لہٰذا ان کی طبیعت اور طرز تفکر کے تحت فردوسی نے ایک ایسے راستے کو اپنایا اور ایسی چیزوں کو شاہنامہ میں لایا جس سے جہاں تک ممکن ہوسکے ایرانیوں کے غرور ملی اور شرافت اجتماعی کو حفظ کیا جاسکے بلکہ اسے پرورش اور نمو مل سکے اسی پرورش نے ایرانیوں کو دوبارہ عربوں کے خلاف قیام کرنے کا جذبہ دیا۔ چنانچہ ڈاکٹر ذبیح اللہ سفال کہتے ہیں اس جنگ کے بعد ایرانیوں کے پاس عربوں سے مقابلے کے تین راستے تھے۔

۱۔ وہ سیاسی طور پر قیام کرتے جیسا کہ یہ قیام ابومسلم خراسانی سے شروع ہوا اور دوبارہ ایرانی حکومت کے قیام پر ختم ہوا۔

۲۔ حکومت اسلامی جس نے عربوں کو ان پر غلبہ دیا ہے اس کے ساتھ مقابلہ ومزاحمت کریں، چنانچہ اس سوچ سے انہیں خلفاء کے ساتھ مزاحمت کا سامنا ہوا۔

۳۔ اجتماعی اور ثقافتی طور پر قیام کریں۔ یہ قیام ملت پرستی، ملی گرائی، قوم پرستی، غرور پسندی پر مبنی ہے۔ اس طرح انہوں نے ایرانیوں کو خود پسندی دیگر قوموں کی تذلیل وتحقیر اور قبائل وعشائر کا نعرہ بلند کیا۔

ایرانیوں نے اپنے اوپر ہجوم لانے والوں سے مقابلہ ومزاحمت کی اور اپنی حیثیت کو حفظ کیا انہوں نے ایرانی قوم کو اپنے گزشتگان پر فخر کی طرف متوجہ کیا اور ان کے ذہن میں گزشتگان کی بزرگواری کو مجسم کیا اس طرح انہوں نے قدیم ایران کو دکھانے کیلئے اپنے درمیان احیائے نہضت عظیم ایران اور تاریخ ملی کو خاص طور پر پروان چڑھایا، چنانچہ فردوسی کے شاہنامہ کے ساتھ ان میں استقلال آزادی دوبارہ شگوفہ ہوئی۔

فردوسی اور قوم پرستی

مجلّہ دانش ش ۳۳ ص ۸۰: جونہی شاہنامہ فردوسی کا ذکر ہوتا ہے تو فوراً ذہن ایران کی اس داستان رزمی کی طرف متوجہ ہوتا ہے جس میں جنگ اور دلاوری اور پہلوانی کا ذکر ہے فردوسی کا ہدف لوگوں کے اندر مردہ شعور اور وطن پرستی کے جذبے کو زندہ کرنا تھا۔ شاہنامہ فردوسی کو ملت ایران کے اندر حماسہ سازی، وطن پرستی، ملت گرائی اور ملت بینی کے معلم ورشد کے طور پر مانا جاتا ہے۔ جس کی مثال ایران میں ان سے پہلے اور ان کے بعد اب تک نہیں ملتی۔ اس میدان میں ابھی تک ہمیں ان جیسی کوئی ہستی نہیں ملتی لہٰذا ان کا ایرانی وطن پرستوں پر نہایت حق ہے، چنانچہ وہ انہیں جس قدر عزت واحترام سے زندہ رکھیں، اپنی جگہ کم ہے۔ وطن پرستی اور ملت گرائی آج کی اصطلاح کے مطابق ایک مہلک یا جراثیم ہے جس سے کوئی بھی قوم وملت محفوظ نہیں۔ صرف ایک ذات بابرکت نبی کریم تھی جنہوں نے اپنی حیات طیبہ کے دوران اس جراثیم کو مسلمانوں کے اندر نمو اور رشد پانے نہیں دیا۔ آپؐ نے اسے اوس وخزرج، مضر وکنعانہ اور دیگر قبائل کے اندر اسے صرف مردہ رکھنے پر اکتفاء نہ کیا بلکہ یہاں تک فرمایا کسی سفید کو سیاہ پر اور کسی عرب کو عجم پر کوئی برتری نہیں اور تعصب آثار جاہلیت ہے جسے ہم نے اپنے پاؤں کے نیچے روند ڈالا ہے اب یہ دوبارہ زندہ نہیں ہوگا لیکن افسوس نبی کریمؐ سے فاصلہ ہونے اور کچھ عرصے گزرنے کے بعد یہ جراثیم دوبارہ متحرک ہوگئے۔ وطن پرستی ووطن دوستی دنیا کی ہر قوم وملت میں موجود ہے لہٰذا بہت سے مسلمان یہ کہنے میں شرم وعار محسوس نہیں کرتے کہ ہم پہلے اس قوم سے تعلق رکھتے ہیں پھر مسلمان ہیں۔ وطن پرستی اور دوسروں پر برتری کا احساس اقوام وملل میں درجات متفاوت کا حامل ہے یہ اہل یورپ کے بعد متمدن ومتمول اور اہل دولت وثروت اقوام میں زیادہ پایا جاتا ہے اسی طرح متمدن ذخائر زمینی کے حوالے سے دیگر مسلمانوں کی بہ نسبت ایرانیوں میں کچھ زیادہ ہے۔ گرچہ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن اس سوچ وفکر کا ان ہستیوں کے دماغ میں جگہ بنالینا قابل افسوس ہے جو خود کو نائب امام ورسولؐ کہتے ہیں اگر یہ لوگ بھی قوم پرستی کی بنیاد پر اپنے سلوک ورویے کو تقسیم کریں تو یہ انتہائی تعجب آور عمل ہے۔

حافظ شیرازی

خواجہ شمس الدین محمد بن بہاؤالدین معروف بہ حافظ شیرازی ۷۲۶ھ شیراز کے ایک صاحب ثروت و دولت مند گھرانے میں پیدا ہوئے، آپ سب سے چھوٹے فرزند تھے، انہوں نے اپنی ماں کے ساتھ زندگی گزاری۔ شیرازی نے مظفرالدین شاہ کی مدح میں شعر گوئی کی، لیکن اس سے انھیں کوئی خاص پذیرائی حاصل نہ ہوسکی، آخر عمر میں جب شاہ منصور مظفری نے شیراز پر لشکر کشی کی تو شیرازی نے ان کی شان میں اشعار پڑھے یہاں سے انھیں شاہ منصور کے دربار میں مقام ومنزلت ملا۔

مشاہیر مشرق ص ۱۸۳: حافظ شیرازی کا نام محمد، لقب شمس الدین اور تخلص حافظ والد کا نام کمال الدین تھا۔ ان کا خاندان اصفہان سے تعلق رکھتا تھا اور ان کے دادا شیراز میں سکونت پذیر تھے، شیراز ہی میں ۷۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کی زندگی میں شیراز کے سات بادشاہوں میں یکے بعد دیگر جنگ وجدال ہوئی۔

حافظ، سلاطین کے درباروں میں جاتے تھے، آپ حافظ قرآن بھی تھے، ان کے مجموعہ آثار کو "دیوان حافظ" کہتے ہیں، حافظ اس کو لسان الغیب بھی کہتے تھے۔ لوگ ان کے دیوان سے فال نکالتے ہیں۔ ۷۹۲ھ میں انتقال اور شیراز میں دفن ہوئے، ان کا مقبرہ انتہائی شاندار عمارت کی صورت میں بنایا گیا، لوگ وہاں جمع ہوتے ہیں، رنگین مزاج زند شرب، خواجہ حافظ کے نام کی چند بوندیں جام ارغوانی سے خاک مصلیٰ پر گرادیتے ہیں اور پھر مست ہوکر ان کے ترانے گاتے ہیں۔

فرہنگ بزرگان ص ۵۸۰: حافظ نے اپنے عہد کے بعض امراء جیسے ابواسحاق انجو متوفی ۷۵۸ھ، شاہ شجاع متوفی ۷۸۶ھ اور شاہ منصور متوفی ۷۹۵ھ کی مدح وستائش میں اشعار کہے ہیں۔ مولوی، سعدی وغیرہ کی غزلوں کا جواب دیتے تھے۔ صاحب الذریعہ نے لکھا ہے، ان کے دیوان کو قرآن فارسی بھی کہتے ہیں اس لئے کہ اس کے اکثر مضامین قرآن کے مطابق ہیں جیسا کہ مجالس النفائس ص ۳۵۵ پر ذکر ہوا ہے۔ ۸

حافظ بھی ان معروف ونامور شعراء میں سے ہیں جن کے بڑے بڑے عیوب ونقائص ان پر چڑھائی جانے والی مزین ومرصع چادروں میں چھپ گئے ہیں انہوں نے کس درسگاہ میں، کتنے سال علماء یا کسی عالم کے سامنے تلمذ کیا؟ یا کسی کتاب خانے میں وقت گزارا ہو؟ اس کا ذکر نہیں ملتا ان کے علوم وفنون کے حامل ہونے کا دعویٰ سب ان کے اشعار کے ترشحات سے ماخوذ ہے۔ ہم چنداں شعر کے خلاف ہیں نہ شعراء کے لیکن جو کرسی شعراء کو بٹھانے کیلئے بنائی جاتی ہے اس کے خلاف ہیں۔ ان کے دیوان سے فال لینا کسی فرد وگروہ یا جاہلوں کا وطیرہ ہوتا تو چھوڑیں، اگر علماء بھی اس کی تردید کی بجائے تائید کریں تو یہ باعث حیرت ہے۔ علاوہ ازیں حافظ کے دیوان کو قرآن فارسی کہنا درحقیقت اس خطے کے مسلمانوں کیلئے چیلنج ہے، کیونکہ اگر محمد مصطفیٰ موجود ہوتے تو حافظ کہہ دیتے، ہم عربی میں قرآن پیش نہ کرسکے، لیکن فارسی میں کرسکتے ہیں۔ علماء اور دانشور حضرات اپنے مدعا کیلئے قرآن سے استناد کرنے کی بجائے حافظ کے اشعار سے استناد کرتے

ہیں، کاش وہ دن آجائے جب ہر دانشمند مسلمان اپنے مدعا کی سند میں قرآن اور قول رسولؐ سے استناد کرے۔ ان مصادر دینی سے استناد نہ کرنے کی وجہ سے ہر علاقے کے دانشور اپنے علاقے کے شعراء سے استناد کرتے ہیں اسی بنا پر قرآن انزوا (کونے) میں ہے اور شعر میدان میں۔

حافظ نے اس وقت کے حکمرانوں کے حق اور ان کی مدح وستائش میں اشعار انشاء کئے ہیں، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے عرفان اور اقتدار پرستی دونوں کیسے جمع ہوئے؟ عارف بیک وقت حاکم کو بھی خوش کرے اور منطقی کو بھی۔ ایسے عرفان کو اپنانا سب کی خواہش ہے، لیکن یہ سب کے نصیب میں نہیں، کاش یہ سب کو نصیب ہوتی؟!

مولانا رومی، فردوسی، حافظ اور علامہ کے اشعار میں پیام انسانیت اور دوستی

مجلّہ دانش ش ۶۱: حافظ کے اشعار متعدد زاویوں کے حامل ہیں علماء اور دانشمندان نے حافظ کو شاعر محبت صوفی، رند قلندر اور شاعر طنز وانتقا قرار دیا ہے۔ ان کے پیغام میں انسانیت پائی جاتی ہے۔ حافظ جو کہ صوفی وعارف ہیں، دعویٰ کشف حقائق رکھتے ہیں لیکن آپ بھی دیگر شعراء کی مانند اپنے اشعار کو اوہام اور خیال کی سواریوں پر سوار کرتے ہیں، چنانچہ ان کا ایک شعر ہے:

بار امانت به دل و جان خریدم   آسمان -----دیوان ذده

یہ شعر انھوں نے اس روایت سے مستند کرکے کہا ہے جس کے تحت خلقت انسان سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تمام ذریہ کو آدمؑ کی پشت سے نکال کر ان سے خطاب کیا اور ان سے اپنی ربوبیت اور ان کی عبودیت کا اقرار کرایا اور اس کی طرف آیہ عرض امانت سے وصل کیا ہے۔

رومی اور حافظ کے اشعار میں بشر کیلئے پیغام دوستی، صلح وآشتی پائی جاتی ہے جو کسی اور کے کلام میں نہیں، لہٰذا ان کے پیغام کو پھیلانے کی ضرورت ہے، تاکہ ایک انسان دوسرے انسان سے صلح وآشتی اور دوستی کی زندگی گزارے۔ اس دعویٰ کے بارے میں مختلف سوالات جواب طلب ہیں:

۱۔ تمام انسانوں سے دوستی کرنے کا کیا مفہوم ومعنی ہے؟
۲۔ کیا تمام انسانوں سے دوستی ممکن ہے کہ انسان مجرمین ومفسدین اور دشمنان سے بھی دوستی کریں۔
۳۔ تمام انسانوں سے دوستی کرنے کا حکم کون دیتا ہے؟
۴۔ کیا تمام انسانوں سے دوستی کرنا ایک مستحسن عمل ہے؟
۵۔ کیا انسان اپنے دشمن سے دوستی کرسکتا ہے؟
۶۔ کیا دنیا میں ایسی کوئی قوم وملت ایسا پائی جاتی ہے جو تمام انسانوں سے دوستی کرتی ہو؟
۷۔ کیا دنیائے یہود غیر یہودیوں سے دوستی کرتے ہیں یا انہیں انسان شمار کرتے ہیں کیا انھوں نے عربوں کا قتل عام دوستی میں کیا ہے؟

۸۔کیادنیائے مسیحیت تمام انسانوں سے دوستی کرتی ہے،جبکہ ختم نہ ہونے والی صلیبی جنگ اس کی ایک مثال ہے؟

۹۔کیاجنگِ عالمی اول اور دوم میں انسان دوستی کی مثالیں ہیں۔

۱۰۔رومی اور حافظ کے اشعار وحیات تمام انسانوں کیلئے ہیں اس فکر کو کون فروغ دے رہا ہے۔

۱۱۔کیاحضرت موسیٰ وعیسیٰ ☆اور حضرت محمد ﷺ خاص خاص قوموں کیلئے تھے یا یہ ذوات بھی سب کیلئے پیغام لائے تھے۔

۱۲۔کیاعقل ایسا حکم دیتی ہے کہ تمام انسانوں سے دوستی کریں گرچہ وہ انسان کے دشمن ہی کیوں نہ ہوں۔

۱۳۔کیاشریعت ایسا حکم دیتی ہے؟

اس دعویٰ میں نہ رومی اور حافظ کی تکریم وتعظیم ہے نہ انسان دوستی کی ان کے دلوں میں جلن ہے نہ مسلمان مفکرین قدردان ہے، بلکہ یہ ایک وسیلہ اور بہانہ ہے قرآن ومحمدؐ کے دائرے سے خارج کرنے کا۔

شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی

شعرائے فارسی میں سے ایک شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی ہیں جو ۵۸۹ سے ۶۹۱ھ کے دوران میں فارسی زبان وادب کے ان مشاہیر میں سے ایک ہیں جن کے افکار ونظریات دیگر اقوام وملل میں منتقل ہوئے ہیں انہیں دنیا کے ہر علم ونظر سے تحسین ملی ہے۔

شمس الدین حافظ شیرازی،فردوسی،شاعر مشرق علامہ اقبال امت مسلمہ میں بڑے نام ومقام کے حامل شعراء ہیں۔اس میں جائے شک وتردید نہیں،لیکن ایک بات جوانسان مسلمان کے قلب کو دھڑکن دیتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی منظومات پر لکھی گئی شروح اور ان کے نام سے قائم اجتماعات وسیمناروں میں یہ پیغام مشترک سنایا جاتا ہے :

"ان شعراء کے پیغامات پر عمل کر کے مسلمان راہِ نجات حاصل کر سکتے ہیں اور انہیں کے پیغامات پر مسلمان متحد ہو سکتے ہیں۔"

یہ جملہ بعینہ وہی جملہ ہے جو سیکولر افراد کبھی کبھی عالم غش یا خواب وبیداری میں کہتے ہیں:

"دین اسلام پرانا ہو گیا ہے،اس میں امت کو راہِ نجات تک پہنچانے کی صلاحیت نہیں رہی۔"

یہ دین محمدؐ کو پیچھے چھوڑنے کیلئے اس کو ناتواں ثابت کرتے ہیں،دوسرے مرحلے میں اس اجتہاد کو اس مشکل کا حل گردانتے ہیں،تیسرے مرحلے پر انہی کے نقش قدم پر چلنے اور ان کے پیغامات پر غور کرنا دکھاتے ہیں۔ پانچویں مرحلے پر سیکولر یا لادینیت میں اتحاد دکھاتے ہیں اور چھٹے مرحلے پر ان منظومات میں امن کا پیغام ہونے کی بات کرتے ہیں گویا یہ تمام خوبیاں جلال الدین رومی،حافظ شیرازی،فردوسی،علامہ کے پیغامات میں بطور وضوح موجود ہیں۔نعوذ باللہ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ یہ چیزیں محمدؐ اور قرآن میں میسر نہیں۔

یہ سب کچھ سننے کے بعد مسلمان کو اپنا ہاتھ دل پر رکھ کر اپنی دھڑکن کو روکنا پڑے گا،لیکن ہاتھ دل پر رکھنے سے اس دھڑکن میں کمی نہیں آئے گی، بلکہ اس میں مزید اضافہ ہوگا، کیونکہ انسان جب سوچنے کیلئے تیار ہوتا ہے تو سوالات کے باب کھل جاتے ہیں۔یہاں سوال پیدا ہوتا ہے

- آخر محمدؐ اور اس کی کتاب کے ہوتے ہوئے کسی اور کی تأسی کی ضرورت کیوں پڑی؟
- کیا یہ شعراء اپنی جگہ افتخار نہیں کرتے کہ ہم مسلمان ہیں؟
- کیا ان کے ماننے والے یہ نہیں کہتے کہ یہ منظومات قرآن وسنت سے لی ہیں؟
- اگر قرآن وسنت سے لی ہیں تو اصل کو چھوڑ کر فرع کو اپنانے کی کیا منطق ہے؟
- کیا ممکن ہے ہم یہ کہیں شعر میں زیادہ اثر پذیری ہے۔ہاں!اثر پذیری اس وقت ممکن ہے، جب معنی سمجھ میں آئیں جبکہ شعراء اور ان کے حامیوں کا کہنا ہے، ہمارے شعر عام انسانوں کی سمجھ میں نہیں آئیں گے جب کہ محمدؐ کی کتاب اور اس کے نازل کرنے والے کا کہنا ہے ہماری کتاب سب لوگوں کے سمجھنے کیلئے آسان اور واضح وروشن ہے،لیکن اگر کتاب واضح وروشن کسی پر اثر نہ کرے تو اس پر کسی کی شاعری اور معما،اضغاث کیسے اثر پذیری دکھائیں گے؟

برصغیر پاک وہند کے شعراء

قدیم زمانے سے اہل بیان وقلم برصغیر کودوحصوں میں تقسیم کرتے آئے ہیں۔یعنی بلاد ہنداور بلادسندھ بلادِسندھ ۱۹۴۸ء کے بعد پاکستان کے ایک صوبہ کے نام سے معروف ہو،سندھ ۲۳ھ میں دور خلیفہ دوم سے اسلام سے آشناہوا۔دور اموی میں ۹۲ھ کومحمد ابن قاسم ثقفی نے عبدالملک بن مروان کے دور میں اسے فتح کیا۔شعراء نے اس دور سے لے کرآخر دور ۴۱۶ھ تک اپنے اشعار میں سندھ کویاد کیاہے۔

برصغیر پاک وہند میں شعروشاعری کے بارے میں گفتگوکرنے سے پہلے اردوزبان کے عناصر ترکیبی بیان کرناضروری ہیں:

۱۔اردوزبان: کلمہ اردو کی اصل ترکی ہے،جس کے معنی لشکر کے ہیں،سب سے پہلے یہ کلمہ شاہجہان کے زمانے میں ۱۰۳۷ھ میں استعمال ہوا۔کلمہ اردو سے پہلے اس زبان کیلئے مندرجہ ذیل کلمات استعمال ہوئے ہیں:

- **ہندی:** یہ کلمہ امیر خسرو دہلوی نے ۶۵۱ھ میں استعمال کیا۔
- **دکنی:** یعنی لغت اہل حیدرآبادیہ کول کندہ کی زبان ہے۔
- **ریختہ:** یعنی مزجی زبان یہ بارہویں صدی تک استعمال ہوئی۔
- **ہندوستانی:** یہ بھی بارہویں صدی تک استعمال ہوئی۔

۲۔سنسکرت: اسلام آنے سے پہلے یہاں مقامی زبان سنسکرت تھی۔

۳۔عربی زبان: مجاہدین اسلام کسی خطہ یا علاقہ میں دعوت اسلام لے کرآئے تو علاقے والوں نے اسلام کے ساتھ مسلمانوں کی زبان کوبھی خوشی اورفراخدلی سے قبول کیا۔

۴۔ترک زبان: خلافت عباسی کے زوال وفنا کے بعد دوبارہ اسلامی پرچم ترکوں کے ذریعے لہرایا گیااور یہ خلافت عثمانی کے نام سے معروف ہوا۔اس وجہ سے مسلمان مجاہدین کی زبان میں ترک زبان بھی شامل ہوئی۔

۵۔فارسی زبان: برصغیر پاک وہند پانچویں صدی میں ترکستان،افغانستان کے سیاسی اورعسکری تسلط میں تھے تاہم علمی،ادبی،ثقافتی،فکری،زبان کے حوالے سے اہل فارسی کا بھی کردارنمایاں طور پرنظر آتا ہے،چنانچہ فارسی یہاں کے نثروشعر میں بھی نمایاں ہے،یہ تسلط نظامِ درسی اورعلماء کی تصنیفات اوراہل تصوف کے توسط سے آیاہے،خاص کر جب ہمایوں ایران گیا اورایرانی حکمران سے اپنے اقتدار کی واپسی کیلئے مدد مانگی۔[دائرۃ المعارف الاسلامیہ الشیعہ ج۴ص۳۴۳]

اردو

- آج بھی یہ زبان پاکستان،ہندوستان اورکشمیر میں استعمال ہوتی ہے بلکہ اسے اس پورے خطے کے مسلمانوں کی زبان سمجھا جاتا ہے۔

سلطان محمود غزنوی ۴۱۶ھ میں ایک بڑے لشکر کے ہمراہ یہاں حملہ آور ہوئے انہوں نے سندھ اور پنجاب پر قبضہ کیااور یہاں کے والی قادر باللہ عباسی کومعزول کیا۔۳۵۱ سے ۵۸۲ھ تک یہاں غزنویوں کی حکومت قائم رہی ان کے مراکز لاہور،منصورہ،ملتان،دیبل،دہلی اورقنوج وغیرہ تھے۔محمود غزنوی ترکی تھے جوخراسان سے غزنی،کابل،پشاور،ملتان لاہوراور دہلی کی طرف گئے ان کازیادہ تر لشکر ترک تھا،مقامی لوگوں سے مخلوط ہونے کے ایک سوسال گزرے کے بعد یہاں کلمات فارسی،ترکی،کابلی،ملتانی،سندھی اورعربی سے ممزوج ہونے کے بعد ایک زبان وجود میں آئی جسے اردو کہا جاتا ہے۔۵۸۳ھ میں معزالدین محمد غوری اوران کے بعد ان کے غلام قطب الدین نے یہاں حکومت قائم کی۔۶۰۲ سے ۶۸۶ تک قائم رہی۔۶۸۹ سے تغلقیون کی حکومت قائم ہوئی جو۷۲۰ تک قائم رہی اس دوران سرکاری زبان فارسی تھی۔لوگ فارسی کواہمیت سے پڑھتے تھے،کیونکہ یہ حکومت سے رابطےاورحصول روزگار کی زبان تھی۔۸۱۷ سے لودھیوں اورافغانوں کی حکومتیں قائم ہوئیں جو۹۶۲ تک رہیں۔ان کے بعد تیمورلنگ کے نواسے اوران کے بعدان کے بیٹے ہمایوں کی حکومت قائم ہوئی۔

- اردوزبان میں سب سے پہلے شعرگوئی محمد قطب شاہ نے کی۔وہ ایک بڑے شاعر تھےان کے دو دیوان ہیں جن میں سے ایک اردو میں ہےاورایک فارسی میں ہندوستان میں شیعوں کی تین حکومتیں قائم ہوئیں۔

ہمایوں شاہ

لغت نامہ علی اکبر دہخدا ج۱۴ص۲۰۸۰۲: یہ مغل تیموری ہند سے ہیں،ان کے والدظہیرالدین گورگانی چھٹی پشت سے تیموری تھے۔یہ شاہ طہماسب صفوی کے دور میں تھے۔خوداہل شعروادب تھے۔انہوں نے یہ شعر طہماسب کولکھا:

دشمنم شیراست وعمری پشت برمن کردہ است	حالیاازروی خصمی روی برمن کردہ است
خسرواعمری است تاعنقای عالی ھمتم	قلۂ قاف قناعت رانشیمن کردہ است
درام اکنون التماس ازشہ کہ تابامن کند	آنچہ باسلمان علی دردشت ارژن کردہ است

مجلّہ دانش شمارہ۵۲ص۸۰: ہمایوں کادور ۹۳۷ سے ۹۶۳ تک ہے یہ ہندوستان کی مغل سلطنت کے دوسرے بادشاہ تھے۔شاہ طہماسب کی پشت پناہی میں حکومت کرتے جو۹۳۰ سے ۹۸۴ کے دوران ہندوستانی حکومت پر اثر رکھتے تھے۔اس دور میں بہت سے ایرانی یہاں آئے تھے،مغلوں کی حکومت ۹۳۰ سے ۱۲۷۵ تک قائم رہی

یہ حکومت ظہیر الدین بابر سے شروع ہوئی۔انھوں نے حکومت کو دو گروہوں تورانی اور ایرانی میں تقسیم کیا تو رانی سنی مسلک جبکہ ایرانی شیعہ مسلک پر تھے۔ان دونوں گروہوں میں سے ہر ایک کی سعی وکوشش ہوتی کہ وہ بادشاہ سے قریب رہیں اور اسے اپنے زیر اثر رکھیں ۔بادشاہ بھی زیادہ تر اسی بات کو ترجیح دیتے تھے کہ دونوں گروہوں کی قدرت کو توازن وتعادل میں رکھیں اور دونوں ایک دوسرے سے رقابت میں رہیں ۔

اسی وجہ سے یہاں اردو اور فارسی دونوں متزلزل رہیں۔لہٰذا جس طرح ایرانیوں کو تورانی قبول نہ تھے اسی طرح انہیں فارسی زبان بھی قبول نہ تھی۔ یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا یہاں تک کہ بارہویں صدی میں دوقہرمان خان آزاد اور شیخ علی حزین وجود میں آئے۔ یہ شیعہ تھے ان کی حکومت ہندوستان میں خوب پھیلی ان کے بعد ان کے بیٹے اکبر کو حکومت ملی جس نے وسیع پیمانے پر وسعت اختیار کی اسے ہندوستان کی امپراتوری حکومت تصور کیا جاتا ہے۔

فتح اللہ شیرازی،علی گیلانی، اکبر بادشاہ کے دور میں یہاں آئے تو یہاں کلی طور پر نظام تعلیم میں اہل فارس کے تسلط میں آیا اور فضل، کرم،نبوغت سب انہیں کی کسوٹی پر چلنے لگی،اسی طرح ہندوستان بھی انہیں کا ثقافتی بازار بن گیا۔اس سلسلے میں تاریخ ادب اردو ج ۲ص ۲۰ پر اردو شاعری کی رواج، کشمکش کے بارے میں ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

"شمال میں فارسی زبان وادب رائج تھی۔ فارسی سلطنت کی دفتری ،سرکاری،اور شائستگی تہذیب، تعلیم یافتہ ہونے کی علامت قرار تھی۔ دربارِ سرکار تک رسائی کیلئے فارسی دانی ویسے ہی ضروری تھی جیسے عہد انگریزی میں انگریزی دانی ضروری ہوئی۔ فارسی زبان سے معاشرے کا معاشی مسئلہ وابستہ تھا۔اس لئے اس وقت تک یہ زبان رائج رہی۔ جب تک مغلیہ سلطنت اپنی مرکزیت کے ساتھ قائم رہی۔"

برصغیر میں جب اقتدار سلاطین اہل فارس صفوی اور قاچاری کو ملا تو انہوں نے فارسی زبان کو یہاں مسلط کرنے کی بھرپور کوشش کی۔اور اس سلسلے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ یہاں تک کہ نظام تعلیم میں زبانِ فارسی کو ایک نصاب لازم کے طور پر داخل کیا گیا،جس طرح آج کے دور میں انگریزی ہمارے نصاب میں لازمی جزء بنی ہوئی ہے اور اسے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ جب مختلف متفاوت زبان کی حامل قومیں باہم ملتی ہیں تو ایک کے رنگ روپ کا دوسرے پر ضرور سایہ پڑتا ہے،اس کے اثرات سے گفتگو خوراک،نشست وبرخاست اور مختلف رسوم بھی متاثر ہوتے ہیں،جبکہ ایک قوم دوسری قوم میں آتی ہے تو اپنے ملک کی صدہا چیزیں ساتھ لاتی ہے جو یہاں نہیں ہوتیں، یہ کبھی ضروری اور کبھی غیر ضروری اور کبھی بہتر چیزیں بھی اپنے ساتھ لاتی ہیں۔

جب مہمان میزبان ایک دوسرے کی زبان سمجھنے لگتے ہیں تو ایک خوشنما اور مفید تبدیلی کی راہ پیدا ہوتی ہے، طبع انسانی کے خیالات ایک دوسرے سے قریب ہوتے ہیں مگر انداز بیان سب کا جدا ہوتا ہے۔طبیعت ہمیشہ نئے انداز کو پسند کرتی ہے۔اس لئے ادائے مطلب میں ایک دوسرے کے انداز بیان سے بھی فائدہ

اٹھاتے ہیں۔

استعماری عزائم رکھنے والے تنہا اختلاط،شیروشکر میزبان اور مہمان کے آداب پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ میزبان کو گھر سے نکال باہر کرکے خود میزبان اور مالک بننے کی سرتوڑ کوشش کرتے ہیں، چنانچہ یہاں جب تک اہل فارس کا اقتدار رہا، فارسی زبان کو نفوذ دینے کی کوشش کی گئی اور یہ نصاب تعلیم کا جزو بن گئی لہٰذا ہمیں قدیم شعرائے برصغیر کے اشعار میں اردو کلمات بہت کم جبکہ اکثر وبیشتر شعر فارسی زبان میں ہی ملیں گے یہاں تک کہ بعض فارسی زبان میں ہی شعر انشاء کرتے تھے،انقلابِ اسلامی کے بعد، بہت سے اسلام کے شیدا گروہوں کا خیال تھا اب اسلام کا سورج یہاں بھی اپنی شعائیں ڈالے گا،لیکن یہ اسلامی موضوعات پر کلاس کا اہتمام تو نہ کرسکے،البتہ فارسی کلاسوں کو بہت اہتمام دیا گیا، یہاں تک کہ بعض لوگ اس حد تک پہنچ گئے کہ فارسی زبان سیکھنا درحقیقت اپنی جگہ اسلام ہے جس طرح اہل حوزات ومدارس "صرف ونحو" سیکھنے کو اسلامی درس کہتے ہیں۔ یہ انقلاب تدریجی وقت بہ وقت ہر ایک زبان پر گزرتا ہے۔ دنیا کے گوشہ وکنار میں جہاں مسلمان نشین ہیں وہاں چند زبانوں کا اختلاط بھی پایا جاتا ہے۔

ایک انسان منصف جو ضروری تقاضوں کا پاس رکھتا ہے کیلئے واضح وروشن ہے کہ زبان بھی ایک قسم کی تسلط،غلبہ یا بالادستی ہے۔لہٰذا وہ اپنے استقلال اور خودداری کا خیال رکھتے ہوئے دوسری قوموں کی زبانوں کو اپنے اوپر مسلط کرتے وقت اس بات کا خیال رکھتا ہے اس کی زبان میں دوسروں کے کلمات یا ثقافت کیوں شامل ہیں؟

اردو زبان کے پھیلنے کے اسباب

جس طرح کائنات میں حیات کا ارتقاء خود انسان کے ارتقاء کی تاریخی بن جاتا ہے،اسی طرح زبان کا ارتقاء کسی تہذیب کی تاریخ کا زریں باب بنتا ہے۔ انسان اور حیوان میں یہی فرق ہے،انسان کے پاس بولتی ہوئی زبان ہے اور حیوان کی زبان گونگ ہے، یہی بولتی زبان انسانی شعور کی علامت ہے،اس کے دکھ درد خوشی،غمی خیال احساس جذبہ اور فکر اور تجربے کا اظہار ہے،اسی سے زندگی میں نئے نئے رنگ پیدا ہوتے ہیں اور زندگی کے بڑھنے پھیلنے اور بامقصد بامعنی ہونے کا احساس ہوتا ہے۔اسی لئے زبان معاشرت کے پہلے درجہ سے شروع ہوکر انسانی معاشرے کے ساتھ ساتھ ارتقائی منازل طے کرتی ہے،انسان زندگی کا پہلا اور بنیادی ادارہ بن جاتی ہے۔انسانی شعور اسے نکھارتا ہے،خیالات اور فکر کا نظام اسے روشنی دیتا ہے۔

اردو زبان کی تشکیل وفروغ کے سلسلے میں محمد ابن قاسم کا سندھ فتح کرنا اور ملتان کے تہذیبی لسانی اثرات کے علاوہ چند اور واقعات بھی خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

جس طرح ایک محلے میں اجنبی آنے سے انسان چوکنا یا پریشان ہوتا ہے،اس طرح جب غیر زبان کو اپنی زبان میں داخل ہوتے دیکھیں تو ضمیر میں جنبش آنی چاہیے یا سوال پیدا ہونا چاہیے کہ میں اپنی زبان کی جگہ پر دوسروں کی زبان کو کیوں استعمال کررہا ہوں،اس کی زبان کو استعمال کرنے سے مجھے کیا فوائد مل سکتے ہیں۔

بعض اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ انسان کو ہر زبان سیکھنی یا آنی چاہیے کبھی جواب ملتا ہے کم سے کم زندہ زبانیں سیکھنی چاہئیں، کیونکہ اگر ہمیں اس خطے میں جانا پڑے یا وہاں والے یہاں آئیں تو ہمیں کوئی پریشانی لاحق نہ ہو۔ زبان جب نہیں سیکھیں گے تو بس پر کیسے سوار ہوں گے؟ یا کمپیوٹر کیسے کھولیں گے؟ یہ سب باتیں صرف بیچاری تیسری دنیا کی قوموں یا پسماندہ قوموں اور مستعمرات میں رہنے والوں کیلئے ناگزیر ہیں۔

جبکہ حقیقت میں زبان سے نہ علم آتا ہے، نہ دین و مذہب، نہ ترقی اور نہ ہی اتحاد ملت، بلکہ کبھی زبان سیکھنے یا بولنے سے لوگ مذاق بھی اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں یعنی آپ تو فلاں جگہ کے ہیں ہمارے خطے سے نہیں تو کیونکر ہماری زبان سیکھ رہے ہیں ایک انسان مسلم کو اپنے ملک کی رسمی زبان کے علاوہ کسی اور زبان کو سیکھنا ہو تو اس کیلئے عربی زبان ہی ناگزیر ہے، وہ بھی اس نیت سے "میرے دین کا مصدر قرآن اور سنت نبی کریمؐ ہے" جو کہ عربی زبان ہے، اگر یہ نیت شامل حال نہ ہو تو ایک مسلمان کیلئے عربی زبان کی حیثیت انگریزی ترکی یا رومی زبان جیسی ہوگی، کیونکہ اسلام پر رہنے کیلئے عربی ناگزیر ہے۔ لہٰذا انسان کو علاقائی زبان کے علاوہ صرف عربی زبان کو فروغ دینا چاہیے، اس کے علاوہ جس قوم نے جس زبان کو اپنایا، اس نے اپنی خیراتی پیداوار و منابع زندگی کو دوسروں کیلئے بند کیا، انہوں نے صرف زبان کا احسان جتایا اور اس مقہور و مظلوم قوم سے بے جا داد و تحسین وصول کرنے کی کوشش کی۔

شعراء شعر میں وزنی و ادبی کلمات استعمال کرتے ہیں، تاکہ اہل ادب و ذوق کو اپنے کلام کی طرف جذب کریں، برصغیر کی نثر و شاعری خاص کر قدیم نثر و شاعری عربی اور فارسی کلمات سے پر ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ غلاف جو اس مغلوف کیلئے بنایا گیا ہے وہ عرب اور ایران کی سرزمین سے آیا ہے، یہاں اسلامی فتوحات کی وجہ سے عرب آئے تو بحیثیت مسلمان یہاں کے لوگوں نے قرآن سے وابستگی کی وجہ سے عربی سے بھی شغف رکھا۔ یہ عربی کلمات سننے، سمجھنے اور بولنے کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے اس کی واضح دلیل ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے بنایا گیا ولیم ورڈ کالج ہے جہاں عربی کا درس ہوتا تھا اس وقت تو کیا آج کل بھی اس کے آثار کم و بیش باقی ہیں چنانچہ مروجہ درسگاہوں کی طرح عربی درس دیا جاتا ہے۔ یہاں ایران صفوی اور قاچاری سلاطین نے بھی حکومت کی جس کی وجہ سے فارسی زبان کو فروغ حاصل ہوا، چنانچہ غالب اور دیگر شعراء کے اشعار اس کی واضح مثال ہیں۔ لہٰذا اشعار کا غلاف عربی میں ہو یا فارسی میں اپنی جگہ موضوع گفتگو ہے۔ عربی زبان، اسلام یا مسلمانوں کیلئے زبانِ تفہیم ہونے کے حسن میں جائے شک و تردید نہیں لیکن مغلوف کیا ہے؟ یعنی شاعر نے شعر میں کن چیزوں کو سمویا؟

برصغیر میں شعروشاعری

دنیا کے دیگر اقوام و ملل کی مانند برصغیر کی شعروشاعری کا سہرا بھی چند معدودے افراد کے سر ہے ساتھ ہی ہر ایک علیحدہ رجحان کا حامل ہے اس بات کا ذکر کرنا بھی مناسب ہے کہ انھوں نے کیا اثرات چھوڑے ہیں۔ فارسی

زبان کو یہاں فروغ دینے کا سہرا اپنے سر پر رکھنے والوں میں سرفہرست میرزا غالب ہیں۔

میرزا اسداللہ خاں غالب

ان کے خاندان کا سلسلہ افراسیاب بادشاہ توران سے ملتا ہے، جب تورانیوں کا چراغ کیانیوں کی ہوائے اقبال سے گل ہوا تو غریب خانہ برباد جنگلوں پہاڑوں میں چلے گئے، مرزا صاحب کے دادا گھر چھوڑ کر نکلے اور شاہ عالم کے دربار میں پہنچے۔ پھر نواب نظام علی خاں بہادر کی سرکار میں تین سو سواروں کی جمعیت میں ملازم رہے، کئی برس بعد ایک خانہ جنگی کے بکھیڑے میں یہ صورت بھی بگڑی، وہاں سے گھر آئے اور راجہ بختاور سنگھ کی ملازمت اختیار کی، یہاں کسی لڑائی میں مارے گئے۔ اس وقت مرزا کی عمر پانچ برس تھی۔ نصر اللہ خان بیگ ان کے چچا مرہٹوں کی طرف سے اکبرآباد کے صوبیدار تھے، انہوں نے چچا کے سائے میں پرورش پائی، اتفاق سے ان کے چچا بھی مرگ ناگہانی میں مر گئے، ان کی تنخواہ بند ہوگئی جاگیر ضبط ہوگئی، وہ امیرزادہ جو شاہانہ دل و دماغ کا مالک تھا اسے غریبانہ حال زندگی بسر کرنا پڑی۔ بہت تدبیریں اور وسیلے درمیان آئے مگر سب کھیل پن بن کر بگڑ گیا آخر میں کسی دوست نے انہیں نظام دکن کیلئے قصیدہ کہہ کر بھیجنے کا مشورہ دیا۔

میرزا اسداللہ خان برصغیر پاکستان اور ہندوستان کے نامور اردو، فارسی شاعر ہیں، ۸ رجب ۱۲۱۲ ہجری کو آگرہ میں پیدا ہوئے، جب میرزا کی عمر چودہ برس کی عمر تھی، جیسا کہ دائرۃ المعارف اردو میں آیا ہے ایران کے شہر یزد کا ایک امیرزادہ ہرمزد نامی ایک پارسی پاژند سیاحت کی غرض سے ہندوستان آیا اور دو برس غالب کے ہاں مقیم رہا، اس نے پچاس برس تک بغداد کے عرب علما سے علوم عربی حاصل کیا اور پھر زردشتی مذہب کو چھوڑ کر اسلام قبول کیا اور اس کا نام عبدالصمد رکھا گیا۔ غالب نے اسے دو برس گھر مہمان رکھ کر اس سے اکتساب کمال کیا، اس روشن ضمیر کے فیضان محبت پر غالب کو فخر تھا اور حقیقت میں یہ امر فخر کے قابل بھی تھا۔ بغداد میں پچاس سال علوم عربی پڑھنے کے بعد ہندوستان آکر غالب کے ہاں دو سال قیام کرنے کے بعد وہ شخص واپس چلا گیا اس کے واپس جانے کے بعد بھی غالب سے رابطہ رکھا اسی وجہ سے ان کے شعروں میں عربی و فارسی دونوں غالب ہیں۔ غالب اسے جاماسب عہد اور بزرجمہر عصر کہتے تھے، اسی سے انھوں نے فارسی کے لطائف اور عربی آمیختہ فارسی کے غوامض پر عبور حاصل کیا۔ ہندوستان سے واپس چلے جانے کے بعد بھی عبدالصمد نے غالب سے سلسلۂ مکاتبت جاری رکھا۔

غالب کی شادی نواب الٰہی بخش خان معروف کی صاحبزادی سے ہوئی، ان کے ہاں سات بچے ہوئے، جن میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں شامل تھے، لیکن کسی کی عمر پندرہ مہینے سے زیادہ نہ ہوئی آخر میں لاولد ہوئے۔ ۱۸۴۷ میلادی میں قمار بازی کے الزام میں گرفتار ہوئے، دربار شاہی اور بعض دوسری سفارشوں کے باوجود چھے ماہ قید بامشقت اور دس روپے کی سزا ہوئی، غالب نے اکبر شاہ ثانی کی شان میں بھی قصیدہ کہا، لیکن دربار

سے تعلق پیدا نہ ہوسکا۔ ملکہ وکٹوریہ کی مدح میں ایک قصیدہ لارڈ ایلن برا کے توسط سے پیش کیا لیکن وہ بھی خاطر خواہ ثمر آور نہ ہوا آخر فالج کا حملہ ہونے کی وجہ سے بے ہوشی کے دورے پڑنے لگے۔ پھر دماغ پر فالج کا حملہ ہوا اور بے ہوشی ہی کی حالت میں ۲ ذالقعدہ ۱۲۸۵ میں وفات پائی انہیں الٰہی بخش خان معروف کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔ [دائرۃ المعارف اردو پنجاب بورڈ جلد ۱۴، صفحہ ۴۳۴]

برصغیر کے اردو فارسی کے نامور شاعر اور استاد نثر وشعر نے بھی اپنے خلف صالح کی سیرت تملق ارباب اقتدار وہوس، عیش ونوش اور ہجورانی پر چلتے ہوئے اپنے بعد آنے والوں کیلئے ایسا ہی نمونہ میں چھوڑا، شاعر کتنا ہی بھی بڑا کیوں نہ ہو، وہ جاہ ومقام، زر ودولت کی خاطر شعر گوئی کے بغیر نہیں رہ سکتا اور دولت آنے کے بعد قمار بازی، شراب خوری ان کیلئے ناگزیر اور معمول بن جاتی ہے۔ لیکن یہ اعمال ان کی مذمت میں نہیں گنے جاتے گرچہ شریعت اور عرف میں دوسروں کیلئے ناقابل معافی جرم ہی کیوں نہ ہوں۔

مطالعہ تاریخ کے وقت یہ بات مدنظر رہنی چاہیے کہ اس تاریخ کا کوئی حلقہ مفقود تو نہیں ہوا۔ یہاں بھی اسداللہ غالب کی حیات کے حصے میں ایک حلقہ مفقود ہے یعنی وہ امیر زادہ جس نے بغداد میں پچاس سال تک کس عالم اور دانشمند کے پاس علوم حاصل کئے۔ اس نے کیوں غالب کے ہاں قیام کیا؟

مرزا ہندوستان میں فارسی زبان کے شاعر تھے، انہوں نے علوم درسی باقاعدہ طریقے سے حاصل نہیں کئے لفظوں میں نئی تراش اور ترکیب میں انوکھی روش پیدا کی، جا بجا خود ان کا قول ہے۔

زبان فارسی سے مجھے مناسبت ازلی ہے — میری طبیعت کو اس سے ایک قدرتی لگاؤ ہے

کہتے ہیں:

علم وہنر سے عاری ہوں — پچپن برس سے محو سخن گزاری ہوں
مبدأ فیاض کا مجھ پر احسان عظیم ہے — مآخذ میرا صحیح اور طبع میری سلیم ہے
فارسی کے ساتھ ایک مناسبت ازلی اور سرمدی لایا ہوں — اہل فارسی کی منطق کا مزہ بھی ابدی لایا ہوں

اردوئے معلی کے مالک تھے، نام اسداللہ تھا، اسد پہلے تخلص کرتے تھے، جھجر میں کوئی فرد اپنے تخلص کرتا تھا ایک دن اس کا مقطع کسی نے پڑھا:

اسد تم نے بنائی یہ غزل خوب — ارے او شیر رحمت ہے خدا کی

سنتے ہی اس تخلص سے جی بیدار ہوگیا، کیونکہ یہ ان کا قاعدہ تھا کہ عوام الناس کے ساتھ مشترک حال ہونے کو نہایت مکروہ سمجھتے تھے چنانچہ ۱۲۴۵ھ کو اسداللہ نے غالب تخلص اختیار کیا۔

برصغیر کے شعراء کے مضامین

۱۔نسائیت

لکھنویت کا اہم عنصر نسائیت ہے۔ اسکی بدولت بعض ایسی مستقل اصناف سخن پیدا ہوئیں جو شاعری کے

روشن چہرہ پر کسی طرح زیب نہیں دیتیں۔ نواب شجاع الدولہ کے عہد میں فیض آباد اور لکھنو نے مہ جبینوں کا مسکن بن کر یہاں کی تہذیب اور معاشرت میں نسائیت کا عنصر غالب بنادیا۔ شاعری اور زندگی کو ایک دوسرے سے جدا کرکے دیکھنا بہت مشکل ہے، چنانچہ شعرائے لکھنو کے ہاں بالعموم نسائیت کا رنگ غالب ہے اور یہ ان کے ماحول کی ترجمانی کرتا ہے: [لکھنؤ کا دبستان شاعری ج ۲ ص ۱۴۷]

بخشی ہے نزاکت یہ مرے بت کو خدا نے — کنگھی کبھی کی سر میں تو شل ہوگئے شانے

۲۔ابتذال

یہ مذکورالصدر دونوں عناصر سے ترکیب پاکر ظہور میں آیا، یہ پہلو بعض اوقات اس درجہ نمایاں ہوگیا ہے کہ اسے بالعموم لکھنویت کے مترادف سمجھا جاتا ہے۔ یہ خامیاں بعض لکھنوی شعراء کے ہاں کم اور بعض کے ہاں نسبتاً زیادہ ہیں، لیکن ایسی مثال شاذ ہی ملے گی، جو اس سے محفوظ ہو اور یہ چیز مضمون اور بیان دونوں میں موجود ہے۔ [لکھنؤ کا دبستان شاعری ج ۲ ص ۱۴۸]

اردو شاعری کے کسی دور میں بھی متبذل خیالات اور متبذل بیان کی ایسی مثالیں نہیں ملیں گی جیسی لکھنؤ کے شعرائے متقدمین کے کلام میں موجود ہیں۔ بعض خاص اصناف مثلاً ہزل گوئی اور ریختی تو ان خیالات کیلئے مخصوص تھیں۔ غزل میں بھی بالعموم ان مضامین کو شامل کرلیا گیا تھا جو گندگی اس عہد کی معاشرت میں پائی گئی تھی وہی اس دور کے کلام میں جھلکتی ہے۔ اس میں ہر شاعر شریک ہے البتہ بعض کے یہاں یہ رنگ بہت گہرا اور بعض کے یہاں نسبتاً ہلکا ہے۔ امانت کے یہاں چند مثالیں ملاحظہ ہوں: شب وصال ہے دل کھول کر گلے لپٹو — کہاں کی شرم کہاں کا حجاب نکلا ہے۔ [لکھنؤ کا دبستان شاعری ج ۲ ص ۱۴۲]

۳۔صنعت گری

اس کے شوق میں لکھنؤ والوں نے رعایت لفظی اور ضلع جگت میں کمال پیدا کیا، لکھنؤ کے بعض اچھے اچھے شاعروں کو اسی شوق نے بدنام کردیا، امانت جن کی قادرالکلامی میں کوئی شبہ نہیں اور انشاء جن کے کمالات مسلم ہیں اسی بھنور میں پھنس گئے۔ بعض نے اعتدال کو ملحوظ رکھ کر کلام کو بے مزہ نہیں بنایا، اس ہجوم میں ایسوں کی موجودگی بسا غنیمت ہے۔ [لکھنؤ کا دبستان شاعری ج ۲ ص ۱۴۸، ۱۵۷]

لکھنؤ کی شاعری میں واردات قلب کو اساسی حیثیت نہیں دی گئی بلکہ پورا زور صنعت گری پر صرف کیا گیا ہے اور اس شوق نے یہاں تک ترقی کی کہ یہاں کے بیشتر شعراء معما اور چیستان گوئی کی بھول بھلیوں میں بھٹکنے لگے، خیال آرائی اور مضمون آفرینی کا اکثر نتیجہ یہی دیکھا گیا ہے کہ شاعر چیستان اور معمے کہنے لگتا ہے۔

ابرو پہ جبین مہ شمائل — رکھی ہوئی رحل پہ چمائل
وائیل کا ترجمہ ہے گیسو — تفسیر اذا سجی ہے گیسو

جدت پسند اور مضمون آفرین شاعروں کو اپنے ذوق کی تکمیل کیلئے مبالغہ سے کام لینا پڑتا ہے، اکثر عام شاعر

بھی اپنی دکان سجاتے وقت اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، مبالغہ کو شاعری میں اس درجہ دخل ہے کہ ان دونوں کو ایک دوسرے کے مترادف سمجھا جانے لگا ہے، شاعر تخیل کی بلند پردازی میں اکثر دنیا کی حقیقتوں سے بہت دور نکل جاتا ہے، بعض نعت گو شاعر محبت کے جوش میں اکثر ایسی باتیں کہہ گئے ہیں جو مذہبی نقطہ نظر سے ناروا ہیں ان کا عذر یہ ہے کہ جوش محبت اور والہانہ شیفتگی کے عالم میں یہ سب کچھ کہا ہے اس لئے وہ لائق معافی ہیں۔ میلاد النبیؐ کے سلسلہ میں جو مجالس منعقد ہوتی ہیں ان میں نعت گو شعراء کا کلام ہمیشہ پڑھا جاتا ہے اور ایسے اشعار پر لوگ وجد کرنے لگتے ہیں:

اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے — لینا ہے ہمیں جو کچھ لے لیں گے محمدؐ سے
جو کچھ لینا ہو لے لیں گے علیؑ سے — اللہ کے پلے میں رکھا ہی کیا ہے
سر فرشتوں کے یہاں خم ہوتے ہیں — ایسے لوگ رسولوں میں بھی کم ہوتے ہیں

اس قسم کے اشعار میں شعراء نے حفظ مراتب کو نظر انداز کر دیا ہے اور بعض طبائع، ایسی زیادتیوں کو کسی عنوان گوارا نہ کریں گے۔

✿ لکھنؤ کا دبستان شاعری ج۲ ص۱۶۱ تا ۱۶۳: انیسویں صدی میں ''صنعت'' کو فطرت پر ترجیح دینے کا عام رواج تھا، اس عہد کے لکھنؤ میں زندگی کے ہر شعبہ میں کمال صنعت کی داد دی جا رہی تھی۔ نثر اور نظم دونوں کو تکلفات سے آراستہ کیا جا رہا تھا، یہی سبب ہے کہ لکھنؤ کی شاعری لفظی صناعی اور صنعت گری کا نمونہ بن گئی۔ اسی صنعت گری کے شوق میں شعرائے لکھنؤ نے رعایت لفظی کی طرف توجہ کی اس دبستان کے دوسرے شعراء نے اس میں اس قدر مبالغہ کیا کہ بالعموم اس کو شعر کا مقصد بنا لیا۔ نمونہ کلام یہ ہے:

آیا جو کرم پہ عشق بے باک — سینہ کیا شق، جگر کیا چاک
رکھ کر مے و شیر کو مقابل — اس صاحب ذوق کا لیا دل

یعنی ''اس میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جبریلؑ نے حضرتؐ کے سامنے دو پیالے پیش کئے ایک میں دودھ اور دوسرے میں شراب تھی آپ نے دودھ کے پیالے کو لے لیا اور شراب سے انکار کر دیا۔''

کعبے کا سواد صفحہ عین — شنگرفی نسخہ زنجیرین

یعنی ''اس میں اشارہ ہے اس حدیث ''انا ابن الذبیحین'' کی طرف یعنی پیغمبرؐ نے فرمایا میں ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔ ایک ذبیح حضرت اسماعیلؑ اور دوسرے آپ کے والد حضرت عبداللہ بن عبدالمطبؓ ہیں۔''

✿ لکھنؤ کا دبستان شاعری ج۲ ص۱۵۹: لکھنو کے مخصوص انداز کی شاعری کی بدولت وہاں کا پورا دبستان آج تک مطعون ہے، یہی وجہ ہے کہ لکھنو اپنے نامور سخنوروں کی فہرست میں پہلے ان شعراء کا نام رکھتا ہے جن کا کلام اس دبستان کے دوسرے شعراء کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے۔

✿ انیس اور دبیر نے مرثیہ گوئی کے فن میں مجد دکا درجہ حاصل کیا اور مرثیہ گوئی کو بڑا فروغ بخشا، فصاحت

اور بلاغت کے بڑے بڑے معرکے سر کئے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ امر بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ مرثیوں میں جہاں کہیں عرب کے مردوں، عورتوں اور ان کے حالات و واقعات کا ذکر کیا گیا ہے وہاں خالص لکھنوی تہذیب و معاشرت کا چربہ اتارا گیا ہے۔ بیشتر ہندوستانی یا ہندوانی رسمیں ہیں جو عربوں کے کردار میں شامل کی گئی ہیں جس سے کردار نگاری میں جگہ جگہ بھونڈا پن پیدا ہو گیا ہے اور تاثیر کی فضا کم ہو گئی ہے۔

۴۔ خمریات۔ ریاض خیر آبادی

لکھنؤ اسکول کے باقیات الصالحات میں ریاض ایک خاص رنگ کے مالک اور ایک ممتاز جگہ پر فائز ہیں۔ وہ اپنے طرز کے آپ ہی موجد ہیں اور انہی پر یہ طرز ختم ہو گیا۔ شوخی اور خمریات ان کے دو محبوب موضوع ہیں اور انہی دو محوروں پر ان کی شاعری گردش کرتی ہے۔ اگرچہ رندانہ مضامین اردو شاعری میں فارسی کی تقلید سے عام تھے لیکن جو رندانہ بانکپن اور سرمستی ریاض کے کلام میں ہے وہ اگر مل سکتی ہے تو خواجہ حافظ کے فارسی کے کلام میں ہی مل سکتی ہے۔ دونوں کی خمریاتی شاعری میں فرق مراتب بھی ہے اور اس پر تفصیلی بحث بھی ہو سکتی ہے یہاں اس کا موقع نہیں ہے لیکن اشارتاً اتنا کہہ دینا بے موقع بھی نہ ہوگا کہ مرور ایام اور عقیدت عام نے حافظ کے گرد تقدیس کا جو ہالہ قائم کر دیا ہے اس سے ان کی شاعری بڑی حد تک متبرک و محفوظ ہو گئی ہے اس لئے ان کا مجاز بھی گرفت سے بالاتر ہو گیا ہے تاہم اتنا مسلم ہے کہ فنی حیثیت سے خمریات کو اردو شاعری میں سب سے پہلے ریاض نے رواج دیا۔ [لکھنؤ کا دبستان شاعری ج۲ ص۲۶۳]

ایضاً ص۲۷۱ تا ۲۷۹: خمریات کے موضوع پر تفصیلی بحث کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ریاض کے دیوان سے رندی و سرمستی کے کچھ نمونے پیش کئے جائیں تاکہ انہی اشعار کی روشنی میں اس پر اظہار خیال کیا جائے۔ ان کے دیوان کا بیشتر حصہ ایسے اشعار پر مشتمل ہے کوئی غزل ایسی نہیں مل سکتی جس میں اس موضوع کی تکرار اور اس کے مختلف پہلوؤں کا بیان نہ ہو، اس لئے انتخاب کرنا بڑا دشوار ہے، یہ اشعار جستہ جستہ مقامات سے اخذ کئے گئے ہیں:

اچھی پی لی خراب پی لی — جیسی پائی شراب پی لی
پی لی ہم شراب پی لی — آگ تھی مثل آب پی لی
اب روز حساب کا ہے دھڑکا — پینے کو بے حساب پی لی
یہ جان کے چیز خلد کی ہے — پینا سمجھے ثواب پی لی
یہ بلا میرے سر چڑھی ہی نہیں — میں نے کچے گھڑے کی پی ہی نہیں
پی بھی یوں جیسے میں نے پی ہی نہیں — منہ سے میرے کبھی لگی ہی نہیں
کالی کوری کوئی نہ چھوڑی — افیون کھالی شراب پی لی

توبہ کے بعد اب یہ ہے حال بھولے سے کبھی شراب پی لی

شراب ایک استعارہ ہے اوراس میں سے اکثر وبیشتر شاعر کی مراد شراب معرفت ہے، ساقی سے مراد مرشد اور ساقی کوثر جناب رسول اسلامؐ ہیں۔نشہ کی مختلف کیفیات سلوک کی مختلف منازل ہیں، پیر میخانہ پیر کامل ہے اور رندان سیہ مست سالک کے ہم سفر ہیں، جو معرفت کے شراب خانے سے عشق الٰہی کی شراب آتش پی کر سرشار ہو رہے ہیں، واعظ وہ ظاہر پرست ہے جس کی آنکھ کھلی اور چشم حقیقت خوابیدہ ہے واعظ کی پگڑی اس لئے نہیں اچھالی گئی ہے کہ وہ واعظ ہے اور نیک کام کی تلقین کرتا یا برائی سے بچاتا ہے بلکہ اس لئے کہ وہ کوتاہ بین اور کوتاہ نظر ہے وہ مجاز کے طلسم سے نکل کر حقیقت کی دنیا میں آنا نہیں جانتا۔اسی لئے رندان سیہ مست جو بادہ معرفت سے سرشار ہیں اس پر طنز سے مسکراتے ہیں اور دعوت دیتے ہیں کہ اگر حقیقت کا جلوہ دیکھنا ہے تو یہی شراب پینا پڑے گی ،میکدہ عارف کی خانقاہ ہے اس کی نگاہ کامل چھلکتا ہوا جام ہے جو بادہ پرستوں کو سرشار کر دیتا ہے۔مسجد ظاہر پرستوں کا مسکن ہے اور اگرچہ شاہد مطلق تک رسائی کا ایک راستہ یہ بھی ہے، لیکن راستہ دور کا ہے۔وعدہ دیدار سے دیدار قیامت مراد ہے جس کی امید میں بادہ پرست سلوک کی منزلیں طے کرتے ہیں، ذیل کے اشعار اس کی وضاحت کیلئے کافی ہیں:

ہم ہیں گدائے میکدہ ہم کو کمی نہیں — سب کچھ ہمارے گھر ہے خدا کا دیا ہوا
قطرے میں بھی شراب کے دریا نظر پڑے — اتنی ملی کہ شکر ہے پروردگار کا
ملتی ہے درکوثر سے یہ خدمت — اس طرح کوئی پیر مغاں ہو نہیں سکتا
یہ مے نہیں عکس رخ نیکوئے علیؑ ہے — میخانہ عرفاں میں رواں جوئے علیؑ ہے
بہت ایسے بھی ہم رندان میں ہیں اللہ کے بندے — مزا جو لوٹتے ہیں میکدے میں باغ جنت کا
ہم دیکھتے ہیں جام کو للچائی آنکھ سے — پینے کی ہے یہ چیز جو خوف خدا نہ ہو
ٹپکا دے بوند بھر کوئی منہ میں ریاض کے — دم میکدے میں توڑ رہا ہے پڑا ہوا
ہجوم دیکھ کے سمجھے یہ روز محشر ہم — علی دکان کسی مے فروش کی ہوگی
کیسا پینا کہاں کی توبہ — اب میں ہوں خدا ہے بے خودی ہے
آئیں گے جب فرشتے تو منہ کھلے گا اس کا — بوتل کوئی چھپا کر رکھ دے مرے کفن میں

مذہبی شاعری

برصغیر میں مذہبی شعروشاعری کے آغاز پر گفتگو کرنے سے پہلے ضروری ہے یہاں شیعہ مذہب کے آغاز کے بارے میں کچھ ذکر کریں، اس سلسلے میں کتاب "موسوعۃ تاریخ اسلامی وحضارۃ الاسلامی بلاد سندھ و پنجاب" ج ا ص ۳۷۹ پر لکھتے ہیں: شیعہ جو حضرت علیؑ اور اہل بیتؑ کی پیروی کرتے ہیں اور پیغمبرؐ کے بعد پیغمبرؐ کی

وصیت کے مطابق علیؑ ہی کو حقدار خلافت سمجھتے ہیں اور علیؑ کے بعد ان کی اولاد میں اسے تسلسل دیتے ہیں اپنے مدعا پر اس حدیث کو بطور سنت پیش کرتے ہیں: "من کنت مولا فھذا علی مولا" مذہب شیعہ اس حوالے سے سب سے قدیم ترین مذہب میں شمار ہوتا ہے۔اسکی ابتداء خلیفہ اوّل کے انتخاب سے شروع ہوئی اور ایک طاقتور صورت میں خلیفہ سوم کے آخری دور میں سامنے آیا۔لیکن حضرت علیؑ کے بعد یہ چند گروہوں میں تقسیم ہوئے۔جس کا ایک سبب یہ ہے کہ بعض نے آئمہؑ کے حق میں حد سے زیادہ غلو کیا۔

چند اسباب وعلل ہیں

ا۔بعض نے آئمہ کے حق میں حد سے زیادہ غلو کیا خدا کے ان میں حلول کرنے، علم وقدرت میں خدا کا برابر گردانے اور ہر وہ شخص جو حضرت علیؑ کے خلاف پایا ان کو کافر قرار دیا۔دوسرے گروہ نے میانہ روی کو اپناتے ہوئے آئمہ کو اس منصب کا اور ان کے مخالفین کو خطا کار اور قصوروار ٹھہرایا۔اسی طرح اہل بیتؑ میں سے خلافت تعین میں شدید اختلاف پیدا ہوا۔سب اس میں متفق تھے کہ امام علیؑ کے بعد حضرات حسنینؑ ہیں لیکن امام حسینؑ کی شہادت کے بعد دو گروہوں میں اختلاف ہوا۔ایک نے کہا خلافت امام حسینؑ کے بعد علیؑ اور زہراؑ دونوں سے منسوب فرزندوں کیلئے ہے، جبکہ دوسرے نے کہا امام حسینؑ کے بعد محمد بن حنفیہ اس کیلئے سزاوار ہیں، لہٰذا انھوں نے ان کی بیعت کی۔جن لوگوں نے خلافت کو ذریہ علی وفاطمہؑ دونوں سے مشروط کیا ہے۔ان کے تحت خلافت امام حسینؑ کے بعد اولاد امام حسنؑ میں منتقل ہوئی ہے بعد میں انھیں میں سے ایک گروہ امام زین العابدینؑ کی نسل سے زید بن علیؑ کی امامت کا قائل ہوا۔انہوں نے نسل فاطمی ہونے کے علاوہ قیام بالسیف کی شرط کا بھی اضافہ کیا۔انھوں نے اپنی تشیع میں غلو کے راستے کو اپنایا۔اس طرح اولاد علیؑ امام حسنؑ، امام حسینؑ اور محمد بن حنفیہ سب نے بنی امیہ کے خلاف مہم چلائی۔بنی امیہ نے ان پر ہر قسم کے مظالم ڈھائے۔انہوں نے اپنے لئے حامی وانصار اکٹھا کرنے کیلئے اہل بیت کی حقانیت کیلئے مہم چلائی، اس طرح سنہ ۱۲۵، آخری دور خلافت بنی امیہ میں محمد بن عبداللہ بن حسن علوی نے عراق میں قیام کیا اور اپنے خلیفہ ہونے کا اعلان کیا۔عمر ابن حفظ عتکی نے ان کی بیعت کی۔وہ منصور دوانقی کے قائد لشکر میں سے تھے اور مخفی طور پر علوی تھے۔اس طرح وہ بلاد سند میں والی مقرر ہوئے۔عبداللہ علوی نے یہاں شیعیت کی طرف دعوت دی۔اسی طرح ۳۵۳ھ میں خلیفہ فاطمی المعز الدین اللہ نے ایک داعی جلم بن شیبان کو ملتان بھیجا۔انھوں نے ۱۸ سال تک یہاں دعوت کا سلسلہ جاری رکھا۔۳۹۶ھ کو سلطان محمود غزنوی نے ملتان پر حملہ کیا۔اس طرح انہوں نے ملتان اور سندھ میں بہت سی جگہوں پر چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم کیں۔اس کے بعد صفویوں کے دور میں ہمایوں بادشاہ جب شاہ طہماسب کی پشت پناہی سے یہاں دوبارہ برسر اقتدار آیا اس کے لشکر میں شیعہ زیادہ تعداد میں تھے جنھوں نے یہاں تشیع کو پھیلایا، چنانچہ ان کے آثار نثری وشعری میں یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکار وہویدا ہے۔

تاریخ ادب اردو ج۱ص۴۵:فراق کی مثنوی مراۃ الحشر (۱۱۴۳ھ) میں ہند وتصوف کا امتزاج ملتا ہے،ان کے علاوہ مذہب کی رسمی ضرورت کو پوری کرنے کیلئے شمال وجنوب میں مرثیوں کارواج بھی عام ہوگیا ہے۔یہ بات قابل ذکر ہے کہ ان مذہبی نظموں میں عام طور پر کوئی گہرا روحانی تجربہ شامل نہیں ہے،ان کا مقصد،جذباتی سطح پر سننے والوں کے عقیدے کو کرامات اور غیر مستند افسانوی روایات کے بیان سے آسودہ کرنا ہے۔یہ کام واقعات کربلا کو افسانوی روایات کے ذریعے غم واندوہ کی فضا پیدا کرکے مرثیوں میں اس طرح انجام دیا جاتا ہے کہ سننے والوں پر رقت طاری ہوجائے اور وہ آہ وبکاء سے ثواب حاصل کرسکیں۔اس قسم کی نظموں کی روایت اٹھارویں صدی عیسوی میں دکن سے شمال پہنچتی ہے۔

برصغیر پاک وہند کے فن شعر سے منسلک جید وممتاز شعراء بھی گزشتہ دور کے شعراء سے چنداں مختلف یا خاص خصوصیات وامتیازات کے حامل دکھائی نہیں دیتے۔یہ دین ومذہب،عقل اور سیرت وذہنیت کے حوالے سے مساوی ہیں حتی کہ حق یا باطل،غزل یا مدح،اہل دین یا اہل باطل،حکام باطل یا پیشوایان برحق کی شان میں شعر انشاء کرتے وقت یکساں نظر آتے ہیں۔اس سلسلے میں ہمیں یہاں بھی ارباب اقتدار اور شعراء کے درمیان گہرے رشتے کا تناسب دیکھنے کی ضرورت ہے کہ تاریخ اس صفحے کو پلٹنے پر راضی ہے کہ شعر کے بھی دو والدین ہیں۔ایک کا نام نفسیاتی خواہشات ہے جو قرآن کریم کے تحت ایک طاغوت کا باب ہوتا ہے یہ ہمیشہ کسی بوضیہ کی تلاش میں رہتا ہے،تاکہ نطفہ طاغوت پھینکیں،جبکہ دوسرے کا نام ارباب اقتدار کے خوش گذار،عیش ونوش میں مستغرق حکمران ہے جو اپنی جہالت فسافت ظلم اور ناروائیوں پر پردہ ڈالنے والے کی تلاش میں رہتا ہے،یہاں سے شعر وشعراء نے جنم لیا اور پروان چڑھے لہٰذا شعر کے ساتھ سلاطین،نوابان وقت کو پڑھنا ناگزیر ہے۔جب کوئی کلمہ "سلطان" سنتے ہیں تو یہ تصور کرتے ہیں کہ یہ نسل روم کا نجیب وشریف ہے،بعض نسب یوسف صدیق گردانتے ہیں لیکن ایسا نہیں بلکہ کبھی خلیفہ کی طرف سے مامور،شبخون مارنے والوں اور غارت گری کرنے والوں کی تعداد جب بڑھ جاتی ہے تو یہ کسی جگہ اپنی حکمرانی کا اعلان کرتے ہیں کبھی یہ طوائف الملوک،کبھی نواب اور پھر آگے بڑھ کر سلطانِ وقت معروف ہوتے ہیں۔

انہی صفحات کی روشنی میں اگر کوئی برصغیر پاک وہند کی تاریخ میں شعر وشاعری کو پڑھنا چاہتا ہو تو اسے پہلے مرحلے میں یہاں کے سلاطین اور نوابان وقت کو پڑھنا ہوگا۔

نواب

نوب سے ماخوذ ہے جس کے معنی باری،مرتبہ،دفعہ،دورہ،وقت کو کہتے ہیں،اسی سے نواب بنایا ہے جو صیغۂ مبالغہ ہے یعنی بار بار نوبت لینے اور ملنے والے شہر علاقے کے حاکم ہر دار،صوبہ دار،عامل ناظم کو کہتے ہیں۔
ہندوستان میں ریاستوں پر مسلمان فرمانرؤں کیلئے "وائسرائے' نائب السلطنہ" کا خطاب مسلمانوں کا سب سے بڑا خطاب ہے جو انگریز کی غلامی کے صلے میں ملا ہے۔

نواب بنانا یعنی نواب کا خطاب دینا،نواب کا خطاب ملنا،مغرور ہوجانا،اپنے برابر کسی کو نہ سمجھنا،نوابی،نواب ہونے کی حالت،نواب بننا،قائم مقام نیابت ، نظامت،فرمانروائی،حکومت،بعد میں فضول خرچی کرنے والے،اسراف،طوائف الملوک اور کسمپرسی کو کہتے ہیں۔
فرہنگ آصفیہ:نواب یعنی بہت نیابت کرنے والا،قائم،نائب سلطان،صوبہ دار،ملک،عامل،ناظم،فرمانروا عزت کا شاہی خطاب،پہلے سپاہی بنتے ہیں بعد میں خدمات کی بنیاد پر ترقی کرتے ہوئے کسی علاقے کا حاکم وناظم بناتے ہیں تو نواب کہا جاتا ہے پھر ملک بن جاتا ہے۔

اودھ

ہندوستان میں قبائل ادباء کی جائے سکونت ہے،یہ علاقہ مغلوں کے قبضے میں آیا پھر یہاں شیعوں کا قبضہ ہوا،اس وقت یہ آگرہ،اترپردیش دونوں کا مجموعہ تھا۔کہتے ہیں یہ شمالی ہندوستان میں شہر جمنا اور غانج کے درمیان واقع ہے،پہلے یہ ۱۱۹۲تا بع تغلق ۱۵۳۶مغلوں نے قبضہ میں لیا،۱۷۳۴میں مستقل ہوگیا،پھر یہاں سعادت علی خان نے جو مغلوں کی طرف سے اودھ کا حاکم تھا دھلی سے ۱۷۴۴کو اپنے استقلال کا اعلان کیا۔
۱۷۴۷کو اسے انگریز نے تسلیم کیا،انھوں نے غازالدین کو ملک کا خطاب دیا پھر دہلی کی جگہ اودھ یعنی لکھنو کو دارالخلافہ بنایا گیا۔

لکھنو

مجلہ توحید عربی شمارہ۶ ۳ص۱۷۱:لکھنو اترپردیش (یو۔پی) کا دارالخلافہ ہے جو اپنی مساحت زمینی اور آبادی کے حوالے سے سب سے بڑا صوبہ ہے۔اس کی تاریخ کے بارے میں کہتے ہیں اس جگہ کو آج سے چار سو سال پہلے لنکپورہ کہتے تھے جو بعد میں لکھنو بن گیا۔اس سے پہلے اس کو اودھ کہا جاتا تھا۔لکھنو مرکز علم وثقافت تھا۔

شعرائے اودھ

دائرۃ المعارف الاسلامیہ الشیعہ ج۴ص۲۸:اودھ کے شمال اور شمال مشرق میں نیپال،مشرق کی طرف غورغ پو،جنوب مشرق میں عظمغار اور جونپور،جنوب سے الہ آباد،جنوب مغرب میں فتح پور،کانپور اور فرخ آباد جبکہ شمال مغرب میں جہاں پور ہے کہتے ہیں اس کی آبادی کب سے شروع ہوئی وہ تو بہت دور کی بات ہے لیکن یہاں شیعہ حکمران ۱۷۲۲۔۱۸۵۶میلادی تک رہے۔

اودھ کے حکمرانوں کی شاعری

نامناسب نہ ہوگا اگر بر سبیل تذکرہ خود نوابان اودھ کے شاعرانہ ذوق اور ان کے کارناموں کا بھی مختصر جائزہ لیا جائے:
یہاں ہم ان صفحات میں شعراء درباریان،نوابان اودھ کی پس منظر اور مختصر شرح حال پیش کرتے ہیں:
نواب اودھ،آصف الدولہ کی وفات ۱۷۹۷م میں ہوئی پھر وزیر علی خاں کو اس کا جانشین بنادیا گیا،لیکن

برطانوی گورنر جنرل سر جان شور نے چار ماہ بعد وزیر علی خاں کو نااہل قرار دے کر الگ کر دیا۔

نواب آصف الدولہ

آصف الدولہ کا نام نواب یحییٰ خاں عرف مرزا مانی تھا، ۱۷۴۸ میلادی میں پیدا اور ۱۷۹۷ میلادی میں مسند نشین ہوئے، آصف تخلص کرتے تھے اور میر سوز سے مشورہ سخن کرتے۔ شجاع الدولہ کی وفات پر ۱۱۸۸ ہجری میں جانشین ہوئے، بجائے فیض آباد کے لکھنؤ کو دارلسلطنت بنایا، ۲۳ سال ۷ ماہ سلطنت کی اور ۲۸ ربیع الاول ۱۲۱۲ ہجری کو فوت ہوا۔ [لکھنؤ کا دبستان شاعری ج ا ص ۶۰]

نواب آصف الدولہ کے کلام کا ایک نمونہ

جہاں تیغ اس کی علم دیکھتے ہیں — وہاں اپنا سر ہم قلم دیکھتے ہیں
جو جلوہ صنم تجھ میں ہم دیکھتے ہیں — خدا کی خدائی میں کم دیکھتے ہیں
گزرتے ہیں سو خیال اپنے دل میں — کسی کا جو نقش قدم دیکھتے ہیں
بتوں کی گلی میں شب و روز آصف — تماشہ خدائی کا ہم دیکھتے ہیں

نواب سعادت علی خاں

یمین الدولہ لقب تھا، نواب آصف الدولہ کے انتقال کے بعد نواب وزیر خاں اس کا پسر متبنیٰ مسند اودھ پر بیٹھا، لیکن تھوڑے ہی دنوں کے بعد اسے مسند سے اتار کر سر جان شور کورنر جنرل کی اعانت سے نواب سعادت علی خاں، انگریزوں سے ایک عہد نامہ کے بعد ۱۲۱۲ھ میں مسند نشین ہوئے، معاہدہ میں یہ قرار پایا کہ چھہتر لاکھ روپیہ سالانہ انگریزوں کو ادا کیا جائے گا۔ قلعہ الہ آباد انگریزوں کو دیا جانا قرار پایا اور بارہ لاکھ روپیہ نقد بطور معاوضہ مسند نشینی انگریزوں کو دیا گیا اور یہ شرط قرار پائی کہ نواب اودھ کسی غیر حکومت سے سلسلہ رسل و رسائل جاری نہ رکھیں اور کسی یورپین کو بغیر اجازت انگریزی رزیڈنٹ کے اپنی ملازمت میں نہ رکھیں اور نہ اس کو اپنی حکومت میں آباد ہونے دیں۔ نواب سعادت علی خاں نے سترہ برس حکومت کی، ۱۲۲۹ھ کو فوت ہوا، اس کے بعد اس کا بیٹا غازی الدین بادشاہ اودھ بنا۔ [مشاہیر مشرق ص ۲۶۳، اعلام سمن فی تاریخ الہند من الاعلام ج ۳ ص ۹۸۱]

اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۱ ص ۲۲: سعادت علی خاں ۱۷۷۶ء سے انگریزوں کے زیر سایہ حاکم بنا، اس کے عہد میں برطانوی اقتدار کو اودھ میں پھیلنے کا بہت موقع ملا۔ ۱۷۷۵ء میں سابق نواب کے ساتھ ایک عہد نامے کی رو سے یہ ممالک ایسٹ انڈیا کمپنی کی حفاظت میں دے دیے گئے تھے جس نے مقررہ سالانہ رقم کے بدلے میں ان کی حفاظت کیلئے فوج مہیا کرنے کا ذمہ اٹھایا تھا۔ ۱۷۹۸ء میں ایک جدید معاہدہ ہوا جس کے مطابق لشکر کے سالانہ خرچ کی رقم بڑھا کر چھہتر لاکھ کر دی گئی اور الہ آباد کا قلعہ فوجی سامان جمع رکھنے کیلئے کمپنی کو دے دیا گیا۔ کمپنی نے یہ ذمے داری قبول کی کہ نواب کے مقبوضات کو اندرونی اور بیرونی دشمنوں سے محفوظ رکھنے کیلئے وہ دس ہزار کا لشکر تیار رکھے گی۔ نواب کی سپاہ کے باغیانہ رویے کے پیش نظر نیا

گورنر جنرل مارکوئیس ویلزلی اس بے کار اور خطرناک فوج کو برطرف کر دینے پر آمادہ ہو گیا (جس کے بارے میں خود سعادت علی خاں کہہ چکا تھا کہ وہ صرف دشمن کیلئے کارآمد ہو سکتی ہے) تاکہ اس کی جگہ کمپنی کی افواج سے کام لیا جائے۔ سعادت علی خاں کی ذات کیلئے جو خطرات پیدا ہو گئے تھے، ان سے گھبرا کر ابتداء میں وہ خود اس اصلاح کا آرزومند تھا، لیکن بعد ازاں اس نے اس تجویز کو ماننے سے انکار کر دیا جب اس پر دباؤ ڈالا گیا تو وہ ۱۸۰۱ء میں اس پر راضی ہوا اور اس نے عہد نامہ لکھنؤ پر دستخط کئے، اس کے مطابق چھے اضلاع کمپنی کے حوالے کر دیے گئے جن کی آمدنی کمپنی کی فوج کے خرچ کو پورا کر سکتی تھی۔ اس طرح کمپنی کی جانب سے اس پر جو مالی ذمے داریاں عائد تھیں، اسے ان سے نجات مل گئی اور یہ ۱۸۱۴ء میں فوت ہوا۔

نواب غازی الدین حیدر

مشاہیر مشرق ص ۳۸۰: نواب سعادت علی خان کی وفات کے بعد نواب غازی الدین حیدر اس کا جانشین ہوا پانچ برس کے بعد اس نے انگریزوں کی صلاح اور مدد سے بادشاہت کا اعلان کیا۔ ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۳۴ھ کو ابوالمظفر معز الدین شاہ زمان غازی الدین حیدر بادشاہ کا لقب اختیار کیا اور تاجپوشی کی رسم لکھنؤ میں نہایت دھوم دھام سے ہوئی۔ انگریزی ریذیڈنٹ نے اسے مبارکباد دی اور زر و جواہر نچھاور کئے گئے۔ ۱۳ برس تک حکومت کرنے کے بعد ۲۷ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ کو ۵۸ برس کی عمر میں انتقال کیا۔ اسکا بیٹا سلیمان جاہ نصیر الدین حیدر اس کا جانشین ہوا۔

نواب سعادت علی خاں کا دوسرا بیٹا سلطنت مغلیہ کا برائے نام وزیر اور درحقیقت اودھ کا حکمران تھا۔ سعادت علی خاں کا انتقال ۱۲۲۹ھ میں اور اس کے بڑے بیٹے کے بچوں کو محجوب الارث قرار دے کر نظر انداز کر دیا گیا اس زمانے میں چونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو شمالی ہندوستان میں حاکم اعلیٰ کی حیثیت حاصل ہو چکی تھی، اس لئے ۱۲۳۴ھ میں برطانوی ہند کے گورنر جنرل کی منظوری سے غازی الدین حیدر نے بادشاہ اودھ کا لقب اختیار کر لیا۔ اس کی حکومت کامیاب نہ تھی، بادشاہ قابل اور شائستہ اطوار ہونے کے باوجود عیش کوش اور بے پرواہ تھا اور اپنے کوتاہ اندیش وزراء، خصوصاً آغا میر (معتمد الدولہ) کے زیر اثر تھا۔ ملک میں مالیہ اراضی کی بد انتظامی کے باعث بے چینی پھیلی۔ اس نے ۱۲۴۴ھ میں وفات پائی اور اس کا بیٹا نصیر الدین حیدر تخت نشین ہوا، اس کے سکے لکھنؤ میں ۱۲۳۵ھ سے ۱۲۴۵ھ تک مضروب ہوتے رہے، ان میں لکھنؤ کیلئے دارالسلطنت یا دارالامارت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ سکے اودھ کے صوبے ہی میں مضروب ہوتے تھے، یورپی نقابت کے اتباع میں ان پر ایک نشان عمارت یعنی دو مچھلیاں (لکھنؤ کا نشان) بنی تھیں، جنہیں ایسے شیروں نے سہارا دیا ہوا ہے جو جھنڈے اٹھائے ہوئے ہیں۔ اس کے سن جلوس کے پہلے سال میں چاندی کا ایک نفیس تمغا بھی جاری ہوا تھا، اس پر بادشاہ کے پورے چہرے کی تصویر بنی ہوئی ہے سر پر تاج ہے مونچھیں ہیں لیکن داڑھی مونڈی ہوئی ہے۔ [دائرہ معارف اسلامیہ ج ۲/۱۴]

نواب غازی الدین حیدر، ۱۸۱۹ میلادی میں تخت نشین ہوئے ،مرثیہ اور منقبت لکھتے تھے۔صاحب تاریخ ادب اردو نے اسپرنگر کے حوالہ سے لکھا ہے:"ان کے اشعار اس درجہ خراب ہیں کہ واقعی بادشاہ کا کلام معلوم ہوتے ہیں۔" [لکھنؤ کا دبستان شاعری ج ا ص ۶۰]

نواب علی شاہ

شیعہ نوابوں کا آخری سلسلہ واجد علی شاہ پر ختم ہوا۔جو ۱۸۵۷ء کو انگریز اور مسلمانوں کی جنگ میں شکست سے پیدا ہوا۔لکھنؤ دہلی کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔لکھنؤ میں حسینیہ آصف الدولہ بھی واقع ہے جس کے جنوب میں گمتی ہے۔حسینیہ آصف الدولہ کو آصفی امام بارگاہ بھی کہتے ہیں جبکہ مسجد کو مسجد آصفی کہتے ہیں۔ لکھنؤ میں امام حسینؑ اور حضرت عباسؑ کی مسجد اور روضے کی شبیہ بنائی گئی ہیں پھر لکھنو میں بادشاہوں نے بارہ آئموں کی ضریحیں بنوائیں۔انگریز نے واجد علی شاہ کو ۱۸۴۷ سے ۱۸۵۸ تک بحال رکھا۔

نواب نصیر الدین حیدر

مشاہیر مشرق ص ۳۰۵: ۱۸ ربیع الاول ۱۲۴۳ھ کو لکھنؤ کے تخت پر بیٹھا "مرزا نصیر الدین حیدر بادشاہ" سے تاریخی جلوس نکلتا ہے۔دس سال حکومت کی ۱۲۵۳ھ میں فوت ہوا،اس کا چچا نصیر الدولہ بادشاہ ہوا نصیر الدین حیدر کا بیٹا قید کرلیا گیا جو ۱۲۶۲ھ بحالت اسیری فوت ہوا۔

بادشاہ بیگم (زوجہ غازی الدین حیدر)

تاریخ ادب اردو تالیف ڈاکٹر جمیل جالبی ج ۳ ص ۴۲ بادشاہ بیگم نے مذہب اثناعشری میں کئی اختراعات کیں۔صاحب الزماں کے واسطے چھٹی کی رسم ایجاد کی،فرضی زچہ بچے کی ولادت کے چھٹے دن نہا دھو کر عمدہ لباس پہنتی اور اعزہ کو مہمان بلاتی،یہ رسم ہر سال شعبان کے مہینے میں دھوم دھام سے ادا کی جاتی تھی۔

ایک اور رسم اچھوتی کی ایجاد کی۔اشراف کی خوبصورت دوشیزائیں روپیہ خرچ کرکے یا کسی دوسری تدبیر سے بہم پہنچائی جاتیں،انھیں ائمہ عشر کی ازدواج بتایا جاتا اور ان کا وہی نام رکھا جاتا جو ان کا تھا۔حضرت فاطمہؑ کی پاسداری کی وجہ سے حضرت علیؑ کیلئے کوئی عورت تجویز نہیں کی جاتی تھی،ہر روز صبح اٹھ کر بادشاہ بیگم پہلے ان کی زیارت کرتیں اور سلام کرتیں۔یہ اچھوتیاں ساری عمر کنواری رہتیں،اگر کوئی عقد کرنا چاہتی تو کہتیں یہ اسلام میں حرام ہے۔

ایک اور اچھوتے کی رسم ایجاد کی گئی،جس میں محل میں ایک حجرہ ائمہ ہدایے کے واسطے مخصوص کیا گیا،جب کسی امام کی پیدائش کا دن آتا تو اس امام کی اچھوتی عورت کو،زیور و مکلّف پوشاک سے آراستہ کرکے مسندِ زرنگار پر بٹھایا جاتا اور نہایت ادب و تعظیم کے ساتھ اس کو نذر دکھائی جاتی محل سرا میں ائمہ اثناعشرؑ کے روضوں کی نقلیں تیار کرائی گئیں،ہر روضے کے سامنے ایک مسجد بنوائی گئی اور ہر روضے میں ضریح کی نقل اور عتباتِ عالیات کے دوسرے تبرک رکھے جاتے،روضۂ عباس کی بھی ایک نقل تیار کرائی گئی۔

نصیر الدین حیدر نے بادشاہ بیگم کی طرح گیارہ ازواج (اچھوتیاں) ائمہ احدی عشر کے نام سے جمع کیں،ان کے علاوہ اہل بیتؑ سے دوسرے افراد کیلئے بھی اچھوتیاں جمع کیں جیسے حضرت قاسمؑ،حضرت عباسؑ،وغیرہ۔ جب کسی امام کی ولادت کا دن آتا تو بادشاہ اپنے آپ کو حاملہ عورتوں کی طرح تصنّع سے دردِزہ میں مبتلا کرتے اور بچے کی جگہ ایک مرصّع گڑیا بادشاہ کے سامنے رکھ دی جاتی،بادشاہ خود بھی زچہ خانہ میں رہتے اور خدمت کرنے والی عورتیں وہی کھانے تیار کرتیں جو زچہ کیلئے تیار کئے جاتے ہیں،اس مدت میں کوئی شخص بادشاہ کو مس نہیں کرسکتا تھا،چھٹی کے دن تک ایک ایک کرکے ساری رسمیں ہوتیں،چھٹی پر بادشاہ زچوں کی طرح غسل کرتے۔ایک پرستار اس مصنوعی بچے کو لے کر ایک کونے میں کھڑی ہوجاتی اور دوسری عورتیں پانی کے چھ گھڑے وہاں بہادیتیں،اس کو بچے کا غسل قرار دیا جاتا،رات کے وقت بادشاہ زنانہ آرائش و پیرائش کے ساتھ بچے کو گود میں لے کر لنگڑاتے ہوئے،زچہ عورتوں کی طرح صحنِ مکان میں نکلتے اور آسمان کے تارے دیکھتے،پھر فاتحہ خوانی ہوتی اور خاص خاص جگہوں پر حصے بھیجے جاتے،ائمہ احدی عشر میں سے ہر ایک امام کی زوجہ کو طلائی مورت بچے کی اور دوسرے ائمہ کی زوجات کو نقرئی مورت دی جاتی تھی،ائمہ احدی عشر کے علاوہ جب کسی دوسرے امام کی ولادت کا دن آتا تو متعلقہ اچھوتی زچہ خانہ میں جاتی اور وہی مراسم ادا کیے جاتے جو بادشاہ کے ساتھ کیے جاتے تھے،اصطلاح میں اس رسم کو "اچھوتہ" کہتے تھے۔

"وقائع دلپذیر" میں منّا جان کے حالات میں لکھا ہے،اس زمانے میں اس رسم نے ایسی اشاعت پائی کہ اکثر شہر کی عورتیں اچھوتی کے لقب سے ملقب ہوئیں اور اس کے خاندانوں کے مرفخر سے عورتوں کی طرح بات چیت کرتے۔یکم محرم کیونکہ سید النساء کے نکاح کا دن ہے،مسہری زرنگار پر زیورِ طلا و بیش بہا جواہر سے دو پیکر ایسے تیار کرائے جاتے کہ دیکھتے ہی یہ گمان ہوتا کہ دو انسان لیٹے ہیں۔ان میں سے ایک کو جناب امیر المومنین علیؑ اور دوسرے کو بی بی فاطمہؑ قرار دیتے اور ان کا نکاح پڑھایا جاتا اور بادشاہ ان کو نذر دکھاتے اور سامنے دست بستہ کھڑے رہتے،پھر میووں اور حلووں کے خوانوں پر فاتحہ ہوتی۔

اس طرح ان کی ایک اور اختراعات تاریخ ادب اردو ج ۳ ص ۴۳ پر ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

"یہاں جو کچھ رسومات عزاداری امام حسینؑ کے بارے میں رائج ہیں ان کے بارے میں غور کریں یہ سب کچھ نصیر الدین اور ان کی بیگم کی تاسی اور پیروی میں ہورہا ہے یا ائمہ طاہرینؑ کی تاسی اور ان کی ہدایات کے مطابق ہے؟"

نصر الدین حیدر کی مشہور غزل

یہ کس مست کے آنے کی آرزو ہے — کہ ساقی لئے ساغر مشک بو ہے
سمایا ہے جب سے تو نظروں میں میری — جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے
جتاؤں میں کیا اپنا حال پریشاں — عیاں زلف دلدار سے مو بمو ہے

چلوقبرفرہادپرفاتحہ کو — مگرآب شیریں سے لازم وضو ہے
شفق بن کے ہوتا ہے گردوں پہ ظاہر — نہ جانے یہ کس بے گنہ کا لہو ہے
گلستان میں جاکر ہراک گل کو دیکھا — نہ تیری سی رنگ نہ تیری سی بو ہے
رہے سایہ پنجتن بادشہ پر — خداوند عالم نگہبان تو ہے [لکھنؤ کا دبستان ج ا ص ۶۰]

اردو شاعری محرکات ورجحانات

آصف الدولہ کے دور حکومت سے لے کر غازی الدین حیدر کی وفات تک کے زمانے کو سامنے رکھتے ہوئے واضح ہوتا ہے ان کی سلطنت کی بنیادیں انتہائی کمزور تھیں۔ بظاہر نواب حاکم ہے، لیکن پس پردہ حاکم انگریز ہے، سلطنت کی حفاظت بھی اسی کی ذمہ داری تھی، اس صورت میں نواب اودھ کے پاس کرنے کیلئے صرف یہ رہ جاتا ہے کہ وہ دنیا ومافیہا سے بے نیاز ہوکر عیش وعشرت کی زندگی بسر کرے اور یہی نوابان اودھ نے کیا، اسی کے زیر اثر حسن پرستی اور زنانہ پن معاشرے کے مزاج میں پیدا ہوا، رقص وموسیقی، شراب و کباب اور عورت کے گرد یہ معاشرہ رقص کرنے لگا، آرائشی فنون اور تزئینی دست کاریوں نے خوب خوب ترقی کی، آتش بازی کے پھولوں نے رونق میں اضافہ کیا، نئے نئے رسوم ورواج نے زندگی میں رنگ بھرا۔ مذہب بھی ان اثرات سے محفوظ نہ رہا اور غلو کے ساتھ نئی نئی رسمیں وجود میں آئیں۔ شعروادب مغلیہ تہذیب کا نمایاں پہلو تھا۔ یہی روایات ورثے میں اودھ کو بھی ملی۔ شاہان اودھ نے شاعروں کی سرپرستی کی اور خود بھی شعر کہے، آصف الدولہ کا دیوان موجود ہے۔ میر اور سودا ان سے وابستہ تھے، میر سوز سے وہ مشورہ سخن کرتے تھے، نواب سعادت علی خاں کو شاعری اور علم وادب سے گہری دلچسپی تھی، غازی الدین حیدر نے بھی "ہفت قلزم" کے نام سے کتاب علم لکھی، سلطنت کے وزیر وامیر بھی شعروادب میں دلچسپی لیتے، وزیر معتمد الدولہ آغا میر نے شیخ امام بخش ناسخ کو ایک قصیدہ پر سوا لاکھ روپیہ انعام دیا، نصیر الدین حیدر بھی شاعر تھا، احساس محرومی کے ساتھ آصف الدولہ کے دور سے عیش وعشرت کا رجحان پیدا ہوا اور وقت کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوتا گیا۔ [تاریخ ادب اردو ج ۳ ص ۴۳]

لکھنو کا دبستان شاعری: ج ۲ ص ۳۲۳: اب تک متعین نہیں ہوا کہ ہندوستان میں مرثیہ گوئی کا رواج کس عہد سے شروع ہوا، نواب نصیر حسن خیال نے داستان اردو (مغل اور اردو) میں لکھا ہے شمالی ہند میں ہمایوں کی ایران سے واپسی اور شاہ طہماسپ صفوی سے تعلقات قائم ہونے سے پہلے مجالس عزا کا دستور نہیں تھا۔ ایران میں بھی مرثیہ ادبی حیثیت سے اسی عہد سے شروع ہوا چنانچہ نواب نصیر حسن خیال کا خیال قرین قیاس معلوم ہوتا ہے، ظاہر ہے اس وقت تک شمالی ہند میں مجالس عزا میں فارسی شعراء کا کلام پڑھا جاتا ہوگا، بالخصوص محتشم کاشانی کے ہفت روزہ کو لوگ پسند کرتے تھے، اس زمانہ میں دکن میں اردو شاعری کو شمالی ہند کی بہ نسبت زیادہ فروغ مل رہا تھا، چنانچہ مرثیہ گوئی کے ابتدائی نمونے بھی یہیں سے ملتے ہیں، عادل شاہی اور قطب

شاہی سلطنتوں کے بانی امامیہ مذہب کے پیرو تھے اور ان کی وجہ سے ریاست میں اثنا عشری عقائد کو اسی طرح فروغ ہوا جیسا ایران میں صفویوں کے عہد میں اور اودھ میں والیان اودھ کے دور میں ہوا۔

مولف "دکن میں اردو" کا کہنا ہے:

"بیجاپور اور گولکنڈہ میں شاہی عاشور خانے موجود تھے۔ بیجاپور کے شاہی عاشور خانے کا نام "میلنی محل" تھا جس کی تعریف میں ملک الشعراء نصرتی نے بہت کچھ لکھا ہے۔ گولکنڈہ میں دو شاہی عاشور خانے تھے جہاں عزاداری کے جملہ مراسم بڑی پابندی سے ادا کئے جاتے تھے اور ان میں سلطان بہ نفس نفیس شریک ہوتا تھا۔"

دکنی ادب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے شروع سے آخر تک ہر زمانہ میں مرثیہ گوئی کا رواج ہے اور ہر شاعر نے ایک دو مرثیے ضرور کہے ہیں، سب سے پہلا مرثیہ ملا وجہی کا ہے جس کی دو کتابیں قطب مشتری (۱۶۰۹م) اور سب رس (۱۶۳۵م) اب عام طور پر مشہور ہیں اس دور میں حسب ذیل مرثیہ نگار خاص طور پر قابل ذکر گزرے ہیں اور ان کے مراثی موجود ہیں: وجہی، غواصی، لطیف، کاظم، افضل، شاہی، مرزا، نوری، ہاشمی، مرزا۔ ان شعراء نے مرثیے کو رسمی اور مروجہ طرز میں لکھنے کے علاوہ بعض جگہ نثر ونظم کی مخلوط عبارتوں میں بھی لکھا ہے۔ ان تصانیف میں سے بعض بہت نمایاں ہیں مثلاً:

۱۔ جنگ نامہ سیوک (۱۶۸۱م) ۲۔ روضۃ الشہداء (۱۷۱۷م) ۳۔ قصہ حسینی، عزیز (۱۷۷۶م)
۴۔ درمجالس، عبداللہ کمینہ۔ ۵۔ دوازدہ مجلس، عطا۔ ۶۔ ریاض الجنان (۱۷۹۲م)
۷۔ مثنوی مصیبت اہل بیتؑ

شعروشعراء سے متعلق چند قابل توجہ نکات

۱۔ ماضی میں شعراء، اہل بیتؑ یا حکام وامراء کی شان میں شعر انشاء کرتے تھے بعد کے شعراء بھی اسی نہج پر گامزن رہے۔

۲۔ گزشتہ شعراء غزل سرائی کرتے تھے بعد کے شعراء بھی اسی روش پر قائم رہے۔

۳۔ گزشتہ شعراء حکام وامراء سے جائزہ وانعام لے کر ان کے نمک خوار بنتے تھے بعد کے شعراء بھی اسی روش پر چلتے رہے۔

۴۔ گزشتہ شعراء کی سوانح معارف دینی سے عاری ہے ہمیں ان کی دین شناسی کا ذکر کہیں نہیں ملتا سوائے عربی وفارسی پر عبور کے لیکن عربی فارسی کا نام دین شناسی نہیں بعد کے شعراء بھی ان سے چند ان مختلف نہیں تھے۔

۵۔ شعر کا معنی مبالغہ ہے اور مبالغے کا معنی حد سے تجاوز ہے۔ اسی لئے اہل ادب کا کہنا ہے، "پسندیدہ شعر وہ ہے جس میں جھوٹ زیادہ ہو۔"

۶۔ برطانوی واستعماری حکومت کے سایے میں پراوان چڑھنے اورانھیں کوجزیہ دینے والے حکمرانوں نوابوں اورمقتدر طبقے کے متعلق کیاتوجیہات پیش کریں گے؟

اس حوالے سے علی بن یقطین کی مثال دی جاتی ہے حالانکہ علی بن یقطین ،ہارون رشید یا کسی اور خلیفے کا وزیر نہیں تھااور نہ ہی اس کاامام سے کوئی رابطہ تھا، چنانچہ اس سلسلہ میں کتاب ''رجال الحدیث''میں آیت اللہ خوئیؒ ملاحظہ کریں۔ ہارون رشید کے وزیر برامکہ تھے علی بن یقطین کی مثال شاید مذکورہ لوگوں نے اپنے لئے گھڑی ہو، کیونکہ دین ودیانت کے حوالے سے اس میں حسن نیت نظر نہیں آتا۔ بعض حکام مجلس عزامیں تبرک کے نام سے کچھ کھانے پینے کااہتمام کرتے یاذاکروخطیب کوکچھ پیسہ دیتے اسی طرح آنسو بہا کر عوام فریبی کی کچھ حرکات کرتے تھے چنانچہ آج بھی بہت سے اربابِ اقتدار،عزاداروں کوخوش کرنے کیلئے شربت ،شیرمال وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اورامام کے دوستدار ہونے کادعویٰ کرتے ہیں، جب کوئی خوداسلام کا دوستدارنہیں تو کیسے کہتے ہیں وہ امام کادوستدار ہے۔

مشرقی ممالک خصوصاً ایران اور ہندوستان میں جہاں شخصی حکومت کے اعلیٰ عہدوں پرشرفااور اہل سیف وقلم کاایک محدودطبقہ ہی مامورتھاعلوم وفنون کی سرپرستی اور فنکاروں کی حوصلہ افزائی سلاطین، وزراءاورامراء کے حصہ میں آئی ۔اس بارے میں یہ لوگ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کاجذبہ رکھتے تھے،نتیجتاً جوصاحب کمال ایک دربار سے بددل ہوکرنکلتا دوسری جگہ ہاتھوں ہاتھ لیا جاتااوراس کی پہلے سے بڑھ کرقدردانی کی جاتی یہی سبب تھا جب تاتاریوں کے سیلاب نے ایران کی علمی اورادبی محفلوں کودرہم برہم کردیاتو ارباب کمال نے ہندوستان کارخ کیا، دلی تو دارالخلافہ تھااورایران سے قریب ترلیکن سرپرستوں کی کشش ان لوگوں کوسرزمین دکن اور بنگالہ تک لے گئی۔اس طرح ان لوگوں کی بدولت علم وفن کی شمعیں ایسے دوردراز گوشوں میں بھی روشن ہوگئیں جہاں اس سے پہلے صرف اندھیرا تھااگرچہ یہ سلاطین،امراءاورزراءخودبھی صاحب کمال تھےلیکن ان میں سے جواس سعادت سےمحروم ہوتے ارباب فضل وکمال کی سرپرستی میں وہ بھی کسی سے پیچھے نہیں تھے۔اکبر کی مثال ہی اس کیلئے کافی ہے ان حالات کوپیش نظر رکھیں تو آزادشرب شعراءکامداح سرائی پر مائل ہونا واضح ہوتا ہے۔

قصیدہ کوئی آسان نہیں،مدح کے مقررہ مضامین اس قدرعام اورپامال ہیں کہ ان کے دہرانے سے کوئی مزہ حاصل نہیں ہوتااوران سے تجاوز کاکوئی راستہ نظر نہیں آتا۔قصیدہ کےایک حصہ میں ممدوح کی ذاتی صفات کا ذکراس کی شجاعت،عدالت اوررعیت پروری اورسب سے بڑھ کرسخاوت کاذکر کیاجاتا ہے، کیونکہ مداح کو صلہ کی توقع ہوتی ہے۔اس کی علم دوستی اورشاعرنوازی کی تعریف کی جاتی ہےاورخوداس کے علم وفضل،فہم و دانش،نکتہ آفرینی اورنکتہ سنجی کااعتراف ہوتا ہے۔لوازمات امارت میں محلات اور باغات کی تعریف،گھوڑے تلواراور ہاتھی کی مدح بھی ضرورشامل ہوتی ہےاور بالعموم ممدوح کی دینداری کابھی ذکر ہوتا ہے۔اب ان

تمام مضامین کواگرمعمولی طریقہ سے اداکریں تو کوئی خاص بات پیدانہیں ہوتی،اس لئے مضامین تو یہی ہوتے ہیں لیکن شاعراپنے کمال کے اظہارکیلئے تخیل کوپورے زور سے صرف کرتا ہے وہ مبالغہ سے انہیں پرانے مضامین میں جدت پیدا کرتا ہے،نئی تشبیہوں اورنادراستعاروں سے تازگی کی ایک نئی کیفیت پیش کرتا ہےاوراسی سے اس کے کمال کااندازہ لگایاجاتا ہے۔

مرثیے کادورزرین

مرثیے کے اس دورکودورِزرین کہاجاسکتا ہے جس میں مرثیے کی روایت کودرخشاں تر بنانے اور چارچاند لگانے کیلئے میرانیس اورمرزادبیر نے نہایت اہم کرداراداکیا۔میرانیس کے کلام میں مناظرِفطرت کی تصویر کشی اورجذبات انسانی کی مرقع نگاری کے جومثالی نمونے جابجاملتے ہیں ان کی مثال کم ازکم اردوکے شعری ادب میں ناپیدہے۔میرانیس معرکہ جنگ میں غازیوں کی رجزخوانی ،حریف کے جواب،خاص طورپر بیابان کی فضامیں حرب وضرب کامنظربڑی چابکدستی اورفنی مہارت سے دکھاتے ہیں۔جنگ کے مختلف پہلوؤں کی منظرکشی میں تشبیہ،استعارہ اورصنائع بدائع کااستعمال بھی ان کے مرثیوں میں عام ہےالفاظ کے دردبست،بندش کی چستی،زبان کی حلاوت اورصفائی کاایک خاص اہتمام ان کے مرثیوں میں پایا جاتا ہے مرزادبیر،چونکہ طبعاًجدت پسند تھےاس لئے ان کے کلام میں ہمیں شکوہ زبان وبیان کے ساتھ ساتھ فصاحت زبان کی نسبت آفرینی کےنہایت عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ان کے اشعارمیں فصاحت زبان کی نسبت افکارو خیالات کی ندرت اورتمثیلات کی رنگینی اورطرفہ کاری زیادہ ہے۔وہ نئے نئے مضمون پیداکرنے کی دھن میں بعض اوقات ایسی انوکھی تشبیہات اوردوراز کاراستعارات سے کام لیتے ہیں کہ قاری کیلئے شعرکامفہوم متعین کرنامشکل ہوجاتا ہے۔

مرثیوں کے تراشے

۱۔مرثیے نے گزشت زمان کے ساتھ یاعلاقوں کی ذہانت وذوق سے منازل ارتقاء طے کی ہیں۔اس حقیقت کے پیش نظرشعروشعراء پرنگارش کرنے والوں نے ان کوادوارمیں تقسیم کیاہے لیکن بعض چیزوں میں اکثرشعراءمتحد تھےجیسا کہ اکثر نے اشعارسراہتے وقت تاریخ کی اسنادکاخیال نہیں رکھا لہٰذابہت سے مرثیے جھوٹی روایات،افسانوں اورقصہ سازوں کےقصوں کے مطابق سراہے گئے ہیں جواپنی جگہ جھوٹ ہیں۔افسوس ہے اہل بیتؑ جوطاہرومطہر اورصادق وصفاذوات کے حامل تھےان کے بارے میں جھوٹ بولا جائے اور ماننے والےاس پرآنسو بہائیں۔

۲۔شعراءنے اپنےشعرکی مہارت دکھانے کیلئے واقعہ کربلامیں حقیقت کاجائزہ لینے کی بجائے امام حسینؑ کے گھوڑے،آپ کی تلواریاجھنڈے کی شان میں شعرسرائی کی ہے۔

۳۔امام حسینؑ کی حقانیت ومظلومیت کے یاظالمین کی شقاوت بیان کرنے کی بجائے شمس وقمر،افلاک و

نجم اور ملک کے نظاروں یا ان کی حیرت کے تخیلات پر مرثیے بیان کئے ہیں۔

لکھنؤ میں مرثیہ گوئی

بعض مراثی سرا اور نوحہ گران کی شرح احوال

بعض مراثی سرا اور نوحہ گران نے پہلے مرحلے میں اہل بیتؑ جیسی ہستیوں کی مدح وثنا کے ساتھ ہی ان کے دشمنوں سے بےزاری کا اعلان کیا لیکن بعدازاں یہ انہی دشمنوں کی بزم ورزم میں رچ بس گئے یعنی جہاں وہ مرثیہ سرائی کرتے وہاں غزل گوئی میں بھی محو ہوتے، جہاں محفلِ آل طیار میں گویا رہتے وہاں وہ رقص وسرور اور شراب وکباب کی محفلوں میں پیش پیش رہتے۔ جہاں یہ اولیاءاللہ کا دلداہ ہونے کی زبان کھولتے وہاں نم چشم دھوکر زلفوں کی بات بھی کرتے تھے گویا ان کی حرکات وسکنات اور کردار اس آیت کریمہ کا مصداق جلی بنی ہیں:

"یہ ایسی باتیں کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں۔"

یا وہ آیت:

"منافقین، مومنین سے کہتے تھے ہم تمہارے ساتھ ہیں لیکن واپس جا کر اپنے منافق بھائیوں سے کہتے تھے ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف ان کے ساتھ مذاق کر رہے تھے۔"

یا یہ آیت:

"جب ان سے کہا جاتا تھا کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو تو کہتے ہیں ہم اصلاح کرنے والے ہیں۔"

آج بھی بعض افراد کا یہ کہنا کہ ہم انہی لوگوں میں شامل ہو کر اصلاح کرتے ہیں اسی فکر کا مولود ہے لہٰذا ایسے لوگ معاشرے میں کتنی بڑی شخصیت کے حامل کیوں نہ ہوں یا اعلیٰ وباعزت خاندان کے فرد کیوں نہ ہوں، خدا نے ان کا نام نہیں لیا جہاں سورہ تحریم میں نوح اور لوط کی زوجات سے کہا تم مجرمین کی طرح جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ ان کا نام لینا قرآن وسنت کی رو سے اشاعہ فحشا تھا جس سے قرآن نے منع کیا ہے۔

میر تقی میر

تکمیل ادب ص ۲۹۵: محمد تقی نام، میر تخلص تھا، والد کا نام محمد عبداللہ عرف علی متقی تھا۔ میر تقی ۱۷۲۳ میلادی میں دہلی میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے والد کے دوست سید امان اللہ سے حاصل کی، ابھی دس برس کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ میر تلاش معاش میں وطن سے نکل کھڑے ہوئے اور دہلی پہنچ کر ایک نواب کے ہاں ملازم ہو گئے نواب موصوف ایک لڑائی میں مارے گئے تو میر اکبر آباد آ گئے مگر گزر اوقات کی کوئی صورت نہ بنی تو پھر دہلی چلے گئے اور اپنے سوتیلے ماموں سراج الدین عالی خاں آرزو کے پاس رہنے لگے اور انہی کے زیر سایہ تعلیم وتربیت حاصل کی ابتدائی کلام کی اصلاح بھی خان آرزو سے لی لیکن یہاں بھی سکون نصیب نہ ہوا اور عشق میں ناکامی نے جنون کی کیفیت پیدا کر دی۔ وہ غم کو سینے سے لگائے زندگی کے دن بسر

کرتے رہے کچھ عرصہ ایک رئیس رعایت خاں کے ہاں بھی رہے۔ لکھنؤ روانہ ہوئے تو وہاں نواب آصف الدولہ نے تین سو روپے ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا آپ نے ۱۸۱۰ میلادی میں لکھنؤ میں ہی وفات پائی۔

میر نے قصیدے، مثنویاں، رباعیاں سبھی کچھ کہا ہے لیکن غزل میں ان کا رتبہ بہت بلند ہے۔ میر قافیے اور سادہ بحریں مترنم استعمال کرتے تھے اور الفاظ وحروف کی تکرار سے موسیقی پیدا کر دیتے تھے۔ نمونہ کلام یہ ہے:

کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے — اس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے

لکھنؤ کا دبستان شاعری ج ا ص ۱۷۵: میر تقی میر شہنشاہ سخن نہیں، خدائے سخن ہیں، ان کا کلام جیسا ان کے زمانے میں مستند تھا، ویسا ہی آج بھی مقبول اور مرغوب ہے بلکہ دور جدید میں غزل کے احیاء کے ساتھ طرز میر کی طرف رجعت ایک نہایت اہم رجحان ہے جس سے میر کے کلام کی ہمہ گیری، آفاقیت اور ابدیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اردو شاعری بالخصوص غزل میں سوز گداز، سادگی، شیرینی اور اثر انگیزی کی جو روایت ان سے شروع ہوئی اس نے اردو شاعری کا بڑے نازک مرحلوں پر ساتھ دیا ہے۔ جب کبھی اردو شاعر تکلف، تصنع آور داور وصنائع لفظی ومعنوی کی مشکل وپھیر میں پڑے ہیں میر کے کلام نے ہی انہیں اس خار زار سے نکال کر راہ راست دکھائی ہے۔

میر ببر علی انیس

اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۳ ص ۵۰۰: انیس ببر علی، فرزند میر خلیق ۱۲۱۶ھ کو پیدا ہوئے، افغانستان کے شہر ہرات سے ۱۶۵۸ میلادی کو دہلی آ کر آباد ہوئے، ابتدائی کتابیں فیض آباد میں میر نجف علی سے پڑھیں پھر علامہ حیدر علی سے عربی پڑھی، پھر میر علی سے فنون سپہ گری سیکھی، اردو زبان میں انکی باتوں کو سند سمجھا جاتا ہے۔

تحسین اردو ص ۹۱: اردو کے سب سے مشہور مثنوی نگار میر حسن دہلوی کے پوتے، میر متحسن خلیق کے بیٹے "میر انیس" (۱۸۰۳-۱۸۷۴) کی جائے پیدائش فیض آباد ہے جہاں ان کے دادا دہلی سے آ کر آباد ہو گئے تھے جب فیض آباد، ریاست اودھ کا دارالحکومت تھا۔ ان کے والد میر خلیق بھی اچھے شاعر تھے اور مرثیہ گوئی کی تاریخ میں ان کا نام بھی اہمیت رکھتا تھا۔ ان کے والد میر خلیق کیلئے شاعری گویا موروثی چیز تھی۔ انہوں نے تعلیم وتربیت اس زمانے کے شرفاء کے بچوں کی طرح پائی۔ کہتے ہیں لڑکپن میں انہوں نے ایک مشاعرے میں غزل پڑھی جسے بہت سراہا گیا۔ باپ کو خبر ملی تو اگرچہ خوش ہوئے مگر بیٹے کو مرثیہ کہنے کا مشورہ دیا، چنانچہ اس کے بعد سے انیس نے اپنی تمام تر توجہ مرثیہ گوئی پر صرف کر دی، جوانی میں لکھنؤ آئے تو یہیں کے ہو کر رہے۔ ان دنوں مرثیہ گوئی میں مرزا دبیر کا طوطی پورے لکھنؤ میں بول رہا تھا اور ان کی ٹکر کا کوئی اور مرثیہ گو نہ تھا انیس نے لکھنؤ آ کر جب مرثیہ گوئی شروع کی تو اہل لکھنؤ کو ایک اور جوہر قابل کا پتہ چلا اور جلد ہی پورا شہر دو گروہوں میں بٹ گیا، ایک انیس کے مداحوں کا جو انیسیے کہلانے لگے دوسرا دبیر کے حامیوں کا جو دبیریے مشہور ہوئے۔ موروثی شاعر ہونے کے علاوہ انیس کو اپنے گھر کی زبان پر بڑا ناز تھا جو ان کے دادا دہلی سے

لائے تھےاور جسے انہوں نے بڑے اہتمام سے آئندہ نسلوں تک محفوظ شکل میں منتقل کیا تھا چنانچہ اپنی زبان میں مرثیہ پڑھتے وقت اہل لکھنؤ کے اعتراض کا جواب یہی دیتے تھے یہ میرے گھرانے کی زبان ہے اگرچہ لکھنؤ کے محاورے سے مختلف ہے۔ انیس لکھنؤ میں آ کر ایسے رہے کہ کہیں باہر جانا بھی پسند نہ کرتے مگران کی شہرت ملک کے دور دراز حصوں میں پھیلتی گئی اور مرثیہ پڑھنے کی دعوتیں انہیں مختلف مقامات سے ملتی رہتی، لیکن آپ صرف دوبار لکھنؤ سے باہر گئے۔

تبصرہ

میر انیس کا سارا کلام مرثیوں، سلاموں اور مرثیوں سے متعلق رباعیوں پر مشتمل ہے، اردو میں یہ ایک علیحدہ اور انوکھی صنف شاعری بن کر ابھری جو اس زمانے کی مروجہ غزل گوئی، قصیدے، مثنوی وغیرہ میں سب سے مختلف ہے۔ تعلیم انھوں نے **لکھنؤ میں** ہی مکمل کی، اپنے وقت کے حکمران شجاع الدولہ کے متوسلین میں سے تھے۔ نواب قاسم خان کی دعوت پر ان کے گھر بھی گئے، ان کے سخن اور تقاریر سننے کیلئے لوگوں کا رش اور پہرہ لگا رہتا تھا اس زمانے میں ان کا بہت چرچا تھا۔

دبیر اور انیس دونوں ہم عصر اور آپس میں انتہائی اختلاف رکھتے تھے بلکہ ایک فرقے کی شکل وصورت اختیار کر لی تھی بلکہ دبیری اور انیسی کی اصطلاح عام تھی۔ دو عاشق اہل بیتؑ کشیدگی اور تناؤ کے باوجود کیسے اہل بیتؑ کے بیت میں داخل ہوئے، یہ ان کے ماننے والوں کا امتیاز و خصوصیت ہے یا ان کے مقتدی اور پیشواؤں کی خصوصیات ہیں جو ایسے مریدین پیدا کرتے ہیں جو ایک دوسرے کو برداشت نہیں کرتے۔ یہ صورت حال تنہا ان دونوں تک محدود نہیں، بلکہ پوری تاریخ میں نوحہ خوانوں کی یہی صورت حال رہی ہے۔

میر انیس اور مرزا دبیر کا موازنہ

ایضاً ص ۳۷۰: انیس اور دبیر ایک ہی زمانے اور ماحول سے تعلق رکھتے ہیں دونوں کا موضوع ایک ہے، خود میر انیس اور مرزا دبیر کے زمانہ میں دونوں کا رنگ علیحدہ علیحدہ سمجھا جانے لگا دونوں گروہ اپنے ہیرو کی فوقیت ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ جوار دبیر تقریباً حسب کردہ اعداد کے ۱۲۱۰ بند پر مشتمل ہیں، جبکہ منتخب سرائی انیس ۱۲۷ بند پر مشتمل ہیں، ان تمام اشعار کی سند یہ ہے کہ "شعر میں ہر چیز جائز ہے" خیالِ بافی تصورات، افسانہ سازی، عرش کو زمین بوس کرنا فرش کو عرشِ معلیٰ بنانا شاعرِ توانا کا حق ہے۔

انیس کے مرثیے ترتیب: صالحہ عابد حسین

قرآن سے ظاہر ہیں شرف آل نبیؐ کے — احساں ہیں ملائک یہ حسین بن علیؑ کے صفحہ ۱۰۵

❁ قرآن کہتا ہے ہر مشکل میں اللہ سے مدد طلب کرو۔ اسی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔

جبکہ انیس کہتے ہیں:

دم بھرتے رہو سحر و شام علیؑ کا — جب پاؤں کو لغزش ہو تو نام علیؑ کا صفحہ ۱۰۷

مشکل کشاء حاضر و غائب حسینؑ ہے — خورشید و ماہ مکہ و یثرب حسینؑ ہے صفحہ ۱۵۹

آدم سے مرتبے میں مقدم حسینؑ ہے — اسرار کردگار کا محرم حسینؑ ہے صفحہ ۱۵۹

ادنیٰ کو دم میں چاہے تو اعلیٰ کرے حسین — قطرے کو بحر لطف سے دریا کرے حسینؑ

بالا کو پشت، پست کو بالا کرے حسین — اک آن میں ثریٰ کو ثریا کرے حسینؑ صفحہ ۱۶۰

کس آیہ کریم میں ذکر علیؑ نہیں — قرآن میں کیا خفی ہے کہ ہم پر جلی نہیں صفحہ ۲۳۶

گر رزم میں سختی ہو تو زہراؑ و نبیؐ ہیں — اور قبر کی مشکل میں شریک اس کے علیؑ ہیں صفحہ ۲۸۸

اعلیٰ کسے فرمایا علیؑ کس کو کہا ہے؟ — اللہ نے قرآن میں ولی کس کو کہا ہے؟ صفحہ ۲۹۶

جن و ملک تو روتے ہیں، اور تجھ کو غم نہیں — ظالم یہ سر حسینؑ کا قرآن سے کم نہیں صفحہ ۳۶۳

سید مرتضیٰ حسین فاضل مجلس ترقی ادب۔ لاہور

انیس کے منتخب مرثیے

نازاں ہو محبت پہ امام ازلی کی — ساری یہ تعلی ہے حمایت پہ علیؑ کی صفحہ ۳۰

ہے اس پہ ازل سے نظر رحمت معبود — یہ پیشتر آدمؑ سے بھی تھا عرش پہ موجود

ہے ذات خدا صاحب فیض و کرم و جود — تھا خلق دو عالم سے یہی مطلب و مقصود صفحہ ۳۹

میں بھی ہوں فدا اس پہ کہ یہ فدیہ رب ہے — یہ لال ترا بخشش امت کا سبب ہے صفحہ ۴۲

امام ازلی

بندوں میں لکھا جاؤں امام ازلی کے — آزاد ہوں صدقے سے حسین ابن علیؑ کے صفحہ ۴۳

یہ سن کے بڑھے چند قدم شاہ خوش اقبال — قدموں پہ گری دوڑ کے وہ کھولے ہوئے بال

تھا قبلہ عالم کا بھی اس وقت عجب حال — روتے تھے غضب، آنکھوں پہ رکھے ہوئے رومال صفحہ ۵۰

حضرت سکینہؑ کی پریشانی پر شعر

حسرت سے یہ ظاہر تھا کہ معذور رہیں بی بی — پیدا تھا نگاہوں سے کہ مجبور ہیں بی بی صفحہ ۴۹

سجدے کریں گے جس پہ ملک وہ زمیں یہ ہے — جس پر کھلا ہے نقش شفا، وہ نگیں یہ ہے

بطحا یہ ہے، مدینہ ارباب دیں یہ ہے — کعبہ یہ ہے، نجف یہ ہے، خلد بریں یہ ہے صفحہ ۱۲۲

لکھنؤ میں مرثیہ کوئی کا جائزہ لینا چاہیں تو اس فن کے مورخین کا کہنا ہے لکھنؤ میں مرثیہ نگاری کے دو دور ہیں۔ پہلے دور میں فصیح و دیگر، خلیق اور ضمیر کے نام زیادہ آتے ہیں، دوسرے دور میں انیس اور دبیر کا نام زیادہ لیا جاتا ہے۔ صنف مرثیہ نگاری کا جب ذکر آتا ہے تو لوح ذہن پر سب سے پہلے ان کے نام آتے ہیں، کیونکہ ان کا دور مرثیہ نگاری کے عروج کا دور تھا۔ ان دونوں شعراء نے اپنے ذاتی شوق و شغف کی بنیاد پر مرثیہ نگاری کا آغاز کیا اور ذاتی شوق کے ساتھ ساتھ ان دونوں کے درمیان فنی، لسانی موضوعات میں کبھی تاثراتی بنیاد پر ایک دبی دبی تقابلی دور بھی چلی جو بالآخر مستقل حیثیت اختیار کر کے کھلے مقابلوں کی صورت اختیار کر گئی۔

اس تقابلی وتخلیقی عمل میں مرثیہ نگاری کی صنف کوغیر معمولی عروج پر پہنچایا۔انیس ودبیر کی مرثیہ نگاری کے انتہائی عروج یہاں تک پہنچ گیا کہ لوگ اس کوایک خالص اوربہتر عبادت سمجھنے لگے۔حکومت اودھ کے خاتمے کے ساتھ ہی مرثیے کی شاہی سرپرستی کا بھی خاتمہ ہوگیا اب مرثیہ گوفارغ البال نہ رہ سکے اورانہیں فکر معاش لاحق ہوئی کیونکہ اس سے پہلے لکھنؤ میں انھیں فکر معاش نہ تھی انیس جیسے خوددار انسان کہتے تھے انھیں آخرعمر میں لکھنؤ سے باہر دیگرعلاقوں میں جانا پڑا۔ان دونوں کی اس تندوتیز سفرترقی وکمال میں اچانک وقفہ پیدا ہوا،یہیں سے شاہی حکومت کے زوال کے ساتھ صعودوعروج مرثیہ نگاری کا زوال شروع ہوااورانیس و دبیر کے بعد یہ قافلہ رک گیا۔

دبیر

اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج۹ص ۲۰۸: مرزا سلامت علی لکھنوی فرزند مرزا غلام حسین ،۱۱جمادی الاول ۱۲۱۸ھ کو پیدا ہوئے،چھوٹی عمر میں اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ منتقل ہوئے اور وہاں کے علماء سے اس وقت کے رائج علوم کیلئے فارسی،عربی کی کتابیں پڑھیں،۱۸برس کی عمر میں تعلیم چھوڑ کر شعر کہنے لگے،۱۲۳۰ھ میں انہوں نے شاعری شروع کی جس سے بہت شہرت حاصل ہوئی۔

جواہر دبیر کتاب کی تمہید ص ۱۱پر محقق سید مرتضی حسین فاضل لکھتے ہیں: شاعر کبیر کا نام یہاں تک مشہور رہوا کہ نواب اصغر علی خان، جنت آشیان، علیین مکان کے والد ماجد نواب الدولہ کے ہاں ملازم ہوئے اسی طرح دیگر سرکاروں میں بھی ان کی عظمت ورفت ہونے لگی یہاں تک کہ مہاراجہ میوہ رام ان کو بہت جانتے تھے،شاہ طور بھی انہیں مقام ومنزلت دیتے تھے،دبیر کے دور میں ایک اور مشہور ومعروف شاعر اوران کے معاصر مرزا انیس بھی تھے،یہ دونوں آپس میں حریف ورقیب تھے یہاں تک کہ ان کے ماننے والوں کے درمیان گروہ بندی دبیری اورانیسی کی صورت اختیار کئے ہوئے تھی۔

دبیر کا شاہی دربار میں مقام

جواہر دبیر ص ۱۸پر مرحوم صدرالافاضل لکھتے ہیں: ایک دفعہ نواب اودھ غازی الدین حیدر نے شاعر بزرگ مرزا دبیر کو اپنے ہاں بلایا،اجازت ملنے پر مرزا صاحب منبر پر گئے،حمد ونعت میں ایک ایک رباعی پڑھی پھر مسدس کا یہ بند پڑھا جو فی البدیہہ راستے میں لکھا تھا:

واجب ہے حمد وشکر جناب الہ میں! فضل خدا سے آیا ہوں کس بارگاہ میں
مجھ سا گدا اورانجمن بادشاہ میں! چرچا یہ لوگ کرتے ہیں اس وقت راہ میں
ذرے پہ چشم مہر ہے مہر منیر کو حضرت نے آج یاد کیا ہے دبیر کو

ایک مرثیے کے خاتمے میں دبیر نے نواب کی شان میں یہ پڑھا:

اے دبیر اب یہ دعا مانگ کہ اے رب انام زیب آفاق رہیں ملکہ آفاق مدام

قبلہ عالمیان شاہِ زمان اوج مقام تخت آرار ہیں باشوکت واعزازِ تمام

شاہی خاندان میں ان کو جو مقام حاصل تھا اس کا اندازہ اس شعر سے بھی لگایا جاسکتا ہے:

گو کہ حاسد نہ کرے تیرے سخن کی توقیر مجھ کو کافی ہے شہنشاہِ زمن کی توقیر

مرزا دبیر کو یکے بعد دیگر نوابان اودھ کے دربار میں مقام حاصل رہا،۱۲۴۳ھ کو جب غازی الدین حیدر نے وفات پائی تو ان کے فرزند نصیر الدین تخت نشین ہوئے،اس دور میں مرزا صاحب نے ایک کتاب "ابواب المصائب" لکھی، یہ کتاب "کربل کتھا" جیسے مجموعہ ہائے مجالس پر مشتمل ہے۔کتاب کے سبب تالیف میں لکھتے ہیں:

"انہیں اس دوران غیبی والہامی تائید حاصل ہوئی کہ وہ سورہ یوسف کا مشتمل بمصائب جناب سید الشہداء علیہ التحیۃ والثناء کا تفاسیر معتبرہ اور احادیث معتمدہ کے ساتھ تعزیہ داران ابا عبداللہ الحسینؑ کے مطالعے کیلئے زبان اردو معلی میں ترجمہ کریں۔"اس کتاب کی شان میں انہوں نے یہ شعر پڑھا:

حق تعالیٰ سے مجھ کو ہے امید یہ کتاب عزا رہے جاوید روئیں پڑھ پڑھ کے اس کو تعزیہ دار
کریں فقیروں پہ در اشک نثار آفرین شاہ خوش نہاد کریں ہر ورق پر حسینؑ صاد کریں

اور اسے نصیر الدین حیدر کے نام یوں موسوم کیا:

"حقا کہ آباء واجداد اس بادشاہ سلیمان جاہ، داردربان سکندر ایوان، یوسفِ عہد، نوشیروان عصر، ابو النصر قطب الدین بادشاہ غازی نصیر الدین حیدر خلد اللہ ملکہ وسلطنہ بانی خیر وحسنات تھے.. لحمد للہ کہ ہمارے بادشاہ عصر خلّد اللہ ملکہ وسلطنہ کو جنابِ احدیت نے فخر سلاطین اور رشک بادشاہان عصر پیدا کیا کہ ازل سے آج تک کسی نے بنائے تعزیہ داری تا اربعین نہ کی تھی الّا اس بادشاہ خلائق پناہ نے یہ رسم حسنات مقرر فرمائی۔"

چالیس دن تک مجالس کا انعقاد،شہزادوں،امیروں اور مختلف درجے کے افراد میں،ذاکروں اور مرثیہ گویوں کی کثرت کا سبب بنا۔مرزا دبیر اس وقت صاحب قلم اور زور نویس ہونے کی وجہ سے مقبول ہوئے اس وقت سوز خوانوں کی کثرت تھی،یہ حضرات اکثر وبیشتر دوسروں کا کلام پڑھتے تھے،خاص مجلسوں کیلئے انہیں نئے مرثیے کہلوانا پڑھتے تھے،بوڑھے شاعروں کے پاس اتنا وقت ودماغ کہاں ہوتا ہے کہ ہر وقت وہ مرثیہ لکھنے کیلئے تیار رہیں،مرزا دبیر کی زور گوئی نے سوز خوانوں کو گرویدہ بنایا۔انہوں نے جب نئے شاعر کے نئے مرثیے پڑھے تو شہرت کو پر پرواز مل گئے۔مرزا صاحب کا دستور تھا کہ وہ ایک مرثیہ کے تیس چالیس بند لکھتے۔ سوز خوان اس سے زیادہ کیا پڑھتے،پھر اسی مرثیہ پر کچھ اور بند لکھ کر دو دو،تین تین بلکہ اس سے بھی زیادہ مطلع لکھ لیتے جتنی بڑی مجلس ہو اور جیسا پڑھنے والا ہو،اسی اعتبار سے مرثیہ کو طویل یا مختصر بنالیا جاتا،پھر واقعات،تاریخ کی مناسبت سے بے شمار مرثیے لکھ ڈالے۔عوام کیلئے سادہ،رقت انگیز خواص کیلئے بھاری بھر کم زبان میں،معانی وبیان کی عالمانہ نمود وآرائش سے سجے ہوئے طویل مرثیے قلم بند کئے۔

مرزا دبیر کی تالیف

علامہ صدر الافاضل اپنی تصنیف "جواہر دبیر" کی ص ۱۹ پر لکھتے ہیں:

"جب ۱۸۲۷ء کو غازی الدین حیدر کی وفات کے بعد نصیر الدین تخت نشین ہوا تو اس دور میں مرزا دبیر کی کتاب ابواب المصائب تصانیف میں معروف ہوئی، یہ کتاب مجالس پر مشتمل تھی، مرزا دبیر اس کتاب کی تصنیف کے سبب کے بارے میں لکھتے ہیں، یہ تائید غیبی اور بندہ کو الہام لا رہی ہے، ہم نے عزم و جزم کیا کہ سورۂ یوسف کے ترجمے پر مشتمل مصائب سید الشہداء نئے انداز میں معتبر تفاسیر اور احادیث کے ذریعہ تعزیہ داران کیلئے زبان اردوئے معلیٰ میں کتاب پیش کریں، چنانچہ انہوں نے اپنی اسی کتاب کے بارے میں شعر انشاء کی، یہ کتاب ابواب المصائب کی تالیف سورۂ یوسف کو یوسف آل عبّا کے مصائب سے مطابقت کر کے نثر کے علاوہ ۱۴۸۲ اشعار پر کیا ہے، جسے انہوں نے ایک ہفتے میں مکمل کیا ہے۔

مرزا دبیر کی مرثیہ گوئی

لکھنؤ کا دبستان شاعری ج ۲ ص ۶۰۳: میر انیس کے حریف اور مد مقابل تھے ـــــ چنانچہ یہ بات عام طور پر معلوم ہے کہ اس عہد میں لکھنؤ میں مرثیے کے شائقین دو گروہوں میں بٹ گئے تھے جو انیسیے اور دبیریے کہلاتے تھے۔ اس سے ہر گروہ اپنے صاحب کمال کا مداح اور دوسرے پر معترض ہوتا تھا انیس اور دبیر کا موازنہ اب ایک تاریخی روایت بن چکا ہے۔ نمونہ کلام ہے :

کہنے سے اذان کے دین سب ملتا ہے　　　پر نام علیؑ نہ لو تو کب ملتا ہے

اعداد محمدؐ و علیؑ کو گن لو　　　یہ دونوں جو با ہم ہوں تو رب ملتا ہے

اعداد محمدؐ ۹۲ + علیؑ ۱۱۰ (۲۰۲) = رب ۲۰۲　　　[اقبال بر آستانہ شاہ ولایت ص ۱۲]

اشعارِ دبیر، جسے قبلہ سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل لکھنو نے جواہر دبیر کے نام سے ترتیب دیا ہے، اس کتاب کے اندر جن موضوعات پر انھوں نے اشعار پڑھے ہیں ان کے بندوں کے تعداد بھی بیان کی گئی ہے جسے ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں:

۱۔ (صفحہ ۵۳) "کوفے میں بہار آئی جو گلگشتِ چمن کو" شہادت حضرت مسلمؑ کے بارے میں، ۱۵۹ بند۔

۲۔ (صفحہ ۱۱۱) "ہر سنگ بنا لعل و گہر مہر علیؑ سے" شہادت حضرت حرؑ کے بارے میں ۲۲ بند۔

۳۔ (صفحہ ۱۳۹) "سیفی کا نمونہ مری شمشیر زبان ہے" فضائل، ولادت و شہادت حضرت عباسؑ ۱۲۳ بند۔

۴۔ (صفحہ ۱۹۵) "کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے۔" جنگ و شہادت حضرت عباسؑ ۱۴۹ بند۔

۵۔ (صفحہ ۲۵۵) "کس کا علم حسینؑ کے منبر کی زیب ہے۔" بیان شہادت حضرت عباسؑ ۱۳۷ بند۔

۶۔ (صفحہ ۲۹۵) "سب محفلوں میں نور کی محفل ہے یہ محفل۔" بیان شہادت حضرت علی اکبرؑ ۱۳۷ بند۔

۷۔(صفحہ۳۴۱)''جب موسم جوانی اکبرؑ گذر گیا۔''بیان شہادت حضرت علی اکبرؑ ۴۳بند۔
۸۔(صفحہ۳۵۵)''روانہ نہر لبن کو جو شیر خوار ہوا۔''بیان آمد قاصد صغریٰ وشہادت امام حسینؑ ۴۱بند۔
۹۔(صفحہ۳۶۹)''بانو کے شیر خوار کو ہفتم سے پیاس ہے۔''بیان شہادت حضرت علی اصغرؑ وامام حسینؑ ۹۱بند۔
۱۰۔(صفحہ۳۹۷)''آمد ہے بادشاہ فلک بارگاہ کی۔''بیان شہادت حضرت امام حسینؑ ۱۰۰بند۔
۱۱۔(صفحہ۴۲۷)''کس کی زبان سے پیاس نے پائی آبرو۔''بیان شہادت امام حسینؑ ۱۰۸بند۔
۱۲۔(صفحہ۴۶۷)''قدرت کے حوصلے کا تحمل حسینؑ ہے۔''بیان شہادت امام حسینؑ ۸۵بند۔
۱۳۔(صفحہ۴۹۹)''زندان کی طرف ہند تحمل سے رواں ہے۔''احوال قید شام ۱۰۲بند۔
۱۴۔(صفحہ۵۳۱)''جب قرب ہوگا آمد روز نشور کا۔''احوال قیامت وشفاعت ۱۱۰بند۔

دبیر کا منتخب کلام از جواہر دبیر

۱۔مرثیہ ۱۸میں ایک گناہ گار کی امام حسینؑ کے طفیل عذاب سے خلاصی پانے کی داستان بیان کرتے ہوئے بند ۳۷،مصرع ۵،۶ میں امام حسینؑ کا بیان نقل کیا ہے:

ہم پر ازل سے خالقِ اکبر کا پیار ہے — بخشا اسے بھی ہم کو ہمیں اختیار ہے

۲۔امام حسینؑ کی میدان جنگ میں لڑائی کا ذکر کرتے ہوئے مرثیہ ۱۸،بند ۱۱۳،مصرع ۳،۴ میں اہل خیام کی باہم گفتگو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

پردہ کہاں کا، چل کے لے آؤ حضور کو — گھیرا ہے ظالموں نے، بچاؤ حضور کو

۳۔مرثیہ ۱۸بند ۱۱۴،مصرع ۵،۶،بند ۱۱۵اور بند ۱۱۶ کے مصرع ۱،۲ میں امام حسینؑ کے شہادت کے وقت جناب زینبؑ کے خیام سے باہر آنے کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

قبے گرے نہ پردہ نشینوں کو کل پڑی — اور اک معظمہ تو کھلے سر نکل پڑی
منہ زرد، ہونٹ نیلے، زبان خشک، پشت خم — رعشہ تھا اس جناب کو لے سر سے تا قدم
جو کوشوارے کانوں کے ہلتے تھے دم بدم — بندے جو تھے عیاں تو یہ باعث تھا، ہے ستم
نکلے تھے یوں کہ کچھ خبرِ دست و پا نہ تھی — موزہ نہ تھا، نقاب نہ تھی اور ردا نہ تھی
رخ بدر تھا، پہ فاقہ کشی سے گھٹا ہوا — اور ماہِ نو کی طرح گریبان پھٹا ہوا

۴۔مرثیہ ۹،بند ۹،مصرع ۵،۶ میں علی اصغرؑ اور حرم کی حالت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قرآن کی ہوا کبھی گھبرا کے دیتے ہیں — بانو کو دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں

۵۔مرثیہ ۹،بند ۱۵،مصرع ۵،۶ میں امام حسینؑ کی علی اصغرؑ سے گفتگو کو بیان کرتے ہیں:

چلتے ہو، پہلوئے علی اکبرؑ میں سونے کو؟ — آتے ہو میرے شیعوں پہ قربان ہونے کو؟

۶۔مرثیہ ۹،بند ۱۸،مصرع ۵،۶ میں والدہ علی اصغرؑ سے گفتگو کو بیان کرتے ہیں:

شہ بولے، ان کو شیعوں سے پیارا کرو گے تم؟ — جھولے میں موت آئے گی تو کیا کرو گی تم

۷۔مرثیہ ۹ہی کے بند ۴۴،مصرع ۱تا۴ میں شہادت علی اصغرؑ کے بعد امام کی بے بسی کے عالم میں حضرت زہراؑ کی آمد بیان کرتے ہیں:

ناگہ صدا یہ آئی کہ اے میرے بے دیار — تجھ پر بھی میں فدا ترے اصغر پہ میں نثار
مرتے ہیں مومنوں کے جو اطفال شیر خوار — جنت میں پالتی ہوں انہیں میں جگر فگار

۸۔مرثیہ ۹بند ۵۴،مصرع ۵،۶ اور بند ۵۶ مصرع ۱تا۴ میں علی اصغرؑ کی شہادت کے بعد میدان جنگ میں امام کی جنگ کے دوران حالت بیان کرتے ہیں:

حیرت کی شکل خوف سے جن و ملک بنے — دو پاؤں بھاگنے کو جن و ملک بنے
دریا تھا موج پر مگر اس آن چھپ گیا — کہسار میں سمٹ کے بیابان چھپ گیا
لشکر میں شہر ہو کے پریشان چھپ گیا — ڈر کر عمر کے قلب میں شیطان چھپ گیا

۹۔مرثیہ ۹بند ۸۳،مصرع ۵،۶ میں شہادت امام کے وقت میدان جنگ میں فضہ، حضرت زہراؑ کی حالت بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں:

اماں تمہاری پیٹتی ہیں بلبلاتے ہیں — وہ بیتے سے لپٹتی ہیں حوریں چھڑاتی ہیں

۱۰۔مرثیہ ۹بند ۸۴، مصرع ۱،۲ اور بند ۸۷ مصرع ۳،۴ میں شہادت امام کے وقت حرم کی حالت بیان کرتے ہیں:

زینب نے بال کھول کے رن کو قدم بڑھائے — سیدانیاں بھی ساتھ چلیں گردنیں جھکائے
کرتے تو چاک تھے ہی کلیجے بھی پھٹ گئے — روئے حرم، نصیب ہمارے الٹ گئے

۱۱۔مرثیہ ۹، بند ۹۰ (نسخہ دفتر ماتم) اور بند ۹۱ میں شہادت امام کے بعد زوجہ امام کی زینبؑ سے گفتگو کو ہندی رسومات کے پیرائے میں وضع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

آخر یہ بولی حضرت زینب سے وہ غریب — اک دن وہ تھا کہ خواب میں جاگے مرے نصیب
جنت سے آئیں آپ کی اماں میرے قریب — تھا ساتھ اس جناب کے اللہ کا حبیبؐ
سر کو ندھا، سہرا ماتھے پہ باندھا کرم کیا — لونڈی کے ساتھ عقد امام امم کیا!
اکبر کا صدقہ اب تو مرے کام آیئے — آخر ہوا سہاگ مری نتھ بڑھایئے
لونڈی کے بال کھول کے بیوہ بنایئے — بھابھی حسنؑ کو روتی تھیں کیوں کر بتایئے
رنڈسالہ میں طلب نہیں کرتی جناب سے — محروم تو نہ رکھیے عزا کے ثواب سے

مبالغہ آرائی مرثیہ ۴۔ص ۱۹۵تا ۲۵۳
یعنی گفتگو، بیان واقعہ میں حقیقت سے تجاوز جھوٹ کی ملاوٹ کرنا کیا یہ دین میں جائز ہے؟

بند۱ کس شیر کی آمد ہے کہ رن کانپ رہا ہے — رن ایک طرف، چرخ کہن کانپ رہا ہے
رستم کا بدن زیر کفن کانپ رہا ہے — خود عرش خداوند زمن کانپ رہا ہے
شمشیر بکف دیکھ حیدر کے پسر کو — جبریل لرزتے ہیں سمیٹے ہوئے پر کو

بند:۱۵ لیے ان کے شرف کچھ بھی زمانہ نہیں رکھتا — ایمان سوا ان کے خزانہ نہیں رکھتا
قرآن بھی کوئی اور فسانہ نہیں رکھتا — شبیر بغیر ان کے یگانہ نہیں رکھتا
یہ روح مقدس ہے فقط جلوہ گری میں — یہ عقل مجرد ہے جمال بشری میں

نظریۂ فدا و مثل عیسیٰ۔ بند۳۸

پہلے یہ خبر دی کہ میں ہوں فدیہ شبیر — اس مژدے پہ مادر نے انہیں بخش دیا شیر

مذہب حروفی۔ بند۴۰

دانتوں کی لڑی سے یہ لڑی عقل خداداد — وہ بات ٹھکانے کی کہوں اب کہ رہے یاد
یہ کو ہر عباس ہیں پاک ان کی ہے بنیاد — عباس و نجف ایک ہیں گنیے اگر اعداد
مشتاق ہیں اب عالم بالا کی مدد کا — در پیش ہے مضمون علمدار کے قد کا
یہ ہے قد بالا سر شبیر صمد کا — یا سایہ مجسم ہو اللہ احد کا
اس قد دو ابرو کی کشش کیا کوئی جانے — کھینچے ہیں دو مد ایک الف پر سے خدا نے
بند۶۵ خندق پہ در قلعہ کو پل کردیا ہم نے — اک جزو تھا کلمہ اسے کل کردیا ہم
بند۶۹ جوشن جو دعاؤں میں ہے وہ اپنی زرہ ہے — ہر عقدے کا ناخن مرے نیزے کی گرہ ہے
تلوار سے پانی جگر حر کو ملا ہے — کاٹا پر جبریل کو جس تیغ نے، یہ ہے
بند۷۲ ہم بانٹتے ہیں روزی ہر بندہ غفار — رزاق کی سرکار کے ہیں مالک و مختار
بند۷۷ شہ نے کہا کیا روح علی آئی نہ ہوگی؟ — نانا نے مرے کیا یہ خبر پائی نہ ہوگی؟
کیا فاطمہ فردوس میں گھبرائی نہ ہوگی؟ — سر ننگے وہ تشریف یہاں لائی نہ ہوگی؟
بند۷۸ سیدانیو! سر کھول دو سجادہ بچھا دو — دشمن پہ علمدار ہو غالب یہ دعا دو
بند۸۴ ہستی نے کہا تو بہ قضا بولی، دہائی — انصاف پکارا کہ ہے قبضے میں خدائی
بند۹۴ ایماں نے اچھل کر کہا وہ کفر کو مارا — قدرت نے پکارا کہ یہ ہے زور ہمارا
حیدر سے نبی بولے یہ ہے فخر ہمارا — حیدر نے کہا یہ مری پتلی کا ہے تارا
پروانہ شمع رخ تاباں ہوئی زہرا — محسن کو لئے گود میں قرباں ہوئی زہرا
بند۱۱۴ اعدا نے کیا دور سے تیروں کا نشانا — اور چوم لیا روح ید اللہ نے شانا
فرمایا کہ کیا کیا مجھے خوش کرتے ہوئے بیٹا — پانی مری پوتی کیلئے بھرتے ہو بیٹا

بند۱۴۰ عباس کو تو میں نہ سمجھتی برادر — میں ان کو پسر کہتی تھی اور وہ مجھے مادر
بند۱۴۶ ناگاہ فغان زیر علم یہ ہوئی پیدا — سیدانیو، دو مادر عباس کو پرسا
تعظیم کو سب اٹھے کہ ہے نالہ زہرا — زینب نے کہا ہے گی وطن میں تو وہ دکھیا
آئی یہ ندا پاس ہوں میں دور کہاں ہوں — عباس میرا بیٹا میں عباس کی ماں ہوں
بند۱۴۸ لو حیدر یو! وارد مجلس ہوئیں زہرا — دو فاطمہ کو روح کو عباس کا پرسہ
حضرت کو ہے بھاوج کے رنڈاپے کا بڑا غم — پرسے کیلئے آئیں گے اب سرور عالم
عباس کے خیمے میں بچھا دو صف ماتم — روئیں وہاں سب بی بیاں سر کھول کے باہم
ہوش اڑ گیا بانو کا ہوا حال مکدر — سر کھول دیا پھینکی سر پاک سے چادر

آمد عباسؑ

بند:۴۴ اب زیب کمر تیغ شرربار جو کی ہے — عباس نے شعلے کو گرہ بال کی دی ہے

شہادت عباس اور کشف حجاب

بند۱۴۲ زینب نے کہا سچ ہے تمہیں مر گئے بھائی — سب کنبے کو عباس فنا کر گئے بھائی
آفاق سے اب حمزہ و حیدر گئے بھائی — ہم مجلس حاکم میں کھلے سر گئے بھائی
میں جان چکی قید مصیبت میں پڑی ہوں — اب گھر میں نہیں بلوے میں سر ننگے کھڑی ہوں
بند۱۴۳ زینب نے کہا زندہ ہیں عباس خوش اقبال — تم جاؤ میں یاں بہر دعا کھولتی ہوں بال
بند۱۴۸ یاں تھی قیامت وہاں خیمے میں یہ محشر — در پر تھیں نبی زادیاں سب کھولے ہوئے سر
بند۱۴۷ ایک ایک جدا پرسے کو عباس کے آئے — سر ننگے لب فرش سے زینب اسے لائے
بند:۱۴۴ بعد اس کے ہوا شور کہ لو آتی ہے بیوہ — تشریف نئی بیوہ کے گھر لاتی ہے بیوہ
گھونگٹ کو الٹتے ہوئے شرماتی ہے بیوہ — سر گوندھا ہوا ساس سے کھلواتی ہے بیوہ
زینب نے کہا بیوہ فرزند حسن ہے — یہ کیوں نہیں کہتے مرے قاسم کی دلہن ہے
بند۳۴۶ پھر زیر علم فرش سیاہ اس نے بچھایا — اور بیوہ عباس کو سر ننگے بٹھایا
ص۴۷ نکلوں گی تو خفا ہوتے ہوئے آئیں گے بابا — سر ننگے مجھے دیکھ کے جھنجھلائیں گے بابا
ص۴۹ فضہ سے کہا پردے کا اس وقت نہ کر دھیان — بچے مرے روتے ہیں لبوں پر ہے مری جان

جواہر دبیر مرتضیٰ حسین فاضل لکھنو

مرزا سلامت علی دبیر

سب شاید کمال شہ مشرقین ہیں — جب تک خدا کا ملک ہے، مالک حسینؑ ہے صفحہ۴۵

گنہگاروں کا فدیہ یا ہدف قیام امام حسینؑ

سر دینے کو جاتا ہوں گنہ گاروں کی خاطر   تربت سے ندا آئی "خدا حافظ و ناصر   صفحہ ۶۲

❁ دبیر کے نزدیک امام حسینؑ کو اس وقت شفاعت کا حق ملے گا جب گنہگاروں کیلئے جان دیں گے۔

شعر میں تربت پیغمبر اسلامؐ امام حسینؑ کا خطاب

روکوں تو شفاعت کی سند پا نہیں سکتا   واں جاتے ہو پیارے کہ میں ٹھہرا نہیں سکتا   صفحہ ۶۲

امام حسینؑ کا قاصد بن کر مسلم بن عقیلؑ کو رسولوں کا رتبہ مل گیا

رتبے میں رسولوں کے برابر ہوئے مسلمؑ   پیغمبرؐ ہوئے مسلمؑ   صفحہ ۶۴

چاند تاروں کو کس سے روشنی ملتی

بخشا مہ و انجم کو ضیا مہر علیؑ نے   خورشید کو بیعت میں لیا مہر علیؑ نے   صفحہ ۱۱۱

کس وعدے پر رسولوں کو نبوت و رسالت ملی؟

اللہ کے الطاف ہیں یہ اپنے نبیؐ پر   مبعوث رسولوں کو کیا حب علیؑ پر   صفحہ ۱۱۱

کس کی قدرت سے مردے زندہ ہو سکتے ہیں؟

مردہ ابھی زندہ ہو یہ قدرت علیؑ کی   خود کفر پڑھے کلمہ یہ ہیبت علیؑ کی   صفحہ ۱۱۲

کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی وجہ

سمجھا حجر کعبہ جو حیدرؑ کے شرف کو   سجدے کا ہمیں حکم ہوا اس کی طرف کو   صفحہ ۱۱۲

حضرت زہرا مرضیہؑ حضرت حرؒ کی سواری کی رکاب تھامے کھڑی ہیں کیا اسے حضرت زہراؑ کی تعظیم قرار دیا جا سکتا؟ کیا حضرت حرؒ بے ادب ہو سکتے ہیں؟

درگاہ الٰہی میں تری قدر بڑی ہے زہراؑ ترے   مرکب کی عناں تھامے کھڑی ہے   صفحہ ۱۲۱

زہراؑ و علیؑ حرؒ کی سواری کو پیدل لینے گئے

گر لانے کو حر کے ہے سواری کا ارادہ   زہراؑ و علیؑ لینے کو جاتے ہیں پیادہ   صفحہ ۱۱۶

حر کا لاشہ اور حضرت فاطمہؑ کے کھلے بال

اے حر! تجھے مرنے پہ یہ احوال کھلیں گے   لاشے پہ ترے فاطمہؑ کے بال کھلیں گے   صفحہ ۱۲۳

خدا کی مانند کون؟

مانند خدا ایک حسین بن علیؑ ہے   مختار شکوہ ابدی و ازلی ہے   صفحہ ۱۶۲

پوچھے جو بیاباں میں کوئی قبلہ کدھر ہے   کعبے سے ندا آئے کہ شبیر جدھر ہے   صفحہ ۱۶۲

قرآن، امام حسینؑ کا افسانہ (قصیدہ) ہے

قرآن بھی کوئی اور افسانہ نہیں رکھتا   شبیر بغیر ان کے یگانہ نہیں رکھتا   صفحہ ۲۰۳

تجھ پر کرم خاص ہے یہ حق کے ولی کا   یہ فیض ہے سب مدح جگر بند علیؑ کا   صفحہ ۲۲۶

اسلام ہے نتیجۂ فیضانِ فاطمہؑ   ایمان ہے نشانیٔ عرفانِ فاطمہؑ

تاریخ کہہ رہی ہے یہ فضہ کو دیکھ کر   قرآن ہے زبانِ کنیزانِ فاطمہؑ

انتخاب کلام بوا شاہ عباس موسوی

"خدا کا کلام پاک ہوتے ہوئے قرآن نیچے اترا لیکن آپؑ کے اس خط پر میں فدا ہوں جو اوپر جا کر قرآن سے بلند ہوا"۔[گلدستہ عباس ص ۱۲۵]

اشی پی ہلو حمہ کسل ان نہ سی قرآن تھو روپس	یری خط پیکہہ فدا یار کھیرے قرآن پڑے تھوس

"امام حسینؑ دشمنوں کی فوج کا ارادہ سن کر تھرا گئے (کانپ گئے) اور جھنجلا گئے (گھبرا گئے) جبکہ کہتے ہیں امام عالی مقام نے نفس مطمئن کا ثبوت دیتے ہوئے اطمینان سے جنگ لڑی..."

سن کر یہ سخن فوج کا تھرا گئے شبیرؑ   شمشیر تڑپنے لگی، جھنجلا گئے شبیرؑ   صفحہ ۲۲۸

سورج شام کو غروب ہونے کیلئے نہیں بلکہ امام علیؑ کے روضے پر شمع جلانے جاتا ہے

خورشید سر شام کہاں جاتا ہے   روشن ہے دبیر پر جہاں جاتا ہے

مغرب ہی کی جانب تو ہے قبر حیدرؑ   یہ شمع جلانے کو وہاں جاتا ہے   صفحہ ۳۴۳

صرف نیک لوگ ہی امام کی مظلومیت پہ روتے ہیں

جو نیک ہیں تری مظلومیت پہ روئیں گے	جو بدگماں ہیں وہ قائل کبھی نہ ہوئیں گے صفحہ ۳۶۲

اعلیٰ کی ادنیٰ کیلئے فدیہ و قربانی: جس سے یہ پتہ چلتا ہے امام اسلام کی بجائے شیعوں کو بچانے آئے علی اصغرؑ کے بارے میں شعر۔

امام کا بیٹے سے خطاب

چلتے ہو پہلوے علی اکبرؑ میں سونے کو	آئے ہو میرے شیعوں پہ قربان ہونے کو صفحہ ۳۷۵

نوشیرواں نائب امام حسینؑ؟

حاتم گدائے جود شہ مشرقین ہے   نوشیرواں بھی نائب عدل حسینؑ ہے   صفحہ ۴۰۱

وجہ طواف کعبہ

قبلے کا قبلہ، کعبے کا کعبہ رخ امام   لکھتا ہے کعبہ قبلہ ایمان اسے مدام

اس رو سے پچھلیا تھا شرف اس نے قرض دام   وجہ طواف کعبہ فقد یہ ہے والسلام   صفحہ ۴۰۳

حضرت فاطمہ زہراؑ کربلا میں

سن لو صدا بلند ہے ہر سنگ و خشت سے   خاتون حشر آتی ہیں رن میں بہشت سے   صفحہ ۴۰۶

کائنات بننے اور مٹی کالقب ملنے کی وجہ

ایجادکائنات کاان کے سبب ہوا   خاطرے ان کے خاک کاآدم لقب ہوا صفحہ ۴۰۷

قرآن میں یداللہ سے مراد؟

فرقان میں جولفظ ''یداللہ'' ہے رقم   معبود کے وہ دست زبردست ہم ہیں ہم
تم نے ہمارے ہاتھ کئے نہر پر قلم   بے دست وپا میں ہوگیا عباس کی قسم
کل عرش کوہلا کے ''یداللہ'' روئیں گے   دست جفا تمہارے جہنم میں ہوئیں گے صفحہ ۴۰۸

شرع: دین، نماز، روزہ، حج وزکوۃ اور خمس کون ہے؟

یارو میں دین وشرع ہوں صوم صلوٰۃ ہوں   یارو! میں حج وروزہ وخمس وزکوٰۃ ہوں
میں خضر کائنات ہوں آب حیات ہوں   راہ صراط کامیں چراغ نجات ہوں صفحہ ۴۰۸

''امام حسینؑ کیلئے دبیر کی دعا سے ظاہر ہوتا ہے وہ نعوذ باللہ امام حسینؑ کو بھی عام لوگوں کی طرح سمجھتے ہیں ساتھ ہی دبیر آیات محشر سے بھی آگاہ نہیں۔''

عریاں نہ آگے سب کے بلانا حسینؑ کو   اے ساترالعیوب! چھپانا حسینؑ کو
محشر کے زلزلے سے بچانا حسینؑ کو   دوزخ کے رنج تو نہ دکھانا حسینؑ کو صفحہ ۴۱۵
غل تھا نہ فوج ہے نہ علم دار نیک ہے   مثل خدا، حسینؑ دو عالم میں ایک ہے صفحہ ۴۴۲
پھر آنکھ سے جو آنکھ ملائی حسینؑ نے   بنیاد کائنات ہلائی حسینؑ نے صفحہ ۴۴۴

جزءاور کل

قدرت کے حوصلے کا تحمل حسینؑ ہے   سب جزو ہیں مقابلے میں کل حسینؑ ہے صفحہ ۴۷۳
ایمان ہے کوہ طور، تجلی حسینؑ ہیں   شرع نبیؐ کی حد تعلّی حسینؑ ہے
یحیٰؑ کے دل کا صبر وتسلی حسینؑ ہے   محراب تیغ شمر، مصلی حسینؑ ہے صفحہ ۴۷۴
تسبیح دانہ ہای امامت حسینؑ ہے   نام خدا، اذان واقامت حسینؑ ہے
فال نجات روز قیامت حسینؑ ہے   اعجاز وحی وفضل وکرامت حسینؑ ہے صفحہ ۴۷۴

مختار دین اور مالک دنیا

پشت وپناہ ویثرب وبطحا حسینؑ ہے   مختار دین ومالک دنیا حسینؑ ہے صفحہ ۴۷۴

خزانوں کی چابی کون؟

کشور کشائے مغرب ومشرق حسینؑ ہے   مفتاح گنج حکم خالق حسینؑ ہے صفحہ ۴۷۵

عیسیٰ آسمان پر کیوں گئے؟

دیکھو ذرا عروج علیؑ کے نشان کا   عیسیٰ نے پھر ارادہ کیا آسمان کا صفحہ ۴۷۶

مشکل کشا؟

بابا کی طرح خلق کا مشکل کشا ہوں میں   سید ہوں، امام ہوں میں پیشوا ہوں میں صفحہ ۴۷۸

غم حسینؑ میں ۱۰ محرم ۶۱ھ کو رسولوں کا حال

جنت میں تھا یہ حال رسولان نیک کا   بے تیغ کٹ رہا تھا کلیجہ ہر ایک کا صفحہ ۴۸۳

علیؑ وحسینؑ دونوں کربلا میں

دبیر بتائیں اگر علیؑ مشکل وقت میں حسینؑ کے پاس تھے تو حسینؑ کی مدد کیوں نہ کی؟

غش تھے علیؑ، گلے پہ رکھے پیار سے گلا   اورایڑیاں رگڑ تا تھا زہراؑ کالاڈلا
زانو سر حسینؑ کے نیچے علیؑ کا تھا   اور سینہ حسینؑ پہ زانو شقی کا تھا صفحہ ۴۸۴

فرمان امام حسینؑ

میں خاص حق ہوں، قبلہ ہر خاص وعام ہوں   حاجت روائے خلق ہوں، شاہ انام ہوں صفحہ ۴۹۱
پشت وپناہ شرع رسالت پناہ ہوں   میں ناخدائے کشتی دین الٰہ ہوں صفحہ ۴۹۱

حاکم کے بارے میں

روشن ہے یہ سب پر کم شاہ زمن سے   کیا گوہر مضمون نکلتے ہیں دہن سے

متفرق اشعار

عباسؑ:

ہم چاہیں تو سرسبز کریں خشک شجر کو   معلوم مری قدر رہے ہر جن وبشر کو

اشعار معاصر

مرثیے کے مطلع میں لکھتے ہیں:

بے ردا زینب ہے آئی شام کے بازار میں   دیکھنے خلقت ہے آئی شام کے بازار میں
بند۳ آسمان تک نے نہ دیکھا ہمارا سر کھلا   گھر سے باہر ہم نے پاؤں کبھی رکھا ہی نہ تھا

علامہ اقبالؒ

صدر اسلام سے لے کر عصر حاضر تک کے شعروشعراء کے متعلق ان صفحات میں ایک تجزیہ وتحلیل پیش کرتے وقت اس خطے کے عظیم شاعر کے بارے میں چند کلمات پیش کرتے ہیں جو اپنی جگہ مفکر وفلسفی، اس ملک کے مسلمانوں کی استقلال وآزادی کے معلم ومحرک ووکیل بھی ہیں، ہم اپنے موضوع کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے کچھ اشعار کے بارے میں اظہار خیال کریں گے، پہلے ان کی سوانح حیات کے بارے میں چند کلمات پیش کرتے ہیں۔

علامہ اقبال پاکستان کے معروف شہر سیالکوٹ میں ۱۲۹۴ھ کو شیخ نور محمد کے ہاں پیدا ہوئے، کہتے ہیں ان کے

والد انپڑھ تھے، لیکن ان کا مزاج صوفیانہ تھا، ذریعہ معاش دستکاری تھا، وہ ایک ڈپٹی کے ہاں ملازم تھے، علامہ نے ابتدائی تعلیم مکتب میں حاصل کی پھر سکاچ مشن سکول سیالکوٹ سے میٹرک کیا پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا اور فلسفہ کو منتخب کیا، یہاں مشہور مستشرق مسٹر آرنلڈ پروفیسر فلسفہ سے علمی فوائد حاصل کئے، تمام امتحانوں میں وظیفہ حاصل کیا اور تمغے حاصل کرتے رہے، فلسفے میں ایم اے کیا اور اول آئے اسلامیہ اور گورنمنٹ کالج میں انگریزی اور فلسفے کے استاد رہے۔ [شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا ج ۱ ص ۲۴۶]

شعر و شاعری طالب علمی سے ہی شروع کی تھی ۲۴ نومبر ۱۹۰۰ میں انجمن حمایت اسلام کا جلسہ ہوا تو اس کیلئے آپ نے نظم کہی ہلندن کیمبرج یونیورسٹی اور جرمنی میں میونخ یونیورسٹی سے فلسفے میں اعلیٰ ڈگریاں حاصل کیں۔ انگلینڈ میں مستشرق پروفیسر برون نکلسن اور ساولی سے استفادہ کیا۔ انہی دنوں وہاں سے بیرسٹری لاء کے امتحانات پاس کئے، جرمنی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی، اس میں انہوں نے ”ایران اور مابعد الطبیعت“ کے نام سے مقالہ پیش کیا۔ اقبال تین سال یورپ میں رہنے کے بعد ۱۹۰۸ میلادی کو وطن واپس آئے اور وکالت کا آغاز کیا اور ساتھ ہی گورنمنٹ کالج میں پروفیسر کے فرائض سرانجام دینے لگے اسی دور میں آپ نے قومی نظموں کا آغاز کیا۔ ”شکوہ جواب شکوہ، شمع اور شاعری“ اس دور کی یادگار ہیں۔

۱۹۱۵ میلادی میں آپ کی فارسی مثنوی ”اسرار خودی“ شائع ہوئی اور تین برس بعد ”رموز بے خودی“ شائع ہوئی، پنجاب کی مجلس قانون ساز کے رکن منتخب ہوئے، ۱۹۳۰ میں مسلم لیگ کے اجلاس میں الہ آباد میں تاریخی خطبہ دیا اور مسلمانوں کیلئے ایک علیحدہ مملکت کا مطالبہ کیا۔ ۱۹۳۱ میں گول میز کانفرنس کیلئے لندن تشریف لے گئے اور واپسی پر ہسپانیہ، ترکی اور فلسطین وغیرہ کی سیاحت کی۔

علامہ اقبال کی سوانح حیات سے ظاہر ہوتا ہے زبان شناسی، جدید علوم، مغرب شناسی اور خاص کر مغربی فلسفہ آپ کا موضوع تھا، آپ مغرب کی مشرق اور مسلمانوں پر استعمارگری کی وجہ سے پیدا ہونے والی حالت زار سے نالاں و پریشان ہوں، اس کا ہمیں کہیں ذکر نہیں ملتا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ایک انسان جس کا موضوع تحقیق ہو اور دینی علوم کا وہ صرف فارغ اوقات میں مطالعہ کرتا ہو، وہ دینی علوم پر زیادہ تسلط حاصل نہیں کرسکتا، گرچہ بہت سے لوگ انجانے اور بے وقوفی میں بڑے بڑے دعوے کر کے علمائے دین کو چیلنج کرتے ہیں، اسی طرح جس نے علم دین پڑھا ہو، وہ ان نظریات سے مبارزہ طلبی کر کے صاحب نظریہ بنے یہ بھی صحیح نہیں، کوئی عقلمند انسان ایسا دعویٰ نہیں کرے گا خاص کر کے دین میں اس کی ممانعت ہے۔

اس حقیقت کو سامنے رکھا جائے تو علامہ اقبال کے بھی کچھ ایسے اشعار ہیں جنہیں ہمارے ہاں دانشور اور علماء حضرات کسی عقیدے یا تاریخ کیلئے بطور سند پیش کرتے ہیں اس کے بعد کسی کی مجال نہیں رہتی کہ وہ چون و چرا کرے۔

ایک انسانِ عاقل کو تسلیم کرنا پڑے گا انسان دنیا میں جس نکتے پر کھڑا ہو اس کا وجود شش جہت میں آگے پیچھے

دائیں بائیں اور اوپر نیچے تقسیم ہوتا ہے اس کے کان محدود شرائط میں سنتے ہیں اسی طرح بصارت کے حوالے سے صرف ایک جانب دیکھتا ہے اور باقی پانچ جہات اس سے اندھیرے میں رہتی اگر ہمارے بزرگ و فلسفی شاعر کو فلسفہ اور جدید علوم پر تسلط حاصل تھا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہیں قدیم تاریخ پر بھی تسلط حاصل ہو روایت شناسی میں بھی عبور ہو، تفسیر قرآن پر بھی عبور ہو اس کی کوئی منطق نہیں بنتی۔ ان کے چند اشعار ایسی روایت سے مستند ہیں جو عقل کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ قرآن کے بھی خلاف ہیں اسی طرح علم روایت یا علم حدیث کے بھی منافی ہیں ان میں سے دو تین شعر ہم بطور مثال پیش کرتے ہیں ہمارا مقصد کسی کے اشعار کا نقاد بننا نہیں بلکہ ہمارا موضوع شعراء کے سراہے گئے وہ اشعار ہیں جو اسلامی اصول و مبانی کے منافی ہیں جیسے:

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق   عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی

مرسل حق کردنامش بوتراب   حق یداللہ خواندر ام الکتاب

”یعنی رسولؐ حق نے ان ہی (علیؑ) کو بوتراب (مٹی کا باپ) کا نام دیا اور خود حق (اللہ) نے ام الکتاب (قرآن مجید) میں ان ہی کو یداللہ کا لقب دیا۔“

علامہ نے حضرت علیؑ کے دو القاب کا تذکرہ فرمایا ہے اور اس ضمن میں بوتراب کا فلسفہ بیان فرمایا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کا سب سے بڑا دشمن یا مخالف جسم یا مادہ ہے جسے علامہ نے خاک تاریک سے تعبیر فرمایا ہے۔ یہ خاک تاریک یا (MATTER) تمام آفتوں کی جڑ ہے۔ نفس امارہ اسی کی منظم صورت کا دوسرا نام ہے۔ علامہ فرماتے ہیں، حضرتؑ نے ان کو بوتراب کا لقب دراصل اس لئے دیا تھا کہ انہوں نے مٹی یا مادہ پر کامل فتح حاصل کرلی تھی، جسم اور جسمانی خواہشات کو مسخر کرلیا تھا۔ علامہ فرماتے ہیں جو شخص جسم یا مادہ پر غالب آجاتا ہے وہ معجزات دکھا سکتا ہے۔ [اقبال بر آستانہ شاہ ولایت حضرت علیؑ]

گفت احمدخود از سر تحقیق   بوتراب است شاہ ہر دو سرا

مولانا رومی

ہر کہ در آفاق گردد بوتراب   از گرداند ز مغرب آفتاب   [کوکب دری باب سوم]

”یعنی جو شخص جہاں میں بوترابی کا مرتبہ پاتا ہے وہی آفتاب کو مغرب سے بھی پلٹا دیتا ہے۔“

براہین قاطعہ: ترجمہ صواعق محرقہ ص ۲۱۸

”سورج کے پلٹنے کی حدیث صحیح ہے حضورؐ نے دعا کی کہ یااللہ اگر علیؑ تیری اور تیرے رسولؐ کی اطاعت میں تھا تو سورج کو اس پر پلٹا دے پس سورج غروب ہونے کے بعد نکل آیا۔ ”ینابیع المودہ“ باب ۴۷ ص ۱۱۴ میں ہے بعد رسالت مآب حضرت علیؑ کی دعا سے بھی سورج بعد غروب لوٹ آیا۔ اسی کی طرف علامہ

اقبال کا اشارہ ہے۔(المفید جنتری ۱۹۶۰ء)

خود حضرت علیؑ نے فرمایا:

"میں وہ ہوں کہ میرے لئے آفتاب کو دو مرتبہ لوٹایا گیا یعنی واپس لایا گیا۔"

دوسری جگہ مولائے کائنات فرماتے ہیں:

"میں وہ ہوں کہ میں نے سورج اور چاند کو بلایا اور ان سے اطاعت طلب کی پس انہوں نے میرا کہنا قبول کیا۔"

مولانا رومی نے بھی اپنی ایک منقبت میں حضرت علیؑ کو "راجع شمس وقمر" یعنی آفتاب ومہتاب دونوں کو پلٹانے والا متعارف کیا ہے۔[کوکب دری باب سوم منقبت ۴۵ اور ۷۱ص ۱۱۰ تا ۱۱۴]

بائے بسم اللہ

وہ حدیث جس میں بیان کیا جاتا ہے حضرت علیؑ نے فرمایا:

انانقطة تحت الباء: "میں بائے بسم اللہ کا نقطہ ہوں۔"

اس کا ذکر قدیم کتب تفاسیر میں نہیں ملتا! اگر مل بھی جائے تو یہ ایک بے معنی ولغوبات ہے، کیونکہ ماہرین علوم لغات کا کہنا ہے، جن حروف سے کلام بنتا ہے وہ اپنی جگہ دو قسم کے ہیں:

۱۔حروف مبانی: انہیں حروف تہجی بھی کہتے ہیں اور ان حروف کا کوئی معنی نہیں بنتا۔

۲۔حروف معانی: ان حروف سے بھی بطور استقلال کوئی معنی اخذ نہیں کیا جا سکتا جب تک یہ کسی کلام میں استعمال نہ ہوں۔

مذکورہ بالا دونوں اقسام سے ظاہر ہوتا ہے ان دونوں صورتوں میں حروف سے کوئی معنی اخذ نہیں کیا جا سکتا ہے چہ جائیکہ کہ بذات خود حرف کو آدھا کر کے اس کے ایک حصے کو اپنے مدعا کیلئے پیش کیا جائے مثلاً "ب" کو تنہا حروف تہجی میں گنا جائے یا معانی میں تو تنہائی میں یہ بے معنی ہے۔ اگر نقطے کے اوپر موجود علامت کو ہٹایا جائے تو نکتے کا کسی بھی حوالے سے کوئی معنی نہیں بنتا۔ بتائیں اس روایت کا کیا حشر ہوگا؟

ذبح عظیم

علامہ اقبالؒ نے اپنے شعر کی ایک ہی بیت میں حضرت امیر المومنین اور امام حسین ☆ کیلئے الگ الگ صفت بیان کی ہے، شعر کے پہلے مصرع میں حضرت علیؑ کو باءِ بسم اللہ کا لقب دیا ہے اور دوسرے مصرع میں امام حسینؑ کو ذبح عظیم کہا ہے، ان چند بیتوں کو دیکھنے کے بعد ہمیں علامہ بزرگوار کیلئے کہے جانے والے دو القاب کا تجزیہ کرنا آسان ہوگا؛ ایک "فیلسوف مشرق" یعنی مشرق زمین کے حقیقت جُو وحقیقت تلاش اور مسائل کے تہہ وگہرائی میں غوطہ کرنے والے تھے۔ دوسرا لقب "شاعر مشرق" ہے جب عمود فقری ہی وہم و خیالات اور تصورات پر قائم ہو تو وہ بزرگوار کیسے حقیقت کے دائرے میں رہ سکتے ہیں، لہٰذا ان کا یہ شعر بھی اسی

شعری ستون پر قائم ہے۔ ہمیں یہاں علامہ موصوف پر تنقید نہیں کرنی بلکہ خود شعر کے بارے میں وضاحت کرنی ہے، یعنی کسی بھی حقیقت جُو کیلئے مناسب وسزاوار نہیں وہ شعر گوئی کے ذریعے حقائق پہنچائے۔

۱۔قانون خدا میں ہمیشہ ادنیٰ و پست موجود، عالی کی بقا کیلئے فدا ہوتا ہے، چنانچہ گراں قدر جواہرات، سونا، چاندی کتنے ہی اہم کیوں نہ ہوں انسان کی بقا اور نجات کیلئے فدا ہوتے ہیں۔ بعض اوقات بادشاہان اور سربراہان مملکت پوری سلطنت چھوڑ کر جان کی خاطر خالی ہاتھ نکل پڑتے ہیں۔ ہزاروں ٹن نباتات انسان کی غذا بنتی ہے۔ ایک ہی ملک میں لاکھوں حیوانات انسانوں کی غذا بنتے ہیں، لیکن عقل اور دین اسلام میں ایسا کوئی حکم کہیں نہیں ملتا کہ انسان کسی دوسرے انسان کی جگہ قربان ہو۔ اگر کوئی کرتا ہے، کیا ہے یا کیا جاتا ہے اور یہ حکم شریعت ہے، ایسا نہیں ہے لہٰذا کہتے ہیں انسان دوسرے کو تقیہ کی حالت میں مار پیٹ اور اس سے چھینا جھپٹی کر سکتا ہے، لیکن خود کو بچانے کیلئے دوسرے کو مار دے، یہ عقل وشرع دونوں میں جائز نہیں۔ آیات کریمہ سے یہ مطلب ثابت نہیں اور نہ ہی یہ انبیاء ومرسلینؑ ائمہ طاہرینؑ و اصحاب کرامؓ میں سے کسی کی سنت ہے کہ کسی نے کسی کو بچانے کی خاطر کسی انسان کو قربان کیا ہو:

"غرض جب دونوں مطیع ہو گئے اور اس (باپ) نے اس (بیٹے) کو پیشانی کے بل گرا دیا تو ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم! یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا' بیشک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں، درحقیقت یہ کھلا امتحان تھا۔ اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے دیا اور ہم نے ان کا ذکر خیر پچھلوں میں باقی رکھا۔ ابراہیمؑ پر سلام ہو۔ ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں" (صافات ۱۰۳ تا ۱۱۰)

لہٰذا اس حوالے سے اسماعیلؑ کو بچانے کیلئے امام حسینؑ کا فدیہ دینا بے معنی ہو جاتا ہے۔

۲۔محققین ومفسرین نے گوسفند کو ہی فدیہ قرار دیا ہے جسے اس کی تعداد اور تسلسل کی وجہ سے ذبح عظیم کہا گیا ہے۔

۳۔کوئی معدوم یا غیر موجود، موجود کیلئے فدا نہیں ہوتا، ایک انسان سے کہیں آپ اس کو چھوڑیں میں اس کے بدلے میں اپنی تیسری نسل کا بچہ دوں گا کیا اسے کوئی قبول کرے گا یا اس کی کوئی گنجائش ہے؟۔

۴۔قرآن میں ارشاد باری ہے ہم نے اسماعیل کا فدیہ دیا اگر اس فدیہ سے مراد امام حسینؑ ہیں تو بتائیں جب امام حسینؑ کا وجود نہیں تھا تو فدیہ کون تھا؟۔

۵۔ایک اور آیت میں فرماتے ہیں ہم نے اس فدیے کو جاری رکھا ہے جس سے معلوم ہوا یہ ایک فدیہ نہیں بلکہ یہ تسلسل اس وقت تک جاری رہے گا جب تک روئے زمین پر ملت ابراہیمؑ پر کوئی باقی ہو:

﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِينَ﴾ "اور بعد کی نسلوں میں ان کا ذکر خیر باقی رکھا۔" (صافات ۱۱۹)

سورج پلٹانا۔ بوتراب

علامہ اقبال مولا امیر المومنین علیؑ کی شان میں اپنے شعر میں کہتے ہیں آپؑ نے مغرب سے سورج کو پلٹایا

نیز علامہ نے آپ کیلئے صفت بوتراب کو بھی استعمال کیا ہے۔اس سلسلے میں چند نکات غور طلب ہیں:

۱۔کلمہ بوتراب،علیؑ کی ممتاز صفات میں سے نہیں دوسری طرف اس کا کوئی معنی بھی نہیں بنتا علیؑ کو اس نام سے پکارنے کیلئے پیش کی گئی توجیہات اپنی جگہ مخدوش اور مشکوک ہیں۔

۲۔روایت شناسی میں بعض نے ایک اصول اختراع کر رکھا ہے کہ ''اگر روایت فریق مخالف کی کتاب میں موجود ہو تو من وعن قبول کی جائے۔'' اس بات کی کوئی منطق نہیں بنتی،ایک تو یہ کہ فریق مخالف، لکھنے والے بھی جائز الخطاء انسان ہیں ویسے بھی اس میں اشتباہ کا ارتکاب ہو سکتا ہے۔

۳۔جب پیغمبرؐ کی طرف غلط روایات کی نسبت دینا عروج پر تھا تو کتابوں میں احادیث کا اضافہ بلاحرج ہوتا رہا تو آئمہ طاہرینؑ کی طرف جعلی روایات منسوب کرنے میں کیا مشکلات آسکتی تھیں لہٰذا یہ اصول منطقی یا عقلی نہیں ہے۔

۴۔علامہ اقبال جدید علوم پر عبور وتسلط رکھتے ہیں اور مدرس کے فرائض بھی انجام دیتے رہے ہیں۔ان کے دور میں علم فلکیات کے سر جیمیس اپنے انتہائی نکتے پر پہنچ چکے تھے۔بطلیموس کا نظریہ باطل ہو کر سپرد تاریخ ہو چکا تھا۔منظومہ شمسی کو ایک دھاگے کے اندر دُر کی مانند ہونے کی وجہ سے منظومہ کہتے ہیں جس کے کسی حصے میں خلل پورے نظام شمسی میں خلل کا سبب بنتا ہے، چنانچہ خداوند عالم نے اس کو علائم قیامت میں گنا ہے یعنی اس کے بعد دنیا قابل زندگی نہیں رہے۔تو علیؑ کے نماز ختم کرنے تک کیسے سورج کو پلٹا کے رکھا گیا اس سے بڑا معمہ یہ ہے کہ نظام ہستی میں بھی کوئی تغیر نہ آیا؟

۵۔اتنا بڑا حادثہ پوری کرہ ارضی پر برپا ہوا لیکن اس کے ناقلین کی تعداد صرف دو افراد تک محدود ہوگئی اگر دنیا کو پتہ نہ چلتا تو کم از کم اہل مدینہ تو تمام اس کے شاہد ہوتے جس طرح چاند گرہن اور سورج گرہن کا اکثر و بیشتر ساری دنیا کو پتہ ہوتا ہے۔

۶۔علامہ کا یہ شعر اس پرانے نظریے کی عکاسی کرتا ہے کہ زمین اپنی جگہ مستقل ہے اور سورج اس کے گرد گردش کرتا ہے اس لئے سورج کو پلٹایا گیا جبکہ علامہ کے دور میں یہ ثابت ہو چکا تھا کہ سورج نہیں بلکہ زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے۔[نیز دیکھئے فیروز انسائیکلوپیڈیا ص ۱۶۱۔کتاب اسد الغابہ سے]

قیصر بارہوی

قیصر بارہوی پاکستان کے جید،ممتاز،نامور شعرائے مذہبی میں گنے جاتے ہیں۔آپ ۱۶ جنوری ۱۹۲۷ء میں ہندوستان کے شہر کرنا میں پیدا ہوئے جو کہ ہندوستان کے ضلع مظفر نگر میں واقع ہے،آپ کے والد گرامی کا نام سید وزارت حسین زیدی تھا۔کہتے ہیں وہ متوسط الحال ہونے کے ساتھ شریف النفس،خوددار،خدا پرست انسان تھے۔

قیصر بارہوی بھی اپنے ہم صنف،ہم بزم و ہم رزم نامور شعراء سے مختلف نہیں ہیں۔جو کبھی کوئی شاعر

معاشرے میں کوئی مقام حاصل کرتا ہے تو یہ سوال انسان کے ذہن میں آتا ہے،انہیں یہ مقام کیسے اور کہاں سے حاصل ہوا،شعر وشاعری کیلئے کوئی نصاب ہے نہ کوئی درس وتدریس وہ شعراء کے ساتھ ہم نشینی اختیار کرنے یا زیادہ سے زیادہ اشعار حفظ کرنے سے آتا ہے چنانچہ معروف ومشہور شعراء انپڑھ نکلے ہیں لہٰذا ان کے غیر معمولی عزت،مقام وپذیرائی کے بارے میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہیں یہ مقام کیسے ملا اور یہاں تک کیسے پہنچے اس کے مختلف جوابات دیے جاتے ہیں بعض اسے ماں کی دعا،الہام اور بعض دیگر قصے کہانیاں معجزے اور کرامات گڑھ لیتے ہیں جو اکثر دینی نامور شخصیات اور خاص کر شعراء کے بارے میں گڑھی جاتی ہیں آپ کے بارے میں بھی ایک قصہ گڑھا گیا ہے۔کہتے ہیں،آپ کے والد صاحب صابر ومتوکل آدمی تھے،لیکن اولاد نرینہ کی حسرت فطری طور پر بے چین کئے رہتی اور آپ اللہ تعالیٰ کے حضور دست بہ دعا رہا کرتے تھے۔

اس دور میں مولوی خواجہ محمد حیدر پانی پتی کے عملیات کا چرچا عام تھا،عقیدت مند انہیں مستجاب الدعوات سمجھتے تھے،لوگ ان کی خدمت میں دعا طلبی کیلئے دور دور سے حاضر ہوتے۔سید وزارت حسین زیدی بھی ان کے حلقۂ احباب میں شامل ہوگئے،ایک مرتبہ مولوی محمد حیدر صاحب نے سید وزارت حسین زیدی سے کہا سید صاحب میں نے خواب میں دیکھا کہ آپ نے دوسری شادی کی ہے،آپ کو اس عقد سے فرزند خوش اختر حاصل ہوا ہے،اس لئے آپ اس خواب کو بشارت سمجھ کر دوری شادی کر لیجئے۔انشاءاللہ آپ کی مراد بر آئے گی خواجہ صاحب نے یہ بھی کہا،خواب کے مطابق فرزند کی ولادت ۱۰ویں شعبان کو ہوگی اور وہ بڑا ہو کر دنیائے شاعری میں مراثی محمدؐ وآل محمدؐ کے سلسلے میں نام پیدا کرے گا۔

اس واقعے کی عملی تصدیق اس امر سے ہوتی ہے کہ بصورت سید وزارت حسین نے عقد ثانی کیا اور دو سال بعد عین دسویں شعبان کو قیصر عباس ولد سید وزارت حسین زیدی کی پیدائش عمل میں آئی۔مولوی خواجہ محمد حیدر کی بشارت ان کی ولادت سے رویائے صادقہ کی تعبیر بن گئی۔یہ بات بھی اب سب کے سامنے ہے کہ وہ مداح محمدؐ وآل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں اور یہی اصل میں ان کے تعارف کا موجب ہے۔

خوابوں کی تعبیر

یہاں پر اگر ہم خوابوں کے بارے میں کچھ توضیحات کریں تو چنداں نامناسب نہیں ہوگا۔

- خواب اپنی جگہ حقیقت رکھتا ہے یا نہیں۔
- خوابوں پر کتنا بھروسہ کرنا چاہیے۔
- خواب دوسروں کیلئے کہاں تک حجت بنتا ہے۔
- خوابوں کی تعبیر کیلئے کیا اصول وضوابط ہیں جس کے ذریعہ عام انسان بھی اس علم سے آگاہ ہو جائیں۔

اب ذرا تفصیل ملاحظہ کریں۔

۱۔کلمہ خواب فارسی ہے۔عربی میں اس کیلئے چند کلمات استعمال ہوئے ہیں جیسے رویا، احلام، اضغاث، اس میں جائے شک وتردید نہیں کہ ہرانسان عالم خواب میں بہت کچھ دیکھتا ہے۔قرآن کریم نے خواب کو تین انبیاءؑ کی طرف نسبت دی ہے۔حضرات ابراہیمؑ، یوسفؑ، حضرت محمدؐ اوراس کی تعداد بھی معین ہے۔

۲۔خواب کی تعبیر اپنی جگہ ایک علم ہے جسے خداوند متعال نے اپنے بعض برگزیدہ بندوں کو مرحمت فرمایا۔

۳۔خواب اگر انبیاءؑ نے دیکھے تو یہ ان کی نبوت کا حصہ ہے اوراس پر عمل کرنا تصدیق بہ نبوت ہے، لیکن ہر انسان کے خواب پر دوسرے کے عمل کرنے کی کیا منطق ہے؟ اگر یہ صحیح ہے تو ہر شخص اپنے مرام ومقصود عزائم، ونوایا کو پھیلانے کیلئے دعویٰ خواب کریں گے۔چنانچہ یہ خوابوں کا سلسلہ بنیادی طور پر اہل تصوف وعرفاء نے اٹھایا ہے۔ان کے بعد عزاداران امام حسینؑ نے خواب کے ذریعے من گھڑت قصے کہانیاں گڑھی ہیں۔عزاداری کے زیادہ تر مضمون انہیں خوابوں پر مشتمل ہیں۔

اسی طرح امام زمانہ کے حوالے سے خواب گھڑے گئے ہیں جس پر کثیر اشاعت ہوئی ہے۔ہرایک اپنی من مانی بات دوسروں پر ٹھونسنے کیلئے امام زمانہؑ کو خواب میں دیکھنے کا دعویٰ کرتا ہے۔انہوں نے اپنے اس مدعا کو ثابت کرنے کیلئے ایک روایت بھی گڑھ لی ہے۔جو پیغمبرؐ سے مروی ہے جس میں فرمایا جس نے ہمیں خواب میں دیکھا تو اس نے واقعاً ہمیں دیکھا ہے۔یہاں انسان کو اپنا سر دیوار پر مارنے کے علاوہ کوئی چارہ نظر نہیں آتا کیونکہ یہ جھوٹ کا جھوٹ سے استدلال کرنا ہے۔اسی سلسلہ کی ایک کڑی شعراء ہیں جن میں سے بعض نے کہا ہم نے پہلا مصرعہ لکھا، لیکن دوسرا مصرعہ بن نہیں رہا تھا اسی اثناء امام یا پیغمبرؐ نے اسے خواب میں مکمل کیا، یا کہتے ہیں امام نے انہیں ایک شربت وحلوہ دیا ہے جس کے بعد ان کا ذہن شعر کیلئے کھل گیا۔یہاں چند وضاحتیں پیش خدمت ہیں:

- جماد سے علم نہیں پھوٹتا۔اگر کہیں پانی اور غذا سے خون بنتا ہے اور خون سے جسم کے خلیے بنتے ہیں تو یہ صحیح ہے، لیکن علم، ذوق وفکر دماغ چلانے سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ حلوے کھانے سے۔
- اگر الہام سے ایسا ہوتا ہے تو اس میں بے دین فاسقین ہم سے آگے ملیں گے اور ان کے بارے میں بھی کہنا پڑے گا کہ انہیں بھی خواب میں الہام ہوا ہے۔

قیصر بارھوی ترتیب: ڈاکٹر شبیہ الحسن

یوں بھی نوازشات کی برسات ہوگئی — ان کی کنیز شامل آیات ہوگئی — صفحہ ۳۹، ۱۵۹

بات میں سبط پیمبرؐ بھی پیمبر نکلا — سوکھے ہونٹوں سے یہاں چشمہ کوثر نکلا — صفحہ ۶۳

خدا کے دین میں پیغمبرؐ کا کردار کہاں؟

عبادتیں ہیں علیؑ وبتولؑ کی محنت — خدا کا دین ہے آل رسول کی محنت — صفحہ ۱۲۷

شبیر حسن خاں، جوشؔ ملیح آبادی (متولد ۱۸۹۶ء)

لکھنؤ سے صرف تیرہ میل کی مسافت پر ملیح آباد میں حضرت جوش متذکرہ معتبر گھرانے میں پیدا ہوئے۔ حضرت جوش کا تعلق آفریدی (پٹھان) آدم خیل اور آدم خیلوں کی ایک شاخ علی خیل سے ہے۔کئی پشتوں سے نواب ہیں۔ان کے پردادا نواب حضرت فقیر محمد خان گویا ہیں، دادا نواب حضرت محمد احمد خان بہادر ہیں، دادا کے سوتیلے بھائی نسیم احمد خان بہادر، والد بشیر احمد خان، حقیقی چچا محمد اسحاق خان، چھوٹے بھائی رئیس احمد خان ہیں۔ [جوش میری نظر میں سید ذوالقرنین حیدر شیرازی اظہار سنز پرنٹرز لاہور]

جوش کے پردادا کے والد محمد بلند خاں آفریدیوں کے ایک قبیلے اور اپنے دو بیٹوں، محمد عوض خاں اور فقیر محمد خاں کو ساتھ لے کے ۱۱۳۴ھ میں ہندوستان چلے آئے اور قائم گنج ضلع فرخ آباد میں سکونت اختیار کرلی، ازآں بعد رفتہ اودھ کے نواب غازی الدین حیدر کے دربار تک رسائی کا موقع مل گیا۔نواب غازی الدین نے انہیں تین سو روپے ماہوار پر اپنی فوج میں کوئی مناسب عہدہ دے دیا۔خانہ بدوشی کی زندگی کے بعد جب خوشحالی نصیب ہوئی تو ایک دن نواب غازی الدین حیدر سے عرض پرداز ہوئے:

"میں آزاد قبائل کا فرد ہوں کھلی ہوا میں رہنے کی عادت ہے، شہر میں دم گھٹتا ہے مجھ کو اطراف لکھنؤ کے کسی ایسے قصبے میں زمین دے دی جائے کہ میں وہاں سے روز لکھنؤ آؤں اور فرائض منصبی انجام دے کر شام کو یہاں سے چلا جاؤں۔" [جوش ملیح آبادی شخص اور شاعر: اکرام بریلوی، ص ۱۷]

جوش کے پردادا فقیر محمد خاں اور ان کے بھائی محمد عوض خاں مہاراجہ ہُلکر کی فوج میں رسالداری کے منصب پر فائز رہے بعدازاں فقیر محمد خاں والی ٹونک میر خاں کے سپرد ہوئے۔نواب میر خاں نے فقیر محمد خاں کی غیر معمولی شجاعت وجاں سپاری اور علم وفضل نظر میں رکھتے ہوئے انہیں اودھ میں ریاست ٹونک کا سفیر مقرر کردیا۔اودھ اور ٹونک کے مابین سفارتی کوششوں کے بعد فقیر محمد خاں نے نواب غازی الدین حیدر کی ملازمت اختیار کرلی۔نواب غازی الدین حیدر نے ایک شاہانہ تقریب میں انہیں پچیس ہزار سواروں کے لشکر کا سالدار بنادیا۔کچھ عرصے بعد، وزارت مال ان کے سپرد ہوئی اور اسی کے ساتھ انہیں "سرکار خیر آباد" کا گورنر مقرر کردیا گیا۔لکھنؤ سے قریب، گولا گنج میں زمین کی ایک بڑی آراضی بھی انہیں دی گئی۔جوش کے دادا نواب محمد احمد خاں بھی شاعری سے شغف رکھتے تھے، احمد تخلص تھا۔

جوش کا منتخب کلام

عدم سے جانبِ ہستی جو بوتراب آیا — ہوا یہ شور جہاں میں کہ آفتاب آیا

جیتے جی فرقتِ دلدار نے سونے نہ دیا — قبر میں حسرت دیدار نے سونے نہ دیا

خواب میں دیکھ لیا، جو رقص کرتے ان کو — گھنگروؤں کی ہمیں جھنکار نے سونے نہ دیا

مرثیہ وحدت انسانی، بند۶، مصرع ۵، ۶ میں کہتے ہیں:

سینوں پہ لوٹتے تھے، ہوائے بہار میں — ہم، کل گندھے ہوئے تھے، حسینوں کے ہار میں

متفرق شعراء کے اشعار

ہیں قیامت بت بے شرم و حیا کی باتیں — کبھی کہتا ہے امانت کبھی استاد مجھے (امانت لکھنؤ)

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا — ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما (اقبال)

بیان سر شہادت کی اگر تفسیر ہو جائے — مسلمانوں کا قبلہ روضہ شبیر ہو جائے (ریحان اعظمی)

میں جو حاصل تیرے کوچے کی گدائی کرتا — چین سے بیٹھ کے تا عمر خدائی کرتا

فان النار لیس تمس جسماً — **علیه غبار زوار الحسین**

ایک قصیدہ گو شاعر، شاعر سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

قصیدہ گو کا رتبہ اک گدا گر سے بھی کم تر ہے — کہ اس ظلمت میں دب جاتی ہے سیرت کی درخشانی

گدائی پر اتر آیا تو اس در کی گدائی کر — ہے مالا مال جس کی بھیک سے دامان سلطانی

بلتستان میں شعروشاعری

دیگر علاقوں کی مانند بلتستان میں بھی شعروشاعری غزل، گانے، بیہودگی اور فحاشی کے عنوان پر تو عام ہے۔ تاہم دینی شعروشاعری کا دعویٰ رکھنے والے چند گروہوں میں تقسیم ہیں:

۱۔ غزل وغیرہ گانے کے ساتھ کبھی کبھی مذہبی شعروشاعری بھی کرتے ہیں۔ یعنی محفل رقص وسرور میں حاضر ہونے کے ساتھ محافل دینی میں بھی حاضری دیتے ہیں۔

۲۔ بعض دینی اور مذہبی شاعری کا دعویٰ رکھتے ہیں۔ اگر ان کے شعروں کا جائزہ لیں تو یہ بھی پہلے گروہ کے خطرات سے چنداں کم نہیں۔ یہ گروہ اپنی جگہ چند گروہوں میں تقسیم ہے:

الف۔ اپنی غزل میں تمام بھڑاس کو مذہبی شعر میں ملاتے ہیں جس سے سادہ لوح مسلمان انھیں مذہب کا ترجمان سمجھتے ہیں۔

ب۔ ایسے اشعار انشاء کرتے ہیں جس کے مطالب کھلے یا سراسر جھوٹ پر مبنی ہوتے ہیں۔ ان کے اس عمل کی دلیل میں آیت یا حدیث تو درکنار تاریخ کے صفحات میں بھی کوئی سطور نہیں ملتی چنانچہ اکثر مرثیہ اور نوحے جیسے فاطمہ صغریٰ کے بارے میں، ام لیلیٰ (جبکہ اس نام کی کوئی خاتون دولت سرائے امام حسینؑ میں وجود ہی نہیں رکھتی ہے)، قاسم کی شادی، علی اکبرؑ کی شادی، شہر بانو کے قصوں وغیرہ پر مشتمل ہوتے ہیں۔

بلتستان میں شعروشاعری

ہم اس علاقے کا خاص ذکر اس وجہ سے کر رہے ہیں، کیونکہ ایک عرصے سے یہاں قوم پرستی کو فروغ دیا جا رہا ہے جسے اگر علماء حافظان وپاسداران دین ومکتب کی پشت پناہی وسرپرستی نہ سہی لیکن تائید ضرور حاصل ہے۔ کوئی کتاب دینی، تاریخی، علمی بلتی زبان میں نہیں پائی جاتی اور اگر پائی جاتی ہے تو اسے پڑھنا خود بہت سے دانشوروں کیلئے ایک دشوار عمل ہے۔ قومی ثقافت کو زندہ رکھنے کے نام سے تاریخ یا شعروشاعری کو اٹھانا درحقیقت دور جاہلیت کے لوگوں کا اپنے آباؤاجداد کی بوسیدہ ہڈیوں پر فخر وناز کرنے کے مترادف ہے۔

غرض ایک مسلمان کلمہ گو نبی محمدؐ کی خاتمیت کے معتقد ہونے والے کا علاقائی، تاریخ کی پشت پر جا کر بوسیدہ اور فرسودہ تاریخ کو دوبارہ زندہ کرنا اہل دین کی نظروں کو دین ودیانت سے ہٹانا اور حاضر سے غافل کر کے ماضی کی طرف پلٹانا ہے۔

اسی تسلسل کی ایک کڑی شعروشاعری ہے۔ شعروشاعری کی بنیاد جیسا کہ سب جانتے ہیں اصول وضوابط سے عاری نظام کلام ہے جسے دوسری صدی میں ''خلیل احمد فراہدی'' نے اپنی سوچ کے مطابق ایک فکر کے

طور پر متعارف کروایا ہے اوران اصولوں کے تناظر اور اس کے پس وپشت کے تناظر میں ہر علاقے کے زبان والوں نے شعروشاعری کی ہے۔بلتستان کے مکینوں نے بھی دوسروں کی تقلید کی ہے۔ یہاں ابتداء میں شعروشاعری کس موضوع پر ہوتی تھی؟شعراء کن چیزوں کوعنوان بناتے تھے؟یہ ثابت کرنا یا اس کے بارے میں گفتگو کرنا ہمارے لئے اس وقت ایک لاحاصل عمل ہے کیونکہ کسی قوم کی تاریخ نظام شمسی کا تسلسل ہے نہ وہ اس قوم کیلئے راہنما ہے۔ یہ اس قوم کیلئے زنجیر پا نہیں ہے۔مصر میں فرعونیت تھی اسلام آنے کے بعد اہل مصر اسلام کے آئین پر چلے گا نہ کہ تاریخ مصر پر۔جزیرۃ العرب میں مشرکین کی بالادستی تھی بعد میں محمدؐ آئے۔غلط اقدار کو مٹایا اور صحیح اقدار کو لائے۔اسی قوم پرستی نے بہت سی جگہوں پر اسلامی بالادستی کو مٹا کر کفر کو دوبارہ جاگزیں کیا ہے۔ ہر مسلمان کو اپنے زمانے میں دیکھنا چاہیے کہ خود اور دیگر مسلمان کس حد تک دین ومکتب کے اصول کی چار دیواری کے اندر ہیں۔قوم پرستی درحقیقت کفر کی طرف دوبارہ پلٹ جانے کا راستہ ہے جو اسلام کے خلاف ہے۔

اس زاویہ نگاہ سے اگر شعروشاعری کو قرآن وسنت کے خلاف ہونے کے باوجود معاشرے میں داخل ہونے کی اجازت دیں تو یہ شعر کے نام سے باطل کو فروغ دینا قرار پائے گا۔آج کل کے دور میں شعروشاعری کو مذہب کے نام سے اٹھایا جارہا ہے جس سے حقائق کنارے پر اور باطل کو فروغ حاصل ہورہا ہے۔اس سلسلے میں محافل واعیاد میں قرآن،سنت،تاریخ اسلام،سیرت ائمہ طاہرینؑ پر خطاب کرنے والوں کو زندہ بت کی صورت میں صدرِ مجلس کے طور پر بٹھا کر دین وشریعت سے آزاد رہنے والوں کو زیبِ محفل بناتے ہیں صد افسوس ان بے چارے عوام الناس پر جو اپنی گذر اوقات سے کچھ رقم بچا کر یہاں بنام نذر بھیجتے ہیں تا کہ اسلامی اقدار کو استہزاء اور مذاق کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کا اہتمام کیا جاسکے۔

چند مرثیہ گو شعراء درج ذیل ہیں:

راجہ محمد علی شاہ

صاحب کتاب "شمالی علاقہ جات کا لسانی وادبی جائزہ" لکھتے ہیں:

"ان کی شاعری میں تغزل کا رنگ نمایاں ہے،آپ کا مجموعہ کلام زیادہ تر غزل پر مبنی ہے ویسے مرثیہ قصیدہ حمد ونعت اور نظم وغیرہ پر بھی لکھتے ہیں جو بلتستان کی مذہبی محفلوں میں بڑے ذوق سے پڑھی جاتی ہیں۔آپ اچھے شکاری اور پولو کے بہترین کھلاڑی بھی ہیں۔"

ص ۱۴۶ پر لکھتے ہیں: "آپ کی شاعری زیادہ عشقیہ معلوم ہوتی ہے۔"

صاحب کتاب کو شاید یہ تعجب ہوا ہے،لیکن اس میں تعجب کی کوئی ایسی بات نہیں، کیونکہ مذہبِ شاعری میں یہ چنداں قباحت نہیں رکھتی،کبھی غزل گوئی کرتے ہیں تو کبھی قصیدہ گوئی کرتے ہیں۔[تالیف سید عالم ص ۱۴۸]

راجہ حسین علی محبّ

جن شعراء کے اشعار مرثیوں پر مشتمل ہیں ان میں سے ایک مرحوم راجہ حسین علی محبّ بھی ہیں،ان کی مرثیوں کے علاوہ ایک غزل بھی مشہور ہے۔[ایضاً ص ۱۴۴]

غلام مہدی مرغوب

کہتے ہیں، بلتستان کے دور جدید کے بلند پایہ شاعر ہیں،آپ کی غزلیں ریڈیو پاکستان سکردو سے آپ کی آواز میں بڑے دلفریب انداز میں نشر ہوتی ہیں اور آپ فن موسیقی کے دلدادہ ہیں۔غزلوں کے علاوہ آپ کے نوحے بھی جدید اردو طرز میں بڑے معیاری ثابت ہوئے ہیں،ہارمونیم بجانے میں مرغوب بڑے ماہر ہیں،انہوں نے سٹیج ڈراموں میں بھی حصہ لیا ہے۔ جب مرغوب کے نوحے مرغوب ہوجائے تو قصائد و مراثی غنا کے متبادل کہنے میں حرج نہیں رہتا ہے۔[ایضاً ص ۱۵۲]

یہاں پر ہمارا مقصد کسی کی ذاتیات مخدوش کرنے کی کوشش کرنا نہیں بعضوں کا تصور ہے دنیا ایک قسم کا جنگل ہے جہاں چھوٹے حیوانوں کے ساتھ بڑے حیوان،شریر حیوانوں کے ساتھ شریف حیوان بھی ہیں۔خداوند متعال نے اپنے دین سے جبر وتشدد کی نفی کی ہے لہٰذا ایک دوسرے پر کسی کو بالادستی نہیں۔لیکن اہل باطل کا اہل حق سے جدا ہونا ضروری ہے۔اگر کسی کو دین ودیانت ناگوار اور ناقابل برداشت ہے تو وہ اپنی لادینی تک ہی محدود رہے۔وہ کیوں دین داری میں مداخلت کرتا ہے؟ایسے لوگوں کی طرف سے دینی امور میں مداخلت کرنے پر جب انہیں روکا جاتا ہے تو فوراً کہتے ہیں دین میں کسی کی اجارہ داری نہیں ہے۔یہ بات اپنی جگہ درست ہے یہاں کسی کی اجارہ داری نہیں،تا کہ یہ افراد دین کو لادینی سے ملا کر چلائیں لیکن واضح ہونا چاہیے دین اپنے ساتھ بے دینی کو بھی قبول نہیں کرتا لہٰذا خداوند عالم نے فرمایا: "لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ"

اگر ایک شخص کی زبان بے دینی میں بھی دراز ہے اور دین میں بھی تو درحقیقت اسی کا نام ہی اجارہ داری ہے اہل دین اپنے دین کی وجہ سے نہ بے دینی کرسکتے ہیں نہ بے دینی کے حلقے میں داخل ہوتے ہیں۔لادین افراد اگر دین میں مداخلت کریں تو اسی کا نام اجارہ داری ہے،لہٰذا شعراء کو دین کا ترجمان یا دین کا بیان کنندہ شمار کرتے وقت اس آیت کریمہ کا بھی خیال رکھنا چاہیے جہاں فرماتے ہیں:

"لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ" "أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ"

علاوہ ازیں دین صرف اہل بیتؑ کی مدح ومصیبت کا نام نہیں بلکہ دین قانون خدا کا نام ہے جس پر عمل پیرا ہونے کیلئے اہل بیتؑ کی پیروی کرنا ہے۔اگر قانون ہی کو مسترد کیا جائے تو پیروئے اہل بیتؑ نہیں بنا جا سکتا بصورت دیگر وہی جملہ لازم آئے گا جو قرآن کریم میں ہے کہ منافقین نے مومنین سے کہا ہم تمہارے ساتھ ہیں۔لہٰذا یہ ایک افسوس اور المیہ ہے کہ اہل تغزل اور اہل معاصی کی محافل واجتماعات میں دین ودیانت کی محافل کے سربرآوردہ اور صاحبان امتیاز شخصیات شریک ہوں۔

غلوگرائی کے انداز میں نصیریت کی تبلیغ کرتے ہیں، چنانچہ اس علاقے کی دین ودیانت کو دھچکہ لگنے کا سبب یہی شعروشاعری ہی ہے۔اس قسم میں مرحوم بواشاہ عباس کے قصیدے سرفہرست ہیں۔بدقسمتی سے ان کے قصائد تناسخ اور قرآن کی تحقیر، آئمہؑ کو خدا کے برابر، انبیاء کی تذلیل، پیغمبرؐ کو گمنام، زہراو حسنین ☆ کی پیغمبرؐ پر فضیلت اور قرآن کو نیچے دکھانا، اہل بیتؑ کو اوپر دکھانے جیسے مضامین پر مشتمل ہیں۔علاقے کے لوگ قرآن، سنت رسولؐ اور اسلام کی درخشاں تاریخ کی بجائے دین شناسی کا واحد مصدر بواشاہ عباس کے قصیدوں کو سمجھتے ہیں۔نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ علمائے دین مجالس یا میلاد میں "قال اللہ یا قال رسول اللہ" کی جگہ "قال بواشاہ عباس" کہتے ہیں۔لہٰذا اہل دین ودیانت کو متنبہ کرنے کی ضرورت ہے کہ مرحوم بواشاہ عباس خود کس حد تک دین کی تشریح وتفسیر کرنے کی اہلیت ولیاقت رکھتے تھے دوسری طرف ان کے قصائد کس حد تک قرآن وسنت سے مطابقت رکھتے ہیں۔

بلتستان کے مذہبی شعراء

بلتستان کے مذہبی شعراء کی ایک خاص تعداد کا ذکر کیا جاتا ہے لیکن جن شعروشعراء کو رواج حاصل ہے ان کے بارے میں ہم دونوں حوالے سے تعارف پیش کریں گے، پہلے مرحلے پر ہم شعر کے حوالے سے دیکھتے ہیں۔ مذہبی شعر کے حوالے سے یہاں شعراء کے دو گروہ ہیں: ۱۔قصیدہ گو شعراء ۲۔مرثیہ گو شعراء

ان دونوں گروہوں میں چند معروف اور نامور شعراء کا نام لیتے ہیں جو شہرت کے حامل ہیں:

سید شاہ عباس

جن شعراء کے اشعار مدح وقصائد اہل بیت پر مشتمل ہیں، ان میں سرفہرست ملک الشعراء بواشاہ عباس ہیں جن کے قصائد ہر محفل میں پڑھے جاتے ہیں۔ان کی سوانح حیات کے بارے میں کوئی خاص مصدر ومآخذ دستیاب نہیں سوائے ان کے اشعار کے مجموعے کہ جس کا نام "گلدستہ عباس" ہے، اس کے مقدمے میں لکھی گئی تمہید جسے بلتستان کے ایک معروف دانشور پروفیسر غلام حسین سلیم نے لکھا ہے، اس میں انہوں نے بواشاہ عباس کی سوانح نگاری کی طرف متوجہ کیا اور اس گلدستہ کو سعی وکاوش سے زیور طباعت سے آراستہ کیا گیا۔ان کے اشعار کو مرحوم وزیر احمد علی غضوا پا نے مرتب کیا جو کہ مدرسہ متوسطہ میں استاد تھے۔ پروفیسر موصوف کے متوجہ کرنے پر شاعر بزرگوار کے نواسے، جناب مستطاب سید محمد اصغر موسوی مرحوم اس سلسلے میں چند یادداشتوں اور منقولات کو صفحہ قرطاس پر لائے، چنانچہ ان کی سوانح حیات کے بارے میں جو کچھ ہماری دسترس میں ہے وہ گلدستے میں موجود منقولات ہیں جو اپنی جگہ دیگر نقولات سے ملتی ہیں۔اس کی نقل کے مطابق شاعر مرحوم کا نام سید شاہ عباس اور ان کے والد کا نام سید قاسم شاہ تھا۔ان کی تاریخ ولادت یا وفات بطور دقیق معلوم نہیں، اندازہ ہے ۱۳۳۲ھ میں وفات پائی۔ان کے امی ونسبی تعارف اور تاریخ ولادت ووفات کے متعلق چند صفحات میں جو سطور لکھی گئی ہیں وہ ان نکات پر مشتمل ہیں:

۱۔تعلیم وتربیت۔ ۲۔اقتصادی گزراوقات۔

۱۔ تعلیم وتربیت

ان کی تعلیم کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ صرف اندازہ ہے، کیونکہ شخصیات دینی انہی موضوعات میں درس لیتی ہیں لہٰذا انھوں نے بھی یہ موضوعات پڑھے ہوں گے یا ان کے اشعار سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہوگا ورنہ اس وقت نصاب درس قرأت قرآن کریم بطور ناظرہ، کریما بوبخشا، گلستان سعدی، کتاب ابواب الجنان کتاب حملۃ حیدری ملا باذلی، صرف میر اور عوامل جرجانی کی حد تک محدود تھا۔درس تفسیر، علم حدیث اور تاریخ اسلام بطور نصاب اس وقت سے ابھی تک علاقائی مدارس میں شامل ہونا تو چھوڑیں، بزرگ حوزات علمیہ میں بھی شامل نہیں تاہم فارسی زبان پر ان کو اچھا خاصا تسلط تھا جیسا کہ ان کے اشعار سے واضح ہوتا ہے ورنہ اس وقت کوئی درسگاہ تھی نہ نصاب درس، نہ ہی کتاب خریدنے کی استطاعت ہوتی تھی جیسا کہ ان کی سوانح حیات میں لکھا ہے، آپ نے بہت تنگدستی میں زندگی گزاری۔البتہ یہ تعارف بعض خاندان پرستوں کے نزدیک مذمت میں شمار ہوتا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک جو کھاتا پیتا گھرانہ ہے وہ اشرف المخلوقات اور واجب الاحترام ہے جن کی گزراوقات مشکل ہو ان کے نزدیک وہ لوگ قابل احترام نہیں، لیکن قرآن اور سنت نبی کریمؐ کو اصول حیات گردانے والوں کے نزدیک یہ کوئی مذموم صفت نہیں بلکہ قابل تقدیس واحترام ہے۔ اگر یہ غربت خوداری کے نتیجے میں آئی ہو۔علاوہ ازیں ان کے اشعار کے مصادر نامور شعراء کے اشعار کی مانند اس وقت کی مجالس کے مسموعات سے ماخوذ ہیں۔

شاہ عباس کی سوانح حیات اپنی بے بضاعتی، کتب درسی کا فقدان اور خود استاد کی علمی سطح سب مجہول الحال ہیں۔حق وانصاف یہ تھا کہ اس بارے میں خاموشی اختیار کی جاتی، لیکن نادان دوست یا مردوں کے نام سے کسب عزت ومقام اور مال ودولت کے عادی انسان کو قرار وسکون کہاں؟ انہیں اگر طبیعی راستے سے مطلب حاصل نہ ہو تو یہ افسانہ سازی وکرامت سازی جیسے ذرائع استعمال کرتے ہیں۔مرحوم شاعر کے بارے میں بھی اسی ذریعے کو اپنایا گیا ہے۔مرحوم کی سوانح حیات میں چند ایسے واقعات ذکر کئے گئے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ غیبی ونامرئی تائیدات کے حامل تھے جیسے بیان کیا جاتا ہے:

- ایک مرتبہ رات کو ان کا عمامہ جل گیا تو صبح ایک مجہول شخص نے دستک دے کر آپ کو عمامہ پیش کیا۔
- بچپن میں ایک مرتبہ خواب میں دیکھا اپنے والد گرامی اور برادران کے ساتھ ایک عالیشان عمارت میں بیٹھے ہوئے ہیں اتنے میں ایک جلیل القدر عالم، ایک برتن میں سفید ونفیس غذا رکھ کر تشریف لائے، پہلے خود بزرگ نے تناول فرمایا پھر ان کے برادران کو دیا، سب برادران نے ایک دو لقمے تناول کئے آخر میں برتن ان کے سامنے رکھا تو انہوں نے سب تناول فرمایا۔

اولاً: اگر اسے مائدۂ آسمانی قرار بھی دیا جائے تو اس کے کھانے والے نہ اشرف ولائق احترام ہوتے

ہیں نہ یہ صرف پاک بازوں کونصیب ہوتا ہے چنانچہ آیت کریمہ ''من وسلویٰ''اس کا واضح ثبوت ہے بلکہ یہ کفرانِ نعمت کا سبب بھی بنتا ہے۔سب سے اشرف ہستی نبی کریمؐ ہیں لیکن ان کیلئے ایسی غذا نازل ہونے کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

ثانیاً :پانی،روٹی،چاول،حلوہ وغیرہ سے علم نہیں پھوٹتا۔

ان کی جس علمی سطح کا تذکرہ کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے ایسی ذوات حصول علم کی محتاج ہی نہیں رہتی کیونکہ ان کے پاس خداداد صلاحیت ہوتی ہے جو نبی کریمؐ سے اونچے درجے والے کو ہی نصیب ہوسکتی ہے کیونکہ آپؐ بھی وحی کے محتاج رہتے تھے،جبکہ انہوں نے تعلم وتلمذ کے بغیر علوم ومعارف حاصل کئے۔

حصول علم کا یہ ذریعہ آج تک دنیا میں کسی بھی مجتہد ومورخ اور فرق ومذاہب کے مفسر کو بھی میسر نہیں ہوا جبکہ تمام علماء ومحققین نے اس سلسلے میں صعوبتیں اور مشقتیں برداشت کی ہیں یہ وہم وخیال صرف خانقاہوں میں چلہ کاٹنے والوں کی ادعاء تک محدود ہیں۔کچھ مفاد پرست یا نادان دوست سمجھتے ہیں اسی سے مرحوم کی شخصیت کو عزت ملے گی یا دین کو ترویج حاصل ہوگی لیکن یہ ان کا وہم وخیال ہے کیونکہ ایسا طریقہ مزید شکوک وشبہات جنم لینے کا سبب بنتا ہے۔

اقتصادی گزراوقات

زندگی کے حالات کسی شخصیت کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں یعنی ان کی گزراوقات کیسے ہوتی تھی اور وہ کس حد تک دنیا ومافیہا سے دور تھے؟ شاہ عباس کے متعلق گلدستے کی تمہید میں لکھا ہے موصوف نے ابتدائی زمانہ طالب علمی انتہائی غربت اور کسم پرسی کے عالم میں بسر کیا،حصول علم سے فارغ ہوکر آپ اپنی درآمدات درج ذیل ذرائع سے پوری کرتے تھے:

۱۔مسیحی مشنری کیلئے بلتی میں ترجمے کا کام کرنے پر تنخواہ ملتی تھی۔

۲۔قرآن شریف لکھ کر ہدیہ کرکے گزراوقات کرتے تھے۔

۳۔اس وقت برسراقتدار اراجگان اور ان کے وزراء کے بچوں کو پڑھاتے تھے۔

عام انسان مسلم،تابع قرآن وسنت کیلئے فقہائے اسلام کے فتاوی کے تحت مندرجہ بالا تینوں ذرائع معاش سے کسب قبیح گردانا گیا ہے چہ جائیکہ ایک عالم دین کیلئے یہ سزاوار ہو چنانچہ یہ کوئی قابل تحسین عمل نہیں اور نہ ہی عذر معقول کا حامل ہے۔بعض کا کہنا ہے شاہ عباس غیبی اور نامرئی طریقے سے تائیدات کے حامل تھے اس سلسلے میں چند نکات ملاحظہ فرمائیں:

ان کی شخصیت پر قدسیت کی چادر چڑھائی گئی جیسے کہتے ہیں:

۱۔ان کی وفات کے بعد چالیس دن تک ان کی قبر سے تلاوت قرآن کی آواز سنائی دیتی رہی یہ ایک الگ موضوع ہے کیا قبر سے تلاوت قرآن کی آواز سنائی دینا باعث فضیلت ہے یا نہیں،لیکن اس سے پہلے

یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کو کیسے اور کیوں ایسی فضیلت ملی جو ابھی تک کسی مجتہد وعارف حتی مفسرین قرآن کیلئے بھی سننے میں نہیں آئی اسی طرح خود رسول اللہؐ کیلئے بھی سننے میں نہیں آئی؟ کہتے ہیں انہیں دوسروں سے زیادہ قرآن سے شغف تھا اور یہ قرآن لکھ کر ہدیہ کرتے تھے،اگر ایسا ہے تو قرآن کی طباعت وکتابت اور اسے ہدیہ کرنے والے دیگر افراد کے ساتھ بھی اسی طرح ہونا چاہیے۔ایسے افسانے اور کہانیاں شخصیات اور ادیان کو مسخ کرنے کیلئے گھڑی جاتی ہیں جس سے کوئی محفوظ نہیں۔ایسے دعویٰ کرنا زیادہ تر چلہ گاہوں میں چلہ کاٹنے والے تعلیم وتربیت کے بغیر علمی مقام پر فائز ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کا مشغلہ ہے۔

ان کے مجموعہ اشعار کی طباعت سے دلچسپی رکھنا اپنی جگہ کوئی قابل نقد نہیں لیکن کہانیوں اور افسانوں کو طبع کرنا باعث تعجب ہے! کیا موصوف بھی ایسے دانشوروں میں سے تو نہیں جو ہمیشہ دین اور علمائے دین کا چہرہ مسخ و فرسودہ دکھانے میں اپنی دانشوری کو زیادہ چمکتا دیکھتے ہیں؟۔

۱۔نمی دانم!ولی اللہ کے طور پر ان کا تعارف کرانے سے آنے والے زمانے میں لوگ ان کی بارگاہ پر حاضر ہونے کے بعد خدا سے بے نیاز ہوجائیں گے اور حاجتیں بھی نزدیک ہی سے رفع ہوجانے کی خواہش کریں گے اور پھر وہ خدا کی طرف ہاتھ کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کریں گے۔

۲۔ان کے قصائد کے معانی کسی کی سمجھ میں نہیں آتے اگر کوئی جرأت کرکے اعتراض کرے تو فوراً اس کا متبادل معنی تیار کرکے کہتے ہیں،اس کا دوسرا معنی بھی ہے۔ہم تینوں حوالوں سے کہہ سکتے ہیں آپ کیوں لفظ اندوزی کرتے ہیں؟ جو معنی پیش کرنا چاہتے ہیں اسے الفاظ سے نکالیں اگر کچھ معنی بنتے بھی ہیں تو وہ مسلمہ اصول اسلام سے متصادم ہیں۔

۳۔ان کے اشعار کے مضامین اکثر وبیشتر حملہ حیدریہ،حمزہ نامہ اور مختارنامہ کا اقتباس ہیں یہ تینوں کتابیں،کتاب شناس علماء کے نزدیک مشکوک ومطعون ہیں۔ان کے مضامین علمی حوالے سے فرسودہ ہونے کے علاوہ نصیریوں اور غالیوں کے خودساختہ عقائد کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ انھی کے عقائد کی تفسیر وتشریح ہیں چنانچہ ہم اس کے چند نمونے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

حملہ حیدری کیسی کتاب ہے؟

الذریعہ الی تصانیف الشیعہ تالیف آقا بزرگ تہرانی ج ۷ص ۹۱ میں حملہ حیدری کے نام سے موسوم تین کتابوں کا ذکر ہوا ہے:

✿ حملہ حیدری:یہ اردو زبان میں ہے۔

✿ حملہ حیدری، فارسی، منظم فی غزواته النبی و الوصی:

تالیف بومان علی کرمانی متخلص بہ براجی،کہتے ہیں یہ پہلے مجوسی تھا اور اس کا نام بمانی تھا بعد میں مسلمان

ہواتو بومان علی کرمانی نام رکھا گیا۔اس کتاب میں پیغمبرؐ اور آپ کے وصی کے غزوات کا تذکرہ ہے جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے۔براجی نے تیس ہزار ابیات تنظیم کر کے ظہیر الدولہ ابراہیم،سلطان فتح علی شاہ کے چچازاد بھائی کے نام منسوب کئے۔براجی کتاب کو مرتب کرنے سے پہلے مرگیا بعدازاں مرزا مظہر کرمانی نے رضاقلی ہدایت کی ترغیب اور مولی محمد ہاشم بن لطف علی،وکیل وظائف کے کہنے پر ترتیب دی۔اس کا ذکر مجمع الفصحاء ج ۲ص ۱۴۸ پر آیا ہے یہ ۱۲۶۴ھ،۱۲۷۰ھ اور ۱۲۹۸ھ میں طبع ہوئی۔

❁ حملہ حیدری فی الاحوال النبی والوصی الیٰ الشہادتہ:

یہ کتاب بھی فارسی میں منظوم ہے جسے مرزا محمد رفیع بن محمد المشہدی متخلص بہ باذل متوفی ۱۱۲۴ھ نے تنظیم کیا۔یہ میرزا محمد طاہر مشہور بہ وزیر خان کا بھائی تھا۔باذل بعد میں شاہ جہاں گورگانی کے دور میں خراسان سے ہندوستان آیا،معز الدین کے ساتھ دہلی میں رہا اور بعد میں گوالیار کا والی بنا۔اورنگ زیب کی وفات کے بعد دہلی آیا اور یہیں وفات پائی۔اس مشہور کتاب کو اس زمانے میں بڑے ذوق و شوق سے سنا جاتا تھا اور اس کے پڑھنے والے کو حملہ خوان کہتے تھے۔یہ کتاب اپنی جگہ سوائے بسم اللہ اور نام مولا علیؑ کے خرافات سے پر کتاب ہے جسے دنیائے علم ودانش کے سامنے سرنگوں وسرشار اور دیوانہ پنی کا مظہر سمجھا جاتا ہے،چنانچہ قصہ قتل مرحب میں عبدوود کے بارے میں ملاحظہ کریں۔

بواشاہ عباس اوران کے قصائد

۱۔ بواشاہ عباس اپنے قصائد میں کہتے ہیں،خداوند متعال نے آپ کے مجسمے کو عرش پر ملائکہ کیلئے نصب کیا قارئین یہ بت پرستی کی ایک شکل ہے،قرآن کریم میں بت پرستی کیلئے شرک کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے اور خداوند متعال نے شرک کو ایک بڑا ظلم کہا ہے۔قرآن کریم نے بتوں اور بت پرستوں دونوں کو جہنم کا ایندھن قرار دیا ہے۔

۲۔ شاعر موصوف نے قصائد میں محمد وآل محمدؐ کی ارواح طیبہ کو خلقتِ کائنات سے پہلے عرش پر موجود ہونے کا ذکر کیا ہے،یہ وہی نظریۂ تناسخ ہے جس کا ہندوازم قائل ہے،اگر ایسا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے ان ذوات کی ارواح کیسے اپنے آبا وَاجداد کے اجسام میں منتقل ہوئیں؟ یہاں یہ نظریہ عقائد اقتوم کا مثل بنتا ہے اور تحلیل سے خارج ہوجاتا ہے۔

۳۔ تناسخ ارواح عقل وشرح کے اعتبار سے بالکل مردود اور باطل نظریہ ہے،چنانچہ آئمہ طاہرینؑ کا تخلیق کائنات سے پہلے ہونا تناسخ ارواح میں شمار ہوگا۔تناسخ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف انتقال کو بھی کہتے ہیں جیسا کہ بوذی مذہب کے پیروکاروں کا عقیدہ ہے۔

ہم اس سلسلے میں چند نکات قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

فلاسفہ کی نظر میں روح اور نفسِ ناطقہ کے جسم سے جُدا ہونے کے بعد دوسرے جسم میں منتقل ہونے کو

"تناسخ ارواح" کہتے ہیں اس کی چند اقسام ملاحظہ فرمائیں:

❁ نسخ: ایک انسان کی روح،مرنے کے بعد دوسرے جسم میں منتقل ہونے کو نسخ کہتے ہیں۔

❁ مسخ: روح حیوان میں منتقل ہوتی ہے جیسا کہ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل بندر بنے۔شیخ الطائفہ کی کتاب میں ہے ارواح پرندوں کی صورت میں جنت کے اندر اڑتی ہیں۔

❁ فسخ: انسانی روح نباتات میں منتقل ہوتی ہے اس نظریے کے تحت ان کی پوجا کی جاتی ہے۔

❁ رسخ: روح مٹی،پتھر وغیرہ میں منتقل ہوتی ہے اس تصور کے تحت ان کی پوجا کی جاتی ہے۔

سب سے پہلے اسلام میں تناسخ کا عقیدہ عبداللہ بن سبا نے اختیار کیا نصیری اور دروز وغیرہ تناسخ کے قائل ہیں اسی طرح ہندو،بوزی وغیرہ بھی تناسخ کے معتقد ہیں۔محمد وآل محمدؐ کی ارواح کے تخلیق کائنات سے پہلے ہونے کا نظریہ ماننے سے تناسخ لازم آئے گا،جسے ادیان سماوی نے مسترد کیا ہے۔اس سلسلے میں چند نکات ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ محققین وفلاسفہ اسلامی نے روح کی خلقت کو بدن کی خلقت کے بعد قرار دیا ہے،چنانچہ اس سلسلے میں کافی وشافی بحث آیت اللہ شہید محمد باقر الصدر کی کتاب "فلسفتنا" میں موجود ہے۔

۲۔ محمد وآل محمدؐ کی ارواح کے پہلے سے تخلیق ہونے کی صورت میں دوبارہ اجسام میں آنے کی چند صورتیں ہوسکتی ہیں:

❁ انسان کی روح کسی اور کے جسم میں داخل ہوجائے۔اسے علماء نے نسخ کہا ہے اور اس نظریے کو مسترد کیا ہے۔

❁ اگر انسان کی روح حیوان کے جسم میں داخل ہوجائے تو اسے مسخ کہتے ہیں۔یہ روح کیلئے عذاب ہے اور نسخ سے بھی بدتر ہے۔

❁ اگر انسان کی روح جمادات میں بدل جائے تو اسے فسخ کہتے ہیں جو مسخ سے بھی بدتر ہے۔

پہلا نظریہ مسترد ہونے کی صورت میں دوسرا نظریہ پہلے نظریہ سے بھی بدتر ہے اس کے علاوہ پہلے نظریہ کے باطل ہونے کے بعد دوسرے اور تیسرے نظریہ کی نوبت ہی نہیں آتی۔یہاں آکر ان کے عقائد اقتوم سے مماثل ہوجاتے ہیں جو تحلیل سے خارج ہیں۔

۳۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خلقت ارواح سے پہلے موجود روح آپ کے جسم میں کیسے داخل ہوئی؟ آیا آمنہؓ کے شکم میں داخل ہوئی؟ اگر اسے مانا جائے تو معاذاللہ آپ حضرت عبداللہؓ کے فرزند نہ ہوئے اگر حضرت عبداللہؓ کی پشت میں داخل ہوئی تو حضرت عبدالمطلبؓ سے آپ کی نسبت باطل قرار پائے گی غرض ارواح کے کائنات کی تخلیق سے قبل موجود ہونے کا نظریہ کسی بھی صورت میں ثابت نہیں ہوتا،بلکہ اس کی برگشت تناسخ کی طرف ہوتی ہے۔جو کہ اہل اسلام کے نزدیک باطل ہے۔

۴۔ موصوف ازلیت کائنات کے قائل تھے جبکہ خدا کے علاوہ کوئی بھی ازلی وقدیم نہیں ہے ان کے قصائد میں محمد وآل محمدؐ کو قدیم وازلی پیش کیا گیا ہے۔

ہم اس سلسلے میں کلمہ ازل کا معنی پیش کرتے ہیں:

ازل کا معنی قدیم ہے، یعنی جس کے آغاز کا علم نہ ہو، اہل لغت کا کہنا ہے اس کلمہ کی اصل یہ ہے کہ عرب قدیم کیلئے "لم یزل" بولتے تھے پھر اس کی نسبت اس کلمہ کی طرف ہوئی لیکن اس کی یہ حالت زیادہ دیر برقرار نہ رہی، بلکہ مختصر ہوکر یزلی رہ گئی پھر یاء الف میں بدل کر اَزْلی بن گیا کیونکہ بولنے میں یاء کی نسبت الف زیادہ خفیف اور ہلکا ہے۔ اسی طرح یہ لفظ ازلی وجود میں آگیا اور اس طرح ذی یَزَنْ سے منسوب نیزے کو ذی یزنی سے ازنی نیزہ بنایا گیا۔ (مختار الصحاح)

ملک الشعراء

جناب مرحوم شاہ عباسؒ کو "ملک الشعراء" کا لقب دیا گیا ہے، لیکن معلوم نہیں انھیں یہ لقب ان کے کسی مخالف نے دیا ہے یا یہ ان کے کسی نادان دوست کا کارنامہ ہے کیونکہ شعراء کی اکثر و بیشتر تعداد غزل اور گانے کے فن یا بیہودہ و مذاقیہ اشعار سراہنے والوں پر مشتمل ہوتی ہے جو نیلام گھروں اور ڈراموں یا فلموں میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ ہاں بعض شعراء معروف ہیں، کیونکہ انھوں نے اہل بیت اطہارؑ یا آئمہ طاہرینؑ کی مدح و منقبت اور سوز خوانی و مرثیے کیلئے شعر انشاء کئے ہیں یلتستان کے شعراء کی تاریخ لکھنے والوں نے تصریح کی ہے بعض شاعر غزل گوئی میں مدح و مرثیہ سے زیادہ پیش پیش تھے علاوہ ازیں محافل گناہ کے شیدا بھی تھے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن کریم نے یہ خبر دی ہے کہ شعراء کی گمراہ لوگ ہی پیروی کرتے ہیں، اس صورت حال کو سامنے رکھنے سے عیاں ہوتا ہے معاذاللہ شاہ عباس گمراہوں کے بادشاہ ہیں اس صورت میں یہ لقب ان کیلئے مناسب نہیں، ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے ہیں انہوں نے جو اشعار غلو گرائی میں انشاء کئے ہیں وہ عمداً یا نہیں؟

گلدستۂ عباس

بو اشاہ عباس مرحوم کے منظومات عقل قرآن، سنت رسولؐ اور خود ائمہ طاہرینؑ کی سیرت کے معتقد انسانوں کیلئے قابل قبول نہیں کیونکہ اگر ان کے اشعار کی تقسیم بندی کی جائے تو ان میں مندرجہ ذیل مضامین ملتے ہیں:

- یہ ذوات خود اللہ کی مانند قدیم تھیں، یہ عقیدہ ثنویت یعنی مجوس کا عقیدہ ہے جن کا کہنا ہے کائنات کی دو اصل ہیں ایک یزاں مبدء خیر اور دوسرا اہریمن مبدء شر۔
- یہ مضامین عقیدۂ تناسخ پر قائم ہیں کہ ان ذوات کی ارواح خلقت عالم سے پہلے موجود تھیں۔ اسی طرح ان کا اس دنیا میں آنا تناسخ ہوگا جو عقیدہ ہندوازم ہے، روح منتقل ہوتے رہتے ہیں۔
- یا یہ مذہب حلول ہے جن کو اہل صوفیہ کہتے ہیں۔

- تعدد رازقیت، یعنی اللہ کے ساتھ یہ ذوات بھی رزق دیتے ہیں۔
- نظریہ تفویض پر قائم ہیں کہ خدا نے عالم کو خلق کرنے کے بعد آل محمدؐ کے سپرد کیا ہے۔
- قرآن کریم کی کثیر آیات میں فرمایا ہے کہ کائنات کی ہر چیز مخلوق کیلئے خلق کی گئی ہے اس میں کافر و ملحد ہو یا منافق و فاسق یا مومن، امام و نبی سب شامل ہیں۔ جبکہ بو اشاہ عباس اشعار میں کہتے ہیں کہ خدا نے کائنات کو محمد وآل محمد کیلئے خلق کیا ہے۔ [انتخاب کلام بو اشاہ عباس موسوی]

محمد وآل محمدؐ کا خلقت کائنات سے پہلے ہونا

محمد وآل محمدؐ کی شان میں سراہے گئے قصائد و مراثی کا بڑا حصہ ان کی خلقت کائنات سے پہلے ہونے کے بارے میں ہے۔ اس سلسلے میں وہ مندرجہ ذیل روایات کا سہارا لیتے ہیں۔

- نحن سابقون الاولون الاحرون۔ [بحار الانوار ج ۴۲، ص ۹]
- اول ماخلق الله نوری۔ [بحار ج ۱۵، ص ۳]
- سبحنا و سبحت الملائکه قدسنا و قدسة لملائکه۔ [عیون الاخبار رضا]

اس طرح سے یہ محمدؐ وآل محمدؐ کو اللہ کے ساتھ ایک موجود ازلی کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ یہ ہی باتیں ہیں جو ثنوی اور یزدان اہرمن کے بارے میں، مسیحی حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں اور بعض مسلمان محمد وآل محمدؐ کے بارے میں اور بعض صوفی اپنے مرشدین کے بارے میں استعمال کرتے ہیں، کائنات میں جو کچھ انسان کے حواس خمسہ کی زد میں ہے وہ سب موجودات متغیر اور فنا پذیر ہے۔ الٰہیون اسی تغیر و فنا پذیری کے تحت کہتے ہیں کائنات میں ایک ہی ذات ازلی ہے جبکہ باقی تمام موجودات موجودات حادث ہیں کیونکہ وہ سب تغیر پذیر ہیں۔ انبیاء و مرسلینؑ اور آئمہ طاہرینؑ اس دنیا میں پیدا ہوئے ہیں، یہاں ہی چھوٹی عمر سے بڑی عمر کو پہنچے، یہاں مریض بھی ہوئے، تیغ، تیر اور نیزہ سے شہید بھی ہوئے، انہیں بیماری کی تکالیف سہنا پڑیں آخر کار انھیں موت آئی اور وہ دنیا سے چل بسے لہٰذا یہ ذوات ازلی نہیں ہوسکتیں منبر پر خطیب خطاب کرتے اور شاعر شعر سراہتے وقت یہ باتیں کرتے ہیں، لیکن نقد کرنے کی صورت میں کہتے ہیں "کون کہتا ہے جھوٹ ہے ہم نہیں کہتے۔" ان ذوات کو ازلی کہنا، انہی مادہ پرستوں اور منکرین خدا کی بات ہے جو وجود خدا کے منکر ہیں اور خود مادے کی ازلیت کے قائل ہیں۔ ان ذوات کی ازلیت کے بارے میں جتنی بھی روایات موجود ہیں وہ سب مخرفین کی وضع کردہ کتابوں سے لی گئی ہیں، ان کا متن عقل و قرآن اور مسلمہ روایات سے متصادم ہے۔ اس کے علاوہ ان کی اسناد مجہول الحال، مشکوک یا ضعیف السند کشکولوں سے ماخوذ ہیں۔

محمد وآل محمدؐ غرض خلق کائنات ہیں یہ روایت کتاب "علم الیقین" فیض کاشانی ج ۱ ص ۳۸۱ سے مستند ہے بعد میں اس روایت میں اور اضافہ کیا گیا کیونکہ جو لوگ نقلی روایات گڑھ سکتے ہیں ان کی نظر میں ان میں اضافہ کرنے میں کوئی حرج نہیں چنانچہ ان روایات کے تحت وہ کہتے ہیں، "اگر علیؑ نہ ہوتے تو پیغمبر اسلامؐ کو خلق

نہ کیا جاتا"۔ گویا انہوں نے علیؑ کو غرض خلقت کائنات بنا کر خود پیغمبرؐ کی غرض خلقت سے ہاتھ اٹھایا ہے ،یعنی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پیغمبرؐ غرض خلقت نہیں بلکہ علیؑ غرض خلقت ہیں پھر اس روایت میں مزید اضافہ کرتے ہوئے کہا اگر حضرت فاطمہ زہرؑا نہ ہوتیں تو آپؐ دونوں بھی خلق نہ کیے جاتے۔

غرض خلقت کائنات کا مقصد حضرت محمد ﷺ حضرت علیؑ یا فاطمہ زہرا = ہیں، جبکہ ان کا یہ عقیدہ آیات قرآن سے متصادم ہے۔ اس عقیدے کی حمایت و پرچار کی خاطر جعل کیے گئے اشعار کے مصادر وہ نقلی اور جھوٹی روایات ہیں جو شعرائے کرام نے بعض علماء کی کتابوں سے لی ہیں جب انہیں نقل کرنے والے علماء کی کتابوں میں ان کی سند تلاش کریں تو صرف یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ احادیث "احادیث قدسی شریف" ہیں۔

ان خود ساختہ احادیث پر قدسی شریف کا غلاف ولفافہ اس لئے چڑھایا گیا ہے، تا کہ کوئی بھی ان میں سے کسی حدیث کو جھوٹی حدیث کہنے کی جرات و ہمت نہ کر سکے اور ان روایات کی تحقیق کی نوبت ہی نہ آئے۔

اس طرز فکر سے انہوں نے محققین سے تحقیق کا حق چھین لیا۔ لیکن سائل کو اتنا پوچھنے کا حق تو ضرور ملتا ہے جس کتاب میں حدیث قدسی موجود ہیں وہ کہاں سے ملے گی، تا کہ ان سے اور احادیث تلاش کی جا سکیں۔

محققین وعلماء علم حدیث فرماتے ہیں:

"احادیث قدسی کے نام سے ہمارے پاس سو کے قریب احادیث ہیں ان کو احادیث قدسی اس لئے کہا جاتا ہے یہ بطور مستقیم اللہ سے ہی نقل کی گئی ہیں، تا کہ راویوں کے جانچ پڑتال کی نوبت نہ آئے، کیونکہ ان احادیث کی سند اللہ سے تو نہیں مل سکتی، چنانچہ یہ افراد ان کی سند پیر ومرشد اور عرفاء کے کلام سے لیتے ہیں۔ ایسی احادیث کا مخزن وسند کتاب غایت المرام تالیف ابو سعید حسن ابن سعید، مشارق انوار الیقین تفسیر حسن منسوب با امام حسن عسکریؑ اور تفسیر قمی ہے۔"

لَو لاکَ لَما خَلَقتُ الاَفلاکَ

اس روایت کو فیض کاشانی نے اپنی کتاب علم الیقین جلد ۱ اور صفحہ ۳۸۱ پر نقل کیا ہے، سید محمد طباطبائی اپنی کتاب جنت الماوی صفحہ ۱۴۷ پر لکھتے ہیں:

"یہ حدیث کتب حدیث میں موجود نہیں۔ علامہ محمد تقی جندی نے تحقیق نقد وتحلیل مثنوی میں اسے ابو ھریرہ سے سند دیکر غیر مستند قرار دیا ہے۔"

ذیل میں ہم وہ اشعار پیش کریں گے جن میں ہمارے نامور شعراء نے فضائل کفر آمیز کو شعروں میں سراہا کر سامعین سے داد وتحسین لی ہیں۔

کہتے ہیں، انسان سمیت تمام کائنات محمد وآل محمدؐ کیلئے خلق ہوئی ہے، اس کی دلیل میں یہ حدیث قدسی: "لَو لاکَ لَما خَلَقتُ الاَفلاکَ" سے استناد کرتے ہیں، جبکہ انھوں نے حدیث کی سند اور متن میں تحقیق کرنے کی

کوشش نہیں کی، یہ جو بھی حدیث گھڑیں دوسروں کو ماننی پڑے گی ورنہ وہ "دشمن اہل بیتؑ" کہلائیں گے، ان کے نزدیک ضروری نہیں یہ حدیث کوئی سند رکھے یا نہ رکھے، یا یہ قرآن کریم کی آیات یا خود اہل بیتؑ کی سیرت سے مطابقت رکھتی ہو، ان کی یہ تمام تر سعی اہل بیتؑ کیلئے نہیں، بلکہ ان کا مقصد شریعت کو معطل کرنا ہے، یعنی کائنات ان کیلئے خلق ہوئی اور یہ ان کے عزادار اور دوست ہیں، اگر اس حدیث کی سند کی تلاش میں ذرا بھی تامل کریں تو واضح ہوگا یہ حدیث من گھڑت ہے، چنانچہ علامہ مرحوم محقق محمد تقی جعفری صاحب تفسیر وشرح نہج البلاغہ اپنی کتاب تفسیر ونقد وتحلیل مثنوی کی ج ۲ ص ۲۹۸ پر لکھتے ہیں:

"یہ حدیث سند کے لحاظ سے ضعیف السند ہے کیونکہ یہ حدیث قدسی ہے اور تمام احادیث قدسی ضعیف السند ہیں' خاص کر اس حدیث کے راوی ابو ہریرہ ہیں، اس کے علاوہ یہ حدیث ان آیات کریمہ کے بھی خلاف ہے، جن میں کائنات کی ہر چیز کی غرض وغایت بیان ہوئی ہے ملاحظہ کریں:

- سورج، چاند، زمین، آسمان، دریا اور جو کچھ اس میں ہے وہ انسانوں کیلئے خلق کیا گیا ہے، بحیثیت انسان چاہے کافر ہو، منافق ہو یا مومن ہو، چنانچہ تمام انسان ان سے مستفیض ہو رہے ہیں:

(ملاحظہ فرمائیں: ابراہیم ۳۳/۳۲ حج ۶۵: نحل ۱۴: جاثیہ ۱۲)

- جن اور انسان کو اپنی عبادت کیلئے خلق کیا ہے۔ (ذاریات ۵۶)
- انبیاءؑ کو انسانوں کی ہدایت ورہبری کیلئے خلق کیا۔ (نحل ۳۶، اسراء ۱۵)
- حضرت محمد ﷺ کو کتاب خدا کی تلاوت اور بیان کرنے کیلئے خلق کیا ہے۔ (بقرہ ۱۵۱)
- آئمہؑ اور اوصیاء کو دین وشریعت کی پاسداری کیلئے خلق کیا ہے۔ (اعراف ۱۸۱، انبیاء ۷۳، سجدہ ۲۴)
- یہ روایت کثیر آیات کے خلاف ہونے کے ساتھ حس ووجدان کے بھی خلاف ہے، کیونکہ مقصد جس چیز کیلئے ہو اس کی بقاء سے باقی رہتا ہے، جبکہ اس کے فناء سے فنا ہو جاتا ہے جبکہ آیت ومشاہدہ کے تحت محمد وآل محمدؐ اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں لیکن یہ افلاک اپنی جگہ ترو تازہ موجود ہیں۔
- بواشاہ عباس مرحوم اور ان کے کاروان کے ہمسفر حضرات جس اہل بیتؑ کی مدح سرائی کرتے تھے وہ بادشاہوں کا کاخ نشینوں اور زلف سازوں کے اہل بیت ہیں، جو ہمیشہ سے روئے زمین ان کی بادشاہت چمکانے ان کے سامنے خاشع ومتواضع ہونے کے خواہاں تھے۔ یہ دین ودیانت کو صرف ان کی خاطر تواضع وانکساری میں گردانتے رہے، جبکہ جس اہل بیتؑ کی خدا نے اپنی کتاب مبین میں اور نبی کریمؐ نے اپنی حیات میں اور خود اہل بیتؑ نے اپنی حیات میں ان سے وابستگی کو صرف اسلام سے وابستگی میں گردانا ہے اگر اہل انصاف ان کے اشعار وقصائد کا بغور مطالعہ کریں تو وہ خود دیکھیں گے کہ مرحوم بواشاہ عباس پہلے والے اہل بیت کی تعریف کرنے والوں میں شمار ہوں گے۔ ان کے قصائد میں دین اسلام کے اصول ومبانی کی تحقیر وتذلیل، اور ان کو کم رنگ وکم اہمیت دکھانے کی کوشش کی گئی ہے جیسے قرآن

نبی اور کعبہ وغیرہ کے بارے میں ان کے قصائد کو ملاحظہ کریں۔

اہل بیتؑ کے فضائل کے نام سے خدا کی الوہیت کو معطل کر کے اہل بیتؑ کے سپرد کرتے ہیں، حضرت محمدؐ کی نبوت کو فضائل اہل بیتؑ کے بہانے کم درجہ دکھاتے ہیں، اسی طرح اہل بیتؑ کی عظمت کا بہانہ کر کے پرورده محمدؐ دختر ونواسہ رسول کو خود محمدؐ کے سردار بزرگ کے انداز میں پیش کرتے ہیں، ان کی تمام تر کوشش یہ رہتی ہے کہ قرآن اور محمدؐ کا نام مٹا دیں، دوسری طرف سے خلفاء کو لعن ودشنام دے کر پوری امت مسلمہ کے غیض وغضب کو مول رہے ہیں اور دنیائے کفر وشرک کو خوش کر کے اپنے رنگین خون کا انھیں تماشائی بنا رہے ہیں، یہ لعن ودشنام سوائے چند قرآن وسنت سے عاری مفتیوں کے فتاوی پر مشتمل ہے یہ عمل قرآن وسنت نبوی کے ساتھ ساتھ سیرت قولی وفعلی آئمہ طاہرینؑ کے خلاف ہے، جبکہ ان مفتیوں کی سند وہ کتابیں ہیں جو اپنی جگہ مشکوک الانتساب ہونے کے علاوہ ان کے مؤلفین، علماء و محققین کی نظر میں بھی مشکوک ومطعون ہیں۔

۞ بواشاہ عباس، ذکر اللہ کے بجائے ہمیشہ ذکر علی کرتے تھے جو کہ نصیریوں کا عقیدہ ہے۔

۞ بواشاہ عباس اپنے مرض الموت میں کہتا ہے میرے روز وشب کے اذکار کے معانی یاعلیؑ کہنا ہی ہے جیسا کہ گلدستہ کے صفحہ ۷ پر آیا ہے آپ مرض الموت میں بھی بستر پر قصیدے کہتے تھے آخری ایام میں حلق میں تکلیف کی وجہ سے آواز بند ہو گئی تو آپ اپنا تازہ کلام تحریر فرما دیتے تھے آپ کے ایک قصیدے کا بند اس حالت کی طرف اشارہ ہے:

کھو بند ہیسے سخا چو جرس سنگ پو بو قاؤ بید	نی ژھن نہ نیمی ذکر خفی ان نہ علیؑ ان

”منہ کو بند کر کے رکھے تو کیا فرق پڑتا ہے دل تو چیخ رہا ہے۔ میرے رات اور دن کا ذکر خفی علیؑ ہی ہے۔“

قرآن کریم کی کثیر آیات میں خدا نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے بندہ قیام وقعود، ظاہر وباطن، علانیہ واخفا تمام حالات میں ذکر خدا میں رہے اس بارے درج ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ﴾ ”اور اے شخص! اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام اور اہل غفلت میں سے مت ہونا۔“ (اعراف ۲۰۵)

﴿فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ﴾ ”ان گھروں میں جن کے بلند کرنے اور جن میں اپنے نام کی یاد کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہاں صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔“ (نور ۳۶)

اور اسے بھول جانا یا چھوڑنے کو کار شیطان قرار دیا ہے جیسا کہ سورہ یوسف کی آیت ۴۲ میں ذکر ہوا ہے:

﴿وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِنْهُمَا اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ فَأَنْسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ﴾ ”اور جس کی نسبت یوسف کا گمان تھا کہ ان دونوں میں سے یہ چھوٹ جائے گا اس سے کہا کہ اپنے بادشاہ سے میرا ذکر بھی کر دینا، پھر اسے شیطان نے بادشاہ سے ذکر کرنا بھلا دیا۔“ (یوسف ۴۲) ﴿اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ﴾ ”ان پر شیطان نے غلبہ حاصل کر لیا ہے اور انھیں اللہ کا ذکر بھلا دیا ہے۔“ (مجادلہ ۱۹)

مذہب تناسخ

انسان کا خلق ہونے کے بعد دوبارہ مٹی، نطفہ میں بدل جانے کو تناسخ کہتا ہے یہ ہندوازم ہے۔ جو افراد حضرت علیؑ یا کسی اور ہستی کے خلقت آدمؑ سے پہلے ہونے کے قائل ہیں وہ علیؑ کے والد گرامی حضرت ابو طالبؑ اور مادر گرامی کے شکم اولیہ سے آنے کی کیا تفسیر کریں گے، بواعباس فضائل علی علیہ السلام کے قصائد میں تناسخ کا قائل ہے:

بوتراب آدمی دور پو یہ دو تولد نسید سک	دیبہ ژہ دور تسلسل ہیسے ہر ژبا یدیبد سید سک

”بوتراب آدم کے دور سے پہلے خلق ہوا تھا۔ اس کے بعد ہی دور تسلسل گنتی کے قائل ہوا۔“

ازلی حق لا خدا اس لدمی میو ھونگ ژل سید سک	اوت چونس رکوی کھہ سپرے فاطمہ نہ فسل سید سک

”روز ازل ہی سے خدا نے اپنی پیدا کرنے والے مخلوقات میں سے چند خاص کو منتخب کیا تھا۔ ان میں سے ایک فاطمہؑ ہے جو بارہ شمع جسم پر سجا کر منتخب کیا تھا۔“

خنم نہ سالد نمو پہ یود یا بوتراب گا دور چو غینگ	لما توس تو سینگ علی منتخ پو چک چی نا فسو رید

”آسمان وزمین وجود میں آنے سے پہلے ہر دور میں بوتراب موجود تھا۔ لیکن ہر دور میں صرف میں علیؑ کے نام کو بدلتا ہوں۔“

سہ لا چھد فو نگ چوغی خش یود اتو نا بوتراب ان سک	کلیم اللہ، خلیل اللہ مہ تنگمہ یقس علیس چھو ینگ

”زمین پر پیدا ہونے والوں کیلئے حقیقی باپ سے زیادہ محبت کرنے والے بوتراب تھے۔ کلیم اللہ اور خلیل اللہ کو پانی اور آگ سے علیؑ نے بچایا۔“

عالم علی پہ گیوقسے نقش بر آب یود سک	سو سر حق لا انکار یسنہ جواب یود سک

”علیؑ سے پہلے عالم النقش بر آب تھا۔ اگر کوئی سر حق سے انکار کرے تو اس کا جواب ہے۔“

سولد نمو یا ژے گیوقسے ہلوس بوتراب یود سک	آدمؑ نہ مرتضےٰ تنگ کو بونہ کو بیا گیگ

”زمین کے وجود میں آنے سے پہلے بوتراب موجود تھا۔ آدمؑ اور مرتضےٰ کون باپ اور کون بیٹا ہوگا۔“

حق مظہر العجائب یا نگ چک چید کولہ تخنہ	نا دعلیؑ کھہ یونگ سید گا انبیاء چہ گخنہ

''حق مظہر العجائب صرف آپ سے مودت کی نشانی ہے۔ جو بھی انبیاء کسی مشکل میں پھنسے انھوں نے نادِعلیؑ کے ذریعے نجات پائی ہے۔''

آدمؑ صفی نہ کھیونکسے احمدؐ نبیا تھونی من	نام تھون نہ کھونگ لہ دو بے مامن پویا علیؑ ان

سولہ دو قسے فقرہ کھیرلیس نہ مامن چان نہ یوان

''آدم صفی اللہ سے لے کر احمد تک۔ جب بھی ان میں سے کسی پر کوئی مصیبت آئی تو انھوں نے رہائی کیلئے یا علیؑ کہا۔ کوئی بھی تنگ آ کر ان کی پناہ میں جائے تو وہ پناہ گاہ ہے۔''

بیسے ابراہیمؑ لہ گل نار چھوسی سنینگ پولیس	یوسف نہ ایوب لا منس تخت وشفائی علیؑ

''آپ نے ابراہیمؑ کیلئے نمرود کی آگ کو گلشن بنا کر دین کا دل شاداب کیا۔ یوسف اور ایوب کو دیا تخت اور شفا میرے علیؑ نے۔''

قرآن کریم نے خدا سے ہر قسم کے شرک چاہے یہ ذات میں ہو یا صفات، علم، قدرت یا دیگر صفات میں ہو نفی کی ہے اور خدا کو یکتا قرار دیا ہے، جبکہ بوا شاہ عباس نے واجب الوجود کے علاوہ علیؑ کو تمام صفات میں خدا کے برابر قرار دیا ہے:

واجب وممکن ئی بزومیمہ اینوق ستو دکھہ چوغینگ	اشی پی ستو دکھ کھیک کھوی کھہ نو نے منسید سک

''خدا کے واجب وممکن کے علاوہ دیگر تمام فضائل میں۔ خدا کے کئی فضائل ان کو مزید علاوہ دیے گئے تھے۔''

واجب وممکن بزومین مہ اینوق ستو دکھہ چوغینگ	علیؑ نہ ہلو حمہ خدا ہر چی مہ بیس ناہلتہ سی یود

''واجب وممکن کی حالت کے علاوہ باقی سارے فضائل میں۔ علیؑ اور خدائے پاک جدا نہیں جب میں نے دیکھا۔''

علیؑ لدن لوسی جوہر پوخدائی ستو دکھہ سینگ ژھنگفی	خدا زیر بہ می نیمی ہلو حمہ ہلو نگ دق ذات چی ان سک

''وجودِ علیؑ کے عناصر ترکیبی خدا کے مدح سرائی کی آخری منزل ہے۔ آپ کو خدا کہہ تو نہیں سکتا لیکن پاک وپاکیزہ ذات ہیں آپ۔''

ریسنہ علیؑ صفت پو قرآن نہ درانہ درا گیک	کھوی ستو دکھہ سینگ زیروک پہ جکسید تھلی خدا گیک

''اگر علیؑ کی صفات کو لکھا جائے تو قرآن کے برابر ہونگی۔ ان کے تمام فضائل بتاتا لیکن ڈر ہے کہیں حد سے گذر کر خدا نہ بن جائے۔''

خدائی ذات پیا کہ یو دپی دے ستو دکھونگ تھونگمہ نہ کھونگ نو	خدا کھوانگ ان زیرے تخھوسوان شک نی علیؑ مین مہ

''خدا کی ذات میں موجود تمام فضائل کو جب میں نے ان میں دیکھا۔ تو ان کو خدا ہی کہہ کر خطاب کیا وہ کون ہے میرے علیؑ کے علاوہ۔''

ید اللہ ی لقب تخھانہ یو رفوسوان علیؑ مین مہ	تہ دو یا کھوانگ نہ ژوخ سونگ سینہ نو رفوسو علیؑ مین مہ

''ید اللہ کا لقب پانے کے لائق ہونے والے کون ہے علیؑ کے علاوہ۔ اس سے بھی آگے خود خدا جیسا ہونے والے کون ہے علیؑ کے علاوہ۔''

خدا کھوانگ مین مہ ایونگ چوغی ولی نہ تخدا بیا سے	عالم پوی بش لقپینگ نو بو رفوسو علیؑ مین مہ

''خود خدا کے علاوہ دیگران کیلئے ولی اور چھوٹا خدا بنا کر۔ عالم کا اختیار ہاتھ میں ملنے والے کون ہے علیؑ کے علاوہ۔''

ژوخ نو مہ زن سونگ نہ سی زیرفو خدائی علیؑ	ژھد سولہ کوا یو ذرے مدح وثنائی علیؑ

''ایک جیسی صفات ہونے کی وجہ سے انجانے میں خدا کہا وہ میرا علیؑ ہے۔ اب میں بس کرتا ہوں کہ جن کی بھی سمجھ میں آجائے مدح وثناء میرے علیؑ کی۔''

سولہ سونگسید دینے بزوی کوانہ یری فیقپو قضا	نیمہ لزو قسے ختم ئی کھہ فیق تھونیم زسید سک

''کیا کسی اور کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آیا ہے جب آپ کی نماز قضا ہوگئی تو سورج کو آسمان پر دوبارہ پلٹا کر دوبارہ نماز کا وقت ہوگیا''

ختم لہ نہ زدیراشی پاس کلفہ نہ ژوخ مریم لہ	مائدہ ریسپہ کھیک فاطمہ لاکل سید سک

''جس طرح حضرت مریمؑ کیلئے آسمان سے خوان بھیجا۔ اسی طرح حضرت فاطمہؑ کیلئے بھی کئی بار مائدہ بھیجا گیا۔''

بوسے یا نگ کھیرے قریش پونی کھوتی بخنونی کھہ	یا نگ کھڑ یلوک کھوتی فچو کھونگ تھونگمہ زیرے حل سید سک

''قریش والوں نے آپ کو اس لئے اپنے شادی میں دعوت دی۔ تا کہ آپ ان کی زینت وسجاوٹ کو دیکھ کر شرمندہ ہوں۔''

بہشت تنگ ناشی پاسی یری کسیے ہلق نہ فچو کھونگ	کلے تنگسے کھوتی کھڑ یل پو نہ کھودنگ بزل سید سک

''لیکن خدا نے بہشت سے آپ کیلئے زیب وزینت کا سامان بھیجا۔ قریش والوں کو اپنے کئے پر شرمندگی اٹھانا پڑی۔''

کھوی رنگھن کن لہ بہشت لما کھولہ خنوت کھن کن	سو نبی آن نہ سی زن دو نہ می زن سونگسید سک

''آپ سے مودت رکھنے والوں کیلئے بہشت ہے اور آپ کو نقصان دینے والے۔ چاہے وہ نبی کی زوجہ ہی کیوں نہ ہو وہ آگ کا نوالہ بنی۔''

خسوفرے کھہ یتی منگ پو ریسے لقپانہ	درے نہ میونگ ئی کھہ سلیمان لہ بش سونگسید سک

''انگوٹھی کے نگینے پر جب آپ حضرات کے اسماء کو نقش رکھا تو حضرت سلیمانؑ انسانوں اور جنات پر حاکم

بن گئے۔''

اپوچوی تر بتی سالان نہ ی ان زالہ حرام	یری تربت پو دودے ندیہ میڑھونگ سنگ سوگسید

''چاہے آپ کے نانا کی تربت ہی کیوں نہ ہو کھانا حرام ہے۔لیکن آپ کی تربت سے تو کتنے ہی مریضوں کو شفایابی حاصل ہوئی ہے۔''

دین اسلام میں تفویض باطل ہے، جبکہ بوا شاہ عباس کے قصائد میں یہاں ملاحظہ فرمائیں:

میول گنگمہ خدا سی یری لقپینگ نو بورین چہ	یود پو چہ عجب خلونگ یری تم نین لہ سکورین چہ

''سارے عالم کو خدا نے آپ کے سپرد کرنے کے ساتھ۔ہوا کو آپ کی تابعداری میں رکھنا کیا عجب ہے۔''

خم یود پنہ یاری چوکی لازکوی گھورین چہ	نوشی نیمہ ینگ لوقپہ خم تنگ سکلفو محمدؐ

''آسمان بھی آپ کی خدمت گزاری کیلئے کمر خمیدہ ہے۔غروب ہونے کے بعد سورج کو دوبارہ آسمان پر نمودار ہونے کا حکم دینے والے محمدؐ۔''

دو کے یری لق لوح وقلم ائی عجب تقس	دفتر خسو میکہ قط پیسے دونگ سیکلفو محمدؐ

''آپ کے ہاتھ میں لوح وقلم ہوتے ہوئے عجیب ہے کہ آپ کو امی کہا گیا۔تین دفتروں پر قط لگا کر ان کو غائب کرنے والے محمدؐ۔''

مفتی برکتیکہ عالم خسوی	شاہ مردان علی تخی کھہ فدا

''آپ کے نام کی برکت سے عالم پلتے ہیں۔شاہ مردان تخی علیؑ پر فدا۔''

سائلی ژون بیسی بولون وقپہ	بر بر ینگ شھی نی خوجی کھا فدا

''سائل کے قرض کی دائیگی کے واسطے۔شہر بر میں جانے والے میرے مولا پر فدا۔''

نی علیؑ ستو دکھو خدا س شو قبو بجی پو ینگ نو بیسی یود	مصطفیٰؐ سی کھوری رکو پاڑے علیؑ لارگسے یود

''میرے علیؑ کے فضائل کو خدا نے اپنی چاروں کتابوں میں بیان کیا ہے۔مصطفیٰؐ نے بھی اپنے وجود سے زیادہ علیؑ کو چاہا ہے۔''

علی اللہ پہ گیرگا حسمیہ رلیس چھک کھری میونگ	نی خوجی ستو دکھہ کھیک ناسی دوروںگ ساز لیسے یود

''میں نے یہ سوچ کر کہ کہیں سارے لوگ ایک ساتھ علیؑ کو خدا کہنے والے نہ بن جائیں۔میرے مولا کے چند فضائل میں نے ابھی تک چھپا کے رکھے ہیں۔''

علیؑ ستو دکھو قرآن ان سوک دوی ماس سر نو قرآن بید	ژھی ہرژ یکہ ریسے ناماس نیمی خسیر چھوی زرافشاں بید

''قرآن علیؑ کی مدح سرائی ہے ابھی میں نیا قرآن کرتا ہوں۔رات کی سیاہی سے لکھ کر سورج کی سنہرے پانی سے زرافشاں کرتا ہوں۔''

وی شہ بیت پو یکا ہسا کھیونگ نوک لطف چہ مرتضیٰ تنگ نہ	دنیا نہ آخرت نیسکو نیگ زی اسباب نہ سامان بید

''اس بیت کے مصرع پر میں لاؤں گا لطف وکرم مرتضیٰ سے۔دنیا اور آخرت دونوں عالم میں اپنا اسباب و سامان بناتا ہوں۔''

می چیگی رولاً می بگیا زاد دنیا دینگ لدنس علیؑ فیقپ	علیؑ نہ کھوئی بوڑھونگ میدنہ دنیا دپو گنگمہ ویران بید

''ایک آدمی کی طرف سے سو آدمی کھانے والے دنیا میں علیؑ بنا ہے۔اگر علیؑ اور آپؐ کی اولاد نہ ہوتی تو دنیا ویران ہو جاتے۔''

خلافت پوئی اشیو یقتوک سینی تخت پو یکا یونگ فنگسے	ہلچے نا سنیزک چک پیسے نا ماس مدح کن ہیو نگی دالان بید

''خلافت کے حقدار کو دل کے تخت پر رکھوں باقیوں کو چھوڑ کر تو دل اور زبان کو ایک کر کے مدح نکالنے کی دالان بناتا ہوں۔''

علیؑ کھون ذرہ چک یود نا سولا نیسی پی بڑی یو رفوان	علیؑ فیقپو ی رگہ لوح سکر بہ حشر نیگ ہسکے میزان بید

''علیؑ سے ذرہ بھر دشمنی جس کے دل میں ہو اس کیلئے گناہ کی آخری منزل ہے۔علیؑ سے محبت کا موازنہ کرنے کیلئے حشر کے دن میزان بنایا جائے گا۔''

خدائی محکمی دفتر بجی پو نیگ نو درج سونگسے یود	فدک زتقفی دے شخمیو دکہ لگہمی زہر یشک نو زندان بید

''خدا کے محکمے چاروں دفتروں میں لکھا ہوا ہے۔فدک چھیننے والے خطا کاروں کیلئے جہنم کے اندر زندان بنایا جائے گا۔''

بوتراب یود پانہ سیکھ سو ملیکھ یود کھڈے	خم پو یود حسن نجف سی آستنی تھوقنہ کھورید

''بوتراب کا وجود زمین پر ہونے کی وجہ سے زمین اپنی جگہ ٹھہری ہوئی ہے۔آسمان بھی ابھی تک نجف میں آپ کے مرقد کے گرد گھومتا ہے۔''

کھو فیغینگ معراج لہ شخصے قاب وقوسین تنگ تھونے	شینگ نہ دیفو دے سہ ژھور فو خسنگسے سخاسی ژھورید

''آپ کے حالت نماز میں قاب وقوسین پہنچنے کے بعد۔جسم اندر پیوستہ تیر کا نکالنا اور آپ کو احساس تک نہ ہونا اگر میں چھپا کر رکھوں تب بھی نہیں چھپتا ہے۔''

بو نکبو گیورے گھونگمہ مید مک مید پہ سوادجالی ہرمق	رجعت تیکہ نی خوجو حسن سہ بیو نگمالہ گورید

''دجال کی فوج گدھا بننے آنکھیں نہ ہونے کی وجہ سے ان کو نظر نہیں آتا ہے۔رجعت سے میرے مولا نکلنے میں دیر ہو رہی ہے۔''

کعبہ تنگ نو وجہ اللہ سکیسے تھوب فیق بیہ کھن لا آب رو	کفری غدونی کھانہ چہ ے آب الف پو بے بیسید

''کعبے میں وجہ اللہ پیدا ہوئے تو نماز پڑھنے والوں کو آب رو ملا۔کفر کے چہرے سے آب رو کھینچ کر

بدصورت کردیا۔"

لتوس نی علیؑ لایارخداس کھوری مینگ پومینگ نامینگ ہیسید	کھونہ نہ کھوان زیر بلایعنی اشارے دینگ ہیسید

"دیکھومیرے علیؑ کواو پرخدانے اپناہمنام بنایا ہے۔اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ دونوں ایک ہیں۔"

ناسکوریری منتخؑ پویکہہ ناس یاعلیؑ زیربی ریسی	نانہ نیمورسوغگھی بلونگ رین ژام یانی تھقر ینگ ہیسید

"میں قربان جاؤں آپ کے نام پر میں نے جب بھی یاعلیؑ کہا۔میرے قریب ہونے والے بلاؤں کوآپ نے مجھ سے دورکیا ہے۔"

افطاریسپوبگیلیے مین وخ چک لہ ملسے بقچہ لا	بدری دے تھنک پوگنگ علیؑ تھوگسی نامیونی زینگ ہیسید

"ایک ہی وقت میں کئی جگہ افطارکرناحیران کن نہیں۔جنگ بدرکے دن میدانِ بدرعلیؑ سے بھرے ہوئے دیکھ کرشورشاہوا ہے۔"

غالیونگ لہ سوگفومشتبہ حق ان ولی اللہ نہ حق	اللہ ی رگوسکن ہلوانگسے کھولس کن یداللہ س سینگ ہیسید

"غالیوں کوولی اللہ اورحق میں مشتبہ ہوناحق ہے۔خدانے اپناجانشین کھڑاکرکے یداللہ نے خداکے سارے کام انجام دیا ہے۔"

کھیونگسے خدائی سینگئے روخ یارنہ تھوروپیغمبرلیس	کفری دے یبول ژھونگ کن بدوسے مل ملاکھیرے لینگ ہیسید

"پیغمبرنے خداکے شیرکواپنی مددکیلئے اوپرسے نیچےلایا۔آپ نے کفارکے حیوانوں کوجگہ جگہ شکارکیا ہے۔"

جنگال سونگسے یول پوسینگ تحق تدہبونی سوب فنگید	جورمیدملہ یاشیرحق عب سویری فقریںگ ہیسید

"ساراملک جنگل بن گیااوروحشی درندوں سے بھرگیا ہے۔لیکن مجھے کیاپرواہے اے شیرحق میں نے آپ کواپنی پناہ گاہ بنایا ہے۔"

نی خوجاژھیوچوق خدانی عمل رنگ رنگ ہیسید	بیانہ کھوی ستودکھوقرآنی گوانہ ہرژاژھنگ ژھنگ ہیسید

"میرے مولانے زندگی بھرخداکوخوش کرنے والے اعمال بجالائے ہیں۔اسی وجہ سے قرآن کے اول سے آخرتک آپ کی مدح ہوئی ہے۔"

تھون تھدین معراجنکھانہ کوپی حق لہ ختم رکوپوینگ	مصطفیٰؐ نہ تھوکفوتھوکفوگیوقسے یاری ہرمنگ ہیسید

"معراج سے خوش ہوتے ہوئے واپس آئےنویں آسمان سے جس دن سے سنا۔مصطفیٰؐ سے جوجملااس نے پہلےآپ ہی کاتذکرہ کیا ہے۔"

سونگ سلیمان لابوسے کھیونگ فیذ ک تہنگ کھڑیلبی زما	نی خوجی زدیرلوسپوعالم لاکھیدے درنگ درنگ ہیسید

"حضرت سلیمانؑ نے جب ویل مچھلی کومہمان کےطورپردعوت دی توانھیں شرمندگی اٹھاناپڑی۔لیکن میرے مولاکے بچے ہوئے کھانے سے عالم میں سب کے پیٹ بھرگئے۔"

بلتوس نی علیؑ منتخؑ پوبےنقشولہ میونگ نی مک بلتید	اللہ ی قرآنینگ بنیاکھونگ ناعلیؑ مینگ چک بلتید

"دیکھومیرے مولاعلیؑ کے نام کی تصویرکولوگ آنکھیں دکھاتے ہیں۔لیکن اللہ نے قرآن میں علیؑ کواپناہم نام بتایا ہے۔"

شیس نانبی فیقپوانگ علیؑ نیس سوں خدانیس شیسپہ ژوخ	غنذیرلہ مہ بلتس مارےکھونگ نیسکومک لاچک بلتید

"اگرکسی نے نبیؐ اورعلیؑ کودوتصورکیاتوسمجھ لواس نے دوخداتصورکیا ہے۔اگرغلط نظرسے نہیں دیکھوگے تونبیؐ اورعلیؑ آنکھوں میں ایک ہی نظرآئیں گے۔"

ہش گنگ علیؑ ستودکھازیرین دوکپی ثوابی زدیوپونیس	لوبگیے عمل ندراندراکھیونگسے حدیث نگ کرک بلتید

"ایک ساعت علیؑ کی مدح گوئی کرنے کااجرکے دوحصے ہیں۔سوسال کے اعمال کے برابرلاکراحادیث میں نے دکھائی ہے۔"

یری مدرس تینگ میکال یودلوح وقلم فنگمہ کھورے	ان عقل کل شاگردیری مشکل کشافریادرس

"آپ کے حلقہ درس میں ہیں میکائیل لوح وقلم کودمیں لئے ہوئے،عقل کل آپ کے شاگردہیں مشکل کشافردرس۔"

نلاکوس کوندےفورکون چیژھنیز ک نودوکسے یاھوبیس	ضمیرشان پوسونگ ہرتخنہ علیؑ ژامین مہ ینگ سوبیس

"میں نے کل ایک کبوترکواپنے گھونسلے میں یہ کہتے سنا۔ضمیرکےشان کاعلم ہواعلیؑ کےعلاوہ اورکس نے کیا۔"

کھڑہ نفورکونی شیخ چنگموسوسےشامن فی حق لانا	غوتینگ بیونگسے دینےبزنگ چہ یودا گارزیرےلوکوبیس

"عقاب اورکبوترکے درمیان صلح کرتے ہوئے اپنے اپنے حصے کاگوشت جس دن ان کوملا۔ایساسخی کہیں ہےتودکھاؤ کہہ کرکوئل نے گوگوکیا۔"

یری تھوس لوہ نہ بلوہ پوخی کھہ تھونگسے قمبرلا	اتی تخت نہ سہ کھیت فنکسے لزہ لابونگسے یری فروبیس

"آپ کے مقام اورانکساری کودیکھ کرقمبرنے۔باپ کے تخت وجائیدادکوچھوڑکرآپ کے پیچھے آیااورآپ کابیٹابنا۔"

نصاریٰ لاعلیؑ تھونگسے نصیری گیورگلےتھوینگ نا	یہودپی کھرسکھیت چقسے سلام دونی علیاجوبیس

"نصاریٰ علیؑ کودیکھ کرنصیری بن گئے حدسے بڑھ کر۔سلام وغیرہ نے یہودکےمحل وجائیدادچھوڑکرعلیؑ کوسلام کیا۔"

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهِمِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ	غدیرلاغدارکنی غدرپسے سونگ اوقیوتھوق

"۔۔۔غداروں کےغدرکی وجہ سےغدیرکاکایاپلٹ گیا۔"

زدوک تھونے اسلامی کھہ بلہ فجولی کوفیونگسے نہ ینگ	چھم فراغی بلونیسی بکری بخ لہ عمری میدپہ فوق

’’بت پرستوں کے دوبارہ سر اٹھانے کی وجہ سے اسلام پر مصیبت آ گئی۔بغل میں چھپائے ہوئے بت نے بکر کی تقدیر عمر کو دی۔‘‘

بوتراب مین مہ عناصر کنی کھہ نی سینگ گرٹھگس	چاریار ئجی ییکھہ چک پوژہ ان نی ستروق

’’بوتراب کے علاوہ دیگر عناصر پر میرا دل ٹھنڈا ہوگیا۔ان چاروں میں صرف ایک میری جان ہے۔‘‘

رب المشرقین لہ خبر ربّ مغربین پوسوان	شرفہ نہ نوبھی نیمو اتما نیریم یدا نگ ژہ لہ لوق

’’مشرقین کے رب کو معلوم ہے کہ مغربین کا رب کون ہے۔غروب ہونے کے بعد سورج کو دوبارہ صرف آپ ہی لوگوں کیلئے واپس لائے۔‘‘

تھل علیؑ بونگ لنگ چیگی خاتم مُرسل پوپہ	کفری خدونگ خیا نگ لہ تھگس نی خوجا یونگسی عرشی ہنوق

’’علیؑ، خاتم المرسلینؐ سے ایک جسامت بلند ہوئے۔میرے مولا نے عرش کے چھت پر چڑھ کر کفار کے خداؤں کو نیچے گرادیا۔‘‘

نبیؐ مہر نبوت پو علیؑ کنگ رزیس انا ناحسمس	علیؑ یار سنیکہ کعبہ نگ نوسلا یودپو نبیؐ ان سک

’’نبیؐ کی مہر نبوت کو میں نے علیؑ کے قدموں کے نشان سمجھا تھا۔جب کعبے میں علیؑ نبیؐ کے شانے کے اوپر اور نبیؐ نیچے تھے۔‘‘

احد ینگ نہ نبیؐ منفی لکھر پو بلوس علیؑ فیچپوا	علیؑ لقپینگ نوتھون مانہ کھہ نیس یودپی رگی ان سک

’’جنگ احد کے دن نبیؐ نے جو چھڑی علیؑ کو دی تھی۔جب وہ علیؑ کے ہاتھ میں آئی تو دو دھاری والی تلوار تھی۔‘‘

غلط یودنا عمل کو نینگ چیتوح شیعونگ لامحشرلا	امام مامبین ان ینگ عمل کونی بی ان سک

’’اگر شیعوں کے اعمال میں غلطیاں ہیں تو روز محشر کوئی پروا نہیں ہے۔امام مبین علیؑ ہی اعمال تولنے کا ترازو ہے۔‘‘

کرام الکاتبین نیسکونہ رومانی خطی کو یکھا	علیؑ دستخط پو یودنارے کھونی خط پومچی ان سک

’’کرام الکاتبین دونوں اور رومانی خط پر۔علیؑ کی دستخط ہو تو ان کے خطوط زندہ ہوگا۔‘‘

ملوالے سینگ تشنگی سنیکہ علیؑ سرِّ خدا کو ید سک	وصیونگ نہ انبیا چیکتو ی علیؑ مشکل کشا کو ید سک

’’اے دل تو نے عقل وہوش سے نہیں سنا سرِّ خدا علیؑ ہیں۔انبیاءؑ واوصیاء سب کے مشکل کشا علیؑ ہیں۔‘‘

علیؑ لا بوتراب تخفی خفی معنیو ملوا یودپہ	بابا آدمؑ نہ کھوی بونی علیؑ فیقپو بابا کو ید سک

’’علیؑ کو بوتراب کہنے کی حقیقی معنی نہیں سمجھا تھا۔بابا آدمؑ اور ان کے بیٹوں کے علیؑ والد تھے۔‘‘

خدائی فرقپہ نہ سینگئے ولی زیر بو عجائب مین	خدائی مینگ پوی معنیو نہ علیؑ منتخو درا کو ید سک

’’خدا کے بازو اور شیر ولی کہنا عجیب بات نہیں ہے۔خدا کے نام اور علیؑ کا نام برابر ہے۔‘‘

تو ژے شر کونہ بو سید کن کھوری ژھیوخسو سپوژا مین مہ	علیؑ منتخسی برکت لا دوروںگ شر کونگ لازا کو ید سک

’’یتیموں، غریبوں، بے کس و بے یاروں کو آپ نے عمر بھر پالنا کافی نہیں سمجھا۔علیؑ کے نام کے برکت سے ابھی تک غرباء کھارہے ہیں۔‘‘

نلا مک پو تجرے چھون لا حکیمی لزا کھورین یودپا	بو گنج نہ کھو فکھو لی ندا علیؑ مینگ پوشفا کو ید سک

’’میری آنکھ اندھی ہونے کی وجہ سے ابھی تک حکیموں کے پیچھے پھر رہی تھی۔مصیبت و آلام اور دلی امراض کیلئے علیؑ کا نام شافی تھا۔‘‘

سولا یودو یکہ سینگ غدینگپہ بلا نچید چی تھون نارے	ندا نگ شیعونگ ژہ لا فقر و علیؑ مرتضیٰ کو ید سک

’’کس کو ہے کس پر آسرا و بھروسہ ناگہانی آفت آجانے پر۔لیکن ہم شیعوں کی پناہ گاہ علیؑ مرتضیٰ ہے۔‘‘

غدیر ینگ نو بیسی بیعت لزہ نون کھڑوک زگقپہ لہ زگفی	چیگو نہ نیسپو ناخسوم پو لالعنت پوسزا کو ید سک

’’غدیر کے دن بیعت کرنے کے بعد فوراً مکر جانے والے۔پہلا، دوسرا اور تیسرا لعنت کے سزاوار ہیں۔‘‘

فلاطون ژوخ خُم نگ ہلتا نہ یوداسونی علیؑ نہ در ینگ	علیؑ یوسک مہ اعلیٰ نگ ای لدنفونگ سینگ نا تھونگ ہر ژینگ

’’فلاطون کی طرح میں نے جب گہرائی میں نظر کی کہ آیا کوئی ہے میرے علیؑ کے برابر تو علیؑ تھا سب اعلیٰ مقام پر باقی پیدا ہونے والے سب کو نیچے دیکھا۔‘‘

علیؑ ستودکھی بحر پو ینگ نہ کو ییونی بحر جوہر فیونگس	نیہ فرن ژوخ ناسہ فرید قسن علیؑ ستودکھی الف ما ینگ

’’علیؑ کی مدح کے سمندر سے پہلے والوں نے جواہر نکالے۔میں بھی اس سمندر کے الف بے میں غوطہ زن ہوں۔‘‘

دنیا دگنگمہ بڑہ ییکہ لینس دنیا دفنگسے بزورحق	علیؑ کھیودپا نگ زہنی سکریوں زہا ان سک بڑیغہ نس لز ینگ

’’دنیا میں اپنی طاقت کا سکہ بٹھانے والے نے دنیا کو بزور حق چھوڑا۔اس علیؑ کے مہینہ بھر کا خرچہ پانچ کلو جو تھا۔‘‘

یری مینگ لینمو لوستونگ نگیپی عمل نہ درازیرے کوانا	نہ نومسید ژل مہ بخنہ سی عمل سنم چہ سانی ژھنگ

’’جب میں نے سنا آپ کا نام لینا سو سال کے اعمال کے برابر ثواب ہے۔میں نے عمر بھر میں ذرہ بھر عمل انجام نہیں دیا تب بھی میں مطمئن ہوں۔‘‘

نلا نیستون پہ ژگیل دق چک نیلم چہ تھونگ کھترانگ زیریس ما	بہشت نگ کھیریس نہ رضوانی کھڑ یلقپہ نی ژگیلکھوی لز ینگ

’’اگر میں سچ کہوں تو ایک دن میں نے ایک ایسا خواب دیکھا جو دن میں آنکھوں دیکھے حال کی مانند تھا۔جب رضوان نے میرا ہاتھ پکڑ کر میرے مولا کے ساتھ مجھے بھی بہشت لے گئے۔‘‘

قسیم النار والجنہ زیروک دوزخ لہ نا کھیریس نا	مہ کھیر عباس نی ژھوان اے کھی ژھونگ ما دریس کھو دینگ

’’اگر مجھے دوزخ کی طرف لے جایا گیا تو میں کہوں گا اے قسیم النار والجنہ! نہ لے جا اپنے نواسہ عباس کو جہنم دوسروں کے نواسوں کے ساتھ۔‘‘

کھوقپینگ یری رگہ لوہ پو ستروق ژوخ بیسے مہ بخنہ	آب حیات تھونگفی خضری سہ چھون لہ شیا گیگ

"دل و جان میں آپ کی محبت کو روح کی مانند نہ رکھے تو۔آب حیات پینے کے باوجود خضر کو بے موت مرنا ہوگا۔"

تھوسپہ لہ نی علیؑ یا رجبرئیل یارنہ پیسے	دوم ہینگ نبی لہ ہلہ وفی دےلن پویا علیؑ ان

"میرے علیؑ کی بلندی کیلئے اوپر سے جبرئیل نیچے اترے۔مصیبت کے وقت میں نبی کو جو کلمہ سکھایا وہ یا علیؑ ہے۔"

مید یا عمل چنا کو یدلق ستونگ خدائی رگیز کوا	لما سینگ ننگ حسمید ناس بلتن پویا علیؑ ان

"عمل کے بغیر خالی ہاتھ میں خدا کے درگاہ میں جا رہا ہوں۔لیکن دل میں سوچتا ہوں میری پونجی یا علیؑ ہے۔ خدا کی پاک ذات کو خوش کرنے کی پونجی تو یہی ہے۔"

ہلو حماشی پی سرّ ی اشی ان نہ علیؑ ان	پیغمبری رکو سکن نہ وصی ان نہ علیؑ ان

"خدائے پاک کے اسرار کا مالک علیؑ ہے۔پیغمبرؐ کی جانشین اور وصی علیؑ ہے۔"

نی قرآنی مل کتاب پویا علیؑ زیر بوثہ ان	فاتحی انعمت ی باب پویا علیؑ زیر بوثہ ان

"قرآن کی جگہ میری کتاب صرف یا علیؑ کہنا ہے۔فاتحہ کی انعمت کا باب یا علیؑ کہنا ہے۔"

غدونگ پو قبلہ نہ کہ لزوقس چہ فنکھیے سنیذ کہ پو ہینگ نولز وقسینا	کھیا نگ لاکو یدنارے ثواب پویا علیؑ زیر بوثہ ان

"دل کو آگ کی طرف رکھ کر صرف چہرے کو قبلے کی طرف کرنا کوئی فائدہ نہیں۔اگر تم کو سمجھ آتی ہے تو ثواب صرف یا علیؑ کہنے میں ہے۔"

تو سپہ چھدفونی سی ہینگ نو فنکمی ذھینگ نو خلیل	سو گنفو گلنار کن گلاب پویا علیؑ زیر بوثہ ان

"جن کی نسل قطع ہوگئی انھوں نے جب خلیل کو آگ میں ڈالا تو اس وقت یا علیؑ کہنے کی وجہ سے آگ بنی گلشن۔"

ذرّہ چک مید نہ عمل چنا حدیث ننگ نو ہانہ نوک	محشر ینگ کوی دی حساب پویا علیؑ زیر بوثہ ان

"ذرہ برابر عمل نہ ہو تب بھی میں حدیث میں آپ کو دکھاؤں۔محشر میں جو حساب ہوگا وہ صرف یا علیؑ کہنے کا ہے۔"

ناس مصطفیٰؐ نہ کھوا نگ ثوخ زیر فینہ کہ کھٹیک لفو قسید	بقچی علیؑ خدا ثوخ زیرے ترید پہ کو علیؑ ان

"میں نے جب کہا کہ علیؑ اور مصطفیٰؐ ایک جیسا ہے تو کئی لوگوں کو یہ ناگوار گزرا۔کچھ تو علیؑ خدا کی طرح ہے کہہ کر پوچھتے تھے ان میں سے کون علیؑ ہے۔"

کھونی دو چہ مید زیر ذنگ ندپونگ لایا علیؑ سمن	ایوبی ند پو دوت پہ یو ہرثمہ سونگفی دوان

"انھوں نے کہا مریضوں کے علاج کیلئے صرف یا علیؑ کہنا کافی نہیں ہے۔لیکن ایوبؑ کے مرض کی شفایابی کیلئے قبول ہونے والی دعا یہی ہے۔"

چنگ رد ہفو میں عجب چہ برلہ اژدھا کن	ژھیمو ینگ نو فشقفو اژدھری فو وبرژونوی برژونوان

"جگہ جگہ اژدھا مارنا کوئی عجب نہیں ہے۔پنگوڑے میں اژدھا کے دو ٹکڑے کرنا آپ کے بچپنے کا کھیل ہے۔"

حسینؑ ترتق کھ رہیں برائی تھوق لی کفن پو یکہ	نکیری مے ذو پوس پولافلی ان نی علیؑ مینگپو

"حسینؑ کی تربت سے سینے کے اوپر میرے کفن پر لکھو۔نکیرین کی آگ کے گرز کیلئے ڈھال ہے علیؑ کا نام۔"

شراب عشق مولا تھو نگفی مشرب پوا چہ ترید نا ترلیس	عبادت گنگمہ سنت واجبی ان نی علی مینگپو

"میرے مولا کے عشق کا میں نے شراب پیا ہے جو پوچھنا ہے پوچھ لو۔تمام عبادات سنت ہے ،لیکن میرے علیؑ کا نام لینا واجب ہے۔"

ریی ستو دکھینگ عقل خلد سید شہ مشکل کشا روخچہ	شنی ہر تو گیو کسے نا چھد سید شہ مشکل کشا روخچہ

"آپ کی مدح سرائی کرتے کرتے عقل تھک گئی اے مشکل کشا المدد۔میری ہوش کا گھوڑا زیادہ بھاگنے کی وجہ سے تھک گیا ہے اے مشکل کشا المدد۔"

خدا سترونگسید خدا کو ید سوک ریی ستو دکھونگ خلونین ہلتا نہ	دیبا نہ ستو دپہ نا ژھد سید شہ مشکل کشا روخچہ

"خدا نے بچایا خدا بن جاتا آپ کی فضائل کو ٹٹولا تو۔اس کے بعد سے میں نے مدح کرنا چھوڑ دی ہے اے مشکل کشا المدد۔"

پیسے قبلہ نما سینگ پو علیؑ ننگ نولز وقسے یو دملپہ	خمی ان کعبہ وجہ اللہ علیؑ سکیا کعبان ننگ چہ

"میں نے ہمیشہ اپنے دل کو قبلہ نما بنا کر علیؑ کی طرف کیا ہوا ہے۔اصل میں کعبہ وجہ اللہ علیؑ پیدا ہونے کا ایک گھر ہے۔"

یداللہ نہ ولی اللہ نہ سرّ اللہ یکہ ہر ثقسے	کھوری ہینگ پو کھوا تھوسوان شک نی علیؑ مین مہ

"یداللہ، ولی اللہ اور سرّ اللہ کے علاوہ۔جن کو خدا نے اپنا ہمنام بنایا وہ کون ہے میرے علیؑ کے علاوہ۔"

نہج البلاغہ کے خطبہ ۲۲۴ میں حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

"خدا کی قسم میں نے (اپنے حقیقی بھائی) عقیل کو خود دیکھا ہے کہ انھوں نے فقر و فاقہ کی بنا پر تمہارے حصہؑ گندم میں سے تین کلو کا مطالبہ کیا تھا جبکہ ان کے بچوں کے بال غربت کی بنا پر پراگندہ ہو چکے تھے اور ان کے چہروں کے رنگ یوں بدل چکے تھے جیسے انھیں تیل چھڑک کر سیاہ بنایا گیا ہو اور انھوں نے مجھ سے بار بار تقاضا کیا۔"

اس کے مقابل میں شاعر کا کلام ہے:

لم ہینگ نہ کھور بہ چک ژلفی دی سائل پوا قطار گیو نہ	سنہ نونی کھور پوسہ ہر ژقفو سوان شک نی علیؑ مین مہ

"راستے میں سائل کے ایک روٹی کا سوال کرنے پر ایک سو قطار کے ساتھ۔اونٹ کے بار کا اضافہ کر کے دینے والا کون ہے میرے علیؑ کے علاوہ۔"

کرو یو دوحسی فشقعیں جین برنگ علیؑ مہ بہ جلیبی گیو دپینگ نو	نسی فے مید پہ مہ یقفو سوان شک نی علیؑ مین مہ

"علیؑ کے تناول نہ فرمانے کی غم میں گندم نے ابھی تک سینہ چاک کیا ہوا ہے۔جو کے آٹے کے علاوہ نہ رکھنے والا کون ہے میرے علیؑ کے علاوہ۔"

سلیمانی سنئین بیسی خسوروب پولا رکوع تنگ دو کے	مہ ژھبھہ سائیلی لقیپنگ نوبو رفوسوان علیؑ مین مہ

''سلیمان نے جس انگوٹھی کا ارمان کیا تھا اسکو حالتِ رکوع میں ۔بے دریغ سائل کے ہاتھ میں دینے والا کون ہے علیؑ کے علاوہ۔''

زیزیا کعبہ تنگ سکیسے سجدینگ ژھی جوک مسجد پو سجدینگ بیں	نیمالزو قسے فنعی وخ پومہ کورفو سو علیؑ مین مہ

''پیدائش کعبے میں حالت سجدے میں ہوئے شہید بھی مسجد میں حالت سجدے میں ہوئے ۔سورج کو دوبارہ پلٹا کر نماز کا وقت نہ چھوٹنے والا کون ہے علیؑ کے علاوہ۔''

کعبہ تنگ نو وجہ اللہ سکیسے عالم لہ قبلی ہر تخفپہ سونگ	دو کے سنینگ بلتھی فرول قبلہ نما ان سک علیؑ

''کعبے میں وجہ اللہ پیدا ہونے کے بعد عالم کو قبلہ کا پتہ چلا ۔میرے دل میں باہر دکھانے کیلئے قبلہ نما علیؑ ہے۔''

محشری دق لہ تھونی من حسنک زبس مہ تقیپہ زیریس نماس	اسرافیلی سی پرغوفو یدیری شرزدی لہ اونگ شگ زیری

''روز محشر تک اگر چھپائے بغیر میں بتادوں تو اسرافیل یہ اعلان کرتے ہوئے سور پھونکتے ہیں کہ آپؑ کی بخشش حاصل کرنے کیلئے آجاؤ۔''

یودیمہ پاسانونے کو انہ قضا فیق پولا	ہلو حمہ اشی حکم کھہ لز قفو نیمانی علیؑ

''یہ بات اظہر من الشمس کی مانند عیاں ہے کہ جب آپ کی نماز قضا ہوگئی ۔تو خدائے پاک کی حکم سے سورج کو دوبارہ جس کیلئے پلٹایا وہ میرا علیؑ ہے۔''

ششخفہ جق خسوم روزہ چھوہوبی کھہ یار خداس	ہل اتی خوان نہ دریسے کلفوزہ نانی علیؑ

''جب آپ نے تین دن مسلسل روزہ رکھے تو افطار کیلئے اوپر سے خدا نے ۔ہل اتی خوان کی صورت میں کھانا بھیجا وہ میرا علیؑ ہے۔''

تھون نہ سہ معراجیکھا کو انہ تھدین ختم رکو پینگ	صاحب معراج پڑے تھون فو کو یانی علیؑ

''جب معراج پر پہنچے اور خوش ہوتے ہوئے نویں آسمان تک گئے ۔لیکن صاحب معراج سے پہلے پہنچنے والے میرے علیؑ ہیں۔''

کھوا تنگ ژوخ خداس صفاتی سنہ ژھنگ بیسپونی علیؑ	قرآن بطن معنی نہ ہر کنگ بیس پونی علیؑ

''خدا نے اپنی طرح جس کے اندر تمام صفات کو جمع کیا وہ میرا علیؑ ہے ۔قرآن کے باطن و معنی اور رمز بنایا وہ میرا علیؑ ہے۔''

ہر ژقسے شہادتین نیکہ رگ رکن دین بیسے	کھوری مینگ پو چھبی بیافعی بنگ بیس پونی علیؑ

''شہادتین کے علاوہ رکن دین کی شہ رگ بنایا ۔ان کے نام کو گواہی کے طور پر نماز کی اذان بنایا وہ میرا علیؑ ہے۔''

کھوری ن نکمی ان موفیرمی لاشیس چو کپہ لا خداس	مسجد شی سانہ کعبہ سکے تنگ بیس پونی علیؑ

''خدا نے ان کو اپنے گھر کا فرد ہونے کو سب پر عیاں کرنے کیلئے ۔مسجد کو شہادت کی جگہ بنایا اور کعبے کو پیدا ہونے کا گھر بنایا وہ میرا علیؑ ہے۔''

ژلبانہ انبیائی کرامت پو عیسو ینگ	قبر ینگ نہ ہلو نگسے نہ شیمی منگ بیس پونی علیؑ

''انبیاء کی کرامات کو عیسیؑ میں تلاش کیا ۔تو قبر سے مردے کو زندہ کرنے والا میرا علیؑ ہے۔''

علیؑ اللہ پونی زیر بو عجب چنگ شیسپہ میدناسی	ہلوسی معجز پو لا بدر ینگ علیؑ رنگ رنگ پو تھنگ گنگسے

''علیؑ کو اللہ کہنے والوں پر مجھے تعجب نہیں ہوتا ہے ۔دیکھو ان کے معجزے کو جنگ بدر کے دن میدانِ بدر صرف علیؑ سے بھرا نظر آتا ہے۔''

دنیا دنہ آخرت نیسکو نیگ خو جو مشکل کشا دو کے	کھوری ژون چی لہ دوخ چو کپو مہ تنگ بکیلپے دیڑ سے فنکسے

''دنیا اور آخرت دونوں میں میرے لئے میرا مولا مشکل کشا کے ہوتے ہوئے ۔اپنے ایک خادم کو مصیبت میں بے آسرا نہیں چھوڑیں گے۔''

ایونی ان عیپر ونگ ژھورفو تھنو ینگ نا رسپہ ژام شورفو	عجب مین کیب لہ کھونگ کھیورفو دونو بجکسے نبیؐ دو کے

''ان کے بزرگان کے بارے میں معلوم ہوا ہے کہ کتنی بار میدان جنگ سے فرار کیا ۔انکا بعد میں دین سے دور ہونا عجب نہیں ہے نبیؐ کے زندگی میں ہی یہ بگڑ گئے تھے۔''

کھیتی ایمان پو سونگ ما کوت نہ کھیانی ٹھوزیر با ژھود	بجی تھونگ سے چافرین چی یود چونس نہ غونیی دو کے

''تمہارا ایمان ضائع ہوگیا اب ٹھوکرنا چھوڑ دے ۔چار کو دیکھ کر کیوں چہکتے ہو بارہ اور پانچ ہمارے بھی ہیں۔''

ایوی رکو کھیتی ژھنگسے نئی حقپوس روسے لفنگسے	غلط منگمو ی کھہ چاسکیا تگ سیدنی بیزیو صحی دو کے

''تمہارے بزرگ نے تمہیں زیادہ چاہا ہمارے حق کو روند ڈالا ۔زیادہ غلطیوں پر تم کیوں چہکتے ہو ہمارے کم ہی صحیح ہیں۔''

اشی پاسی یری تھوا لاہوائی چھقفی لدوم لدوم کن	لیذہب عنکم الرجس صبونی کھہ بے سید ہلو تنگ دق

''خدا نے آپ کے دامن کے گرد و غبار کو ۔لیذہب عنکم الرجس کی صابن سے پاک و صاف کیا ہے۔''

خدائی ہلو حمہ کون بلق پو یری رکو ژہ لا بیور سید	یری رکو جوک فنہ تنگ جونگ عبائی تھو یکہ ژل مہ بلق

''خدا کے طرف سے آئے ہوئے لباس صرف آپ کے جسم کو زیب دیتا ہے ۔جب آپ نے اس عبا کو پہنا تو ذرہ برابر فالتو نہ بچا۔''

بیاسی فشقفہ ژوخ لزودپو یری یہ تھموی اشار یکہ	نونونی مشق ژوخ بیالہ ہیڑیا فنگ فی موتک پو بجق

''جس طرح آپ کے بابا جان نے ہاتھ کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے ۔آپ نے بھی حسنینؑ کو خوش کرنے کیلئے موتی کو اشارے سے برابر دو ٹکڑے کر دیئے۔''

خدائی حکمیکہ بیدسُک ہرتنے جبرئیل تھوروپسے	نونونگ فنگمینہ کہ کھورے بینگ بینگ یری فتی پوی یا نہ فتی

''خداکے حکم سے جبرئیل ہمیشہ نیچے اتر کر۔آپ کے بچوں کو گود میں لے کر بھلاتے تھے جب تک آپ حالت نماز میں ہوتے۔''

یہود پی بختونی ہلا فرشتوں حورکنی ہرتق کن	زیرین جبرئیل طرقوری نوکرپسے سونگ سق

''یہود کی شادی کے دن فرشتوں اور حوروں کے فوج کے ساتھ۔جبرئیل بھی طرقو کہتا ہوا سب آپ کے نوکر بن کے ساتھ گئے۔''

بہشتی وقومینے بختونی ہلا اشی پاس	خسم نا سایبوموتورتنگفی بونو فاطمہؑ ان

''آپ کے شادی کے دن خدا نے بہشت کو آپ کے اختیار میں دیا۔آسمان اور زمین کو بطور مہر یہ پانے والی بیٹی فاطمہؑ ہے۔''

فنغی ونجوینگوفرشتونی نونونگ فتولفوژا مین	روزہ شغھانہ خدا اس کلفوزہ نو فاطمہؑ ان

''حالت نماز میں فرشتے آکر آپ کے بیٹوں کو بھلانا ہی کافی نہیں۔جب آپ نے روزہ رکھا تو خدا نے جس کیلئے کھانا بھیجا وہ فاطمہؑ ہے۔''

نونے یود آیہ حدیثینگو دنیا دلدن کھوتی فیا	مزوری بین چیزہ تونفسہ تختو فاطمہؑ ان

''یہ بات آیات واحادیث میں عیاں ہے کہ دنیا آپ لوگوں کی وجہ سے وجود میں آئی۔پھر بھی مزدوری کرتے ہوئے نفس کے ساتھ جنگ کرنے والی فاطمہؑ ہے۔''

بہشتینگنہ ہرپوییا سے فیونگفی دے حواپی چو	نرپی جویکہ بہشت لیننفی ژھنو فاطمہؑ ان

''بہشت سے سزا پاکے نکالے جانے والی دادی حوا کو۔دوسری بار آپ کی سفارش سے بہشت ملی وہ نواسی فاطمہؑ ہے۔''

محشرینگ دروقسے بیونگ تک نفسی زیرین کھوربی برو	حشری تھنگ لہ بیا کھن امتی جو فاطمہؑ ان

''روز محشر ڈر اور خوف کی حالت میں جب نفسانفسی کا عالم ہوگا۔اس وقت حشر کے میدان میں امت کی شفاعت کرنے والی فاطمہؑ ہے۔''

چوکس خدالدن میول عالم لدن سہ حسنینؑ فری	رحمت اللعالمین بیں مَن سہ حسنینؑ فری

''خدا نے عالم کو حسنینؑ کیلئے بنایا ہے۔رحمت اللعالمین کو بنا یا دینے کی جگہ حسنینؑ کیلئے۔''

مُہر نبوت چھپی ان شقشیدی خط پو یو دستینگ	یگک لاسنا نوفچوین چن نبی یگک تھد پہ لاعف بین چہ یود

''مہر نبوت گواہ ہے نجات کی اجازت نامہ آپ لوگوں کے پاس ہے۔آپ کیلئے اونٹ بن کر نبی آپ کو خوش کرنے کیلئے آواز نکالتے تھے۔''

نی ناما اعمال پو بینگ حسنے گیرے زیرے ترلیس زے	ناسی حسنینؑ کن ہلتہ نوک چا کھونگ ملیئہ کہ ہرژین چہ یود

''اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ تمہارے نامہ اعمال میں نیکی کہاں ہے۔تو میں حسنینؑ کو دکھاؤں گا کیونکہ میں اعمال میں ان کو شمار کررہا ہوں۔''

اشی پی ہلوحمہ کسل ان نبی قرآن تھوروپس	یری خطہ پیکہ مہ فدا یارکھیرے قرآن پڑے تھوس

''خدا کا کلام پاک ہوتے ہوئے قرآن نیچے اترا۔لیکن آپ کے خط پر میں فدا اوپر جا کر قرآن سے بلند ہوا۔''

خدا مک لاینتھونگ مونگ لاخدا تھونگی زگیہ لونگ پو یا نگ	خدا ژوخ میدزیروک پا اس یدا نگ شبہ خدا ان سک

''خدا جن کو آنکھوں میں نظر نہیں آتا ہے انکو خدا دکھانے کی جگہ آپ ہیں۔خدا جیسا نہیں کہوں گا میں لیکن آپ لوگ شبہ خدا تھے۔''

زیزی لہ سکیپی بنگ بینگ زیرفو حمد سجدینگ نو	خدائی حمدوثنا ہنگ نو موسیٰ کاظمؑ

''پیدا ہوتے ہی آپ نے سجدے میں حمد پڑھی۔خدا کی حمدوثنا موسیٰ کاظمؑ۔''

یری ستغولہ مہ جوک فو تک جہیمی تنگ جونگ تھون	چو باب حطہ بجاینگ نو موسیٰ کاظمؑ

''آپ کے دروازے سے داخل نہ ہونے والے جہنم کے اندر پہنچ گئے۔باب حطہ کی مانند ہے موسیٰ کاظمؑ۔''

اپو چوی مہر نبوت پوژوخ کلیمہ خپو ہمیکہ	خدا اسی رسپو ثنا ینگ نو موسیٰ کاظمؑ

''نانا کے مہر نبوت کی طرح شانے پر کلمہ۔خدا نے آپ کے مدح میں لکھا ہے موسیٰ کاظمؑ۔''

کوس عیسیٰ مسیح شیمی لابوربی دعو	یا علیؑ ان سک دعودم پو محمد تقیؑ

''میں نے سنا عیسیٰ مسیحؑ کے مردے کو زندہ کرنے کی دعا کو۔یا علیؑ ان کی دعا تھی اور دم محمد تقیؑ تھا۔''

ستود کھم ہنگ سکرمہ ژوخ سکنگھو علی النقیؑ	معجزہ سہ سنو ہرژی ژوخ کنگفو علی النقیؑ

''اپنی تعریفوں سے آسمان کو ستاروں کی مانند بھرنے والے علی نقیؑ ہے۔معجزے زمین پر اُگنے والے نباتات کی مانند بھرنے والے علی نقیؑ ہے۔''

زادۃالبسطۃ یودکھوری شان ہنگ نونے	جسم وعلم چوق پڑے منگفو علی النقیؑ

''زادۃالبسطۃ آپ کے شان میں ہونا مشہور ہے۔جسامت وعلوم میں بھی سب سے آگے علی نقیؑ ہے۔''

اشہدان لاالہ الااحد زیرینہ	سکیے بئیکہ زیزی سنانگھو علی النقیؑ

''اشہدان لاالہ الااحد کہہ کر۔پیدا ہوتے ہی والدہ کو حیران کرنے والے علی نقیؑ ہے۔''

ردواری اعجاز یکہ بجلفو چہ تھیب ردو پڑے	کفری خسر یل سنینگو سہ ستراگفو علی النقیؑ

''آپ کے اعجاز وکرامت سے پتھر میں شگاف پڑنا عجب نہیں۔اس سے بھی سخت کافر کے ٹیڑھے دل کو سیدھا کرنے والے علی نقیؑ ہیں۔''

نبی نیشان کھوری لقیپنگ نبی ملسی کھدو کپی رکو	رسولی کھڑب پر دراسونگفو حسن العسکری انسک

’’نبی کا جھنڈا ہاتھ میں لے کر نبی کے جگہ پر بیٹھنے والا جسم۔رسول اللہؐ کے ذرہ برابر آنے والے حسن عسکریؑ تھے۔‘‘

وراثت کھونیگ تھونی ئو دپوتھونی من لوح موسیٰ نہ	سلیمانی خسوربی فرو حسن العسکریؑ انسک

’’بطور وراثت آپ لوگوں کے پاس پہنچے ہوئے تھے لوح موسیٰ کے ساتھ۔سلیمان کی انگوٹھی کا نگینہ حسن عسکریؑ تھے۔‘‘

مے ختم سے امامت پوکھولہ وخ غی کہ ساہیسے	فرشتو نگ فیق لزہ لاو نگفو حسن العسکریؑ انسک

’’آپ کو آسمان و زمین کی امامت دینے کے بعد پانچوں وقت زمین پر اتر کر۔فرشتے جن کی امامت میں کھڑے ہوتے تھے وہ حسن العسکریؑ تھے۔‘‘

نیماژوخ یو دخبر چوق لاژھن نگ نوے میدزنیزک پو	جمعی ژھن زیر باعرشیا کو حسن العسکریؑ انسک

’’یہ بات اظہر من الشمس کی مانند سب کو معلوم ہے کہ۔ہر شب جمعہ کو عرش پر جانے والے حسن العسکریؑ تھے۔‘‘

خضر موسیٰ لاشیس میدسوک دونو سونگفو پہ کیب لا کوی	کو پیونگ شیسپو نہ کیب لا کو حسن العسکریؑ انسک

’’خضر اور موسیٰ نہیں جانتے تھے پہلے گزرنے والے اور بعد میں ہونے والے حالات کو،لیکن پہلے گزرنے والے حالات اور بعد میں آنے والے حالات جاننے والے حسن العسکریؑ تھے۔‘‘

نبیونگ لا اسم اعظم بگوس خداسی بدون فچو نہ خسوم پو	کھریک ایونگ تھوبفو سینگ گنگمو حسن العسکریؑ انسک

’’خدا نے اپنے نبیوں میں تہتر اسمائے اعظم تقسیم کئے۔ان میں سے پورے کے پورے وصول کرنے والے حسن العسکریؑ تھے۔‘‘

یا نگ امام اولین و آخرین بیانہ خداس	بید مسیح اللہ لزہ فیق پو پاشہ آخر زمانؑ

’’آپ کو جب خدا نے امام اولین و آخرین بنایا تو مسیح اللہ آپ کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے اے شہ آخر زمانؑ۔‘‘

عباسؑ رضو نہ خداس دارالشفائی نگ کو چوکس	ٹھیا نگمو نگ لا کنگمہ بیونگسے دروس جر بونی ملکپو سنگ کو چوکس

’’عباسؑ کے روزے کو خدا نے دارالشفائی کا گھر بنایا ہے۔لنگڑوں کے پاؤں نکل کے چلتے ہیں اندھوں کی آنکھیں روشن کر دیتے ہیں۔‘‘

یا نگ نہ ری رینگچن لگی رضو خداس شیعو نگ لنا	چیکپو شفاعت خانہ بیں چیکپو شفائی نگ کو چوکس

’’آپ اور آپ کے عزیز بھائی رضوں کو خدا نے شیعوں کیلئے۔ایک کو شفاعت خانہ بنایا،ایک کو شفا کا گھر بنایا ہے۔‘‘

یانی سروپا پوسکیورسے بیانہ الف اب دونو	بال و پر قدرت مینے بلوس جنت نیز کہ شوق نگ کو چوکس

’’جب آپ نے سروپا کو چھوڑ کر خود کو الف کی مانند کیا۔تو بال و پر کی قدرت دے کر دیکھو جنت میں اڑنے

والا بنایا ہے۔‘‘

یا نگ دریرنیگ مشکل کشاان یا علمدار حسینؑ	ہسکے نی جوابے خوجاان یا علمدار حسینؑ

’’آج آپ میرے مشکل کشا ہیں اے علمدار حسینؑ۔کل قیامت کے دن میری شفاعت کرنے والے ہیں اے علمدار حسینؑ۔‘‘

لقپہ میدپونگ لا ریبنگ نالق تھوبید نا لابدی لق	یا نگ خدا ہپی عطاان یا علمدار حسینؑ

’’جن کے ہاتھ نہیں انھیں آپ کے پاس سے ہاتھ ملتے ہیں۔آپ خدا کی عنایت کردہ عطا ہیں اے علمدار حسینؑ۔‘‘

مصطفیٰؐ نادعلی کھایا علیؑ زیر فانہ ژوخ	عالمی زیر پی ندا ان یا علمدار حسینؑ

’’جس طرح مصطفیٰؐ نے نادعلی پڑھتے ہوئے یا علیؑ کہا۔عالم کیلئے آپ بھی ایسی ندا ہیں اے علمدار حسینؑ۔‘‘

سکیو یا دونو ینگ لا نبی مشکل کشا عباس علیؑ	منتخ پو تخس عباس علیؑ مشکل کشا عباس علیؑ

’’آپ کے پیدا ہونے سے پہلے نبیؐ نے مشکل کشا عباس علیؑ۔آپ کا نام رکھا عباسِ علیؑ مشکل کشا عباس علیؑ۔‘‘

حواشی

۱؎ اس کی حالات زندگی الاغانی ج ۸ص ۱۵،وفیات الاعیان ص ۵۱۹،نوری کی خزانۃ الادب، ج ۲ص ۶ ۷۷ وابن السلام کی طبقات الشعراء ص ۸۴ ۱ پر موجود ہیں۔

۲؎ دونکموھا یابنی ھاشم فجلدوا من آیھا الطامسا۔۔۔ولست من ان تملکوھا الی ھبوط عیسی فیکم آیسا.

۳؎ واضاف ذاک الی یزید وملکہ اثم علیہ فی الوری۔۔ وملامحتی بلغت مدی المشیب واصبحت منی القرون کأنھن ثغام

۴؎ تظناانہ المھدی حقاً ولاتقع الامور کماتظنا ولاواللہ ماالمھدی الا امامافضلہ اعلی واسنی

۵؎ شجاک الحی اذبانوا فدمع العین ھتان کأنی یوم رد والعیس للرحلۃ نشوان وفوق العیس اذولو ابھاحور وغزلان اذاماقمن فالاعجاز فی التشبیہ کثبان وماجاوز للأعلی فاقمار واغصان

۶؎ یہ مضمون مرکز تحقیقات ایران و پاکستان کے مجلّہ میں ص ۲۹ پر نشر ہوا ہے سر ورق پھٹنے کی وجہ سے شمارہ نہیں دے سکے

۷؎ لغت نامہ علی اکبر دہخدا ص ۱۵۰۲۵،الذریعہ ج ۱۳ص ۱۶،دائرۃ المعارف محسن امین ج ۴ص ۳۹۳۔

۸؎ نیز دیکھئے: حافظ شیرازی صادرا زرائے زنی دمشق۔فرہنگ بزرگان ص ۵۸۰۔الکنی والقاب ج ۲ص ۱۷۶۔لغت نامہ دہخدا، حافظ ۱۱۲۔الذریعہ ۹/ ۱ص ۲۲۲

مصادرِ شعروشعراء

يَـاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لايَسْخَرْ قَومٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَى
أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلانِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَى
أَنْ يَـكُـنَّ خَيْـرًا مِـنْهُـنَّ وَلاتَـلْـمِـزُوا أَنفُسَكُمْ
وَلاتَـنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الاِسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ
الْإِيمَانِ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُوْلَئِكَ هُمْ الظَّالِمُونَ

''اے ایمان والو! مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ممکن ہے
کہ یہ ان سے بہتر ہو اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن
ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں' اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ
لگاؤ اور نہ کسی کو برے لقب دو۔ ایمان کے بعد فسق برا نام ہے
اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں۔'' (حجرات ۱۱)

مصادرِ شعروشعراء

اسلام میں شعر کی قدر و قیمت

دنیا میں اقوام وملل کسی قوم کے ادب وثقافت قولی وعملی کی صحت وسقم کا استناد اس قوم کے ادیب، ماہرین اور دانشمند شخصیات کے کلمات نثر وشعر سے کرتے ہیں۔ عرب، امرؤالقیس، اخطل، جریر، فرزدق اور متنبّی سے متوسل ہوتے ہیں برصغیر میں یہ معیار غالب، انیس اور دبیر کیلئے اپنایا ہے، جبکہ ایرانی سعدی، حافظ، فردوسی اور مولانا رومی سے استناد کرتے ہیں، لیکن اللہ کا پسندیدہ دین "اسلام" اپنی ثقافت قولی وعملی کا استناد اشعار سے نہیں کرتا۔ قرآن کریم نے شعراء کی پیروی سے منع کیا ہے، شعراء چاہے جاہلیت قدیم کے ہوں یا جاہلیت جدید، وہ غلطی وخطا کے پتلے ہیں، ان کی سوچ وفکر اپنے زمانے کے حدود اربعہ میں محدود ہوتی ہے۔ جن لوگوں کی بود وباش، تزئین وآرائش بیت المال مسلمین کی مرہون منت ہے وہ اپنے قول وفعل کا استناد قرآن کریم اور سنت نبیؐ کی بجائے اپنے زمانے کے شرابی، جواری، زانیوں کے اقوال سے کرتے ہیں جیسے امرؤالقیس ابوفراس، دورنواس ومتنبّی وغیرہ۔ جب اسلام وقرآن نے شعراء کی پیروی سے دور رہنے کا حکم دیا ہو تو پھر فہم قرآن رکھنے والا کوئی متقی دیندار مسلمان کیسے اپنی ثقافت کا استناد ایسے لوگوں سے کرسکتا ہے۔ اسلام کی شان اس سے اجل وارفع ہے کہ وہ اشعار سے متاثر ہو، اسلام تو خود شعراء اور ان کے اشعار پر اثر گذاری کرتا ہے بشرطیکہ شعراء حقیقی معنوں میں مسلمان ہوں۔

مصادر و مآخذ شعروشعراء

کسی بھی مصنف اور مؤلف کیلئے اس تالیف کی نسبت سے چندین مصادر اور منابع کا نیازمند ہونا اربابِ تالیف وتصنیف سے پوشیدہ نہیں، جس قدر مصادر علماء ودانشوران کیلئے قابل قبول، مستند ہوں اتنا ہی اس کتاب کی سند میں اضافہ ہوگا لہٰذا مصنفین ومولفین چندین مصادر مآخذ کے نیازمند ہیں شعروشاعری کے عنوان پر لکھی گئی کتابوں کے مصادر بھی اپنی جگہ، معتبر ومستند مصادر کی طرف پلٹائے جانے کے نیازمند ہیں تاکہ محتوی اور مصادر کے مندرجات کی اہمیت کی تصدیق ہوجائے۔ اس سلسلے میں مصادر کی تقسیم بندی کرنے کی ضرورت ہے: ۱)۔ مصادرِ اولیہ ۲)۔ مصادرِ ثانویہ ۳)۔ مصادرِ فارسی ۴)۔ مصادرِ اردو

جن کی طرف ہم بطور اجمال اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ کتب لغات، جن جن کتب لغات سے کلمات کی تفسیر وتشریح کو اخذ کیا ہے۔ اس سلسلے میں ہم نے عربی فارسی اور اردو کی ذیل میں آنے والی کتب لغات سے استفادہ کیا ہے۔

لغت انسانی زندگی کے تمام وسائل اور ذرائع کے حصول واستعمال کی ماں ہے یعنی زندگی، لین دین کے نظریہ پر قائم ہے۔ اسی طرح دین بھی افہام وتفہیم پر قائم ہے جبکہ افہام وتفہیم لغت پر قائم ہے۔ جس طرح

انسان زندگی میں کوئی چیز دوسرے کو دیتا ہے تو اس سے کوئی چیز لیتا بھی ہے۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے بعد ماننا پڑے گا کہ لغت میں جہاں عطاوبخشش ہے وہاں لغت میں قبول بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لغت میں مداخلت ہے اور دنیا میں کوئی بھی لغت ایسی نہیں جس میں دوسری زبانوں کا دخل یا حصہ نہ ہو۔ یہی وجہ ہے فلسفہ لغت بیان کرنے والے لغات کے ریشے تلاش کرتے ہیں تو اس کا ریشہ انھیں کسی اور لغت سے ملتا ہے۔

بطور مثال ہماری زبان اردو ہے اور اردو کو اگر لغت میں دیکھیں گے تو کہتے ہیں اس کی اصل عربی ہونے کے ساتھ فارسی اور ترکی بھی ہے۔ آج کل اس لغت میں انگریزی کلمات بھی شامل ہیں جبکہ خود انگریزی کی قدیم رومن کی طرف اور پھر عبرانی وسریانی کے طرف برگشت کرتی ہے، لہٰذا ضروری ہے ہم کسی بھی کلمہ قرآنی یا حدیث نبوی کو پیش کرتے وقت اس کلمے کی تاریخ کو بھی مدنظر رکھیں آیا یہ کلمہ عربی زبان میں اسلام آنے سے پہلے موجود تھا یا نہیں؟ کیا یہ کلمہ پیغمبر اسلامؐ کی بعثت کے زمانے میں عربوں میں مستعمل تھا یا نہیں؟ یا خدانخواستہ اگر کوئی کلمہ عندالتحقیق ثابت ہوجائے کہ یہ کلمہ دوسرے دور کے لغت سازوں کا جعل کردہ ہے تو سمجھ لیں جعل سازوں نے حدیث میں یہ کلمہ جعل کیا ہے، لہٰذا ایسی حدیث جھوٹی قرار پائے گی اسی حقیقت کے پیش نظر اس تسلسل کو ہم شعر میں بھی لے سکتے ہیں۔

۲۔ کتاب کے موضوع کے حوالے سے، کن کن کتابوں سے استفادہ کیا ہے، اس سلسلے میں بیان وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں یہاں دو قسم کے مصادر بیان کرنے کی ضرورت ہے:

۱)۔ خود شعروشعراء کے ابتدائی مصادر کیا ہیں اور ان کے مندرجات کہاں تک قابل اعتماد وتوثیق ہے۔

اس سلسلے میں مندرجہ ذیل کتب پیش کرتے ہیں:

۱۔ الاغانی فی الواح الالحان لبیان ولاصوات، تالیف ابوالفرج اصفہانی۔	
۲۔ معجم ادباء عرب تالیف یاقوت حموی۔	۳۔ شعر شعراء تالیف ابن قتیبہ۔

۲)۔ شعروشعراء کے حوالے سے دوسرے درجہ کے مصادر جن کی طرف ہم نے رجوع کیا وہ مندرجہ ذیل ہیں:

المزھر: تالیف جلال الدین سیوطی۔	تاریخ ادب عربی: تالیف حنا الفاخوری۔
تاریخ آداب العرب تالیف مصطفیٰ صادق رفاعی۔	ادب طف: تالیف علامہ خطیب سید جواد شبر
دائرۃ المعارف شیعہ: تالیف سید حسن امین۔	الذریعہ الی تصانیف الشیعہ: آیت اللہ بزرگ تہرانی۔
اعیان الشیعہ: تالیف سید محسن امین۔	مجلّہ دانش: صادر رائی زنی جمہوری اسلامی ایران۔
فرہنگ بزرگان اسلام: آذر تفصلی مہین فضائلی جوان	لغت نامہ علی اکبر دہخدا۔
دائرۃ المعارف شیعہ: تالیف اعلمی۔	اعلام زرکلی۔
تاریخ ادب اردو: تالیف ڈاکٹر جمیل جالبی۔	لکھنؤ کا دبستانِ شاعری: ڈاکٹر ابواللیث صدیقی۔
معجم خطباء: یاقوت بن عبداللہ	

۱۔اغانی

کشف الظنون ج۱ص۱۲۹، اعلام زرکلی ج۴ص۲۷۸: علی بن حسین بن محمد بن احمد بن ہثیم مروانی اموی قریشی کنیت ابوالفرج اصفہانی، علم وادب اور تاریخ وانساب اور سیر کے اعلام میں سے تھے، ۲۸۴ھ اصفہان میں پیدا ہوئے بغداد میں نشو ونما پائی اور وہیں وفات پا گئے۔ ذہبی کا بیان ہے:

"تعجب اس بات پر ہے کہ وہ اموی شیعہ تھے، یہ مخفی طور پر اپنی تصانیف کو اندلس بھیجتے جہاں سے انہیں انعام وجائزہ ملتا تھے، ابوالفرج کنیزوں اور گلوکاروں کا ہم نشینی ہونے کے ساتھ لہوولعب اور شراب نوشی کی محافل میں بھی شریک ہوتا تھا۔"

مجلّہ تراثنا: ش۵۸ عدد ثانی ص۱۲۵: ابی الفرج اصفہانی کی اغانی کے کچھ ابواب یہ ہیں:

۱۔ اخبارالقیان، ای الجواری المغنیات۔　۲۔ المممالیک الشعراء۔

۳۔الغلمان المغنین۔　۴۔نسب بن عبدالشمس۔

۵۔کتاب الخمارین والخمارات

ابو محمدالمھلبی نے ابوالفرج سے پوچھا آپ نے اپنی کتاب کو کتنی مدت میں لکھا تو اس نے کہا پچاس سال کی مدت میں۔ جب یہ کتاب سیف الدولہ کو ہدیہ کی گئی تو اس نے اسے دس ہزار دینار دیئے۔

صاحب ابن عباد کہتے ہیں، اس نے جب یہ خبر سنی تو کہا: اس نے تقصیر کی۔ کیونکہ وہ اس کے دگنے کا مستحق تھا اس میں محاسن اور عجیب وغریب فقرات ہیں، زاہد کا مذاق، عالم کیلئے مواد، کاتب کیلئے بضاعت، تاج و شہسوار کیلئے پاؤں اور مضطرب کیلئے ریاضت ووضاحت ہے۔ ابی الفرج ہمیشہ عضدالدولہ کے ساتھ رہتا تھا اس نے ایک دفعہ ایک مسودہ بازار میں چار ہزار درہم میں فروخت کیا۔ ابن خلکان کا کہنا ہے ابن عباد اپنے ساتھ کتابوں سے لدے تیس اونٹ لے کر چلتا تھا، جب اس کے پاس یہ کتاب پہنچی تو وہ صرف اسی کو اپنے ساتھ رکھتا۔

✿ الذریعہ الی تصانیف الشیعہ ج۲ص۲۴۹ش۱۰۰۲: اس کتاب میں اشعار، شعراء اور گانا گانے والوں کا ذکر کیا گیا ہے جسے علی بن حسین بن محمد اصفہانی بغدادی کنیت ابوالفرج نے ترتیب دیا ہے، یہ آخری اموی خلیفہ مروان الحمار کی نسل سے اور زیدی شیعہ تھے۔ مورخ انساب، اخباری، نحوی اور ادیب تھے ۳۵۶ھ میں وفات پائی اس سال بہت سے ملوک نے انتقال کیا۔

✿ صاحب الذریعہ، کشف الظنون سے نقل کرتے ہیں، ایسی کتاب کسی نے تالیف نہیں کی، یہ اصل میں ۲۰ جلد پر مشتمل تھی جسے صاحبِ لسان العرب نے دس جلدوں میں "مختار الاغانی" کے نام سے طبع کیا۔ اس کا ایک اور مختصر نامہ شیخ حسین شہاب الدین عاملی نے بھی تیار کیا، شیخ محمد حسین آل کاشف الغطاءؒ نے اغانی میں موجود اچھی باتوں کے خلاصے کو منتخب کیا اور مکررات واسناد کو حذف کر کے اسے مختصر کیا اور "المغنی

عن الغناء" کے نام سے چھاپا۔

✿ دائرۃ المعارف الشیعی ج۱۳ص۲۸۰: میلے کچیلے رہنے کا عادی تھا، اپنا لباس نہیں دھوتا اور کھانا بہت کھاتا تھا ابی محمد مہلبی کا کاتب وخطیب تھا۔

✿ معجم ادباء ج۱۳ص۹۴ پر آیا ہے، سب سے زیادہ جھوٹا انسان تھا، اس نے مرنے سے پہلے الٹی سیدھی باتیں کیں، اموی تھا اور اپنے آپ کو شیعہ ظاہر کرتا تھا۔

✿ خوانساریؒ نے روضات الجنات میں لکھا ہے، ان کے شیعہ ہونے کا مظاہرہ، زیدیوں کا ساتھ دینے کی وجہ سے تھا جبکہ زیدیوں کے عقیدہ کے تحت امامت نسل فاطمی سے باہر نہیں جا سکتی۔ ان کے اشعار وکلمات سے انہیں شیعہ ثابت نہیں کیا جا سکتا، ان کے اہل بیت کی شان ومدح میں کہے گئے کلمات صحیح نہیں ہیں، اگر تسلیم بھی کریں تو انہوں نے حکام سے قرب حاصل کرنے اور ان سے جائزہ حاصل کرنے کیلئے ان اشعار کو سراہا ہے۔ اس زمانے سے شعراء کا یہ شیوہ اور سیرت رہی ہے۔

✿ علامہ خوانساریؒ مزید لکھتے ہیں: "میں نے کتاب اغانی کی ورق گردانی کی تو اس میں سوائے گمراہی مذاق، بے ہودہ قصہ کہانیوں اور اشعار کے سوا کچھ نہیں دیکھا۔" یعنی ان کی کتاب اغانی جہاں مدح و مراثی کا مصدر ومنبع ہے وہاں بے ہودہ قصہ کہانیوں، مذاق حتی گانا گانے والوں کا بھی مصدر ومنبع ہے اسی وجہ سے اس کا نام اغانی رکھا گیا۔ انہوں نے بنی امیہ کے ایک گروہ کی شان میں بھی قصیدے اور مقالے کہے جو اندلس میں تھے اور ان سے بھی جائزہ لیا۔

✿ قمی نے القاب ج۱ص۱۳۲، پر ان کا ذکر کیا ہے۔

بعض کو ابوالفرج اصفہانی کے ساتھ اس لئے لگاؤ ہے یا بعض کو اس پر تعجب ہوتا ہے کہ اس نے کیسے "مقاتل الطالبین" لکھی؟ اس سے یہ بھی اندازہ لگایا جاتا ہے کہ یہ شیعہ تھے، لیکن کسی فرد کا کسی فکر، گروہ یا عقائد کی طرف مائل ہونا تعجب آور اور قدر وقیمت والی بات نہیں خاص کر دین اسلام اور مکتب تشیع کے حوالے سے جہاں عمل اور عقیدے میں انسجام وہم آہنگی بنیادی شرط ہے۔ فکری طور پر طالبین کی حمایت تنہا ابوالفرج سے مخصوص نہیں، بلکہ امویین کے بعض مقتدر افراد بھی طالبین کے حق میں تھے۔ علاوہ ازیں طالبین کے حق میں ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ تمام طالبین ہوس، مال ودولت اور اقتدار سے پاک ومنزہ ہو کر خالصتاً، دینی اقتدار کے خواہاں تھے۔ آیئے دیکھتے ہیں ابوالفرج کے بارے میں مورخین ومصنفین اور کتاب شناس علماء نے کیا تجزیہ کیا ہے۔ ان کا نام علی بن حسین بن محمد بن احمد اصفہانی متوفی ۳۵۶ھ متولد ۲۸۴ھ ذکر کیا گیا ہے۔

✿ کتاب مقاتل الطالبین کی تمہید میں لکھا ہے، ابوالفرج ۲۸۴ھ میں ایران کے شہر اصفہان میں پیدا ہوئے، اسی بنا پر وہ اصفہانی کہلائے، جبکہ ان کا سلسلہ نسب خاندان بنی امیہ سے ہے، بغداد میں پرورش پائی، وہاں کی علمی وتفریحی اور ادبی وعلمی محافل حتی سیاسی محافل میں بھی بڑا مقام رکھتے تھے۔ ابوالفرج

سلطان رکن الدولہ البویہی کے وزیر اور ابی محمد مُہلبی کے خاص ندیموں میں سے تھے، جس وقت مُہلبی فقر و بے بضاعتی کی زندگی گزار رہا تھا، اس وقت وزیر بے دستخط چیک کی مانند ہوتا تھا، جسے ارباب اختیار جہاں خرچ کرنا چاہتے، کر سکتے تھے اسی طرح وزیر لوگوں کی جان و مال اور تقدیر سب سے کھیلتے تھے جبکہ یہ وزیر کے ندیم تھے انہیں لغت، تاریخ اور شعر کے علاوہ دیگر علوم پر بھی اچھا خاصا تسلط تھا۔

❁ کہتے ہیں یہ حیوانات کی تربیت میں مستغرق رہتا، ابن جوزی نے اپنی کتاب "المنتظم" میں لکھا ہے جس جس نے اس کی کتاب اغانی پڑھی ہے اس نے اس کتاب میں ہر قبیح و منکر اور بری بات کو دیکھا ہے۔

۲۔ معجم الادباء

وفیات الاعیان ج۶ ص۱۲۷: تالیف یاقوت بن عبداللہ کنیت ابوعبداللہ، رومی النسل جائے ولادت بغداد مقلب شہاب الدین، چھوٹی عمر میں اسیر ہوئے بغداد کے کسی تاجر ابن ابی مزاحم نصر ابراہیم نے اسے خرید کر اپنے تجارتی حسابدار و کتاب پر حافظ و نگران بنایا، کیونکہ وہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتا تھا جب بالغ ہوئے تو کتب ادب، علم صرف و نحو میں محو رہتے۔ اس دوران عمان، شام آیا جایا کرتا تھا پھر اس کی اپنے مولیٰ کے ساتھ ناچاقی پیدا ہوئی تو اس نے اسے آزاد کیا، ۵۹۶ میں اس نے کتابیں تنسیخ کرنے کا کام شروع کیا، حضرت علیؑ سے عداوت رکھتا تھا، یہاں تک حضرت کے حامیوں کے ساتھ اس کا مناظرہ ہوا تو اس کی زبان سے کچھ ایسی باتیں نکلیں جو حضرت علیؑ کی شان میں اہانت و جسارت آمیز تھی ۔ جب لوگوں نے اس کی مخالفت کی اس کا وہاں رہنا دشوار ہوا تو یہ ۶۱۳ میں دمشق چلا گیا۔ حضرت علیؑ سے بہت تعصب رکھتا تھا، اسی وجہ سے اس نے خوارج کی بہت سی کتابیں پڑھیں۔ معلومات جمع کیے ، بہت سی کتابیں لکھیں خاص طور پر معجم البلدان، معجم شعراء، معجم الادباء، اخبار متنبّی سرفہرست ہیں ۵۷۵ھ کو پیدا ہوئے اور ۶۲۶ کو وفات پائی۔

۳۔ شعروشعراء

تالیف ابن قتیبہ کتاب مفردات من الحضارۃ اسلامی ترتیب محمد راجی حسن کنانس لکھتے ہیں عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ کنیت ابومحمد اصل میں ترکی کے رہنے والے تھے، انہوں نے حصول علم میں شغف رکھنے کی وجہ سے علوم عربیہ میں بڑا مقام حاصل کیا۔ بنی عباس کی طرف سے شہر دینور میں قاضی منتخب ہوئے، علمائے حدیث و ادب اور تاریخ و کلام سے نشست و برخاست رکھتے تھے، آپ کا دورانیہ ۲۱۳ سے ۲۷۶ کے درمیانی عرصے تک رہے، ابن قتیبہ کوفہ میں پیدا ہوئے ان کی بہت سی تصانیف ہیں تاویل القرآن، غریب القرآن، عیون اخبار، شعروشعراء۔ متعلقہ کتاب میں ابن قتیبہ نے لکھا ہے، یہ عربوں کے علم کا خزانہ ہے، حکمتوں سے پر کتاب ہے اور ان کے اخباروں کا دیوان ہے، دنوں کی مستودع ہے ان کے افتخار کا نشان و دیوار ہے، ان کے مفاخر

کے گرد خندق ہے اور میدان جنگ میں گواہ و عادل ہے۔

۴۔ اکسیر العبادات فی اسرار الشہادۃ

❁ آیت اللہ بزرگ تہرانی اپنی ضخیم کتاب الذریعہ الی تصانیف الشیعہ ج۲ ص۶۷۹ رقم ۱۱۳۴ پر لکھتے ہیں:

"اکسیر العبادات فی اسرار الشہادۃ تالیف شیخ عالم المخلص صفی مولی آقا بن عابد بن رمضان بن زاہد شیروانی اور الدربندی الحاشری متوفی طہران ۱۲۸۶ ہے، جس کی ابتداء "الحمد للہ الذی جعل المعارف" سے ہوئی ہے، اس میں ۴۴ مجالس، ۱۲ مقدمے اور ایک اختتامیہ پر مرتب ہے جسے انھوں نے ۱۸ مہینے میں تالیف کیا ہے پھر انھوں نے اس کا فارسی ترجمہ "سعادت الناصری" کے نام سے کیا ہے جسے بنام ناصر الدین شاہ قاچاری پیش کیا ہے۔ آغا بزرگ تہرانی لکھتے ہیں، ان کے اخلاص اور صفا نفسی کے ساتھ اس میں ایسا مواد نقل ہے جو کسی معتبر کتاب میں نہیں ملتا، بلکہ اس کا مصدر مجہول الحال کتب ہیں، چنانچہ صاحب لولو و مرجان نوریؒ نے اس میں موجود غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔"

تعجب اس پر ہے کہ ان تمام کے باوجود پھر بھی آغا بزرگ تہرانی ان کو مخلص کہتے ہیں۔

❁ مصیبت اس وقت ہوئی جب فقہائے عظام نے روضہ خوانی شروع کی، دین کے مصدر قرآن اور سنت سے تمسک کی بجائے فلسفہ اور سائنس سے استناد کرنا شروع کی۔

❁ دین و مذہب میں آفت زدگی اس وقت سے شروع ہوئی جب سے ترویج و اشاعت دین اور اس کے محافظین نے اپنا کردار سیاسیات اور سماجیات کیلئے وقف کیا۔

❁ یہ آفت اس وقت اپنی انتہا کو پہنچی جب مراجع زیربط نے دین و شریعت میں شامل تحریفات کی اصلاح اور خرافات کی اخراج کی بجائے ریڈ کراس کا کردار ادا کرنا شروع کیا۔

❁ دین و شریعت کی خدمات کا عزم و ارادہ رکھنے والے کمر شکستہ و خمیدہ ہو کر قعر و مذلت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوئے اور آنے والوں کیلئے عبرت و مثال بن گئے، اگر ترویج دین کا ارادہ کریں گے اور آنکھ کھو لیں تو تمہارا بھی حشر ہمارے جیسے ہوگا۔

۵۔ اعیان الشیعہ

تالیف سید محسن امینؒ، آپ اپنی حیات کے بارے میں اسی کتاب خود لکھتے ہیں: جس طرح بہت سے علماء نے اپنی کتابوں کے اختتام پر اپنا حیات نامہ لکھا ہے، ہم بھی ان کی تاسی کرتے ہوئے اپنی حیات کے بارے میں کچھ لکھ رہے ہیں۔ آپ نے تفصیل سے بیان کیا ہے، لیکن ہم اس کا خلاصہ چند سطور میں لکھیں گے، آپ فرزند سید عبدالکریم امین حسینی عاملی ہیں، دمشق میں مقیم تھے، جبل عامل کے قریہ شقرا میں ۱۲۸۴ میں پیدا ہوئے، ۱۳۰۸ میں نجف اشرف گئے۔

۶۔ ادب الطف اوشعراء الحسینؑ

دس جلدوں پر مشتمل کتاب، خطیب نامور علامہ سید جوادشبر کی تالیف ہے، آپ ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے جو علم اورفن خطابت وشعر سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے بارے میں کتاب معجم الخطباء ج ا ص ۲۶۰ پر بیان آیا ہے؛ آپ ۱۳۰۳ھ میں نجف اشرف میں پیدا ہوئے اور حوزے کے علماء وفقہاء کی خدمت میں تلمذ کیا، آپ اپنے گھر میں حلقہ درس رکھتے تھے، آئمہؑ کی شان میں سراہے گئے، تمام اشعار کے مدعی کا مصدر اغانی ہے جسے ابوالفرج الاصفہانی نے لکھا ہے۔

۷۔ تاریخ ادب عربی

عربی ادب کی تاریخ کے مولف محمد کاظم ص ۴۱۱ پر لکھتے ہیں: احمد حسن زیات طہ حسین کے ہم عصر تھے، آپ بھی اس زمانے میں جامع ازہر میں زیر تعلیم تھے، ان کے آپس میں گہرے تعلقات تھے، زیات عربی لغت پر بہت عبور رکھتے تھے، لہٰذا ہر قسم کا اظہار خیال کرنے پر دسترس رکھتے، ان کے لکھنے کا انداز مخصوص تھا وہ دو تین جملوں کو ایک ہی وزن اور قافیے میں لکھتے۔ انہوں نے ایک عربی مجلّہ کے ذریعے جدید عربی ادب کی خدمت کی، نئے لکھنے والوں کیلئے اس رسالے میں بہت مواد پیش کیا، یہیں سے ان کے رسالے کو شہرت حاصل ہوئی آپ جامع امریکیہ میں ادب کے پروفیسر رہے، اس رسالے کی افادت کی وجہ سے ادب وتاریخ کے موضوعات پر کتابیں لکھی گئیں، ان کی مشہور تصانیف میں سے ایک "تاریخ ادب عربی" ہے اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگا سکتے ہیں کہ یہ ۱۹۴۷ میلادی تک دس بار چھپ چکی ہے۔

۸۔ دائرۃ المعارف الاسلامیہ الشیعہ

مجلّہ الرصد شمارہ ۵۵ ص ۴۸: تالیف سید حسن امینؒ فرزند مصلح کبیر سید محسن امین ۱۹۰۸ میلادی دمشق میں پیدا ہوئے، علوم مروجہ انہیں درسگاہوں سے حاصل کئے، حقوق میں جامعہ دمشق سے سند لی، علوم حوزہ اپنے والد گرامی سے حاصل کئے، آپ تاریخ کے علوم میں ابتداء ہی سے شغف رکھتے تھے، ابتدائی مراحل میں شاعری سے شغف ہوا۔ آپ نے اسلامی نشیب وفراز پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں ان میں آپ کی کتاب مغل وثنیت نصرانیت اور اسلام، نصیر الدین طوسی، اسماعیلی، صلاح الدین ایوبی عباسی اور فاطمیوں کے بیچ رضامامون اور ولایت عہد شامل ہیں۔ آپ کا آبائی وطن جنوبی لبنان کے منطقہ شقرا سے ہے لیکن آپ کے والد گرامی نے نجف سے واپسی کے بعد دمشق کو اپنا مسکن قرار دیا۔ آپ کتاب مغل میں لکھتے ہیں:

"شیخ نصیر الدین طوسی مغلوں کے ساتھ رہنے پر مجبور تھے، مغل وہی ہیں جنہوں نے بلاد اسلامی بغداد کو ویران کیا۔"

سید حسن امین کی بڑی تالیفات میں سے ایک دائرۃ المعارف الشیعہ ہے، سید حسن امین کے نزدیک شیعہ ہر وہ شخص ہے جو حضرت علیؑ کے خلافت بلافصل کا قائل ہو جس میں زیدی، فاطمی اور اسماعیلی، عالی سب شامل ہیں۔

فارسی مصادر

مفاتیح الجنان۔ منتہی الآمال

شیخ عباس قمیؒ کے یہ دو رسالہ عملیہ، تاریخ رسالہ عملیہ میں سب سے زیادہ دوام پذیر ہیں، جن پر ابھی تک عمل ہو رہا ہے ان دونوں کتابوں کو اس قدر تقدس حاصل ہے کہ شاید جن لوگوں نے قرآن کریم اور نبی کریمؐ کی ذات گرامی پر ہونے والی جسارت واہانت میں لب کشائی وقدم زنی نہ کیا ہو وہ ان دو کتابوں پر نقد سے بے ساختہ ہو جائیں گے۔

شیخ عباس قمی علیہ الرحمہ

مجلّہ نور علم دورہ ۲ ش ۲ ص ۱۱۴: نامور ومعروف محدث، حاجی عباس قمی ۱۲۹۴ھ قم میں پیدا ہوئے، آپ مرحوم محدث نوری علیہ الرحمہ کے شاگرد برجستہ اور دونوں اخباری مسلک تھے، حاج میرزا حسین نوری (متوفی ۱۳۲۰) صاحب "فصل الخطاب عن تحریف کتاب رب الارباب" ہیں، اس کتاب نے اس مسلک کے چہرے کو اس قدر داغدار بنایا ہے جس کا ازالہ ابھی تک نہیں ہو سکا، آپ آخری عمر تک مستدرک الوسائل کی تالیف وتصنیف میں میرزا حسین نوری کے ہمراہ مصروف رہے، محدث نوری کی وفات کے بعد قم آئے اور ۱۳۲۹ میں حج مشرف ہوئے، مناسک حج کے بعد قم آئے اور اپنی تالیفات اور تصنیفات کا کام جاری رکھا، ۱۳۳۱ میں مشہد مقدس گئے، بارہ سال مشہد میں اقامت کرنے کے بعد آیت اللہ قمی کی جلاوطنی کے بعد آپ نے دوبارہ نجف اشرف کی طرف ہجرت کی۔

آپ کی تصنیفات خاص کر منتہی الآمال اور مفاتیح الجنان ہیں جو سیرت ائمہ طاہرینؑ اور دعاؤں، زیارتوں اور مستحب نمازوں کا واحد رسالہ فتوائیہ ہے جس پر سو سال سے زائد عرصہ گزرنے کے بعد بھی کسی کو حاشیہ، اشکال یا وضاحت کرنے کی ہمت نہیں ہوئی جبکہ اس میں موجود اسی فیصد سے زائد مواد بغیر کسی سند یا مجہول السند سے مستند کیا ہے۔ اس سلسلے میں جو مقام آپ کو ملا ہے وہ دیگر علماء وفقہاء کیلئے قابل رشک ہے، یہ مقام پہلے مرحلے میں شیخ طوسی علیہ الرحمہ کو ملا تھا، لیکن ایک سو سال کے بعد ابن ادریسؒ نے ان کے فتوی پر نقد وانتقاد شروع کی، لیکن شیخ محدث قمیؒ کے فتواؤں کی طرف آنکھ کھولنے اور نوک قلم چلانے کی ہمت ابھی تک کسی کو نہیں ہوئی۔ ان کی کتابوں پر حاشیہ نقد لگانے کیلئے فقیہ جوان کی ضرورت ہے جیسے ابن ادریس جنھوں نے ۴۶۵ سے جاری شیخ طوسی علیہ الرحمہ کی مقدس وجامد تقلید کو ۵۵۸ میں تقدیس واحترام کو اپنی جگہ باقی رکھتے ہوئے دین وآزادئ فکر وسوچ کو ان کے کورانہ قید وبند سے آزاد کیا۔

یہ فقیہ جوان اہل فکر ودانش ودلسوز دین ودیانت سے یہ سوالات کر سکتے ہیں:

۱۔ کیا احادیث مرسلات بے سند پر اعتماد و بھروسہ کر کے کوئی عمل انجام دینا از روئے شریعت درست ہے؟
۲۔ کیا مرسلاتِ محدث قمی اپنی جگہ مثل مرسلات شیخ صدوق حکمِ عدم اعتماد سے مستثنیٰ ہے؟
۳۔ کیا کسی من قولہ حجت نے ان پر مہرِ تصدیق لگائی ہے کہ یہ کسی کیلئے جائے تردید نہیں رہی؟
محتوائے منتہی الآمال کے بارے میں چند نکات کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں:
۱)۔قصۂ فرسودہ وخود ساختہ نسبِ مادرِ امام زین العابدین -کوشاہانِ ظلم وشرک وکفر، قیصر وکسریٰ یزدجرد سے ملاتے ہیں اور ہارون رشید کے خود ساختہ وزیر علی بن یقطین کا ذکر کرتے ہیں جس کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں، چنانچہ آیت اللہ خوئیؒ نے معجم الرجال میں اسے رد فرمایا ہے۔
۲)۔معجزاتِ لاتعداد برائے ائمہ طاہرینؑ وامامزدہ گان امثال احیاء واموات، طیر الارض جو رسول اللہؐ کو بھی میسر نہیں ہوئے، بلکہ ایسے معجزات دینے سے خدا نے قرآن میں منع کیا ہے۔
۳)۔ائمہؑ کے اخلاق کریمہ کے بہانے سے ان کیلئے نازیبا کلمات جن کا ذکر اپنی جگہ انکی اہانت و جسارت ہے بیان کرتے ہیں۔
۴)۔معلوم نہیں مرحوم کی وفات کے بعد ان دونوں کتابوں میں کتنا اضافہ ہو گیا ہے۔ کیونکہ اضافے کیلئے خاص طریقہ اپنایا جاتا ہے پہلے اضافے کو حاشیہ میں لاتے ہیں جب اعتراض نہ ہو یا کم ہو تو اسے اس کے اندر شامل کرتے ہیں۔
محدث قمیؒ کے بارے میں بعض بزرگان اظہار خیال فرماتے ہیں:
"علمائے علم الحدیث باب "تقسیم حدیث" میں فرماتے ہیں، احادیث کی ایک قسم "مرسلہ احادیث" ہیں، جہاں ناقل حدیث کو صرف نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہے اور حدیث نقل کرتے وقت رسول اللہؐ نے فرمایا، امام نے فرمایا کہتا ہے، جبکہ یہ ان ذوات پاک سے کئی صدیوں کے فاصلے پر ہیں۔ ان کا کہنا ہے، یہ کسی معتبر کتاب میں آیا ہے۔ ایسی احادیث، علمائے حدیث کے نزدیک مردود ہیں۔ تعجب اس بات پر ہے کہ اخبار مرسلہ شیخ محدث قمیؒ کو کس نے اس قانون عدم قبول مرسلات سے مستثنیٰ کیا ہے، جبکہ شیخ محدث قمی کی مرسلات کو لینے کے بعد دیگر احادیث واخبار مستند کیلئے کوئی جگہ باقی نہیں رہتی، کیونکہ انھوں نے عقائد، رہبر شناسی، عبادات، دعاؤں اور زیارتوں کے صفحات کو مرسلات سے پُر کیا ہے۔ آپ نے ۱۳۵۹ ہجری میں وفات پائی۔

اردو مصادر

فصل نامۂ دانش

فصل نامہ دانش، رائے زنی جمہوریہ اسلامی ایران کی طرف سے ۱۴۰۵ھ کو پہلا شمارہ نکلا، اس فصل نامہ کے بنیادی اہداف جیسا کہ اس کے دوسرے شمارے کے ص ۳ پر لکھا ہے:
"یہ فصل نامہ ایک ہمزۂ وصل بنے گا اور یہ زبان فارسی اور افکار فارسی کو اس سرزمین میں فروغ دے گا۔"
چنانچہ اس سلسلے میں "مرکز تحقیقات زبان فارسی" کا قیام ہے جو ان کے بقول ایران و پاکستان کے تعاون سے چلے گا، یہ مرکز تحقیقات زبان فارسی ۱۳۵۰ھ میں وجود میں آیا، تا کہ اس کے ذریعے فارسی ادب اور اہل فارس کے دیگر افکار ونظریات کو وسیع پیمانے پر اس سرزمین میں پھیلایا جائے اس فصل نامہ کا مقصد فارسی زبان وفکر کو یہاں کے لوگوں کے ذہن نشین کرانا ہے۔
وہ فارسی زبان کی خوبیاں بیان کر کے یہاں کے لوگوں کو اسے سیکھنے کا شوق وتشویق دلانا اور اس میدان میں آنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ یہاں مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس حقیقت کا اعتراف کریں کہ مجاہدین اور مبلغین اسلام نے جب اسلام کی تبلیغ وارشاد فارسی زبان میں کیا یہاں کے مسلمانوں نے اسلام کو فارسی زبان میں سیکھا ہے وہ اسلام کے ساتھ ساتھ فارسی زبان کو تعظیم تکریم اور احترام وتقدیس کی نظر سے دیکھیں کیونکہ اسلام یہاں صوفیائے کرام کے توسط سے پہنچا ہے، لہٰذا یہاں کے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ بیک وقت فارسی زبان اور صوفیائے کرام کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں۔ یہ دونوں نکتے اپنی جگہ مشکوک ومخدوش ہیں۔ یہ وہی انحرافی فکر ہے، جہاں اصل کو فراموش کر کے فرع کو تخت پر بٹھائیں اسلام کی اصل زبان عربی ہے خود صوفیوں نے عربی میں اسلام پڑھا ہے "جن لوگوں نے ان سے اسلام سیکھا ہے وہ فارسی کے مرہون ہے۔" یہ فکر اپنی مخدوش ہے، چنانچہ یہاں کے فارسی زبان سیکھنے والے استاذ وطلاب کا ایک وفد قم میں آیت اللہ جواد آملی سے ملاقات کی تو انھوں نے فرمایا ہمیں اسلام عربی زبان میں سیکھنی چاہیے۔ اس کے علاوہ اگر یہ منطق اپنی جگہ درست پائیں گے تو اس وقت دنیا کے گوشہ وکنار میں تبلیغ وارشاد برصغیر سے جانے والے مبلغین ہیں ان کو اسلام کے ساتھ اردو پڑھنا چاہیے۔
۱۔ جیسا کہ اس مجلّے میں آیا ہے کہ یہاں یہ زبان لشکریان وبادشاہان، جنگجویانِ تیموریہ جو ارباب اختیار اور استعمار گر تھے، کے ذریعے آئی ہے، یہ چھٹی ساتویں صدی ہجری کی بات ہے، جبکہ اسلام خلیفہ سوم کے آخری دور میں اس خطے کے قریب پہنچا ہے اور یہاں مسلمانوں کا پہلا لشکر محمد بن قاسم کے دور میں آیا۔ یہاں اسلام پہلے آیا اور صوفیائے کرام بعد میں آئے ہیں۔

۲۔ مسلمان اگر اسلام سے وابستہ ہیں تو انہیں عربی زبان سے قریب ہونا چاہیے کیونکہ اسلام عربی زبان میں آیا ہے نہ کہ فارسی میں۔

۳۔ یہاں جو اسلام پہنچا ہے اس کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ صوفیائے کرام کے ذریعے آیا ہے، یہ بات دراصل اسلام کی راہ میں ایک رکاوٹ حائل کرنے کی سعی وکوشش ہے۔ اس کی بھی چند وجوہات ہیں۔ سوال یہ ہے کہ فکرِ تصوف خود کب وجود میں آئی ہے، اس کی بنیاد کس نے ڈالی اور یہ سب سے پہلے کس جگہ وجود میں آیا؟

۴۔ علماء ومبلغین ومروجینِ دین چاہے جس قوم وملت اور علاقے سے تعلق رکھتے ہوں، ان کی زبان اور لباس جیسا بھی ہو، ہمیں ان کے امتیازات سے کوئی واسطہ نہیں۔ ہم ہر مبلغ ومروج کے احترام وتعظیم کو ضروری سمجھتے ہیں اور کسی کی بھی اہانت وجسارت کو غلط سمجھتے ہیں۔ ہمیں کسی شخص سے کوئی سروکار نہیں۔ ہمیں ان کی فکر وبیان وپیغام اور اس سے ان کے ماننے والوں پر مرتب ہونے والے اثرات سے سروکار ہے۔ اہل تصوف اور علمائے تصوف نے جو تصوف یا فکر وپیغام پیش کیا ہے وہ انسان دوستی اور پیار ومحبت کا پیغام ہے اور وہ انسانوں کو مل جل کر رہنے کا درس دیتے ہیں۔ ہمارا ان سے صرف اتنا سا سوال ہے کہ وہ جس پیغام کو پھیلا رہے ہیں، اگر وہ پیغام قرآن وسنت میں موجود ہے تو انھوں نے کوئی چیز پیش نہیں کی بلکہ وہی چیز پیش کی ہے کہ جسے پیغمبر اسلامؐ قرآن کریم اور اپنی سنت کے ذریعے لوگوں تک پہنچایا اور اگر صوفیائے کرام نے لوگوں کو زندگی گزارنے کا جو طریقہ بتانے اور ان تک جس اسلام وپیغام کو پہنچانے کی کوشش کی ہے، وہ قرآن وسنت پیغمبر اسلامؐ میں موجود نہیں ہے تو گویا یہ لوگ بیان شریعت میں اس قافلے میں شامل نہیں ہوئے کہ جس کے قائد وسالار پیغمبر اسلامؐ ہیں اور یوں صوفیائے کرام نے جو پیغام عام کرنے کی کوشش کی ہے وہ انھوں نے قرآن اور سنت پیغمبر اسلامؐ سے نہیں لیا، بلکہ انھوں نے از خود اور مستقل کوئی دوسرا پیغام دیا ہے، چنانچہ اس طرح مسلم معاشرے میں دو اسلام گردش کرنے لگے: ۱)۔ اسلامِ محمدؐ ۲)۔ اسلامِ صوفیائے کرام۔

اہل تصوف نے اسلامِ محمدؐ کے ہوتے ہوئے ایک نیا راستہ کیوں اپنایا، انہیں یہ جواب دینا ہوگا۔ صوفیائے کرام کے پھیلائے گئے اسلام کے معاشرے پر یہ اثرات مرتب ہوئے کہ امت اسلام ہر علاقے اور منطقے میں قرآن کریم کی بجائے اپنے شعراء کا ورد کرنے لگی۔ یہی وجہ ہے کہ آج مومنین ومسلمین کہلانے والوں کی ایک کثیر تعداد کعبے کی بجائے صوفیائے کرام کی قبور یا جعلی قبروں کے گرد طواف کرتی ہے۔ اگر قبروں کے گرد طواف کرنے کا حکم صوفیائے کرام نے دیا ہے تو نعوذ باللہ یہ دین میں ایک بدعت ہے اور اگر یہ حکم ان کے مریدوں کی طرف سے ہے گویا ان کے مریدین نے اپنے مرشدوں اور پیروں کے پیغام سے انحراف کیا ہے۔

تاریخ ادب اردو تالیف ڈاکٹر جمیل جالبی

ڈاکٹر جمیل جالبی ۱۹۲۸ء کو علی گڑھ میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم سہارن پور میں حاصل کرنے کے بعد میرٹھ گئے اور وہاں بی اے کیا۔ قیام پاکستان کے بعد سندھ یونیورسٹی سے ایم اے، ایل ایل بی، پی ایچ ڈی کی، جامعہ کراچی کے وائس چانسلر رہے۔ مقتدرہ قومی زبان کے صدر نشین رہے، ایک نقاد مفکر ومورخ، ادیب ومترجم کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں، ان کی اردو ادب کے بارے میں کتاب ''تاریخ ادب اردو'' جو تین جلدوں پر مشتمل ہے، قابل ذکر ہے۔

لکھنؤ کا دبستانِ شاعری تالیف ڈاکٹر ابواللیث صدیقی

ڈاکٹر ابواللیث صدیقی ۱۹۱۶ء میں آگرہ میں پیدا ہوئے، ۱۹۳۸ء میں اردو ادب میں ڈاکٹریٹ کی، ۱۹۴۸ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور ۱۹۵۰ء تا ۱۹۵۶ء تک پنجاب یونیورسٹی کے پروفیسر اور صدر مقرر ہوئے، تاریخ زبان، ادبیات اردو، لسانیات، تاریخ، اصول تنقید، عملی تنقید، لکھنو کا دبستان شاعری، کے مولف ہیں۔

جواہر دیر اور دیوانِ میر انیس تالیف سید مرتضیٰ حسین صدر الافاضل

صدر الافاضل مرکز علوم ومعارف اسلامی لکھنؤ سے جاری ہونے والی ایک علمی سند کا نام ہے، پاکستان میں ایک نامور عالم دین علامہ سید مرتضیٰ حسین اعلی اللہ مقامہ اپنی اس علمی سند کی بنیاد پر اتنے مشہور ہوئے کہ یہ سند آپ کے نام کا حصہ بن گئی اور دینی حلقوں میں آپ صدر الافاضلؒ کے نام سے پہچانے جانے لگے۔

علامہ بزرگوار عربی زبان پر کافی عبور رکھتے تھے، جبکہ اردو آپ کی مادری زبان تھی، آپ مرکز علمی سے تعلق رکھتے تھے، مولانا موصوف کو اردو ادب کے حوالے سے ایک بلند مقام حاصل ہے۔ ادب، لغت، لسانیات اور قواعد پر ان کا کام سند کا درجہ رکھتا ہے، آپ ۱۸ ذوالحجہ ۱۳۴۱ھ کو لکھنؤ کے راجا بازار نامی محلے میں ایک علمی گھرانے میں پیدا ہوئے، مولانا قاسم آغا صاحب آپ کے والد گرامی تھے، ابتدائی تعلیم کا آغاز مدرسہ عالیہ سے ہوا، پھر لکھنؤ کی عظیم دینی درسگاہ سلطان المدارس میں داخل ہوئے، سلطان المدارس میں مختلف تعلیمی مراحل طے کرتے ہوئے مدرسہ کی آخری سند ''صدر الافاضل'' حاصل کی، اس کے بعد آپ نے مدرسہ ناظمیہ میں داخلہ لیا اور وہاں کی بھی آخری سند ممتاز الافاضل حاصل کی۔

''صدر الافاضل'' کی اسناد رکھنے والے حضرات برصغیر میں کثیر تعداد میں پائے جاتے ہیں گرچہ عالم تشیع کے مایہ ناز حوزوں یعنی نجف اشرف اور حوزہ علمیہ قم کے اعلی علمی مدارج اور سند اجتہاد کے مقابل صدر الافاضل اور ممتاز الافاضل جیسی اسناد کی کوئی وقعت وحیثیت نہیں تاہم ان اسناد کے حامل بعض افراد نے ذاتی کاوشوں اور ذہنی قابلیتوں کی بنیاد پر اپنی اعلی علمی صلاحیتوں کا علمی حلقوں میں لوہا منوایا ہے۔ مولانا موصوف بھی اس گروہ کی گنتی کی چند شخصیات میں شمار ہوتے تھے، آپ اس قدر صاحب علم وادب ہونے کے باوجود انتہائی منکسر المزاج اور متواضع شخصیت کے مالک تھے، اپنی اس خوبی کی وجہ سے آپ دینی حلقوں میں بالخصوص

علماء کے نزدیک محبوب القلوب تھے۔

آپ نے مختلف موضوعات پر کثیر تالیفات ورثہ میں چھوڑی ہیں، اس مقام پر ہم خصوصیت کے ساتھ اس بات کا ذکر کرنا چاہتے ہیں کہ دارالثقافۃ الاسلامیہ پاکستان کے آغاز عمل میں شائع ہونے والی کتب "ہمارا پیام، تشیع اور رہبری، کتاب المومن، عاشورا اور خواتین اور اسلام میں خواتین کے حقوق" آپ ہی کی ترجمہ شدہ ہیں۔ آپ نے جہاں دوسرے بہت سے موضوعات پر قلم فرسائی فرمائی ہے وہاں امام حسینؑ کی شخصیت اور نہضت پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ اس سلسلہ میں امام حسینؑ کی تعلیمات، جہاد حسینی، حسین وغم حسینؑ محرم و آداب محرم، اور تاریخ عزاداری آپ کی وہ تالیفات ہیں جو ہماری دسترس میں آس کی ہیں، انہی میں سے یہ دو کتابیں جو اس کتاب کے مصادر میں آتی ہے، ان کا نام گرامی آتا ہے۔ اس عالم بزرگوار و باعمل نے ۲۷ ذوالحجہ بروز یک شنبہ ۱۴۰۷ھ کو لاہور شہر میں وفات پائی۔ جسد خاکی کو قبرستان شاہ کمال میں ہزاروں دوستوں اور نیازمندوں کی موجودگی میں سپرد خاک کیا گیا۔

رب غفور ورحیم سے دعا ہے خدا آپ کو امام حسینؑ کے اہداف ومقاصد کو بیان کرنے کا ثواب کثیر عنایت فرمائے اور انہی کے ساتھ محشور فرمائے۔

...لا علامہ مغفور ومرحوم صدر الافاضل نے مرزا سلامت علی دبیر اور میر ببر علی انیس کے مرثیوں کو یکجا جمع کرنے کے بعد اس مرتبہ کتاب میں چار موضوعات پر قلم اٹھایا ہے:

۱۔ ان کی سوانح حیات۔ ۲۔ ان کے نظوم، مدح ومرثیے۔

۳۔ تحقیقی متن، جس میں مصرعوں کے مختلف نسخوں میں اختلاف کا اشارہ

۴۔ فرہنگ نظم جس میں نظم کے مشکل الفاظ کے معانی پیش کیے ہیں۔

یقیناً مرحوم کے یہ کارنامے انجام دینے میں مندرجہ ذیل اہداف مدنظر ہوں گے:

۱۔ ملت کے علمی، فکری، شخصیت کا تعارف کر کے نسل حاضر کو ایسی شخصیات کے لمحات زندگی سے درس عبرت، اسباق پیش کرنا ہے، تا کہ نسل جدید صحیح راستوں پر گامزن ہو جائے۔

۲۔ جمع معلومات کرنا ہے، تا کہ ضائع ہونے سے محفوظ کیا جا سکے جیسا کہ علامہ مجلسیؒ و دیگر شخصیات نے کیا۔

۳۔ اپنی بساط وتوازن وقدرت کے تحت اپنے لئے زاد آخرت پیش کرنا ہے۔

یہ تینوں اہداف اس حقیقت سے متصل ومنسجم ہیں کہ انسان نسل حاضر ونسل آئندہ کو آوارہ گشتی اوہام، خیالات تضاد، تناقض گوئیوں سے نکال کر شواہد وحقائق کی طرف رہنمائی کرے خاص کر کے ان افراد کا تعارف کرتے وقت جو میدان علم وفکر کے شہسوار ہیں اور نمونہ ومثال ہیں۔ مولانا صاحب سے ہمیں نزدیک سے بار بار ملاقات، مصاحبت کرنے کا شرف حاصل رہا ہے۔ وہ ایک طالب حقیقت، علم ودانش، متواضع ومتوازن شخصیت کے حامل تھے، اس عکاسی کو سامنے رکھنے کے بعد ان دو کتابوں کے آثار کو دیکھنے کے بعد تعجب ہوا کہ

مولانا نے مندرجہ ذیل نکات پر نوک قلم کو حرکت دینے سے انتہائی احتیاط اپناتے ہوئے کوئی بھی کلمہ لحہ فکریہ پیش کرنے سے گریز فرمایا۔ ہم قارئین کرام کی توجہ اس میں موجود چند نکات کی طرف مبذول کراتے ہیں۔

۱۔ مضامین اشعار، ان کے چند اشعار جھوٹے مصائب کی قافیہ سازی میں شہسوار ہیں اور جھوٹ مصائب بیان کرنے والوں کیلئے اچھے مصادر واسناد فراہم کرتے ہیں جہاں تک غلو کا مسئلہ ہے اس میں بھی اپنے وقت کے استاد تھے، اور غلو آمیز مداحی عالم وہم وخیال کی تصورات کے بہت سے نمونے پائے جاتے تھے، جو دین مبین اسلام، مکتب اہل بیت سے بالکل متصادم ومتضاد ہیں، اس کی طرف انھوں نے اشارہ تک بھی نہیں کیا۔

۲۔ انیس ودبیر دونوں کو تمام سوانح نگاروں نے ایک دوسرے کے مخالف قرار دیا ہے ان دونوں میں فکری تضاد پایا جاتا تھا۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ مرزا دبیر نواب کے مداح وثناخواں تھے جبکہ انیس ان کی مدح سرائی کرنے کے خلاف تھے۔ قرآن ونبی کریم کی سیرت پر چلنے والے مکتب اہل بیت، راہ امام حسینؑ پر قائم دو انسان آپس میں فکری تضاد کی وجہ سے ایک دوسرے کو دیکھنا تک برداشت نہیں کرتے، کیا یہ کوئی معمولی بات ہے؟ کہ علامہ نے کسی ایک کو حق بجانب اور دوسرے کو قصور وار ٹھہرانے سے گریز کیا ہے۔ اگر یہ منطق اپنی جگہ مستحسن ہے کہ دونوں چشم وچراغ ملت ہیں۔ دونوں نے اس مکتب کی بھرپور طریقے سے خدمت کی ہے۔ فکر وعمل میں متضاد دو انسانوں کو یکجا کر کے دونوں کو حق بجانب ٹھہرانے کا مصدر ومآخذ قرآن وسنت تو نہیں بن سکتا ہاں اس کی برگشت سوفسطائیت کی طرف ہے جس میں ہاں اور نہیں دونوں صحیح ہیں یا اس کی برگشت صوفی ازم کی طرف ہوتی ہے جس میں کہا جاتا ہے موسی نے اپنی فکر کے تحت خدا پرستی کی اور فرعون نے اپنی فکر کے تحت۔ یہ تنہا مولانا صاحب کی تصنیف وتالیفی سیاست نہیں بلکہ ان سے پہلے بھی یہ کاوش ہوتی رہی کہ تمام اطراف کیلئے خود کو محبوب بنا کر رکھیں۔

مصادرِ روائی شعروشعراء

آج کے صنعتی دور میں جعل ساز اپنی بعض مصنوعات بیرون ملک صنعتوں سے موسوم کر کے پیداوار کو بازار میں بھیجتے ہیں اور اس طرح اپنی مصنوعات کی مقبولیت میں اضافہ کرتے ہیں، اسی طرح منافقین نے بہت سی احادیث خود پیغمبر اسلام ﷺ اور آئمہ طاہرین ؑ سے منسوب کی ہیں۔ جعل سازی کی سنت ہمیشہ سے ہے اور رہے گی، اسی سنت باطلہ کے تسلسل میں سے ایک جعلی کتب ہیں، کتبِ گذشتہ دور کے شخصیات سے منسوب کرنا یا معتبر کتابوں میں اضافہ کرنا بھی ایک معمول کی بات ہے، ایسے لوگوں سے بہت سی کتب ترتیب و تنظیم دے کر نوابغ روزگار، معروف مفکرین، مشہور شخصیات کی طرف نسبت دے کر نشر کی جاتی ہیں۔
اس سلسلہ میں بہت سے محققین نے بہت سی ایسی کتابوں سے کشف نقاب کر کے ان کے سرورق پر لکھے گئے ناموں کو جعلی قرار دیا ہے اور کہا ہے اس کتاب سے اس مولف کا کوئی واسطہ نہیں، اس مصنف کی اس نام سے کوئی کتاب نہیں ہے، چنانچہ ایسی کتب کی ایک فہرست ہم ذیل میں قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں:

۱)۔مقتل ابی مخنف	۲)۔توحید مفضل	۲)۔توحید مفضل
۳)۔جامع الاخبار	۴)۔کتاب امام جعفر صادق	۵)۔احتجاج طبرسی
۶)۔تفسیر قمی	۷)۔سلیم بن قیس ہلالی	۸)۔کتاب الامامہ والسیاسہ
۹)۔تفسیر امام حسن عسکریؑ		

ان میں سے بعض کے بارے میں علماء کا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں۔

تفسیر امام حسن عسکریؑ

ثقافت اسلامی ش ۴۰، ص ۱۹۱: حیاتِ امام حسن عسکریؑ، میں ایک موضوع آپؑ کے نام سے رائج "تفسیر امام حسن عسکریؑ" کی سند ہے۔ مقالہ نگار (سید عامر حلو، استاد محمد علی اسبر کی) نے اس تفسیر کو بہت اہمیت دی ہے اور اسے شیعہ کتب میں ایک بڑا مقام دیا گیا ہے، انہوں نے اس تفسیر کی مقام و منزلت کے بارے میں یوں استدلال کیا ہے کہ شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اصول کافی میں، طبرسی نے کتاب احتجاج میں، ابن شہر آشوب نے مناقب میں اور علامہ مجلسیؒ نے بحار میں اس تفسیر کی روایات نقل کی ہیں۔ سید عامر حلو کہتے ہیں؛ ان علمائے بزرگان کی طرف سے اس تفسیر سے روایات نقل کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ کتاب امام حسن عسکریؑ کی ہے۔
مقالہ نگار نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے وہ دو قسم کی ہیں:
۱۔ایک کتاب ہیں جن میں اخبار، صحیح، نادر، کمیاب اور ضعیف سب کو جمع کیا گیا ہے، اصل میں ان کا نقطۂ

نظر حدیث کو جمع کرنا تھا نہ کہ صحیح احادیث کو جمع کرنا، جیسے بحار مجلسی، وسائل شیعہ، مستدرک وسائل شیعہ، العوالم والمعارف اور اصول کافی۔ لہٰذا ان کے بارے میں تحقیق کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ وہ کتابیں جن کا ذکر کیا گیا ہے، ان کا شمار ان کتابوں میں نہیں، کیونکہ ان کے مولفین معروف ہیں۔
۲۔جبکہ مذکور بالا کتابوں کے مصنفین مشکوک ہیں۔ جیسے کتاب "احتجاج" طبرسی کی اور "مناقب" ابن شہر آشوب کی ہے یا نہیں، تاہم اس تفسیر کی امام حسن عسکریؑ سے نسبت بذات خود اپنی جگہ مشکوک ہے۔
✿ حنیف نے کہا ہے یہ سہل دیباجی نے لکھی ہے۔
✿ ہمارے بہت سے علماء نے (اسی مجلّے کے شمارہ ۳۳، صفحہ ۱۳۳) لکھا ہے، مرزا ابوالحسن شیدانی نے اس تفسیر کو امام حسن عسکریؑ سے نسبت دینے کو مشکوک قرار دیا ہے۔
علاوہ ازیں ہم یہاں پر اس تفسیر کے بارے میں بعض بزرگ علماء کی آراء و نظریات کو پیش کرتے ہیں:
۱۔ علامہ حلی حسن بن سدید بن یوسف بن مطہر تخلص حلی متوفی ۷۲۶ھ نے لکھا ہے یہ تفسیر جسے امام حسن عسکریؑ کی طرف نسبت دی گئی ہے جعلی ہے اور اس میں موجود احادیث بھی مردود ہیں جسے جعل کرنے والا سہل بن احمد دیباجی ہے۔
۲۔ابن غضائری صاحب کتاب صنعا لکھتے ہیں یہ تفسیر جعلی ہے جسے سہل دیباجی نے اپنے باپ سے نقل کیا اور اس میں احادیث مجہول و مردود ہیں۔
۳۔محقق داماد نے اپنی کتاب شارع نجات ص ۱۱۸ میں لکھا ہے یہ تفسیر جعلی ہے یہ ابی محمد سہل بن احمد دیباجی کی ہے اور اس میں جعلی احادیث ہیں بلکہ یہ آئمہؑ پر تہمت و افتراع ہے۔
۴۔شیخ محمد جواد بلاغی نے تفسیر سورۂ اعلیٰ و رحمٰن میں لکھا ہے، تفسیر بہ منسوب امام حسن عسکریؑ جس کے بارے میں ہم نے ایک مخصوص کتابچہ میں تحریر کیا ہے یہ تفسیر جھوٹی اور جعلی ہے اس کتاب کے جھوٹے ہونے کیلئے اتنا کافی ہے کہ اس کی روایات تناقص و تضاد پر مشتمل ہیں اور بہت سی احادیث قرآن اور مسلمہ تاریخ کے خلاف ہیں۔
۵۔آیت اللہ ابوالقاسم خوئیؒ معجم الرجال ج ۱۳، ص ۱۵۹ پر لکھتے ہیں: "تفسیر امام حسن عسکریؑ کی طرف نسبت علی بن محمد بن سیار اور ان کے دوست اور ساتھی یوسف بن محمد بن زیاد نے دی ہے یہ دونوں مجہول الحال ہیں، لہٰذا ان کی روایت پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ وہ امام سے ہی نقل ہو یہ بات تو بعد کی ہے کہ کتاب ہی کو امام کی طرف نسبت دی جائے۔ متعلقہ کتاب کے اندر موجود مواد سے دیکھنے والوں کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب جعلی اور خود ساختہ ہے۔ ایسی کتاب کی محقق علماء میں سے کسی کی طرف نسبت نہیں دی جا سکتی چہ جائیکہ ایسی کتاب کی نسبت امام حسن عسکریؑ کی طرف دی جائے۔ اسے سید نعمت اللہ جزائری، علامہ مجلسی اول، سید عبداللہ شبر، سید ہاشم بحرانی، فیض کاشانی اور مجلسی صاحب بحار

نے امام سے منسوب کیا ہے،بعض نے درمیانی راستہ اختیار کرنے کی کوشش کی ہے ان میں سے ایک آیت اللہ شیخ رضا استادی ہیں۔

روضة فی الفضائل والمعجزه

الذریعہ الی تصانیف الشیعہ ج۱۱ص۲۸۱،ش ۱۷۲۰۔آقای بزرگ طہرانی فرماتے ہیں: جیسا کہ سید ابن طاؤس نے ''اقبال'' میں ذکر کیا ہے، یہ ابی عبداللہ حسین بن حمدان خصیبی جنبلانی صاحب کتاب ''الہدایۃ'' متوفی (۳۵۸) یا (۳۴۶) کی ہے، ایک جگہ پر انہوں نے احتمال ظاہر کیا ہے کہ یہ کتاب ابن بابویہ کی کتاب ''الروضہ'' دونوں ایک کتاب ہوں ہے جیسا کہ ریاض میں ''اقبال'' سے نقل ہے۔

الذریعہ۱۷۲۱: روضہ کے نام سے ایک کتاب ہے جو ہمارے بعض علماء کے معجزات وفضائل سے متعلق ہے لیکن انہوں نے شیخ صدوقؒ کی طرف نسبت دی ہے جو باطل ہے کیوں کہ صدوق کی احادیث سنہ ۶۵۱ کی ہے یہ ان کتابوں میں سے ہے جس سے صاحب بحار نے بحار میں نقل کیا ہے۔صاحب الذریعہ فرماتے ہیں:

''کتاب اتنی معتبر نہیں ہے، محدث حر عاملی نے اپنی ''امل الآمل'' میں لکھا ہے، یہ کتاب مجہول الحال کتابوں میں سے ہے، بعض نے اسے شیخ صدوقؒ کی طرف نسبت دی ہے جو حوالے سے ثابت نہیں۔''

دشمنی خلفاء سے متعلق شعروشعراء کے مصادر

یہ ایک واضح وآشکار اور ناقابل انکار حقیقت ہے کہ بعض فرق شیعہ نے خلفاء سے اس حد تک دشمنی مول رکھی ہے کہ گویا ان کے نزدیک کل دین ودیانت اسی عداوت میں مدغم ہوتا ہے۔دوسری طرف یہ عداوت اور نفرت تبرا گوئی قرآن وسنت اور سیرت آئمہ طاہرینؑ سے کس حد تک مطابقت رکھتی ہے اس بارے میں سوچنے کی ضرورت ہے اس موضوع کے ساتھ انصاف وعدالت برتنے کی ضرورت ہے:

۱۔خلفاء کی شخصیت کے بارے میں قرآن اور سنت وسیرتِ پیغمبرؐ کیا فرماتے ہیں۔

۲۔خلفاء کے حوالے سے امیر المومنینؑ اور دیگر آئمہ طاہرینؑ کی سیرت کو سامنے لائیں۔

۳۔وہ کتب جن میں خلفاء کے مطاعن اور اہل بیت سے دشمنی اور کارناموں کا ذکر ہوا ہے ان کی حیثیت کیا ہے یہ کس حد تک مستند ومعتبر ہیں، کتب شناس ورجال شناس شخصیات کے توسط سے اس کے متعلق جاننے کی ضرورت ہے۔

۴۔آیا تمام شیعہ ان سے عداوت برتنے کو اپنے دین وایمان کا جزو سمجھتے ہیں یا اس میں بعض گروہ شامل ہیں جنہوں نے ان سے عداوت برتی ہے وہ کون ہیں ان کا دین اسلام سے کس حد تک رشتہ ہے۔

ہم ذیل میں ہر ایک کے بارے میں ایسا خلاصہ پیش کریں گے جس میں اجمال وابہام نہ ہو اور ایسا طویل

نہیں دینگے جو مطالعہ نگار کو موضوع سے اجنبی اور دور کردے۔

الامامہ والسیاسہ

آئینہ پژوہش ص۸۵:ابی محمد عبداللہ بن مسلم مشہور بہ ابن قتیبہ دینوری متولد۲۱۳ھ قمری متوفی ۲۷۶ھ کی تالیف ہے، مؤلفِ معارف ابن قتیبہ، صاحب تالیفات کثیرہ ہیں۔

کتاب میں بہت سی معلومات موجود ہیں وہ ادیب ،مورخ اور محدث ومفسر تھے، اس کتاب میں انبیاءؑ انساب عرب، سیرہ پیغمبرؐ، اصحاب پیغمبرؐ، خلفاء، خلفاء کے خلاف قیام کرنے والوں، تابعین، فقہاء، اصحاب حدیث نسب شناس، راویان شعر، مؤسسین فرق ومذاہب یا صاحبان فرق ومذاہب، بادشاہان حبش، حیرہ اور عجم سب کا ذکر ہے، اس میں الٹی سیدھی خبریں بھی ہیں۔اس کتاب میں ابن قتیبہ لکھتے ہیں:

''ابوبکرؓ، عمرؓ اور علیؑ جب دنیا سے گزرے اس وقت قرآن جمع نہیں ہوا تھا امیر المومنین علیؑ وفات تک قرآن یاد نہیں کر سکے۔''

کتاب میں ایسی بہت سی الٹی سیدھی باتیں ہیں۔ان کی ایک اور کتاب ''عیون الاخبار'' ہے اس کتاب میں ابن قتیبہ نے زیادہ تر انجیل اور تورات سے نقل کیا ہے۔

صاحب ''کشف الظنون'' نے ان کی شخصیت اور کتب کی فہرست پیش کرتے وقت الامامہ وسیاسہ کا ذکر نہیں کیا۔مکتب شریف الرضی قم سے طباعت شدہ اس کتاب کے تمہید کے بارے میں لکھا کہ یہ ابن قتیبہ کی نہیں بلکہ ان سے منسوب ہے۔ان سے منسوب نہ ہونے کے بارے میں خود اس کتاب کے اندر بہت سے شواہد موجود ہیں۔

سلیم بن قیس ہلالی کی کتاب

سلیم بن قیس کی کتاب اور ان کی شخصیت دونوں رجال شناسوں کے درمیان موضوع مختلف فیہ ہے:

- ان کے بارے میں آئینہ پژوہش ش۳۷ص۱۹ پر لکھتے ہیں، انھیں مولا امیر المومنین، امام حسن، امام حسین اور امام زین العابدینؑ اور بعض کے مطابق امام باقرؑ کے یاران بزرگ وبرجستہ میں شمار کیا ہے۔
- جامع الرواۃ ج۱ص۳۷۵ میں آیا ہے، سلیم بن قیس حجاج بن یوسف کے ڈر سے فرار ہو کر ابان بن ابی عیاش کے ہاں پناہ لی اور مرتے وقت یہ کتاب ابان بن ابی عیاش کو دی اس طرح اس کی کتاب کا راوی صرف ابان بن ابی عیاش ہی ہے اب دیکھنا ہے کہ ابان بن ابی عیاش کون ہے؟
- ابن غضائری نے کہا ہے کتاب جعلی ہونے میں جائے شک وتردید نہیں، اس کے جعلی ہونے کے شواہد بطور فراوان خود کتاب میں موجود ہے۔
- قاموس رجال ج۵ص۲۲۸ میں آیا ہے، امیر المومنینؑ سے لے کر امام محمد باقرؑ تک کے اصحاب میں سے نہیں ہے۔

✿ صاحب کتاب نعمانی نے اس کتاب کو اصول شیعہ قرار دیا ہے۔

کتاب سلیم بن قیس ہلالی: سلیم بن قیس اور اس کی کتاب دونوں چند زاویوں سے بحث ونقاش سے گزارنے کی ضرورت ہے:

۱۔ خود ان کی شخصیت میں تحقیق کرنے کی ضرورت ہے کہ ایسی کوئی شخصیت اصحابِ امیر المومنینؑ اور حضرات حسنینؑ سے تھی یا نہیں؟

۲۔ ان سے متروکہ کتاب جو ابان بن ابی عیاش کی توسط سے ملی قابل اعتماد وبھروسہ ہے یا نہیں؟

۳۔ اس کتاب کے مندرجات قرآن کریم، سنت پیغمبر اسلامؐ اور مسلمہ نقولات سے مطابقت رکھتے ہیں یا نہیں؟

سلیم بن قیس کے بارے میں کہتے ہیں، آپ حضرت علیؑ اور حضرات حسنینؑ کے باوفا اصحاب میں سے تھے، لیکن ان تینوں اماموں کی حیات کثیر نشیب وفراز سے گذری ہیں حضرت علیؑ کے دور میں جنگ "جمل، صفین اور نہروان" کے علاوہ دیگر حساس مواقع گذرے ہیں۔ امام حسنؑ کی معاویہ کے ساتھ صلح کا تلخ واقعہ، امام حسینؑ کی دس سالہ تلخ زندگی کے بعد قیام کا دور، امام سجادؑ کے دور میں مدینہ کے تاراجی کا دور، کہیں بھی ان کا ذکر نہیں ملتا ہے۔

✿ کتاب اختصاص میں انہیں، امیر المومنینؑ کے شرطۂ خمسہ میں شمار کیا گیا ہے۔

✿ رجال شیخ طوسیؒ معرفت رجال ج۱ص۳۲۲، الذریعہ ج۲ص۱۵۲ میں، کتاب رجال الحدیث ج۸ص۲۳۷ میں آپ کا نام آیا ہے۔

✿ کتاب سلیم بن قیس، تحقیق علاء الدین موسوی مقدمے میں لکھتے ہیں:

"یہ کہاں پیدا ہوئے اور کہاں پرورش پائی اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں ان کے بارے میں ابان بن عیاش کے توسط سے کچھ معلومات ہیں۔ انہوں نے نقل کیا ہے، انہوں نے سلیم سے ان کی عمر کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ صفین ۳۶ھ میں ہوئی اس وقت ان کی عمر ۴۰ سال تھی، لیکن کہاں پیدا ہوئے، پیغمبرؐ کی وفات کے موقع پر ان کی عمر ۱۴ سال بنتی ہے، جو حقائق ودقائق کو درک وتمیز کرنے کی عمر ہے اس وقت کہاں تھے۔"

لیکن مجلّہ پژوہش ش۳۷ص۱۹ میں ان کی کتاب کی تعریف میں لکھا ہے یہ کتاب تین زاویوں سے انتہائی اہمیت کی حامل ہے: ۱۔ تاریخ ۲۔ علم حدیث ۳۔ علم کلام۔

ان کی کتاب شیعہ فرقے کی سب سے پہلی کتابوں میں گنی جائے گی اور شیعہ کے مصادر اولی میں ہوگی، سلیم وہ شخص تھے جس وقت حکمران وقت نے احادیث کی جمع وکتابت اور تدوین پر پابندی لگائی اس وقت انہوں نے اس کی بے پرواہی کرتے ہوئے احادیث کو جمع کیا۔

✿ جبکہ احادیث کی تدوین کی ممانعت خلیفہ دوئم کی طرف سے اور اس کی اجازت عمر بن عبدالعزیز نے صادر کی ہے۔ اپنی جگہ افسانہ ہے۔ کلمہ تدوین اصل عربی کلمہ نہیں یہ کلمہ ذخیلہ ہے، البتہ تالیف وتنظیم کتب بنی عباس کے دور میں شروع ہوا۔

✿ مجلّے میں مقالہ نگار محمد تقی سبحانی لکھتے ہیں: اگر یہ نسخہ سلیم بن قیس کا ثابت ہو جائے تو کہہ سکتے ہیں یہ وہ کتاب ہے جو صدر اسلام کے بارے میں روایات کی یادگار ومصدر ہے۔ کتاب میں مندرجہ ذیل نکات کو اہمیت دی گئی ہے:

۱۔ فضیلت اہل بیتؑ۔

۲۔ پیغمبر اسلامؐ کی وہ احادیث جو وصایت وولایت بلافصل امیر المومنینؑ کے متعلق ہیں۔

۳۔ آئمہ طاہرینؑ میں سے ہر ایک کے بارے میں۔

۴۔ امام مہدیؑ جو کہ نسل امام حسینؑ میں نویں فرزند ہیں۔

۵۔ ثقیفہ کے بارے میں امام حسینؑ کا موقف۔

۶۔ بنی ہاشم اور وفادران امیر المومنینؑ کا حضرت زہراؑ کے گھر اجتماع۔

۷۔ حضرت زہراؑ کے گھر کو آگ لگانا اور آپ کو مجروح کرنا۔

۸۔ حضرت علیؑ کے گلے میں رسی ڈال کر مسجد نبوی میں لے کر جانا۔

۹۔ ارتداد اصحاب پیغمبر سوائے ابوذر، مقداد، سلمان، زبیر۔

۱۰۔ خلفاء کی بدعتوں اور کارناموں کا ذکر، ماجرائے عقبہ، حدیث طاغوت اور صحیفہ طاغوت وصحیفہ ملعونہ۔

صحیفہ ملعونہ سے مراد وہ خط ہے جو خلیفہ اول ودوم اور بعض دیگر نے مخفی معاہدہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ پیغمبرؐ کی وفات کے بعد خلافت پر قبضہ کریں گے۔ عقبہ سے مراد ان افراد کی سازش ہے جو ظاہر میں پیغمبرؐ کے دوستوں میں لیکن تبوک سے واپسی پر ان لوگوں نے آپ کے شتر کو گرانے کا منصوبہ بنایا اس واقعہ کو کبھی جنگ تبوک سے ملاتے ہیں اور کبھی حجۃ الوداع سے کہتے ہیں اس میں خلیفہ اول ودوم اور ابوموسیٰ اشعری شامل تھے۔

حدیثِ طاغوت وہ ہے جس میں اشارہ ہے کہ خلافت غصب کرنے والے کو ایک تابوت کے اندر بند کر کے جہنم کے اندر ڈالا جائے گا۔

مجلّہ ہذا میں اس کتاب کے متعلق تین قسم کے نظریات پائے جاتے ہیں:

✿ اکثر وبیشتر دانشمندان شیعہ نے کہا ہے، یہ کتاب شیعہ کے مستند ومعتبر اصول میں سے ہے، جس میں سرفہرست محدث نعمانی ہیں جو کہ چوتھی صدی کی ابتداء میں تھے۔ انہوں نے کہا ہے، اس کتاب میں جو کچھ ہے وہ صحیح ہے اور یہ اصول شیعہ میں سے ہے۔ اسی طرح حامل احادیث اہل بیت ہیں۔ ان

میں علامہ حلی، شیخ حر عاملی، حاجی نوری، تقرشی، آغا بزرگ تہرانی اور خوانساری بھی شامل ہیں۔

✿ اصل کتاب، مجہول اور جعلی ہے جسے سلیم کی طرف نسبت دی گئی ہے۔ ابن غزائری اس نظریہ کے قائل ہیں۔ کتاب کی سند میں ابان بن عباس اور ابراہیم بن عمر سنانی کا نام لیا ہے، جبکہ ابن غزائری نے ان دونوں کو ضعیف گردانا ہے، اس کتاب میں جعلی ہونے کی بہت ساری نشانیاں موجود ہیں:

۱۔ ابوبکرؓ نے اپنی وفات کے موقع پر خلافت علیؑ، غصب کرنے کا اقرار کیا، جبکہ محمد بن ابی بکر نے اپنے والد کو وصیت و نصیحت کی۔

۲۔ کتاب میں آئمہؑ کی تعداد تیرہ بتائی گئی ہے، جبکہ زیدی مسلک کے تیرہ امام ہیں۔

یہ کتاب پرانی کتابوں میں سے ہے، لیکن تحریف و تدلیس سے خالی نہیں ہے:

✿ چنانچہ اس کے متون غلط ہونے کے متعلق کتاب تصحیم الاعتقاد میں شیخ مفیدؒ نے کہا ہے، ان کی کتاب کو احتیاط سے دیکھنے کی ضرورت ہے۔

✿ علامہ حلیؒ بھی اسی نظریے کے قائل تھے۔

✿ صاحب قاموس رجال بھی یہ عقیدہ رکھتے ہیں۔

مقالہ نگار لکھتے ہیں: ابھی تک کوئی تحقیقات قطعی طور پر سامنے نہیں آئی ہیں۔ کہتے ہیں، سلیم بن قیس، تمام رجال شناسوں کے نزدیک متفق علیہ شخصیت ہیں۔ اس اتفاق کے بارے میں ہم پہلے مرحلے میں جن لوگوں نے ان کی شخصیت کا تعارف کیا ہے، چند سطور لکھیں گے:

✿ کہا گیا ہے، وہ ہجرت سے چار سال پہلے پیدا ہوئے، لیکن اس کا ذکر نہیں کیا کہ وہ کہاں پیدا ہوئے۔

✿ یہ نہیں معلوم انہوں نے اسلام کب اور کس کے ہاتھوں یا کس کے سامنے قبول کیا۔

✿ لکھا ہے، وہ امیر المومنینؑ کے یاران باوفا میں سے تھے اور جنگ صفین میں تھے لیکن علیؑ کی تین جنگوں میں ان کا کوئی خاص کردار ذکر نہیں ہوا ہے۔

✿ کہتے ہیں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے یاران میں سے تھے، امیر المومنین کی شہادت کے بعد حضرات حسنینؑ کا بیس سالہ دور اور خاص کر امام حسینؑ کا آخری دور اہل بیتؑ پر مصیبت و پریشانی اور دکھ، قلت یاران کا دور تھا خاص کر واقعہ کربلا اور اسرائے آل محمدؐ کے زمانے میں ان کا ذکر کیوں نہیں آیا، بعض یاران نے اس وقت آپ کو اس قیام سے منع کیا جیسا کہ آپ کے بھائی عمر عطرف، محمد حنفیہ، عبداللہ بن جعفر ابن عباس احنف بن قیس اور خزرمی وغیرہ۔ بعض نے آپ کو قیام کی دعوت دی اور پیش پیش رہے لیکن بعد میں چھپ گئے، بعض یاران خود کو کسی نہ کسی طریقے سے امام حسینؑ تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے بتائیں قیس بن ہلالی اس دوران کہاں تھے۔

✿ واقعہ کربلا یاران و دوست داران اہل بیت اور ان سے کنارہ کشی کرنے والے سب نے حسرت و

افسوس کیا اور اس فعل کی مذمت کی اس سلسلے میں سلیم بن قیس کا کیا ذکر ہے۔

✿ کہتے ہیں سلیم بن قیس امام سجادؑ کے اصحاب میں سے تھے لیکن امامؑ سے ان کی ملاقات و گفتگو کرنے کا کوئی ذکر نہیں ملتا ہے۔

✿ اس دولت کی کیا قدر و قیمت ہوگی جس کی لکھی گئی کتاب کا کسی کو پتہ بھی نہ چلے اور جاتے وقت ایسے ناشناس انسان کے حوالے کر گئے۔

✿ خود وہ انسان جنہوں نے سلیم بن قیس کی کتاب کو نقل کیا ہے وہ اپنی جگہ علماء کے نزدیک مشکوک انسان ہیں اب بتائیں پورے مذہب کی بنیاد جس پر چلائی گئی جس کی وجہ سے امت ہمیشہ دست و گریبان ہوئی، جانوں کے نذرانے، تیروں کی چھاؤں، گولیوں کی بوچھاڑ میں رہی اس کی بنیاد ایسی مشکوک و مخدوش اور متنازعہ و مختلف شخصیات پر استوار ہوا ہے اس کے بارے میں اہل علم و حافظان دین کیا کہیں گے۔

۱۔ کتاب کے نقادین نے کہا ہے اس میں محمد بن ابی بکر کے اپنے والد کو نصیحت کرنے کا ذکر آیا ہے، جبکہ وہ اس وقت اس قابل نہیں تھے کہ اپنے والد سے بات کر سکیں کیونکہ آپ حجت الوداع کے موقع پر پیدا ہوئے تھے، چنانچہ والد کی خلافت کے موقع پر ان کی عمر تین سال تھی بعض نے اس جھوٹ کو چھپانے کیلئے عبداللہ بن عمر کے باپ کو وصیت کرنے کا ذکر کیا ہے جبکہ خلیفہ دوم کی حیات میں کہیں نہیں آیا کہ وہ اس سے پشیمان ہوئے یا عبداللہ، امیر المومنین کے حامی ہو گئے تھے۔

۲۔ کتاب میں لکھا ہے، پیغمبرؐ کے بعد سلمان، ابوذر، مقداد، زبیر × کے علاوہ باقی سب مرتد ہو گئے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو علیؑ کا ساتھ نہ دے کیا وہ مرتد ہو جاتا ہے، لیکن جو دوبارہ ان سے مل گئے ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟ کیا وہ اس اصول کے تحت مرتدین میں شمار نہیں ہوں گے جیسا کہ مذکورہ بالا ذوات نے خلیفہ اول و دوم کے ادوار میں مقام و منصب کو قبول کیا اور نشیب و فراز میں ان کے ساتھ رہے۔

۳۔ جن افراد نے سقیفہ کے موقع پر امیر المومنین کے گھر پر بطور احتجاج، اجتماع کیا جیسا کہ عباس، عمار یاسر، عبداللہ ابن عباس، عبداللہ بن زبیر، فضل بن عباس، عبداللہ بن مسعود اور سہل بن حنیف وغیرہ بعد میں خلفاء کی طرف سے جنگوں میں شرکت کی اور ان کی طرف سے مناصب قبول کئے۔ کیا یہ سب مرتدین میں شامل ہوں گے؟

۴۔ زبیر بن عوام جنہوں نے بعد میں امیر المومنین کے خلاف قیام کیا، وہ مرتدین میں شامل ہوں گے یا مرتدین سے باہر ہوں گے؟

۵۔ خود سلیم بن قیس اپنے کفر پر باقی تھے، اس وقت مرتدین میں تھے یا مسلمان تھے۔

۶۔کلمہ ارتداد قرآن وسنت میں اصول ثلاثہ سے انکار کرنے والے کیلئے استعمال ہوتا ہے:
﴿یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا مَنْ یَرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِینِهِ فَسَوْفَ یَأْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّونَهُ﴾ ''اے ایمان والو!تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قسم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی۔''(مائدہ ۵۴)﴿وَلَا یَزَالُونَ یُقَاتِلُونَکُمْ حَتّٰی یَرُدُّوکُمْ عَنْ دِینِکُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ یَرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِینِهِ فَیَمُتْ وَهُوَ کَافِرٌ فَأُولٰئِکَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَةِ وَأُولٰئِکَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِیهَا خَالِدُونَ﴾ ''یہ لوگ تم سے لڑائی بھڑائی کرتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو تمہیں تمہارے دین سے مرتد کردیں اور تم میں سے جو لگ اپنے دین سے پلٹ جائیں اور اسی کفر کی حالت میں مریں ان کے اعمال دنیوی اور اخروی سب غارت ہوجائیں گے یہ لوگ جہنمی ہوں گے اور ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔''(بقرہ ۲۱۶)﴿إِنَّ الَّذِینَ ارْتَدُّوا عَلٰی أَدْبَارِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْهُدَی الشَّیْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ وَأَمْلٰی لَهُمْ﴾ ''جو لوگ اپنی پیٹھ کے بل پھر گئے اور اس کے بعد ان کیلئے ہدایت واضح ہو چکی یقیناً شیطان نے ان کیلئے (ان کے فعل کو) مزین کردیا اور انھیں ڈھیل دے رکھی ہے۔''(محمد ۲۵)
ان کے علاوہ اس کتاب کی توثیق وتائید میں غلو برتنے والا نعمانی ہے جو اسماعیلی مسلک سے ہے، اسماعیلی مسلک کی تائید وتوثیق دیگران کیلئے کیسے حجت ہوگی؟
کیا خلافت وولایت امیر المومنینؑ سے انکار یا اختلاف کرنے والے کو مرتد کہا جائے گا، یہ بات کس آیت اور سنت پیغمبرؐ کے مطابق ہے؟ کیا از خود ایسا کوئی حکم جعل کرنا دین میں نیا حکم شامل کرنے کی مانند نہیں۔ کلمۂ اسلام پڑھنے، اصول ثلاثہ کو ماننے، کعبہ کو قبلہ ماننے والے کیسے کافر ہو سکتے ہیں۔

مصادرِ شعراء

۱۔حسان بن ثابت:	موسوعہ امام علیؑ ج۲ص ۲۱۰، ج۴ص ۱۰۲ متوفی ۵۴ھ
۲۔نجاشی:	موسوعہ امام علیؑ ج۷ص ۳۷، شرح نہج البلاغہ ج۴ص ۸۸۶، ج۱۰ص ۲۵۰۔اصابہ ج۶ص ۳۷۸۔
۳۔فرزدق:	فرزدق، متولد ۱۹یا ۲۰ھ، متوفی ۱۱۴ھ، مجلہ ثقافہ السلامیہ شمارہ ۲۸ ص ۲۸۔شمارہ ۲۹،ص ۲۲۸ ش ۳۰ص ۱۷۶ تا ۱۹۰، ش ۳۹۔الکنی والقاب ج۳ص ۱۷، ۲۲۔اعلام زرکلی ج۸ص ۹۳۔ شرح قصیدہ فرزدق: ص ۲۹ تالیف سلطان علی الصابر شوشتری۔۔مجلہ مشکوۃ ش ۳ص ۱۰۰۔تاریخ اسلام ذہبی رجال شمارہ ۲۰۷۔۔روضات الجنات ج۶ص ۵۔الاصابہ جلد ۲ص ۱۸۶۔ریاض العلماء ج۴ ص ۳۱۴۔معجم قبائل العرب تالیف رضا کحالہ ج۳ص ۱۰۳۸۔ حیات امام زین العابدین تالیف باقر شریف قرشی ج۱ص ۲۲۹ تا ۲۳۴۔کتاب الامام السجادؑ ص ۱۹ نقل از بحار الانوار ج۴۶ص ۱۴۳۔۔قاموس الرجال تالیف آیت اللہ تستری ج۵ص ۵۰۱۔سفینۃ البحار تالیف شیخ علی نمازی شاھرودی جلد ۸ص ۱۶۷۔دائرۃ المعارف الشیعی ج۱۴ص ۹۳۔دائرۃ المعارف القرن العشرین، فرید وجدی ج۷ص ۱۶۳۔اسد الغابہ جلد ۳ص ۲۱۔
۴۔حمیری:	موسوعہ امام علی، متولد ۱۰۵ھ، متوفی ۱۷۹ھ۔آئینہ پژوہش متولد ۱۰۵ھ، متوفی ۱۷۱ھ۔الکنی و القاب ۱۷۹ھ بمقام بغداد۔۔کتاب موسوعہ امام علیؑ جلد ۹ص ۱۶۔مجلہ آئینہ پژوہش شمارہ ۴ص ۸۶۔الغدیر جلد ۲ص ۲۳۴۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج۸ص ۵۴۶۔الکنی والالقاب ج۲ص ۳۳۴۔روضات الجنات ج۱ص ۱۰۳۔دائرۃ المعارف الشیعی الاعلمی ج۳ص ۲۷۰۔معجم قبائل العرب ج۱ ص ۳۰۵۔سفینۃ البحار ج۲ص ۴۲۷۔اعیان الشیعہ جلد ۳ص ۴۰۵۔قاموس الرجال تالیف آیت اللہ شیخ محمد تقی تستری جلد ۲ص ۱۰۷۔قاموس الرجال ج۲ص ۱۰۹۔ج ۸ص ۴۹۷، ج۵ص ۲۰۱۔ابن حجر، لسان المیزان ج۱ص ۴۳۶۔۔عقد فرید ج۲ص ۲۸۹۔
۵۔کمیت:	اعیان الشیعہ ج۹ص ۳۳۔متوفی ۱۲۶ھ۔
۶۔دعبل:	اعیان الشیعہ ج۶ص ۴۰۰۔۔دائرۃ معارف الاسلامیہ ج۹ص ۳۴۳۔دائرۃ المعارف الشیعی ج۹ص ۳۲۶۔متوفی ۲۴۴ تا ۲۴۶ھ
۷۔متنبّی:	روضات الجنات ج۱ص ۲۳۱، ش ۶۵۔۔موسوعہ امام علیؑ ج۹ص ۳۷۔وفیات الاعیان ج۱ص ۱۲۰ الانصاب ج۵ص ۱۹۱۔متوفی ۳۴۴ھ۔۳۵۴ھ
۸۔ابن رومی:	موسوعہ امام علیؑ ج۹ص ۱۵(الغدیر ج۴ص ۹)۔متوفی ۲۸۳ھ
۹۔کثیر عزہ:	دائرۃ المعارف الشیعی ج۱۵ص ۵۴۔

۱۰۔حماد:	دائرۃ المعارف الشیعی ج ۸ص ۳۴۳۔از روضات الجنات ج اص ۲۶۱،ابن خلکان ج اص ۲۳۱، دائرہ معارف وجد ی ج ۳ص ۵۸۰،ج ۳ص ۵۸۵۔تاریخ بغداد ج ۸ص ۱۴۸۔وفیات الاعیان ج اص ۲۳۳۔متوفی ۱۵۵ یا ۱۶۴ھ۔
۱۱۔ابوالاسود الدوئلی:	نساءمن التاریخ ص ۱۷۱۔وفیات الاعیان ج ۲ص ۳۵۔
۱۲۔یحیٰ بن حکم:	دائرة المعارف الشيعي ج ۱۸ص ۴۸۰۔تاریخ ابن کامل ج ۳ص ۳۰۱۔
۱۳۔داؤد بن قاسم:	دائرة المعارف الشيعي ج ۹ص ۳۴۳۔
۱۴۔ابوفراس ہمدانی:	۳ص ۴۱۵۔الشیعہ ج ۲ص ۵۱۳۔سفینۃ البحار ج ۲ص ۶۲۔متوفی ۳۵۷ھ
۱۵۔محتشم:	مشاہیر مشرق ص ۳۴۷۔نامہ دھخدا ج ۱۲ص ۹۷۹ا۔فرہنگ بزرگان ص ۴۴۶۔تاریخ ص ۵۴۶۔اعیان الشیعہ ج ص ۴۵۔الذریعہ ج ۹ص ۹۷۲۔طبقات اسلام قرن دوم ص ۱۹۸۔معجم الخطباء ج ۵ص ۶۵۔
۱۶۔ابی الفرج اصفہانی:	الظنون ج اص ۱۱۹۔ج ۳ص ۲۷۸۔ج ۲ص ۳۹ش ۱۰۰۲۔دائرۃ المعارف الشیعی ج ۱۳ ص ۴۸۰۔متوفی ۳۵۶ھ۔
۱۷۔دبیر:	معارف الاسلامیہ ج ۹ص ۲۰۸۔دائرۃ المعارف ج ۳ص ۵۰۰۔

فہرست الکنی والقاب

ابوالاسود الدوئلی ج اص ۹	ابوالبحتری ج اص ۱۴	ابوالفتاح رازی ج اص ۱۳۵	ابوفراس ہمدانی ج اص ۱۳۶۔
ابوفرج اصفہانی ج اص ۱۳۸	ابونعیم اصفہانی ج ا ص ۱۶۵	ابوہلال عسکری ج اص ۱۸۲	بوعبداللہ حمیری ج ۲ص ۳۳۴
سیف الدولہ حمدانی ج ۲ص ۳۴۱۔	فرزدق ج ۳ص ۲۲۔	معری احمد بن عبداللہ ج ۳ص ۱۹۴۔	

فہرستِ اُدب الطف اوشعراء الحسینؑ

کمیت بن زیاد الاسدی ج اص ۱۸۱	ابوالاسود دوئلی ج اص ۱۰۳	شیخ محمد حسین اصفہانی ج ۹ص ۲۱۶
ابوفراس ہمدانی ج ص ۶۱	احمد بن حسین بدیع الزمان ج ۲ص ۱۹۹	فرہاد مرزا ج ۸ص ۱۳۵
مرزا باقر خوانساری ج ۸ص ۱۳۱۳ صاحب روضات الجنات		

خلفاء بنی امیہ

الزهور المقتطفة	التاريخ القويم لمكةوبيت الله : محمد طاہر الکردی المکی جلد ۵ص ۱۱۱	
اخبار الدول ج ۲ص ۴۸	تاریخ الدولة الاسلامیہ ص ۱۱۳تا ۲۱۶	روض المناظر : محب الدین متوفی ۸۱۵ھ ص ۱۲۶

■

شعراء کی اصطلاحات

صوفیوں نے اپنے مذموم عزائم کو برملا فروغ دین کیلئے دو مراحل سے کام لیا ہے:

۱۔ادیبان بے بندوبا: ان کے برے عزائم کو ادب یعنی نثر وناول کے لباس میں پیش کرتے ہیں۔

۲۔کلمات شعراء کے شارحان: اہل دین ودیانت، مسلمانوں کے نرغہ اور عتاب وعقاب سے بچنے کیلئے شعراء کے ہر فاسد وباطل شعر کی غیر عقلی اور غیر ادبی طریقے سے تفسیر کی ہے۔اس بارے میں درج ذیل اصطلاحاتِ شعر کی تفسیر وتشریح ملاحظہ فرمائیں۔شعراء نے اہل دین ودیانت سے اپنے عزائم کو پردۂ نہان میں رکھنے کیلئے مندرجہ ذیل اصطلاحات استعمال کی ہیں:

آب	چہرہ		آب حیوان	آب خضر
آب زندگانی	محبوب کے لب		آتش	چہرہ
آئینہ	چہرہ		آب	تھوڑی
آب رو	پلکیں		ابر	زلف
انجم	سیاہ بال		الف	ناک
بادام	آنکھ		بادہوا	سخن
بلور	ٹانگ		بندزنجیر	زلف
بندنیشکر	انگلی			
پردہ پردۂ چنگ	زلف		پرشکن	زلف
پروین	دانت		پنجۂ مرجان	انگلی
تاب	زلف		تارونارتابدار	زلف
تارقرمز	ہونٹ		تارمار	زلف
تعویذ عشاق	موئے،گیسو		ترنج	تھوڑی
تگرگ	دانت		تیرانداز	آنکھ
ثریا	دانت		ثعبان	زلف
ثغر	اگلے دانت		جادو،فریب وجادووش	آنکھ
چاہ	تھوڑی		حاجب	ابرو
حجراسود	خال		حبل متین	گیسو
حقہ	لب		خاتم	منہ
داغ	ابرو		دام	زلف

دانہ	خال		دخان	زلف
دُرج گہر	منہ		درخت کافور	گردن
دلبند	زلف		دلپسند	خال
دل دزد	زلف		دل فرعون	خال
دلگیر	زلف،دُم		قلّم	انگلی
رشتہ	زلف		رہزن	زلف
زاغ	زلف		زبرجد	لب
زجاجی	آنکھ		زُہرہ	پیشانی
ساحر	آنکھ		سایہ وسایہ بان	زلف
سپند	خال		ستارہ	دندان
سحر	آنکھ		سنبل	زلف
سوختہ	خال		سودا	خال
سودائی	زلف		سیاہ وسیاہ دل	خال
سیمین	چھاتی		شبنم	دانت
شب یلدا	زلف		شمع کافور	گردن
شوریدہ	زلف		شہباز	خال
شہد	لب		صدف	دانت
طاق	ابرو			

جم	بادشاہان ایران کے ایک بزرگ کا نام ہے۔
چشم بیمار	مشاہدات ،مکاشفات عارف کو کہتے ہیں جو وہ اپنے مراحل رؤیت انوار میں طے کرتے ہیں۔
خان	یہ لقب بادشاہ ہے۔
خرقہ	اس کپڑے کو کہتے ہیں جو درویش ،صوفی مراحل سیر وسلوک میں پہنتے ہیں۔
شیخ	مرشد کامل کو کہتے ہیں۔
عنقا	اس کہانی والے پرندے کو کہتے ہیں جو کسی چیز کے موجود نہ ہونے کیلئے مثال دیتا ہے۔کہا جاتا ہے تین چیزوں کا کوئی وجود نہیں۔غول،عنقا،خل وفی۔عنقا سیمرغ کو بھی کہتے ہیں۔
غزالہ	یہ سورک کے اسماء میں سے ایک ہے۔جس طرح ہرن جنگل میں ہوتا ہے۔سورج بادل میں ہوتا ہے۔
ما	شراب کو کہتے ہیں۔
نسیم صبا	صبح کی ہوا کو کہتے ہیں۔ (دیوان العشق ص ۳۰۷)

بَلْ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ

بَلْ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ

فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ

''بلکہ یہ تو کہتے ہیں کہ یہ قرآن پراگندہ خوابوں کا مجموعہ ہے بلکہ اس نے ازخود اسے گھڑ لیا ہے، بلکہ یہ شاعر ہے، ورنہ ہمارے سامنے یہ کوئی ایسی نشانی لاتے جیسے کہ اگلے پیغمبر بھیجے گئے تھے۔'' (انبیاء ۵)

ہماری نگارشات پر خطِ سرخ

ممکن ہے بعض حضرات ہمارے بارے میں یہ رائے قائم کریں، چونکہ ہمیں شعر کہنا نہیں آتا ہے، اس لئے ہم نے شعر وشعراء کی مخالفت اور مذمت کی ہے، اس نقد گوئی کا دو طرح سے جواب دیا جا سکتا ہے۔

۱۔ مثالی

اس نقد کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص شارع مقدس نبی اسلامؐ سے کہے آپؐ نے چونکہ کبھی شراب نہیں پی لہٰذا آپ کو اس کی افادیت کا اندازہ نہیں اس لئے آپؐ نے اسے حرام قرار دیا ہے اور اگر آپ نے شراب پی ہوتی تو اس کے حرام ہونے کا حکم جاری نہ کرتے یا کوئی شخص کسی انسان سے یہ کہے چونکہ اس نے سم قاتل نہیں کھائی ہے اس لئے وہ سم کو قتل کنندہ گردانتے ہیں اگر انہوں نے یہ کھائی ہوتی تو اس کے بارے میں ایسا تصور نہ کرتے۔ بعض لوگ اس نیت وہدف کے تحت ایسی سعی وکاوش کرتے ہیں، تا کہ اپنے مخالفین کو بھی اپنے فعل قبیح کا شریک بنا کر اپنی جماعت میں شامل کریں۔

۲۔ شرائط شعر گوئی

ہم ہرگز یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ ایک عالم ودانشور اور زاہد وپارسا بننے کیلئے جو علم وایمان درکار ہے وہ ہمارے پاس دوسروں سے زیادہ نہ ہو تو کم بھی نہیں یا کم از کم ان کے برابر ہے۔ ایسا دعویٰ کرنا اپنی جگہ سب سے بڑا گناہ ہے، لیکن ہم یہاں اطمینان سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ شعر گوئی کیلئے نہ کسی درجے کے علم کی ضرورت ہے اور نہ ایمان کی، کیونکہ طول تاریخ میں زمانہ جاہلیت سے عصر حاضر تک ان پڑھ افراد بھی شعراء کی صف میں شامل ہوئے ہیں اس کیلئے انہیں علم وایمان کی ضرورت نہیں پڑی کیونکہ شعر گوئی میں فاسق وفاجر حتیٰ ملحدین نے بھی میدان مسابقہ میں مقام ومنزلت اور جائزے حاصل کئے ہیں۔

ہمارے قرآن کریم میں شعر وشعراء کے بارے میں چند صفحات لکھنے کی وجہ یہ نہیں کہ ہم بھی شعر وشاعری کے فن سے کچھ آشنائی رکھتے ہیں اور نہ ہی ہمارا مقصود یہ ہے کہ چونکہ شعراء نے قدیم زمانے سے عصر حاضر تک اپنے خلاف لکھنے اور بولنے والوں کو اپنی بدزبانی سے ذلیل وخوار کیا، لہٰذا ہم بھی انھیں دعوت دیں کہ وہ ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی رویہ اپنائیں تا کہ ہماری بھی کوئی خبر بن جائے۔ ہم نہ تو شعر وشاعری کے فن سے آشنا ہیں اور نہ ہی ہمارا شعراء سے کوئی ذاتی اختلاف اور تصادم ہے۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ نہ تو شعراء نے ہمارے حق میں کوئی ظلم وزیادتی کی ہے اور نہ ہی ہمارا کوئی حق چھینا ہے کہ جس پر ہم ان سے قصاص و انتقام کے خواہاں ہوں۔ ہمیں کسی کی ذات سے کوئی سروکار نہیں ہم بہت سے ایسے افراد کے مشکور وممنون ہیں جنھوں نے قرآن وسنت پر مبنی اسلام حقیقی کی سربلندی کی کاوشوں اور ہماری حق گوئی کا ساتھ تو نہیں دیا، لیکن ہمارے مخالفین کا بھی ساتھ نہیں دیا۔ ہم مسلمان ہیں ہم جس دین پر ہیں، اس دین کا آئین ودستور قرآن کریم ہے۔ لہٰذا قرآن حکیم جس کے ساتھ اعلان مخالفت کرے گا، ہم اس کے مخالف ہی رہیں گے۔

مسلمان وہ ہے جب کسی دوسرے مسلمان کو اذیت یا تکلیف پہنچے تو اسے آرام وقرار نہ آئے۔ جب مسلمان کا ایک مسلمان پر اذیت وآزار پہنچتے ہوئے برداشت کرنا، اس کی مسلمانیت کے خلاف ہے تو اگر ایک مسلمان اپنے دین کو مسخ اور پامال وبرباد ہوتے ہوئے دیکھے اور پھر بھی وہ اپنی زندگی میں سکون واطمینان محسوس کرے اور اسے دین کی پامالی کی کوئی پرواہ نہ ہو تو کیا وہ اللہ کے پسندیدہ دین کے ساتھ اس ناروا ونازیبا سلوک ورویے کے باوجود بھی مسلمان رہے گا؟

شعراء نے ہماری کوئی چیز نہیں لی کیونکہ ہمارے پاس جو چیز ہے وہ ان کیلئے ناچیز ہے۔ انھوں نے دین کے پرکشش وخوبصورت چہرے کو مسخ اور خراب کرنے کی جو قیمت اپنی شاعری کے ذریعے وصول کی ہے وہ ان کیلئے کافی ہے۔ لہٰذا ہمارے یہ چند صفحات کسی فرقہ ومسلک، علاقہ وخطہ یا عصر حاضر کے کسی شاعر کے خلاف نہیں، بلکہ ہم شعر وشاعری کے خلاف ہیں کیونکہ شعر وشاعری جھوٹ اور وہم وخیال پر مبنی ہے، شعر وشاعری تعلیمات شیاطین ہے جبکہ مسلمانوں کو ان کے دین نے حکم دیا ہے کہ وہ اپنی محافل ومجالس کو جھوٹ سے دور رکھیں، جھوٹوں کے ساتھ تعلقات نہ رکھیں اور ان کی طرف نہ جھکیں۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے:

﴿کونوا مع الصادقین﴾ ''ہو جاؤ صادقین کے ساتھ''

چنانچہ صادقین کا ساتھ دینے والوں کو کاذبین کا ساتھ نہیں دینا چاہیے۔

ہم نے طول تاریخ میں شاعروں میں ایک بری صفت یہ دیکھی کہ وہ ایک دن صادقین کے محفل میں ہیں تو اگلے دن کاذبین کی محفل میں چیخ وپکار کرتے نظر آتے ہیں اور بڑے ذوق وشوق سے کاذبین کی محفلوں کی رونق بڑھاتے ہیں۔ ایک دن ظلم واستبداد اور آمریت کے خلاف مرقع ومرصع شعر پیش کرتے ہیں تو دوسرے دن ظالم کے ظلم کو بطور مثال عدل پیش کرتے ہیں۔

ہم نے معاشرے میں موجود تحریفات وخرافات اور برائیوں کے خلاف قلم وزبان کو استعمال کرتے وقت انتہائی ادب سے کام لیا اور کہیں بھی بے ادبی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اگر کوئی کہیں سے گستاخی وجسارت کا مفہوم اخذ کرے تو یہ اس کی اپنی تفسیر ہوگی یہ ہمارا مقصود ومطلوب نہیں۔ ہم خرابیوں اور برائیوں کو دیکھنے کے بعد ان کی علت علل کے پیچھے گئے، تا کہ دیکھ سکیں یہ چیز کہاں سے اور کیسے آئی ہیں، جب ہماری نظر باچشم زدن شعر وشاعری پر پڑی تو یہ جان کر حیرت وافسوس ہوا کہ مومن ومسلمان کہلوانے پر فخر وافتخار کرنے والوں نے قرآن کریم کو یہ کہہ کر پس پشت ڈالا کہ یہ سمجھنے کی کتاب نہیں اور نہ ہمیں اس کی تفسیر کرنے کی اجازت ہے۔ اسی طرح سنت رسولؐ کو بھی یہ کہہ کر پیچھے چھوڑا کہ یہ فلاں فرقے یا فلاں شخص کی کتاب ہے اس میں فلاں فلاں

راویوں کی احادیث ہیں، ان پر کیسے بھروسہ کیا جائے اور کبھی یہ کہہ کر سنت رسول پاکؐ پر عمل سے روگردانی کی کہ ہمارے ہاں سنت نہیں عترت ہے، حالانکہ عترت کی تمام تر عظمت و منزلت اسی سند سے ماخوذ و مستند ہے کہ انھوں نے قرآن اور سنت رسولؐ پر عمل کو اپنی شناخت بنایا ہے۔ لیکن مومنین و مسلمین نے قرآن و سنت دونوں کی جگہ پر شعراء کے گھڑے ہوئے شعروں کو مقام و مرتبہ دیا اور انھیں خوب پذیرائی دی۔ اس کے بعد شاعروں اور شعر و شاعری کی تمام افکار باطلہ کو فضائل اہل بیت اطہارؑ کہہ کر شعروں کے کیپسول کی صورت میں مریضِ مسلمانوں کو کھلایا جس سے وہ لاعلاج ہو کر زمین گیر ہوئے۔ چنانچہ ہم نے اپنے طور پر مومنین و مسلمین کو اس خطرے سے آگاہ کرنے اور حقائق سے پردہ اٹھانے کیلئے چند صفحات سیاہ کئے ہیں اگر کسی کو ان سے تکلیف پہنچی ہو یا ان کی دل آزاری ہوئی ہو تو ہم اس کیلئے ان سے معذرت خواہ ہیں۔

مصادر و مآخذ کتاب

''قرآن میں شعر وشعراء''

تفاسیر اور قرآنیات

معجم المفهرس لالفاظِ القرآن الكريم	محمد فؤاد عبدالباقي
معجم المفهرس لالفاظ القرآن الكريم	محسن بيدارفر
معجم لالفاظ القرآن الكريم	مجتمع اللغة العربية
معجم الميسر لالفاظ القرآن الكريم	شيخ ابراهيم رمضان
المعجم المفهرس للقرآن الكريم	موسسة الانصاريان
كشاف الموضوعي القرآن الكريم	سيد آصف هاشمي ،السيد سليمان موسوی
معجم المفهرس نهج البلاغه	محمد دشتي
معجم الفهرس بحار الانوار	كاظم مراد خاني

مصادر استخراج معانی لغات و اصطلاحات اردو، فارسی، عربی

نور اللغات	مولوی نور الحسن نير
فيروز اللغات	مولوی فيروز الدين
فيروز اللغات	مقبول بيگ
احسن اللغات اردو جامع	اورينٹل بک سوسائٹی لاهور
شرح الفاظ القرآن	عبد الرشيد گجراتی
قاموس مترادفات	وارث سر هندی
لغات كشوری	سيد تصدق حسين رضوی
آئينه اردو لغت	خالد بک ڈپو لاهور
اعجاز اللغات جديد	سنگ ميل پبلی كيشنز لاهور
پاپولر جديد لغات	اورينٹل بک سوسائٹی لاهور
اظهر لغات جامع	محمد امين بهٹی
فرهنگ آصفيه	مولوی سيد احمد دهلوی

اردو لغت(تاريخي اصولوں پر)	اردو لغت بورڈ كراچی
اردو لغت	مرزا مقبول بيگ بدخشانی
جامع الغات	خواجه عبد المجيد
فرهنگ اصطلاحات	اشفاق احمد.محمد اكرم چغتائی
لغت نامه	علي اكبر دهخدا
فرهنگ سخن	ڈاكٹر حسن نوری
فرهنگ فارسي	ڈاكٹر محمد معين
فرهنگ فارسي عميد	حسن عميد
فرهنگ فارسي پيام	ڈاكٹرسيد محمود اختريان
جهان معاصر	انتشارات جاويدان
قاموس اللغات	
اصطلاحات عمومي	عبد الحسين سعيديان
فرهنگ تلفظ	شان الحق الحقي
قائد اللغات	ابونعیم عبدالحکیم خان نشتر جالندہری
جديد نسيم اردو	مرتضیٰ حسين
فرهنگ كاروان	فضل الهٰی عارف
فرهنگ اصطلاحات معاصر	نجفي ميرزائي
فرهنگ علوم فلسفي و كلامي	ڈاكٹر جعفر سجادی
المنجد	دار الاشاعت
مصباح اللغات	مولانا عبد الحفيظ بلياروی
لسان العرب	للعلامة ابن منظور
اقرب الموارد	سعيدالخوری الشرتونی اللبنانی
تا ج العروس	محمدمرتضٰی الحسينی الزبيدی
المنجد	دار المشرق
القاموس الوحيد	مولانا وحيد الزمان القاسمي كيرانوی
المشوف المعلم	عبد الله بن الحسين البكری الحنبلي
المعجم الوسيط	مكتبه رحمانيه
معجم قواميس اللغه	**ا بي الحسين احمد بن فارس بن ذكريا الرازی**

بیان اللسان	قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی
مختار الصحاح	محمد بن ابی بکر بن عبد القادر رازی
معجم الوجیز	مجمع اللغة العربیه ایران . قم
لسان للسان تهذیب لسان العرب	ابی الفل جمال الدین محمد بن مکرم
المعجم المجمعی	عبد الحسین محمد علی البقائی
معجم ما استعجم	عبد الله بن عبد العزیز البکری الاند لسی
المعجم فلسفی	ڈاکٹر جمیل صلیبا
المعجم اغلاط اللغویه معاصر	محمد عدنانی
محیط المحیط	المعلم پطرس البستانی
قاموس المحیط	الفیروز آبادی
المعجم علمی مصور	مکتبه الثقافة بالمدینه
الموسوعة العلمیه	محمد عدنان رفاعی
الاروس	ڈاکٹر خلیل الجز
المعجم الکبیر	حمدی عبد المجید السلفی
معجم الطلاب	د. یوسف شکری فرحات
المورد الوسیط	ڈاکٹر روحی البعلبکی . منیر البعلبکی
فقه اللغه دارا رقم بن ابی ارقم	ابی منصوربن اسماعیل الثعالبی النیشا بو ری

لغاتِ قرآن

معجم القرآن	عبد الرؤف المصری
قاموس قرآن	سید علی اکبر قرشی
فرهنگ نامه قرآنی	استان قدس رضوی
قاموس الفاظ اصطلاحات قرآنی	امین حسین اصلاحی
مترادفات القرآن	عبد الرحمٰن کیلانی
لغات القرآن	محمد عبد الرشید نعمانی
الفاظ مترادفہ کے درمیان فرق	محمد نور حسین قاسمی
معجم مفردات الفاظ قرآن	راغب اصفهانی

مصادرومراجع تفاسیرآیات

تفسیر المیزان	آیة الله محمد حسین طباطبائی

تفسیر الفرقان	آیة الله محمد صادقی طهرانی
التفسیر المنیر	الدکتور وهبه الزحیلی
تفسیرِ الشعراوی	الشیخ محمد متولی الشعراوی
ایسر التفاسیر	ابوبکر جابر الجزائری
صفوة التفاسیر	الصابونی
تفسیر نظم الدرر فی تناسب الآیات و السّو ر	البقا ئینی
تفسیر النور الثقلین	الشیخ عبد علی بن جمعة الحویزی
التفسیر البرهان	علامة بحرانی
تفسیرالکاشف	علامه جواد مغنیه
الحوار فی القرآن	آیت الله سیدمحمدحسین فضل الله
من هدی القرآن	آیة الله محمد تقی مدرس
تفسیر قرآن	محی الدین ابن عربی اندلیسی
فی ضلال القران	محمدجعفرالشس الدین
التفسیر و المفسرون	الدکتورمحمدحسین الذهبی
تفسیر ابن بادیس	علامه ابن بادیس
من وحی القرآن	آیة الله محمدحسین فضل الله
المدرسة القرآنیة	آیة الله سید محمد باقر الصدرؒ
الاتقان فی علوم القرآن	علامه جلال الدین السیوطی
احکام القرآن	قاضی ابی بکر ابن عربی
احکام السرة و البیت المسلمه	شیخ محمد متولی شعراوی

تراجم قرآن کریم ونہج البلاغہ

ترجمه قرآن کریم	علامه شیخ محسن علی نجفی
ترجمه قرآن کریم	علامه ذیشان حیدر جوادی
ترجمه قرآن کریم	علامه ابوالأعلی مودودی
ترجمه قرآن کریم	مولانا محمد جوناگڑهی
ترجمه قرآن کریم	مولانا شبیر احمدعثمانی
ترجمه نهج البلاغه	علامه ذیشان حیدر جوادی
ترجمه نهج البلاغه	مفتی جعفر حسین

سیرت نبی کریمؐ

السیرة النبویه	شیخ محمد متولی شعراوی
الصحیح المسند من دلائل النبویه	مقبل بن هادی الوادعي
محمد رسول اللّٰہؐ	محمد صادق ابراهیم عرجون
کحل البصر من سیرة النبی الاعظم	جعفر مرتضیٰ العاملی
فقه السیرة النبویه	منیر محمد الغضبان
الرسول	سعید حوّی
فقه السیرة	محمد غزالی
السیرة النبویه	ابو الحسن علی الحسینی الندوی
سیرة ابن اسحاق	محمد ابن اسحاق بن یسار
سیرة الرسول و خلفاء	سماحه السید علی فضل الله الحسینی
کتاب المغازی	محمد بن عمر بن واقد
مع المصطفیٰ علیه الصلاة والسلام	ڈاکٹر عائشه عبد الرحمٰن بنت الشاطی
سیرة النبیؐ	هاشم معروف حسنی
صفة الصفوة	جمال الدین ابی الفرج ابن الجوزی
المنهج الحرکی سیرة النویه	منیر محمد الغضبان
ذالکم رسول اللّٰہ	حسن الموسوی
الروض الانف فی تفسیر السیرة النبویه لابن هشام	عبد الرحمٰن الخشعمی السهیلی
فی تاریخ عرب قبل الاسلام	ڈاکٹر سعد زغلول عبد الحمید
مختارات بن سنن خاتم الرسالات	محسن طاهر
محمد الرسالة والرسول	ڈاکٹر نظمی لوقا
محمد رسول اللّٰہؐ	محمد صادق ابراهیم عرجون
سیرة الرسولؐ و خلفاء	علامه سید علی فضل الله الحسینی
السیرة النبویةؐ	ابن هشام
کحل البصر فی سیرة سید البشرؐ	حاج شیخ عباس قمی
نسیم الریاض	شهاب الدین احمد بن محمد
سیرة المصطفیٰؐ نظرة جدیدة	علامه هاشم معروف حسنی
سیرةالمصطفیٰؐ	علامه محمد اویس کا ندهلوی

زوجات النبی	امیر مهناالخپامی
الصحیح من سیرة النبی الاعظم	جعفر مرتضی الحسینی العاملی
رحمة اللعالمین	علامه سید سلمان ندوی
اعجاز القرآن والبلاغه النبویه مصطفی	صادق الرافعی
رسالتِ مآب	عزیز الدین
تفسیر اسلامی تاریخ	ڈاکٹر عماد الدین خلیل
تاریخ ابن خلدون	عبد الرحمٰن بن خلدون
معجم الاوئل	ڈاکٹر فواد صالح السیر
دائرة المعارف	علامه شیخ محمد حسین الاعلمی حائری
الرسول الاعظمؐ	باقر شریف قرشي
دائرة المعارف السلامیه شیعه	حسن امین
اعیان شیعه	امام محسن امین
البدایةالنهایة	حافظ ابن کثیر
تاریخ بغداد	حافظ ابی بکر احمد بن علی حطیب بغدادی
قصص العرب	حمد جاد المولی، محمدالبجاوی، ابوالفضل ابراهیم
جهرة خطب العرب(العصر العباسی الاول) ج۲	احمدزکی صفوت
ایام العرب فی الاسلام	محمد ابو الفضل ابراهیم .علی محمد البجاوی
تجارب السلف	هندو شاه بن سنجربن عبدالله صاحبی
الاسلام نشوؤة وارتقاء	علامه شیخ محمد حسین المظفر
سیرت محمدؐ	محمد حسین حیکل
محمد رسول اللّٰہؐ	حسین الشاکری
شباب حول الرسول	یوسف عبد الکریم عسانی
محمدؐ الرسالة والرسول	ڈاکٹر نظمی لوقا
فروغ ابلیت	آیت الله جعفر سبحانی
الرسول الاعظمؐ	علی ربانی گلپایگانی
محمد رسولا نبیا	عبد الرزاق نوفل
معالم النبوة	آیت الله جعفر سبحانی
زندگی پیامبر اسلام	موسسة در راه حق

سالزاد پیامبر	ڈاکٹر محمود رامیار
سیرة محمدرسول اللّٰہ	سید هاشم الموسوي
محمد رسول اللّٰہ	موسسة البلاغ
محمد پیغمبر که از نو باید شناخت	کنستان ویرژیل کئورکیو
الرسول القائد	محمود شیت خطاب
حضرت رسول اکرمؐ	سازمان تبلیغات اسلامی
سنن النبي	آیت اللہ سید محمد حسین طباطبائی
انارة الدجي	قاضي حسين بن محمد المشاط
سیرتنا و سنتنا	عبد الحسین امینی
سیری در سیرة نبوی	آیت اللہ شهید مرتضیٰ مطهری
رياحين الشريعة	آقائی شیخ ذبیح اللہ محلاتی
الاسراء والمعراج	محمد متولی شعراوی
الصحيح السند من دلائل النبوة	مقبل بن هادی الوادعي
سیرة رسول اللہ واهل بیته	موسسة البلاغ
اعلام الوری باعلام الهدیٰ	ابی علي الفضل بن الحسن الطبرسي
اشعة البيت النبوي	شیخ عبد المنعم الزین
رسول نمبر نقوش	ادارہ فروغ اردو لاهور
رحماء بينهم	محمد نافع
ضیاء النبیؐ	محمد کرم شاه الازهری
سیرةحلبیه	محمد اسلم قاسمی
الامین	محمد رفیق ڈوگر
الرحیق المختوم	مولانا صیفی الرحمن المبارکپوریؒ
سیرت سرور دوعالمؐ	علامه سید ابو لاعلی مودوی
سیرة النبیؐ	علامه شبلی نعمانیؒ،علامه سید سلمان ندویؒ
اصح السیرفی هدی خیرالبشرؐ	عبدالروف صاحب
سیرة خاتم الانبیاءؐ	مولانا مفتی محمد شفیعؒ
دائرة المعارف محمد رسول اللہ	پنجاب یونیورسٹی
سیرة المصطفیٰؐ	العلامه مولانا محمد ادریس کاندهلوی

پیغمبر اعظم و آخر	ڈاکٹر نصیر احمد ناصر
رسالة السماء لا ثقافة الشعراء	محمد کاظم
دراسة العقيدة الاسلامية	عثمان جمعة ضميرية
اهل البيت في القرآن و السنة	موسسة البلاغ

غزوات وسرایا

الغزوات الكبرى ومعارک الفتح في العراق و الشام و مصر	عبد الكريم غزال
غزواةالنبیؐ	مسعود مفتی
غزوة موته	محمد احمد باشميل

خلافت وامامت

علي والحاكمون	آیت اللہ ڈاکٹر محمد صادقی طهرانی
الامامة	سيف الدين الامدي
الخلافة والامامة	عبد الكريم الخطيب
علي ونظام الحكم في الاسلام	محمد باقر الناصری
الفصول المائة	سید اصغر ناظم زادی قمی
حکومت در اسلام	سازمان تبلیغات اسلامی
الفصول المهمة	آیت اللہ عبد الحسین شرف الدین موسویؒ
معالم المدرستين	آیت اللہ مرتضیٰ عسکری
المراجعات	آیت اللہ عبد الحسین شرف الدین موسویؒ
الغدير	آیت اللہ عبد الحسین امینیؒ
دلائل الصدق	علامه محمد حسن مظفرؒ
فدک في التاريخ	آیت اللہ شهید محمد باقر الصدرؒ
امیر المومنین اسوه وحدت	محمد جواد شری
الخاتم لوصي الخاتم	شیخ غلام رضا مولانا البروجردی
الجمل	محمد واقدی
اسمی المناقب	شیخ المقری
تجريد العقائد	شیخ طوسیؒ

شناخت اصحاب

سير اعلام النبلاء	حافظ شمس الدين محمد بن احمدبن عثمان الذهبي

طبقات الکبریٰ	محمد بن سعد بن منیع هاشمی البصری
انساب الاشراف	امام احمد بن یحییٰ بن جابر
تهذیب الاسماء واللغات	ابی ذکریا محیی الدین بن شرف النوی
موسوعة مصطلحات الفلسفه عند العرب	ڈاکٹر جیرار جهامی
موسوعة مصطلحات علم المنطق عند العرب	مکتبه لبنان
موسوعة کشاف الصطلاحات الفنون وعلم	مکتبه لبنان
الصحاح	احمد عبد الغفور عطار
الاصابه فی تمیز الصحابه	العسقلانی
رجال حول الرسول	خالد محمد خالد
کشاف اصطلاحات	مکتبه لبنان ناشرون
معجم فقه جواهری	مؤسسه دائرة المعارف الفقه الاسلامه ایران

تاریخ جزیرة العرب والاسلام

تاریخ اسلام السیاسی والدینی والثقافتی	ڈاکٹر حسن ابرهیم حسن
المدخل الی التاریخ الاسلامی	ڈاکٹر محمد فتیحی عثمان
تاریخ العرب فی الاسلام	جواد علی
حروب الردة	محمد احمد باشمیل
مقاتل الامویین	محمد الحسینی
الدولة الامویه	شیخ محمد الخضرمی بک
تاریخ پیامبر اسلام	ڈاکٹر ابراهیم آیتی
علم تاریخ در اسلام	صادق آیینه وند
کتاب البدء والتاریخ	مطهر بن طاهر مقدسی
الکامل فی التاریخ	ابن اثیر
تاریخ طبری	امام ابی جعفر محمد بن جریر طبری
تاریخ اسلام	حافظ شمس الدین محمد بن احمدبن عثمان الذهبی
تاریخ یعقوبی	احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وهب
تجارب الامم	ڈاکٹر ابولقاسم امامی
اخطاء یجب ان تصحح فی التاریخ	جمال عبد الهادی محمد مسعود،وفا محمد رفعت جمه
منابع تاریخ اسلام	رسول جعفریان

جامعه و تاریخ از دید گاه قرآن	استاد محمد تقی مصباح یزدی

شناخت اماکن

معجم البلادان	یعقود حموی
کتاب التاریخ القویم لمکه وبیت الله الکریم	محمد طاهر اللکردی المکی
التاریخ شامل للمدینه المنورة	عبد الباسط بدر
کتاب عمدة الاخبار فی مدینه المختار	شیخ احمد بن عبد الحمید العباسی
صورمن الحیاة الاجتماعیه بالمدینه المنورة	سید یاسین احمد یاسین الخیاری
شفاء الغرام باخبار البلد الحرم	حافظ ابی الطیب تقی الدین محمدبن علی الفاسی
مکه ومدینه فی الجاهلیه وعهد الرسول	ڈاکٹر ابراهیم الشریف
وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ	نور الدین علی ابن احمد سمهودی
معالم حجاز	عاتق بن غیث البلادی
فضائل مکة و حرمة البیت الحرام	عاتق بن غیث
اخبار مکة	ابی الولید محمد بن عبد الله
المدین وتاریخ الحرمین الشریفین	الحاض عباس کرارة
الحیاة الاجتماعیة بالمدینة المنورة	سید یاسین احمد یاسین خیاری
معجم المدن والقبائل الیمنیة	ابراهیم احمد المقحیفی

اجتماعیات اسلامیات

تشریع الاسلامی،مناهجه و معاصره	سلمان العید
الاسلام والتطور الاجتمائی	عبدالعالی المظفر
ابعاد عالمیة فی عقیدة الاسلامیة	عبد الکریم فکر اسلامی ش۸ص۱۷۳
الاسلام فی مشاکل المجتمعات الاسلامیة ال معاصره	دکتور محمد البهی
العودة الی الاسلام برسم لمنهاج وحل لمشکلات	دکتور محمد سعیدرمضان البوطی
الثورة الاسلامیة عقباتها و مکاسبها	خطب هاشمی رفسنجانی
طاغوت	محمود حکیمی
الحریة و الفکریة ،ادواتها اطرها	رئیس التحریرفکر اسلامی
الحرکة الاسلامیة، هموم و قضایا	آیت الله محمد حسین فضل الله
دورالشعار فی النظریة الاسلامیة	آیت الله سید محمد باقر الحکیم
حدائة الفکر و متانة الطرح	مجله فکر اسلامی

تاریخیة	هانی ادریس،مجله بصائر

علی وزہراء☆

دور آئمه اهل بیتؑ	استاد عادل ادیب
الائمة اثنا عشر	استاد عادل ادیب
علیؑ کیست؟	فضل الله کمیانی
امام علیؑ	محمد رضا الصدر
امام علیؑ	جور جرداق
امام علیؑ	عبد الفتاح المقصود
علی بن ابی طالبؑ	شمس الدین محمد بن الجزری
علی ابن ابی طالبؑ	ابی السحاق الحوینی الاثري
الامام علیؑ	عبد الحمید المهاجر
موسوعة الامام علی ابن ابی طالبؑ	محمد الرشیهري
فضائل امام علیؑ	علامه محمد جواد مغنیه
فضائل علی ابن ابی طالبؑ	الامام احمد بن حنبل
ملامح شخحیة الامام علیؑ	عبد اللرسول الغفار
عبقریة الامام علیؑ	عباس محمود العقاد
حیاة الامام الحسن بن علیؑ	علامه باقر شریف قرشی
ازعاشوراتا غدیر	محمد عسکری
فی رهاب آئمه	آیت الله محمد حسین فضل الله
سوره کوثر جلالت حضرت فاطمهؑ	عباس راسخی نجفی
فاطمه زهراؑ	حسن سعید
فاطمة الزهراءؑ	علامه ابراهیم امینی
فاطمة الزهراءؑ بهجة قلب المصطفی	احمد الرحمانی الهمدانی
حضرت زهراؑ	فضل الله کمپانی
الزهراء عبق الرسالة و عبیر محمدؐ	ام الحسنین
فاطمة الزهراءؑ از ولادت تا شهادت	سید محمد کاظم قزوینی
انما فاطمة الزهراءؑ	ڈاکٹر محمد عبده یمانی
عوالم سیدة النساء فاطمه الزهراؑ	شیخ عبد الله بحرانی الاصفهانی

المصطفیٰ والعترة فاطمة الزهراؑ	حسین شاکری
ماساة الزهراءؑ	سید جعفر مرتضیٰ عاملی
فاطمه الزهراءؑ	آیت الله سید محمد حسین فضل الله
فی رحاب اهل البیت	آیت الله سید محمد حسین فضل الله
بحار الانوار	علامه باقر مجلسی

شخصیت شناسی

الکمیت بن زیدالاسدی بین العقیده والسیاسة	د.علی نجیب عطوی، دارالاضواء طبع ۱۴۰۸ھ
دیوان دعبل بن علی الخزاعی طبع ثانی ۱۴۰۹ھ	عبدالصاحب عمران الدجیلی، منشورات.. الرضی
حافظ الشیرازی شاعر ،العرفان والانسان	مهرجان تکریم الشاعر
جمهرة انساب العرب	ابن حزم
سبائک الذهب	محمد امین بغدادی یاسویدی
مجموعه دیدارِ ابرار	انتشارات انصاریان
گلشن ابرار (۱-۲)	مجموعه پژهشگران حوزهٔ علمیه.نشرمعروف
روض المناظر	محب الدین ابی الولید محمد بن محمد
الاتحاف بحبا لاشراف	شیخ عبد الله بن محمد بن عامر الشبرا وی
عمدة الطالب	جمال الدین احمد بن علی الحسنی
بلوغ الادب (چارجلدیں)	محمودشکرآلوسی
ادب الکتاب (م۳۲۵ھ)	امام ابی بکربن یحیٰ بن عبدالله الصولی
فلسفه العلوم المشکلات المعرفیة الجزء الثانی	الدکتورماهرعبدالقادرمحمدعلی
جهرة خطب العرفب فی عصورالعربیه الزاهرة	الجزء الثالث العصرالعباس الاول
دورالعرب فی الکتشاب العام الجدید	الدکتورفهمی توفیق مقبل
مطارحات فی الفکرالمادیی والفکر الدینی	محمدمهدی شمس الدین
اخبارالغزووالفکریی علی العالم الاسلامی	بحوث حول العقائدالوافدة.الدکتورصابربرطعیمة
اخبارالحمقی والمغفلین	ابی الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن الجوزی
الوقت فی حیاة المسلمه	الدکتوریوسف القرضاوی
تاریخ العلم ودورالعلماء العرب فی تقدمه	الدکتورعبدالخلیم منتصر
مفاتیح العلوم	لابی عبدالله محمد... الخوارزمی الکاتب
قواعدالعرفاء وآداب الشعراء	نظام الدین ترینی قندهاری پوشنجی

تاریخ الادب العربی الادب الجاهلی نقد	السیدجعفرالحسینیی
مقالات فی الادب	علی حسن العبادی محمد المصور الشقحاء
الادب الموجه	سیدالحسن شیرازی
تاریخ الادب العرب (۳جلدیں)	مصطفٰی صادق الرافعی
العملالادبی	سیدالحسن شیرازی
المثل السائرفی ادب الکاتب والشاعر (۲جلد)	ضیاء الدینی نصرالدین ابی الکرم محمد بن عبدالکریم ابن الاثیرالجزری(م۶۳۷)

کتب شناسی

الذریعه الاتصانیف شیعه(۱۔۲۶)	آیة اللّٰہ بزرگ طهرانی دارالاضواء بیر و ت
معجم کتب مولفین سیرت و حیات نبی اعظم محمد مصفطی ریاض العلماء و حیاض الفضلاء	میرزا عبد اللہ آفندی الاصفهانی
روضات الجنات فی احوال العلماء والسادات	میرزا باقر الموسوی خوانساری اصفها نی
نقباء البشر	آیة اللّٰہ بزرگ تهرانی
الکنی والالقاب	الشیخ عباس قمی
معجم رجال فکرِ کربلا	سلمان آل طعمه دارالمحجة البیضاء
معجم رجالِ فکر و ادب نجف	هادی امینی
معجم قبائل العرب	عمر رضا کحاله
نگهبانِ بیدا	سید عباس زاده
تتمة الاعلام للزرکلی	محمد خیر رمضان یوسف
کشف الظنون عن اسامی کتب والفنون	مصطفیٰ قسطنطینی معروف حاجی خلیفه

مصادراردو

قواعداردو	ڈاکٹرمولوی عبدالحق ، لاہوراکیڈمی
لکھنؤ کادبستان شاعری (۲جلدیں)	ڈاکٹرابواللیث صدیقی،غضنفر اکیڈمی پاکستان ۳۰
ایلیٹ کےمضامین	جمیل جالبی،طبع دوم۱۹۷۱ء، رائٹرزبک کلب کراچی
انیس کےمرثیے	ڈاکٹرمسعودرضاخاکی
جدیدمرثیے	حسین اعظمی
کشورقلم	شورش کاشمیری
لہولہوکہکشاں	آغاسیدقمرحسنین جعفری

شاعرحسینیہ قیصر بارہوی کےمرثیے	ڈاکٹرشبیہ الحسن
کعبہ سے کربلاتک	ساحرفیض آبادی
میٹھاپانی	سیدضمیرجعفری
نیااردوافسانہ،انتخاب تجزیےاورمباحث	گوپی چندنارنگ
سوزوساز	محمدسرفرازظفر
جوش ملیح آبادی کےمرثیے	ضمیراخترنقوی
منتخب مراثی انیس	سیدمرتضٰی حسین فاضلؒ
جواہردبیر(مرزا سلامت علی دبیر کے۱۴مرثیے) طبع ۱۹۸۶ء	مرتضی حسین صدرفاضل لکھنویؒ۔شیخ غلام علی اینڈ سنز
اردوکی ادبی تاریخیں	ڈاکٹرگیان چند
قیصربارہوی کی مرثیہ نگاری	محمدہارون قادر
اردومیں انشائیہ نگاری	ڈاکٹربشیرسیفی
تاریخ ادب عربی	احمدزیات
تاریخ ادب اردو(تین جلدیں)	ڈاکٹرجمیل جالبی
شمالی علاقہ جات کالسانی وادبی جائزہ	سید عالم طبع دوم، بزنس فورم اسلام آباد
اقبال برآستانہ شاہ ولایت حضرت علیؑ	انصارحسینی سلیمان عاشق
تحسین اردو طبع اول ۱۹۸۶م۔ایوان ادب لاہور	پروفیسرآسی ضیائی رامپوری،طاہرشادانی،حفیظ الرحمٰن احسن
تکمیل ادب طبع ستمبر ۱۹۸۷ء	میاں مقبول احمد،خالدرسول ظفر بک ایجنسی لاہور
جوش ملیح آبادی شخص اورشاعر	اکرام بریلوی،بزم جوش (کناڈا) باراول ۱۹۹۸ء
میزانِ سخن (باراول ۱۹۸۶)	حمیدعظیم آبادی شیخ شوکت علی اینڈ سنز
پھولوں کے ہارکبھی گلے میں کبھی مزارپر طبع اول ۱۹۸۹ء	سیدزائرحسین زائرزیدی،بی این ہاوس پبلشرزکراچی

مصادر فارسی

سیدحمیری سالارشاعران چاپ۱۴۷۳ش	محمدصحتی سروردی،سازمان تبلیغات اسلامی
کمیت اسدی حدیث حریت	محمدصحتی سروردی
طین عشق (مجموعہ دوم) چاپ سوم	مرتضی وافی،انتشارات فجر ولایت. قم

مصادر عامه

الاعلام (۱۔۵)	خیرالدین الزرکلی
الفرق بین الفرق	ابومنصورعبدالقاہربن طاہربن محمدالبغدادی
فرهنگ اردو۔فارسی	سیدنصراللہ سروش،سیدحیدرشهریارنقوی

أدب الطف اوشعراء الحسینؑ (۱۔۱۰)	حجۃالاسلام والمسلمین جواد شبر دارالمرتضیٰ بیروت
معجم الخطباء (۱۔۱۰) دارالصفوۃ بیروت	حجة الاسلام داخل السید حسن
مشاهیرمشرق	نظامی بدیوانی تخلیقات ۱۹۹۳ء
فرهنگ بزرگان اسلام وایران	آذرتفضلی۔مهین فضائلی جوان
شاهکاراسلامی انسائیکلوپیڈیا (۱۔۲) طبع ہشتم	قاسم محمود، الفیصل تاجران وناشران کتب فیروزسنز
اردوانسائیکلوپیڈیا	طبع چہارم ۲۰۰۵ء
الموسوعة العربیه المیسرهطبع ۱۹۶۵	محمدشفیق غربال احیاء التراث العربی
شرح مراثی سیدبحرالعلوم چاپ اول	علامه مهدی بحرالعلوم انتشارات اسوه
درانتظاروصال نشر ۱۴۱۴ھ۔انصاریان:قم	اثرطبع حاج شیخ علی صافی گلپایگانی
دیوان امام علیؑ طبع الاولیٰ	د/احمداحمدشیتوی دارالغد الجدید العصوره مصر
شعرای اصفهانی شبه قاره طبع ۱۴۱۴ھ	د/ساجد الله تفهیمی مرکز تحقیقات فارسی ایران وپاکستان
مقالات فی الأدب	لجنة النشر. مطبوعات نادی الطائف الأدبی
معجم الاوائل	الدکتور صالح فؤاد السید

فہرستِ مضامین

✿ تمہید	۳	افرادواجتماع پرشعر کے اثرات	۶۰
✿ نثر وشعر میں ترجیح کسے حاصل ہے؟	۱۵	شعروشاعری	۶۱
صناعتِ تلفظ وتکلم	۱۹	شعر ہمولود عشق	۶۱
خطاب دلائل اور براہین سے مرقع ومقرون ہو	۲۲	شعر کا ستون عشق	۶۲
دلائل وبراہین کا شعائر	۲۳	عشق	۶۲
کلام کی اقسام	۲۴	عشق جنونی	۶۳
صناعت کلام	۲۶	عشق درمقابل عقل	۶۳
کیا نثر، تاثیر میں شعر سے زیادہ قوی ہے!	۲۹	عشق بقرآن وسنت میں	۶۵
خطابت ونثر کوئی ہی مصدر ومآخذ افہام وتفہیم ہے	۳۱	عاطفہ حریہ عمل	۶۵
شعر کی تعاریف	۳۷	محبت	۶۶
شعروشعراء	۳۸	عقل اور شریعت	۶۷
شعر، دیوان عرب	۴۰	فصیح وبلیغ خطبوں پر شعر کا برقعہ	۶۸
علم العروض	۴۰	شعروشاعری کوفروغ ملنے کے اسباب وعلل	۶۸
عروض نگاری کے اوزان	۴۲	ادب، غلاف ہے ہمیں مغلوف کو دیکھنا چاہیے	۶۹
نظم	۴۳	خمریات	۶۹
قصیدہ - بیت	۴۴	شعر زینہ تنزل	۷۰
قافیہ اور ردیف	۴۵	شعر توازن امت میں اختلال	۷۰
ڈاکٹر مسعود رضا خاکی اور جدید مرثیے	۴۷	شعراء کی لغزکوئی	۷۱
غزل کا موضوع	۴۹	اسباب غموز معانی	۷۲
آزاد شاعری	۵۰	جدت گرائی	۷۲
شعر کوئی کی اقسام	۵۲	شعر کی قباحتیں	۷۲
محتشم کاشانی	۵۶	شعراء اور قوم پرستی میں کردار	۷۵
شعر ہجاء	۵۷	شعر غلو کا کارخانہ	۷۶
مشاہیر شعرائے ہجو	۵۸	شعروشاعری دوفرزند ارباب اقتدار	۷۷
شعرائے قبل از اسلام۔ شعراء بعد از اسلام	۵۹	✿ شعروشعراء قرآن وسنت میں	۸۱
غالی شعراء	۶۰	ہم نے ان کو شعر نہیں سکھایا نہ ان کیلئے سزاوار ہے	۸۶
شعریٰ یمانی	۶۰	نبی کریمؐ کیلئے شعر کوئی سزاوار نہیں	۸۶

شعراء کی پیروی وہ کرتے ہیں جو بہکے ہوئے ہوں	۸۶	شعراء کے جوائز وانعامات	۱۱۵
تفہیم القرآن	۹۰	۲)دور بنی امیہ	۱۲۱
✿ شعروشعراء از ابتداء تا عصر حاضر	۹۳	شعراء اور بنی امیہ	۱۲۱
تاریخ شعروشاعری	۹۵	ابو مالک اخطل	۱۲۱
شعروشاعری جاہلیت میں	۹۵	اخطل کی ہجونگاری	۱۲۲
مشاہیر شعرائے جاہلیت	۹۶	ابوحزرہ جریر	۱۲۴
شعرائے طبقات اولیٰ	۹۸	جریر کی ہجویہ شاعری	۱۲۶
۱۔امرؤالقیس بن حجر الکندی	۹۸	ہجونگاری میں اخطل فرزدق اور جریر کا مسلک	۱۳۱
۲۔عبید بن الابرص	۱۰۱	۳)دور بنی عباس	۱۳۶
۳۔طرفہ بن عبد بکری	۱۰۱	۱۔مروان بن ابی حفصہ	۱۳۷
۴۔ابواسود عمرو بن کلثوم	۱۰۲	۲۔ابوتمام	۱۳۷
۵۔نابغہ ذبیانی	۱۰۴	حلیہ اور اخلاق	۱۳۷
۶۔حارث بن حلزہ شکری بکری	۱۰۴	ابوتمام کی شاعری	۱۳۸
۷۔عنترہ بن شداد عبسی	۱۰۵	۳۔ابوعبادہ بحتری	۱۳۹
۸۔زہیر بن ابی سلمیٰ المزنی	۱۰۶	اخلاق وعادات	۱۳۹
۹۔اعشی بن قیس علی	۱۰۷	بحتری کی شاعری	۱۴۰
۱۰۔ابوعقیل لبید بن ربیعہ	۱۰۸	۴۔ابوفراس ہمدانی	۱۴۱
لبید کی شاعری	۱۰۹	سیف الدولہ	۱۴۳
دورِ مخضرمین	۱۰۹	آل حمدان	۱۴۳
دور صدر الاسلام وخلفائے راشدینؓ	۱۱۰	ہمدانیوں کا مذہب	۱۴۳
۱۔حاتم طائی	۱۱۰	ابوفراس ہمدانی کی حالات زندگی	۱۴۴
اخلاق وعادات	۱۱۱	اخلاق وعادات	۱۴۴
۲۔عبداللہ بن رواحہ	۱۱۱	ابوفراس کی شاعری	۱۴۴
۳۔امیہ بن ابی صلت بن ابی ربیعہ	۱۱۲	ائمہ طاہرینؑ اور شعروشاعری	۱۴۶
۴۔کعب بن زہیر	۱۱۳	ائمہ طاہرینؑ سے منسوب شعراء	۱۴۹
۵۔کعب بن مالک	۱۱۳	امام علیؑ سے منسوب شعراء	۱۵۰
۶۔کعب بن احسان	۱۱۴	۱۔نجاشی	۱۵۰

۲۔ابوالاسود دوئلی	۱۵۱	شعروشاعری کی قدر و قیمت	۱۸۱
امام حسینؑ سے منسوب شعراء	۱۵۲	شعر گوئی کی فضیلت	۱۸۳
یحیٰی بن حکم	۱۵۲	اہل بیت کے فضائل و مناقب میں شعراء کا کردار	۱۸۳
امام زین العابدینؑ سے منسوب شعراء	۱۵۲	شعراور شعراء کے معیار و میزان	۱۸۳
فرزدق	۱۵۲	شعراء کا دین و ایمان	۱۸۴
فرزدق کی ہجو نگاری	۱۵۲	شیعہ اور دوست دار اہل بیت	۱۸۵
امام سجادؑ اور فرزدق	۱۵۸	اہل بیت کی مدح میں شعر گوئی	۱۸۵
قصیدہ میمیہ فرزدق	۱۶۰	امام حسینؑ کی تعریف اور عزاداری شعراء کی نظر..	۱۸۷
خلفائے بنی امیہ اور امارت حج	۱۶۳	شعر کے چند مراحل	۱۸۸
ہشام اور امارت حج	۱۶۴	شعر اور علیؑ	۱۸۸
امام محمد باقر، جعفر صادق، موسی کاظم اور..	۱۶۵	آل محمدؐ کو ازلیت سے قریب دیکھنا	۱۸۸
کمیت اسدی	۱۶۵	اشعار یا خرافات کا دروازہ	۱۹۲
اخلاق کمیت	۱۶۶	اہل بیتؑ کی شان میں سراہے گئے اشعار	۱۹۳
سید حمیری	۱۶۷	رابطہ شعر با شریعت	۱۹۳
حمیری اور اس کے اشعار	۱۶۸	اشعار ائمہ طاہرین	۱۹۴
منطق فحش	۱۷۵	شعروشاعری سے علم وصنعت کا فروغ	۱۹۵
سید حمیری کی حالت احتضار میں علیؑ کی فضیلت...	۱۷۵	۱۔ابن مالک	۱۹۵
ابونواس	۱۷۶	۲۔منظومات فلسفی حاج باقر سبزواری	۱۹۵
حالات زندگی	۱۷۷	۳۔آیت اللہ شیخ محمد حسین اصفہانی	۱۹۶
ابونواس کا حلیہ اور اخلاق	۱۷۸	۴۔ابن عربی	۱۹۶
شاعری میں ابونواس کا مقام	۱۷۸	شعرائے غلات کے مصادر	۱۹۶
دعبل خزاعی	۱۷۹	۱۔صاحب ''علویات سبع'' ابن ابی الحدید..	۱۹۶
دیوان دعبل	۱۸۰	۲۔صاحب ''شرح زیارت جامعہ'' احسائی	۱۹۹
امام محمد تقیؑ کے شاعر	۱۸۱	۳۔صاحب انوار قدسیہ، آیت اللہ اصفہانی	۲۰۵
حماد	۱۸۱	فقہ میں نظم سازی	۲۰۸
داؤد بن قاسم	۱۸۱	۴۔صاحب 'کسیر العبادات فی اسرار الشہادت'	۲۰۹
امام حسن عسکریؑ کے شاعر، ابن رومی	۱۸۱	۵۔خطبۃ البیان	۲۱۰

۶۔خطبۃ المنبریہ	۲۱۱	مثنوی جلال الدین رومی	۲۳۴
۷۔مقتل مقام	۲۱۱	جلال الدین اور موسیقی	۲۳۵
۸۔محمد محمدی مازندرانی	۲۱۱	غناء	۲۳۶
۹۔ملا کاشفی	۲۱۱	فردوسی	۲۳۶
مخلص اور اخلاص کی چھت	۲۱۴	شاہنامہ فردوسی	۲۳۸
شعرائے ملحدین	۲۱۴	فردوسی اور قوم پرستی	۲۴۰
۱۔بشار بن برد	۲۱۴	حافظ شیرازی	۲۴۱
بشار کا حلیہ اور مزاج	۲۱۵	مولانا رومی، فردوسی، حافظ کے اشعار میں....	۲۴۲
متنبی	۲۱۷	شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی	۲۴۳
متنبی کی حالات زندگی	۲۱۷	برصغیر پاک وہند کے شعراء	۲۴۵
متنبی کی شاعری	۲۲۰	اردو	۲۴۶
ابو العلاء معری	۲۲۲	ہمایوں شاہ	۲۴۶
دار الروایہ	۲۲۵	اردو زبان کے پھلنے کے اسباب	۲۴۸
روایت وروات	۲۲۶	برصغیر میں شعروشاعری	۲۴۹
حماد الروایہ	۲۲۷	میرزا اسد اللہ خاں غالب	۲۵۰
شعراء کی تحریک تجدید	۲۲۸	برصغیر کے شعراء کے مضامین ۱۔انسانیت	۲۵۱
شعراء کا مزاج	۲۲۸	۲۔ابتذال	۲۵۲
شعراء کا ماحول	۲۲۸	۳۔صنعت گری	۲۵۲
انساب شعراء	۲۲۹	۴۔خمریات۔ریاض خیر آبادی	۲۵۴
عشق، اشعار کا نسب	۲۲۹	مذہبی شاعری	۲۵۵
شعر میں جعلیات	۲۳۰	نواب	۲۵۷
شعر میں جعل سازی	۲۳۱	اودھ	۲۵۸
شعر میں جعلیات	۲۳۲	لکھنؤ	۲۵۸
شعرائے فارسی	۲۳۳	شعرائے اودھ	۲۵۸
شمس تبریزی	۲۳۳	اودھ کے حکمرانوں کی شاعری	۲۵۸
مولانا رومی	۲۳۳	نواب آصف الدولہ	۲۵۹
مثنوی	۲۳۴	نواب سعادت علی خان	۲۵۹

نواب غازی الدین حیدر	۲۶۰	غلام مہدی مرغوب	۲۹۳
نواب علی شاہ	۲۶۱	بلتستان کے مذہبی شعراء	۲۹۴
نواب نصیر الدین حیدر	۲۶۱	سید شاہ عباس	۲۹۴
بادشاہ بیگم	۲۶۱	ا۔تعلیم وتربیت	۲۹۵
اردو شاعری محرکات اور رجحانات	۲۶۳	اقتصادی گزراوقات	۲۹۶
شعروشعراء سے متعلق چند قابل توجہ نکات	۲۶۴	حملہ حیدری کیسی کتاب ہے؟	۲۹۷
مرثیے کا دور زرین	۲۶۶	بواشاہ عباس اوران کے قصائد	۲۹۸
مرثیوں کے تراشے	۲۶۶	ملک الشعراء	۳۰۰
لکھنؤ میں مرثیہ گوئی	۲۶۷	گلدستۂ عباس	۳۰۰
بعض مراثی سراء اور نوحہ گران کی شرح احوال	۲۶۷	محمد وآل محمدؐ کا خلقت کائنات سے پہلے ہونا	۳۰۱
میر تقی میر	۲۶۷	مذہب تناسخ	۳۰۵
میر ببر علی انیس	۲۶۸	✿ مصادر شعروشعراء	۳۲۳
میر انیس اور مرزا دبیر کا موازنہ	۲۶۹	اسلام میں شعروشاعری کی قدر وقیمت	۳۲۵
دبیر	۲۷۱	مصادر ومؤاخذ شعروشعراء	۳۲۵
دبیر کا شاہی دربار میں مقام	۲۷۱	ا۔آغانی	۳۲۷
مبالغہ آرائی	۲۷۵	۲۔معجم الادباء	۳۲۹
انتخاب کلام بواشاہ عباس موسوی	۲۷۹	۳۔شعروشعراء	۳۲۹
علامہ اقبال	۲۸۱	۴۔اکسیر العبادات فی اسرار الشہادت	۳۳۰
بائے بسم اللہ	۲۸۴	۵۔اعیان الشیعہ	۳۳۰
ذبح عظیم	۲۸۴	۶۔ادب الطف او شعراء الحسینی	۳۳۱
سورج پلٹنا۔بوتراب	۲۸۵	۷۔تاریخ ادب عربی	۳۳۱
قیصر بارہوی	۲۸۶	۸۔دائرۃ المعارف اسلامی الشیعہ	۳۳۱
خوابوں کی تعبیر	۲۸۷	فارسی مصادر	۳۳۲
شبیر حسن خان، جوش ملیح آبادی	۲۸۹	مفاتیح الجنان۔منتہی الآمال	۳۳۲
بلتستان میں شعروشاعری	۲۹۱	شیخ عباس قمیؒ	۳۳۲
راجہ محمد علی شاہ	۲۹۲	اردو مصادر	۳۳۴
راجہ حسین علی محبّ	۲۹۳	فصل نامۂ دانش	۳۳۴

تاریخ ادب اردو	۳۳۶	الامامہ السیاسہ	۳۴۲
لکھنؤ کا دبستان شاعری	۳۳۶	سلیم بن قیس ہلالی کی کتاب	۳۴۲
جواہر دبیر اور دیوان میر انیس	۳۳۶	مصادر شعراء	۳۴۸
مصادر روائی شعروشعراء	۳۳۹	شعراء کی اصطلاحات	۳۵۰
تفسیر امام حسن عسکریؑ	۳۳۹	مصادر ومؤاخذ کتاب	۳۵۲
روضة فی الفضائل والمعجزه	۳۴۱	فہرستِ مضامین	۳۶۷
دشمنی خلفاء سے متعلق شعروشعراء کے مصادر	۳۴۱	ہماری نگارشات پر خطِ سرخ	۳۷۳

شعروشعراء کا مقام

کہا جاتا ہے، اسلام کے فروغ واشاعت میں شعروشعراء کا بہت کردار ہے۔لیکن یہ بات کہاں تک حقیقت وواقعیت سے مطابقت رکھتی ہے؟ یہ جاننے کیلئے اہل ادب، قرآن کریم، سنتِ رسولؐ، سیرتِ اصحاب کرامؓ، آئمہ طاہرینؑ اور خود شعراء کے اقوال وکردار کے آئینے میں شعروشعراء کا تعارف دیکھنا اور سمجھنا ضروری ہے۔اسی ہدف کے تحت بین دفتین قلیل وناچیز کاوش کی ہے۔

پوری اُمتِ مسلمہ اس بات پر متفق ہے کہ ہم تک جتنا دین اسلام پہنچا ہے وہ قرآن وسنتِ پیغمبرؐ ہے، یہ دونوں اسلام کے محک وترازو ہیں ان دوسانچوں سے گذرے بغیر کوئی بھی چیز قابل قبول نہیں، بلکہ مستند حدیث کے تحت مردود ہے یہاں سے شعروشعراء کے مقام کو ان دوسانچوں سے گذارنے کی ضرورت ہے۔قرآن شعر نہیں: ﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ﴾ ''اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں۔'' (حاقہ ۴۱) اور نہ شاعری نبیؐ کو زیب دیتی ہے: ﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ﴾ ''نہ تو ہم نے اس پیغمبر کو شعر سکھائے اور نہ یہ اس کے لائق ہے۔'' (یٰسین ۶۹)

نبی اسلامؐ سے مروی ہے: ''تم میں سے کسی شخص کا خول پیپ سے بھر جانا اس سے زیادہ بہتر ہے کہ وہ شعر سے بھرے۔'' میزان الحکمہ میں امام باقرؑ سے منقول ہے: ''شعراء وہ قوم ہے جس نے بے غیر علم تفقہ کیا گمراہ ہوئی اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا، شعراء مدح کرنے میں بخیل اور ہجو کرنے میں سخی ہیں۔''

علمائے ادب کے نزدیک ''بہترین شعر وہ ہے جس میں زیادہ جھوٹ ہو۔'' سوچنے کا مقام ہے! ہر امام کیلئے خاص شاعر جعل کرنا یا خود ائمہؑ کو شاعر متعارف کرنا اور شعروشعراء کو نثر وخطباء پر زیادہ فضیلت وترجیح دینا اور شعراء کو مومن وغاوی میں تقسیم کرنا قرآن وسنت سے متصادم ومنافی ہے۔یہ کاوش اسی حقیقت کو منکشف کرنے کیلئے معاون اور مددگار ثابت ہوگی۔انشاءاللہ تعالی۔

خداوند متعال نے شعراء کے اقوال وکردار کو سیاہ وگمراہ کن اور گمراہوں کی پیروی کرنے والے، ہر وادی میں بھٹکنے والے اور بزموں میں شرکت کرنے والے اور قول وفعل کی مطابقت سے خالی متعارف کیا ہے: ﴿أَلَمْ تَرَى أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ﴾ ''کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ شاعر ایک ایک بیابان میں سر ٹکراتے پھرتے ہیں۔اور وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔'' (شعراء) باعث تعجب ہے کہ خالص جھوٹ سے کیسے اسلام کی اشاعت ہوگی؟

خداوندِ عالم نے قرآن حکیم کو شعروشاعری سے پاک اور شاعری کو پیغمبرؐ کی شان کے خلاف متعارف کیا ہے۔